عہدِ لارڈ ماؤنٹ بیٹن

برطانوی ہند کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہندوستانی لیڈروں سے سیاسی "مذاکرات" اور ہندوستان کے سیاسی جوڑ توڑ کے وہ راز جس سے عوام تو کیا بڑے بڑے سیاسی لیڈر بھی پوری طرح واقف نہیں۔

یہ کتاب تقسیم ہند کی مستند ترین داستان، اور تاریخ ماضی قریب کا اہم ترین باب ہے۔ جو نہ صرف بے انتہا دلچسپ ہے۔ بلکہ عبرت انگیز بھی! اس کے مطالعہ سے آپ پر بہت سی وہ حقیقتیں کھل جائیں گی جن پر آج تک سیاست گری کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

مصنفہ
کیمبل جانسن

مترجمہ
یونس احمر ایم، اے

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ــــــــــ کراچی (پاکستان)
قیمت :ــــــ بارہ روپے

طبع اوّل ——————— ستمبر ۱۹۶۲ء

مطبوعہ
انٹرنیشنل پریس کراچی

فہرست

اہم شخصیات

میری ڈائریوں میں ڈھائی سو سے زائد اہم اور ممتاز شخصیتوں کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کا ذکر توضمناً آگیا ہے۔ لیکن بہتوں کا ذکر ناگزیر تھا۔ آزادی کے بعد بیشتر لیڈروں اور سرکاری افسروں کے فرائض اور ذمہ داریاں یا توقطعی بدل گئیں یا وہ ان سے کلیتہً سبک دوش ہو گئے۔ ذیل میں جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے ان کا ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے اور بعد کا سرکاری مرتبہ بھی درج کردیا گیا ہے۔ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھیئے کہ C.O.H.Q اور S.E.A.C کا مطلب ہے

COMBINED OPERATIONS HEADQUARTERS

SOUTH EAST ASIA COMMAND ——— اور

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی یہ دونوں اہم جنگی کمانیں تھیں۔

عبداللہ، شیخ۔ ریاست کشمیر میں نیشنل کانفرنس پارٹی کے لیڈر۔ ہندوستان میں الحاق کے بعد مہاراجہ آف کشمیر نے اُن کو وزیراعظم مقرر کیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ میں ہندوستانی وفد کے ایک رکن بھی تھے۔	ABDULLAH, SHEIKH,
ایبل، جی۔ای۔بی (بعدہٗ سرجارج) وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری۔	ABELL G.E.B. LATE SIR GEORGE)
میر لائق علی۔ نومبر ۱۹۴۷ء سے نظام کی کونسل کے صدر	MIR LAIK ALI
امرت کور۔ راج کماری۔ مہاتما گاندھی کی سکریٹری	AMRIT KAUR, Rajkumari,

	حکومتِ ہند کی پہلی وزیر صحت ۔
AUCHINLECK, Field Marshall Sir Claude,	اوکنلک ۔فیلڈ مارشل سر کلوڈ ۔ ۱۵ اگست تک ہندوستان میں کمانڈر انچیف کی حیثیت سے رہے پھر ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء تک افواج ہند کی تقسیم کے سلسلے میں سپریم کمانڈر رہے۔
AYYENGER, Gopalaswami,	آئینگر۔ گوپال سوامی ۔حکومت ہند کے وزیر بے قلمدان وزارت ۔جنوری ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ میں ہندوستانی وفد کے رکن بھی تھے ۔
BALDEV SINGH, Sardar,	بلدیو سنگھ، سردار ۔سکھ لیڈر ۔عبوری حکومت میں دفاع کے رکن رہے پھر حکومت ہند میں اول وزیر دفاع مقرر ہوئے ۔
BHABHA, C.H.,	بھابھا، سی ایچ ۔عبوری حکومت میں بجلی اور کان کے رکن، پھر حکومت ہند میں وزیر تجارت مقرر ہوئے ۔
BHOPAL, The Nawab of,	بھوپال، دی نواب آف۔ ریاست بھوپال کے حکمران مئی ۱۹۴۷ء تک چیمبر آف پرنسس کے چانسلر۔
BIKANER, The Maharaja of,	بیکانیر، دی مہاراجہ آف، ریاست بیکانیر کے حکمران
BRABOURNE, Lord and Lady,	بیرابورن، لارڈ اور لیڈی ۔اول ایڈکونٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما کے داماد اور بڑی صاحبزادی۔
BROCKMAN, Captain (S) R.V., R.N.,	بروکمین ۔کیپٹن (ایس) آر ۔ وی ۔ آر ۔این

	وائسرائے کے پرسنل سکریٹری پھر ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء سے گورنر جنرل آف انڈیا کے پرائیویٹ سکریٹری۔
CHHATARI, The Nawab of,	چھتاری۔ دی نواب آف۔ مئی ۱۹۴۷ء سے نومبر ۱۹۴۷ء تک نظام کی کونسل کے صدر۔
ERSKINE CRUM,	ارسکن کرم، لفٹیننٹ کرنل وی۔ ایف۔ وائسرائے اور گورنر جنرل آف انڈیا کی کانفرنس کے سکریٹری۔
GANDHI, Mahatma	گاندھی۔ مہاتما۔ قوم کے باپو۔
GANDHI, Devdas,	گاندھی۔ دیوداس، ہندوستان ٹائمز کے مینجنگ ایڈیٹر اور گاندھی کے صاحبزادے
HYDERABAD, The Nizam of,	حیدرآباد۔ دی نظام آف، ریاست حیدرآباد کے حکمراں۔
ISMAY, LORD,	اسمے، لارڈ۔ وائسرائے کے اسٹاف کے سربراہ اور پھر دسمبر ۱۹۴۷ء تک گورنر جنرل ہند کے اسٹاف میں رہے
JINNAH, Mohammad Ali (Quaid-e-Azam)	جناح، محمد علی (قائداعظم)، آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر اور مملکت پاکستان کے اول گورنر جنرل۔
KASHMIR, The Maharaja of,	کشمیر۔ دی مہاراجہ آف۔ ریاست جموں و کشمیر کے حکمراں۔
KRIPALANI, Achayya J.B.,	کرپلانی آچاریہ جے۔ بی۔ صدر کانگریس
LIAQUAT ALI KHAN,	لیاقت علی خاں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری، عارضی حکومت میں رکن

	مالیات اور مملکت پاکستان کے اول وزیر اعظم۔
LOCKHART, Lieutenant-General Sir Rob,	لوکہارٹ۔ لفٹیننٹ جنرل سر روب۔ جنرل افیسر کمانڈنگ چیف، جنوبی انڈیا جون سے ۱۵ر اگست سنہ ۱۹۴۷ء تک صوبہ سرحد کے گورنر، کمانڈر انچیف افواج ہند ۱۵ر اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے جنوری سنہ ۱۹۴۸ء تک۔
MATTHAI, Dr. John,	متھائی، ڈاکٹر عارضی حکومت میں رکن ریلوے اور حکومت ہند میں بھی وزیر ریلوے
MENON, V.K. Krishna,	مینن۔ وی کے کرشنا۔ اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے انگلستان میں ہائی کمشنر برائے ہند۔
MENON, V.P.,	مینن۔ وی۔ پی۔ وائسرائے کے ریفارمس کمشنر اور جولائی سنہ ۱۹۴۷ء سے حکومت ہند کے محکمہ ریاست کے سکریٹری۔
MIEVILLE, Sir Eric,	میویل۔ سر ایرک۔ وائسرائے کے پرنسپل سکریٹری۔
MOHAMMAD ALI,	محمد علی۔ حکومت ہند کے محکمہ مالیات میں مالی مشیر۔ پارٹیشن کونسل کی اسٹیرنگ کمیٹی کے رکن اور مملکت پاکستان کے سکریٹری جنرل۔
MONCKTON, Sir Walter,	مونکٹن۔ سر والٹر۔ نظام حیدرآباد کے آئینی مشیر۔
MOUNTBATTEN OF BURMA,	ماؤنٹ بیٹن آف برما۔ ایر ایڈمیرل دی وائی کاؤنٹ۔ اگست سنہ ۱۹۴۷ء میں اول

کا خطاب ملا) ۲۲ر مارچ سے ۱۴ر اگست ۱۹۴۸ء تک آخری وائسرائے ہند ۱۵ر اگست سے ۲۱ر جون ۱۹۴۸ء تک حکومتِ ہند کے اول گورنر جنرل۔

MOUNTBATTEN OF BURMA, Countess,

ماؤنٹ بیٹن آف برما، کاؤنٹس۔ آخری وائسرائے اور اول گورنر جنرل ہند کی بیوی

MOUNTBATTEN, the Lady Pamela,

ماؤنٹ بیٹن۔ دی لیڈی پامیلا۔ اول اور کاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما کی چھوٹی صاحبزادی۔

MUNSHI, K.M.,

منشی، کے ایم۔ دسمبر ۱۹۴۷ء سے حیدر آباد میں ہندوستان کے ایجنٹ جنرل۔

NEHRU, Pandit Jawaharlal,

نہرو۔ پنڈت جواہر لال، عارضی حکومت میں امورِ خارجہ اور تعلقات دولتِ مشترکہ کے رکن، عارضی حکومت کے نائب صدر اور حکومتِ ہند کے وزیرِ اعظم

NICHOLS, Commander (S) G.H.,R.N.,

نکلسن، کمانڈر (ایس) جی ایچ، آر۔ این۔ وائسرائے کے ڈپٹی پرسنل سکریٹری اور ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے گورنر جنرل ہند کے ڈپٹی پرائیویٹ سکریٹری۔

NISHTAR, Sardar Abdur Rab,

نشتر۔ سردار عبدالرب۔ عارضی حکومت میں رکن مواصلات اور مملکت پاکستان میں وزیر مواصلات و ریاست۔

PATEL, H.M.,

پاٹل۔ ایچ ایم۔ کابینہ ہند کے سکریٹری اور پارٹیشن کونسل کی اسٹیرنگ کمیٹی کے رکن۔

PATEL, Sardar Vallabbhai,

پٹیل۔ سردار ولبھ بھائی۔ عارضی حکومت میں

	رکن امورداخلہ واطلاعات ونشریات اور جولائی ۱۹۴۷ء سے رکن برائے ریاست۔ حکومت ہند میں نائب وزیراعظم
PATIALA, Maharaja of,	پٹیالہ:۔ مہاراجہ آف، ریاست پٹیالہ کے حکمراں اور مئی سے اگست ۱۹۴۷ء تک چیمبر آف پرنسس کے آخری چانسلر۔
PARSHAD, Dr. Rajendra,	پرشاد۔ ڈاکٹر راجندر۔ عارضی حکومت میں خوراک وزراعت کے رکن اور دستور ساز اسمبلی کے صدر۔
Rajagopalacharia Chakravarti,	راج گوپال اچاریہ، چکرورتی۔ عارضی حکومت میں صنعت وسپلائز کے رکن، ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کے بعد بنگال کے گورنر اور ۲۱ر جون ۱۹۴۸ء کے بعد حکومت ہند کے اول ہندوستانی گورنر جنرل
REES, Major-General T.W.,	ریس، میجر جنرل ٹی ڈبلیو۔ جولائی سے ستمبر ۱۹۴۷ء تک پنجاب حد بندی فورس کے کمانڈر اور ستمبر سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک گورنر جنرل (ہند) کے ملٹری ایمرجنسی اسٹاف کے سربراہ
SCOTT, I.D.,	اسکاٹ۔ آئی، ڈی۔ وائسرائے کے ڈپٹی سکریٹری (ڈی۔ پی۔ ایس۔ وی)
TRIVEDI, Sir Chandulal,	ترویدی۔ مسٹر چندولال، اڑیسہ کے گورنر اور ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے گورنر مشرقی پنجاب۔

تقسیمِ ہند کے ناقابلِ فراموش حقائق

(از چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری)

یہ کتاب اس عہد کے حالات پر مشتمل ہے، جب ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا، جب ہندوستان تقسیم ہو چکا تھا، جب ہندوستان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی! جب مسلمان قوم کے بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت، بیمار اور بچے صرف اس جرم میں قتل کئے جا رہے تھے کہ وہ مسلمان تھے —— روم جل رہا تھا، اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔

عہد ماؤنٹ بیٹن پر مشتمل یہ کتاب، اپنے اندر بہت سے نکات و لطائف رکھتی ہے، یہ ایک مخصوص نقطۂ نظر کے ماتحت لکھی گئی ہے، کتاب کا ہیرو، اور اس ہیرو کا وقائع نگار دونوں کو مسلمانوں سے عموماً، اور قائد اعظم سے خصوصاً کد ہے، اس طرح کی جھلکیاں آپ کو کتاب میں جا بجا ملیں گی، لیکن ان کوتاہیوں کے باوجود اس میں ایسے بہت سے اہم واقعات ہیں جو اس کتاب کے سوا، اور کہیں نہیں مل سکتے، یہ پردہ کوئی محرم راز اور واقف اسرار ہی اٹھا سکتا تھا، اور اسی نے اٹھایا، بلاشبہ یہ کتاب تاریخ نہیں ہے، لیکن آج کے اور مستقبل کے لکھنے والوں کے لئے ایک ایسا تاریخی ماخذ ضرور ہے جسے کبھی اور کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا — کاش اس طرح کی کوئی کتاب میں کسی مسلمان کی بھی شائع کر سکتا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی، اور ہندوستان کی آزادی تاریخ عالم کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے، اس تاریخ کے بنانے میں مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ ہے، لیکن لکھنے والوں میں نہیں، اور یہ بے انتہا افسوس ناک اور تکلیف دہ بات ہے۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو سیاسی شعور سے آشنا کیا۔ انھوں نے اس ملک کو اغیار کے تسلط سے آزاد کرانے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی، اُنہوں نے میدان میں قدم نہ رکھا ہوتا تو کانگریس، کانگریس نہ ہوتی، گاندھی جی، مہاتما نہ بنتے، اور انگریز بدستور اس ملک پر حکمراں رہتے۔

پھر عین اس وقت جب منزلِ آزادی قریب آ رہی تھی، ہندوؤں کی تنگ نظری، ہٹ

دھرمی اور سب کچھ لے لینے ، اور مسلمانوں کو یک سر نظر انداز کر دینے کی ہوس نے مسلم لیگ کو حیات نو بخشی ، قائد اعظم نے پاکستان کا نعرہ لگایا ، اور مسلمانانِ ہند نے اس نعرہ کو جزو ایمان بنا لیا۔

جو اکثریت ، مسلمانوں کو مرکز میں ۳۳ فی صد نشستیں دینے پر بھی رضامند نہیں تھی ، جو انھیں پاسنگ کی رعایت سے محروم کرنے پر تُلی ہوئی تھی ، جو سرکاری ملازمتوں میں تناسب آبادی کے لحاظ سے ان کے حقوق کا تعین کرنے سے انکار کر چکی تھی ، جو ان کی انفرادیت اور قومی وحدت کو کسی قیمت پر بھی تسلیم کرنے پر تیار نہ تھی ۔ جو ان میں تفرقہ پیدا کر کے حصولِ مقصد کے لئے تُلی بیٹھی تھی ، وہ بھلا اس پر کیونکر تیار ہو سکتی تھی ، کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے ایک آزاد اور خود مختار مسلم مملکت کی بنیاد رکھ دی جائے ۔ جو مسلمان اب تک اُس کے رحم و کرم پر تھے ۔ وہ ایک آزاد اور خود مختار مملکت کے بانی بن جائیں ۔

چنانچہ پاکستان کے خلاف ایک محاذ بنا ، کانگریس نے اور دوسری ہندو جماعتوں نے باہمی اختلافات کے باوجود متحد ہو کر قیامِ پاکستان کی مخالفت کی ، ان سب کے مقابلہ میں تنِ تنہا وہ نہتا ، اور من چلا حریف تھا جسے مسلمان فرطِ عقیدت سے قائدِ اعظم کہتے تھے ، اور غیر مسلموں کے حلقہ میں اُسے غدار اور وطن دشمن کے نام سے یاد کیا جاتا تھا !

اور بالآخر پاکستان بن گیا !

آزادی ہند اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں اب تک ہندو اور انگریز اہلِ قلم لکھ چکے ہیں ، اور لکھ رہے ہیں ، ظاہر ہے جو لوگ قیام پاکستان کے مخالف تھے وہ پاکستان کے وجود کے بھی مخالف ہیں اُنھوں نے جو کچھ لکھا اور لکھ رہے ہیں ۔ اس میں ان کا یہ نقطۂ نظر صاف طور پر جھلک رہا ہے ۔

قائد اعظم قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد انتقال کر گئے ، کچھ عرصہ بعد قائدِ ملت لیاقت علی خاں شہید ہو گئے ،

لیکن خدا کے فضل سے ابھی کچھ لوگ ایسے زندہ ہیں جنھوں نے قائد اعظم کے دوش بدوش کام کیا ہے ۔ یہ لوگ اگر اپنے مشاہدات و تاثرات کتابی صورت میں قلم بند کریں تو وہ یقیناً مستقبل کے مورخ کے لئے بہترین ماخذ کا کام دے گا ۔

تقسیمِ ہند کا خوں چکاں پس منظر

(از رئیس احمد جعفری)

متحدہ ہندوستان پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی، انگریزوں نے ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت تک، مسلمانوں نے جنگ کے میدان میں بزورِ قوت ہندوستان کو زیرِ نگیں بنایا۔ انگریز تاجر کے بھیس میں آئے اور مکر و فریب کے بل پر فرماں روا بن گئے۔ مسلمانوں نے "سرکش باغی" اور احسان فراموش والیانِ ریاست کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اُن کی ریاستیں اُنھیں واپس کر دیں، انگریزوں نے ہندوستان کے آخری بادشاہ پر بغاوت کا مقدمہ چلا کر ستم ظریفی اور دیدہ دلیری کی انتہا کر دی — اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے۔

مسلمانوں نے اپنے طویل عہدِ فتوحات و کشور کشائی میں مفتوح قوم کے ساتھ "عالی ظرفی، فراخ حوصلگی" اور رواداری کا ایسا برتاؤ کیا کہ فاتح اور مفتوح میں کوئی امتیاز نہ رہا، وزارت سے لے کر سپہ سالاری افواج تک مناصب بلند ہندوؤں کو سونپے، کسی قوم کو ہدفِ انتقام نہ بنایا، انگریزوں میں نہ عالی ظرفی تھی، نہ فراخ حوصلگی، نہ رواداری، اُن کا سینہ آتشِ انتقام سے انگیٹھی کی طرح دہک رہا تھا، اُنھوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی، اور اُنھیں کچل دینے کا تہیہ کر لیا۔ ان کی ریاستیں ضبط کر لیں۔ والیانِ ریاست کو پھانسی پر چڑھا دیا، علماء کی گردنیں کاٹیں، اعیانِ شرافت کو ذلیل کیا، اُن کی جاگیریں چھینیں، اُن کی حویلیوں کو لوٹا، عوام تک کے مکانات، باغات اور کھیتوں پر ہل چلا دیا۔ غرض شہریارِ کج کلاہ کو چھوڑا نہ فقیرِ بوریہ نشین کو — تم نے لوٹی کشتِ دہقاں، تم نے لوٹے تخت و تاج!

مسلمانوں نے پشاور پر قبضہ کیا، لاہور پر قبضہ کیا، دہلی پر قبضہ کیا، دلو گیرے پر قبضہ کیا۔ لیکن عوام کو نہ ستایا، نہ لوٹا، نہ بے آبرو کیا —— بلکہ —— باغیوں کو معافی کا پروانہ عطا کیا، انگریزوں نے جب غدر کے بعد دِلّی پر قبضہ کیا تو اس شان سے، کہ بقول ذکاءاللہ مسلمانوں کے محلّے اس طرح اجاڑ دیئے کہ اعلیٰ نسل کے پرندوں تک کی نسلیں تباہ ہوگئیں اور بقول مولوی بشیرالدین احمد کے ان کی لاکھوں روپیہ کی حویلیاں کوڑیوں کے مول نیلام کر دیں اور بقول مسٹر ہنٹر کے جو انگریز بھی تھا، اور آئی سی۔ ایس بھی اُن کا سب کچھ لوٹ لیا۔

مسلمانوں نے اس دیس پر قبضہ کرنے کے بعد یہیں وطن بنا لیا، اور یہیں کے ہو رہے۔ یہیں جئے اور یہیں مرے، یہاں انھوں نے باغات لگائے، نہریں جاری کیں، عالی شکوہ ایوان و قصور تعمیر کئے، ناقابل تسخیر قلعے بنائے، تاج محل، سیکری، اور سکندر آباد وغیرہ جیسی یادگاریں قائم کر گئے، انگریزوں نے اس ملک کو کبھی اپنا ملک نہ سمجھا، وہ "کنٹریکٹ" پر آتے تھے، اور مدت معینہ کے بعد مال و زر سے لدے پھندے اپنے وطن واپس لوٹ جاتے تھے، وہ یہاں زندگی کی بہار لوٹنے آتے تھے، موت سے ہمکنار ہونے نہیں۔

مسلمانوں نے کسی قوم کو ہدف انتقام نہیں بنایا، سب کے ساتھ رواداری کا برتاؤ رکھا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو تختۂ مشق ستم بنا لیا، کوئی ظلم ایسا نہ تھا، جو روا نہ رکھا ہو، انھوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، ان کی معیشت کے اسباب چھین لیے، اُن کی روزی کے دروازے بند کر دیئے، انھیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے لئے زندہ رہنے پر مجبور کیا۔

مسلمانوں نے تاریخ ہند میں سب سے پہلے اس ملک کو ایک مرکز کا تابع بنایا، اور متحدہ ہندوستان کی تشکیل کی، انھوں نے قومی یک جہتی، ہندو مسلم اتحاد، اور قومیت متحدہ کی طرف سب سے پہلے عملی قدم اٹھایا، انھوں نے جب اس سرزمین پر قدم رکھا تھا تو اُن کی زبان عربی تھی یا فارسی، لیکن وہ رضاکارانہ طور پر ان دونوں زبانوں سے دست بردار ہو گئے۔ ایک نئی زبان کی تشکیل ہندوؤں کے تعاون سے کی، جو ہندوستانی اور اردو کے نام سے معروف ہوئی، یہ زبان صرف ایک نطق و کلام کا ذریعہ نہ تھی، ہندو مسلم تہذیب و تمدن کی ترجمان تھی، انھوں نے ہندوؤں سے کٹتے چھوڑایا تو خود بھی السلام علیکم ترک کر دیا، اور "آداب عرض" "تسلیمات" "کورنش" کے الفاظ استعمال کرنے لگے، جن میں ہندو مسلم تہذیب سموئی ہوئی تھی، انھوں نے ہندوؤں کو دھوتی چھوڑنے پر اکسایا، تو خود بھی عبا، قبا سے دست بردار ہو گئے، انگرکھا، چوڑی دار پاجامہ، اور غرارہ دار پاجامہ کو رواج دیا، جو آج بھی ہندو مسلم تہذیب کا ایک غیر منفک جزو ہے، انگریز یہاں انگریزی بولتے آئے تھے، اور انگریزی بولتے رخصت ہوئے، اور جب تک رہے اسی زبان کو مسلط رکھا، وہ کوٹ پتلون پہن کر اس دیس میں وارد ہوئے تھے، یہی لباس پہن کر واپس گئے، اور جب تک رہے، اسی لباس کو سرکاری اور نیم سرکاری لباس بنائے رکھا، وہی تھے جنھوں نے قومی یک جہتی، ہندو مسلم اتحاد، اور قومیت متحدہ پر پیہم اور مسلسل ضربیں لگائیں، انھوں نے اُردو کے مقابلہ میں ہندی کو کھڑا کیا، حالانکہ اسی زبان کا کوئی رواج نہ تھا، تمام ہند و ریاستوں تک میں سرکاری زبان

اردو ہی تھی، اور سارا دفتری، عدالتی، اور درباری کام اردو ہی میں سرانجام پاتا تھا، وہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے ہندؤں کو یہ باور کرایا کہ تم اکثریت میں ہو، اور جمہوریت نام ہے اکثریت کی حکومت کا، لہٰذا ہندوستان جب بھی آزاد ہوگا، بلا شرکت غیرے تم ہی اس کے مالک ہوگے، اور مسلمانوں کو یہ کہکر ڈرایا کہ تم ایک حقیر، پس ماندہ، اور غیر موثر اقلیت ہو، آزاد اور جمہوری ہندوستان میں تمھاری حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہ ہوگی۔

اس ترغیب اور ترہیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو مسلم فسادات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا، اور ہندوستان کی آزادی کے وقت نقطہ عروج پر پہنچ گیا، وہی تھے جنھوں نے عین اس وقت جب مسلمان سیاسی شعور سے بہرہ ور ہوئے، اور انھوں نے علی برادران وغیرہ کی قیادت میں تحریک خلافت جیسی طوفان بدوش، زلزلہ آفریں، اور قیامت خیز تحریک کا آغاز کیا، اور کانگریس میں خلافت کی تحریک نے نئی روح پھونکی، اور گاندھی جی کے سر پر مہاتمائیت کا تاج رکھا، اور ہندو مسلم اتحاد کے جوش میں یہاں تک بڑھ گئے کہ دلی کی جامع مسجد میں سوامی شردھانند کا "وعظ" کرادیا، اور آسے بڑے شوق اور عقیدت سے سنا تو افغانستان کا ہوا لا کھڑا کیا ......

اور کہا کہ مسلمان افغانستان کی مدد سے سارے ہندوستان پر قبضہ کریں گے، اور تمھیں پھر ایک نئے محمود غزنوی ایک نئے شہاب الدین غوری، ایک نئے علاء الدین خلجی، اور ایک نئے بابر سے سابقہ پڑے گا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پنڈت مدن موہن مالوی، اور شردھانند نے "شدھی" اور "سنگٹھن" کی تحریک شروع کردی، جس کا مقصد مسلمانوں کو معذور بنانا، اور ہندؤں کو مضبوط بنانا تھا، پھر غلام بھیک نیرنگ، ڈاکٹر کچلو، اور خواجہ حسن نظامی نے تبلیغ و تنظیم کی جوابی تحریک شروع کردی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو مسلم اتحاد ایک قصۂ پارینہ بن گیا، اور دونوں قوموں میں ناقابل عبور خلیج پیدا ہوگئی، کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر بھی اس طوفان میں بہہ گئے، کسی میں حتیٰ کہ گاندھی جی تک میں ہمت نہ تھی کہ اس طوفان کا مقابلہ کرتا، صرف محمد علی شوکت علی اتحاد اتحاد کا نعرہ لگاتے رہے، لیکن بہت جلد یہ نعرہ نقار خانے میں طوطی کی آواز بن گیا۔

انگریز نے یہ سب کچھ کرنے کے بعد مسلمانوں کو کچلنے، اور تباہ کرنے کا آخری منصوبہ تیار کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمان افتراق اور انتشار کے مرض میں مبتلا ہیں، جتنے عوام ہیں اتنے ہی لیڈر، اور ہندو کانگریس کے پرچم تلے متحد اور منظم ہو چکے ہیں تو اس نے سیاسی اصلاحات کی ایک موثر قسط انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی صورت میں نافذ کی، اس ایکٹ کی رو سے مرکز غیر متاثر رہا، لیکن صوبوں کو داخلی آزادی مل گئی، لیکن ہندوستان کے ہر صوبہ میں، ہندوؤں کی حکومت قائم ہوگئی، جہاں ان کی اکثریت تھی وہاں بھی اور جہاں ان کی اقلیت تھی وہاں بھی، پنجاب، سرحد، سندھ، اور بنگال میں ہندو اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت حقیقی نہیں عددی تھی۔

چند مسلمانوں کو ساتھ ملاکر آسانی سے ہندو حکومت قائم کی جاسکتی تھی۔ سرحد میں ڈاکٹر خان، اور عبدالغفار خان، گاندھی جی کے چیلے تھے ـــ خراب کرگئی شاہین بچے کو صحبتِ زاغ ـــ وہاں کانگریس حکومت آسانی سے قائم ہوگئی۔ سندھ کے مسلمان پیکار باہمی میں بتلا تھے، کوئی مسلمان پارٹی۔ ہندوؤں کے اشتراک و تعاون کے بغیر حکومت نہیں بنا سکتی تھی، ان حالات کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا ظاہر ہے۔ مسلمان ہر صوبے میں پٹے، اور انگریز گورنر انھیں پڑواتا رہا۔

ان حالات میں جب قائداعظم نے پاکستان کی صدا بلند کی، ہندو تو ہندو خود مسلمانوں نے اس کا مذاق اُڑایا، اسے ایک ان ہونی بات سمجھا، کسی نے اسے مجذوب کی بڑ قرار دیا، کسی نے خواب شیریں، لیکن بہت جلد یہ کمزور صدا ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقل مطالبہ بن گئی ـــ ناقابل مفاہمت مطالبہ۔

اس مطالبہ کو رد کر دینے کے لئے کانگریس نے اور اس کے بلند پایہ لیڈروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، انگریزوں نے ان کا ساتھ دیا، لارڈ لن لتھ گو والسرائے ہند نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا، ان کے بعد لارڈ ویول آئے انھوں نے اعلان فرمایا، کسی ملک کے جغرافیہ میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

لیکن قائداعظم اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے، ان کے برخلاف جمعیت علما تھی، مجلس احرار تھی، جماعتِ خاکسار تھی، قومی کانفرنس تھی، مسلم نیشنلسٹ پارٹی تھی۔ کانگریس تھی، مہا سبھا تھی، جن سنگھ تھی، سارا ہندو پریس تھا، انگریز تھے۔ برطانوی کابینہ تھی، وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی تھے وزیر ہند سر پیتھک لارنس تھے،

کوئی اور ہوتا تو ان عظیم طاقتوں کے سامنے غیر مشروط طور پر سرنگوں ہو جاتا، لیکن جناح نے جھکنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ گلاب کا پھول اٹھانے کے لئے بھی نہیں جھک سکتا تھا، اس کی قسمت میں تاریخ عالم کا وہ فرد وحید بننا لکھا تھا، جس نے بغیر کسی کشت و خون کے صرف آئینی وسائل کو بروئے کار لاکر ایک نئی قوم بنا دیا، ایک نیا ملک بنا دیا ـــ ایک نیا ملک، دنیا کے مسلمان ملکوں میں سب سے بڑے ملکوں میں پانچواں!

مسلم لیگ کی ناقابلِ تسخیر قوت کو شکست دینے اور قائداعظم کے ناقابلِ مفاہمت مطالبہ پاکستان کو رد کرنے کے لئے ایٹلی نے ایک نئی چال چلی۔ اس نے ویول کو واپس بلالیا، اور ماؤنٹ بیٹن کو والسرائے بنا کر بھیجا، جو ملکہ معظمہ کا قریبی عزیز، جنگ عظیم ثانی کا ہیرو۔ اور جواہر لال کا ذاتی دوست تھا۔

ماؤنٹ بیٹن سے بڑھ کر ایٹلی کو کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں مل سکتا تھا جو سیاسی فریب کاریوں، بدعہدیوں، خود غرضیوں، احسان فراموشیوں، غداریوں، اور سیہ کاریوں کا بہترین ترجمان اور نقیب ہو، وہ ایک سپاہی تھا، لیکن ایک سیاست داں سے شکست کھا گیا، اُس نے ہر حربہ استعمال کیا، لیکن حریف چابک دست نے اُس کے ہر حربہ کو ناکام بنا دیا، اُس نے پاکستان نہ دینے کے لیے تہدید و تخویف، ترغیب و تلقین اور بدنفسی کے مظاہرے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکن اُسے ایسے حریف سے پالا پڑا تھا کہ ہر داؤ ضرب شدید بن کر خود اُس کے رخسار گلعذار پر پڑا، اُس کا چہرہ تمتما اٹھا، وہ جوشِ انتقام سے دیوانہ ہو گیا، اور جب اُس کی امید اور توقع کے خلاف، اُسے پاکستان کا گورنر جنرل نہیں بنایا گیا، بلکہ اس منصب کو خود قائدِ اعظم نے عزت بخشی، تو وہ حد سے بڑھی تاثیر جنوں، سراپا تصویر جنوں۔ بن کر رہ گیا۔ جغرافیہ بدلتا رہا، وہ کچھ نہ کر سکا، ایک نئی قوم اُبھرتی رہی، وہ اُسے دبا نہ سکا، ایک نیا ملک بنا، اور اس کی تشکیل پر خود اُسے دستخط کرنا پڑے، انتقالِ اختیارات کا مسودہ، اسے خود اپنی خونچکاں انگلیوں سے لکھنا پڑا، اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے حوالے کرنا پڑا۔ آج تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ جس طرح شاہ عالم نے لارڈ کلایو کو اختیارات حکومت بادیدۂ گریاں و باسینۂ بریاں حوالے کئے تھے۔ اس طرح کلایو کا جانشین، شاہ عالم کے ہم قوم کو، وہ اختیارات واپس کر رہا تھا۔

یہ بڑی دلچسپ داستان ہے، گو یہ داستان شکست خوردہ حریف نے لکھی ہے، اور، رو رو کر لکھی ہے، اس میں سسکیاں بھی ہیں اور ہچکیاں بھی، تخریب اور تعریف بھی، بدتمیزی بھی اور بیہودگی بھی، لیکن اس داستان کی دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے، گو کتنی ہی تلخ ہو، لیکن شکست خوردہ حریف کے آتش فشاں، اور شعلہ در دہاں قلم سے نکلی ہو، اس کے صفحات میں جو داستان آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ کچھ اس قسم کی ہے۔

انگریز مسلمانوں سے عہدِ وفا نہ نباہ سکے، لیکن کوئی شبہ نہیں، ماؤنٹ بیٹن، ایٹلی اور ریڈکلف نے ہندوؤں سے عہدِ وفا بہت اچھی طرح نباہ دیا۔

غیر سے رسمِ وفا خوب نباہی اُس نے
نہ سہی ہم سے — مگر اُس میں وفا ہے تو سہی

رئیس احمد جعفری
۲۰ جولائی ۱۹۶۲ء

دیباچہ

از ایلن کیمبل جانسن

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد عالمی امور میں روئے ارض پر اگر کوئی عظیم واقعہ رونما ہوا ہے تو وہ ہے ہندوستان میں اختیارات کی منتقلی۔ لیکن تاریخ کی یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ اس عظیم واقع کے ساتھ ساتھ خطرہ اس بات کا درپیش ہوا کہ کہیں اتنا بڑا کارنامہ الف لیلوی کہانی کا روپ نہ دھارے یا نزاعی مباحثوں میں اس کے حقائق دھندلا نہ جائیں۔ سو یہ اندیشہ صحیح ثابت ہو رہا ہے کیونکہ پروپیگنڈا اور سیاسی دشنام طرازی کا کہر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اہم مشن کو اپنی تاریک چادر میں ڈھانک دینے کے لئے پہلے ہی سے برسرِ عمل ہے۔

آخری والسرائے ہند اور اوّل گورنر جنرل کے ذاتی عملے میں کام سے سبکدوش ہونے کے تقریباً پانچ ماہ بعد میں نے رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل ایفیرس میں اختیارات کی منتقلی پر ایک تقریر کی تھی۔ میں نے اپنی اس تقریر کو کونسل کی اجازت سے اس کتاب میں اختتامیہ کے طور پر شامل کیا ہے۔ اگر قارئین ایک نظر میں اُن سارے واقعات کو جو میں نے اپنی ڈائریوں میں قلمبند کئے ہیں اختصار سے جاننا چاہیں تو یہ اختتامیہ مقدمہ کا بھی کام دے سکتا ہے۔ اِس اختتامیہ سے بے پناہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ اور یہی وہ اظہار دلچسپی تھا کہ میری ہمت افزائی ہوئی اور میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے قیام ہند کی پوری داستان تفصیل سے لکھ ڈالی، تاکہ قارئین کی آنکھوں کے سامنے اُس دور کا واضح نقشہ کھنچ جائے۔

آخر مجھے آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے کا موقع کیسے ملا؟ میں اس مرتبے پر کیسے پہنچا؟ بات یہ ہوئی کہ اس سے پہلے میں انتھونی ایڈن اور لارڈ ہیلی فیکس کی سوانح عمریاں لکھ چکا تھا۔ لیکن ان سوانح عمریوں کی ترتیب میں مجھے جو مواد ملے وہ یا تو اخباروں سے ملے، یا

ذاتی تاثرات تھے۔ لیکن اس کتاب کی ترتیب میں جو واقعات درج ہیں میں خود ان واقعات کے طوفانوں سے گذرا ہوں۔ اس کے علاوہ اس کی ترتیب میں ان دستاویزوں سے بھی مدد لی گئی ہے جو میں نے جمع کی تھیں اور پھر اس میں دوسروں کے تجربات و مشاہدات بھی شامل ہیں۔

جولائی ۱۹۴۳ء میں یکایک لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف میں مجھے ایر پبلک ریلیشنز آفیسر کا عہدہ مل گیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ میں رائل ایر فورس سروس میں کام کر چکا تھا۔ اس کے پندرہ ماہ کے بعد جب وہ جنوب مشرقی ایشیا کے لئے سپریم الائڈ کمانڈر نامزد ہوئے تو انھوں نے اپنی انٹرکمان اور انٹرالائڈ ریکارڈ سکشن کا سارا چارج مجھے دے دیا۔ اُنھوں نے مجھے اِس جگہ پر صرف اس لئے نہیں لا بٹھایا تھا کہ سرکاری دستاویزات سے اُن کے لئے اطلاعات فراہم کرتا رہوں، بلکہ وہ مجھے اپنی اونچی سطح کے جلسوں اور ہفتہ وار انٹرویو میں بھی شریک کرتے تاکہ پس منظر کے طور پر اُن کو ریکارڈ دیا کروں۔ اسی اثنا میں ان کو وائسرائے ہند کے عہدے کی پیش کش ہوئی۔ میں چونکہ ماؤنٹ بیٹن کی مشین کے ایک پُرزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اِس لئے اُنھوں نے مجھے اپنا پریس اطاشی بنادیا۔ اتفاق کی بات اس سے پہلے ہندوستان میں جتنے بھی وائسرائے ہوئے اُن کے اسٹاف میں پریس اطاشی کا عہدہ سرے سے تھا ہی نہیں۔

اس کتاب کی بنیاد میں نے اپنے نوٹس، خطوط اور یادداشت پر رکھی ہے اور اس کا مقصد محض اُس عہد کی ایک کہانی بیان کرنا ہے جس عہد میں ہندوستان کو اختیارات منتقل کئے گئے۔ میں نے اپنی ڈائریوں میں مستقبل کی تاریخ کے لئے مواد فراہم کردیا ہے؛ ان میں تاریخ بیان نہیں کی ہے۔ ساتھ ہی یہ ڈائریاں ایک طرح کی عینی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں ہندوستان پر "دوسرا فیصلہ یا فتوٰی" صادر نہیں کیا گیا ہے۔ جن واقعات کے طوفانوں سے میں گذرا ہوں یا جن شخصیات کی صحبتیں میں نے اٹھائی ہیں وہ مجھ سے اتنی قریب ہیں کہ میں ان واقعات و شخصیات کا تجزیہ نہیں کر سکتا۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ تجزیہ کا فائدہ اُس وقت پہنچ سکتا تھا اگر فضا سازگار ہوتی، اور جن آراء کا ہم اظہار کرتے اُن کو سراہا جاتا۔ اگر آپ ان ڈائریوں میں میری عجلت پسندی محسوس کرتے ہیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے کام کی رفتار انتہائی تیز تھی۔

اور اگر ان میں تسلسل اور ترتیب بھی نظر نہ آئے تو اس کے بنیادی اسباب وہ مسائل تھے جن کا جلد از جلد حل نکالنا تھا۔

اِن تکلیف دہ اور پریشان کن حالات میں بھی لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے عملے کے ساتھ مشورہ کرنے یا گفتگو کرنے میں جو طریقے استعمال کیے، اُن میں تصنع اور بناوٹ نام کو نہ تھا۔ مثلاً ہندوستانی لیڈروں سے مذاکرہ کرنے اور دوسرے مہمانوں سے ملنے کے درمیان کم از کم پون گھنٹے کا وقفہ ہوتا تھا۔ اس وقفے میں وہ اپنے عملے کو املا لکھواتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنے انٹرویو کی مختصر یادداشت کی نقلیں عملے کے خاص خاص اراکین میں تقسیم کر دیتے۔ روزانہ اسٹاف میٹنگ میں وہ ہمارے مشورے کو بغور سنتے اور پھر کوئی فیصلہ کرتے۔ غرضیکہ ہم جب بھی میٹنگ میں شریک ہوتے، ہمیں گذشتہ دن کی ساری کارروائیوں کا علم ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا اپنی ڈائریوں میں میں نے کسی پریشانی کے بغیر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے خیالات اور اقوال پیش کیے ہیں۔ میں نے اُن ملاقاتوں کی بھی روداد بیان کی ہے جن میں، میں شریک نہ ہو سکا تھا۔

تیز رفتاری، انتشار و پراگندگی اور رکاوٹوں کے باوجود اختیارات کی منتقلی وقت مقررہ پر عمل میں آگئی۔ ہمارے ہندوستان پہنچنے کے تہتّر دنوں کے اندر اندر تقسیم ملک کے پلان کا اعلان کر دیا گیا اور پھر اس مدّت کے بہتّر دنوں کے بعد عہدِ وائسرائے کے آفتاب کی شعاعیں ماند پڑ گئیں۔ ماؤنٹ بیٹن دس ماہ تک ہندوستان کے گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز رہے، لیکن اس عرصے میں واقعات کی شورش انگیزی میں دھیما پن نہ آیا۔ میں نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی پندرہ اگست سے پہلے کا عہد اور اس کے بعد کا عہد۔

میں اپنے تمام احباب کا خصوصًا مسٹر وی پی مینن، کیپٹن آر۔ وی بروکمین (لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف میں میرے پرانے ساتھی) اور مسٹر اے۔ ایچ جوائس تعلقات دولتِ مشترکہ کے آفیسر انچارج برائے اطلاعات کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے میری ڈائریوں کا مسودہ دیکھا۔ میں مسٹر کے سینٹ بیولووچ کا بھی انتہائی ممنون ہوں کہ اُنھوں نے حوالہ جات کی جانچ کرنے میں پریشانیاں اُٹھائیں۔ حد درجہ بے انصافی ہوگی اگر میں اپنی بیوی کا بھی شکریہ ادا نہ کروں، کہ اُنھوں نے راتوں کو

جاگ جاگ کر مسودہ کو ٹائپ کیا اور پروف پڑھے۔

ویسٹ منسٹر
جولائی ۱۹۵۱ء

باب ۱

نامزد وائسرائے

لندن ۔ جمعرات ۱۹ر دسمبر ۱۹۴۶ء

اِدھر تڑکا ہوا اور اُدھر میں ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کرنے کے لئے چسٹر اسٹریٹ پہنچ گیا ۔ یہیں اُن کی رہائش ہے ۔ ہم ناشتہ کی میز کے اِردگرد بیٹھ گئے ۔ وہ بیک وقت چائے اور توس سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اِملا بھی لکھواتے جاتے تھے ۔ تھوڑی دیر بعد کھانا چُنا گیا ۔ اِن لذیذ غذاؤں کی تعریف کرنا تو سورج کو چراغ دکھانا ہوگا ۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جنوب مشرقی ایشیا کمان کے سرکاری مراسلات کے سلسلہ میں اُن سے ملوں ۔ جب تک وہ سپریم کمانڈر کی حیثیت سے دَورے پر رہے، میں اُن کی جنگی ڈائریوں کو بحفاظت رکھتا رہا ۔ آج بھی بڑی حد تک میرا یہی کام ہے اور ان سرکاری مراسلات سے میری دلچسپی بدستور باقی ہے ۔ میرے لئے ان ڈائریوں کی طباعت و اشاعت کا کام ٹیڑھی کھیر بن گیا ہے ۔ مزید برآں آج کل اُن کی مصروفیات کچھ اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ادھر توجہ دینا ممکن ہی نہیں ہوتا ۔ بہرحال ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا، لیکن وقت گذرتے دیر نہیں لگتی ۔ میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں بھی اُن کے ہمراہ اسولڈ برِی کے نگار خانے میں جاؤں جہاں اُن کی تصویر بنائی جا رہی تھی ۔

ہم کار میں بیٹھے ہی تھے کہ انھوں نے یکے بعد دیگرے کھڑکیاں بند کر دیں اور بڑے

ہی رازدارانہ انداز میں کہنے لگے کہ "اس وقت وہ جس راز کا انکشاف کرنے والے ہیں وہ اُن کے خاندان والوں تک کو معلوم نہیں۔ ایٹلی نے کل شام اُنھیں بُلایا تھا اور ویول کی جگہ انڈیا کے وائسرائے کے عہدہ کی پیش کش کی تھی" اگرچہ میں اُن کی زبان سے خلاف توقع اور چونکا دینے والے انکشافات سُننے کا عادی ہو چکا ہوں، تاہم میں اس انکشاف کو سُننے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ مجھے علم تھا کہ اُن کی سب سے بڑی تمنا تھی کہ وہ از سرِ نو بحری زندگی شروع کریں اور ان کی اس تمنا کے پورا ہونے کا وقت بھی قریب آ گیا تھا۔ کیونکہ اپریل ۱۹۴۷ء میں وہ جنگی جہازوں کے ایرایڈمرل بنائے جانے والے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی لیڈروں، لارڈ ویول اور حکومت برطانیہ کے درمیان لندن میں کچھ دن پہلے جو کانفرنس ہوئی تھی (اگرچہ اس کے پیشِ نظر ہم اتنے پُرامید نہیں تھے) اس سے اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ کیبنٹ مشن پلان کا وجود اب تک برقرار ہے۔

میں اپنی شنید کے مطابق یہ سمجھتا ہوں کہ ہندوستان اور ماؤنٹ بیٹن کے مستقبل کے بارے میں وزیراعظم کا نظریہ کچھ مختلف واقع ہوا ہے۔ مسٹر ایٹلی نے ماؤنٹ بیٹن سے جو پہلا سوال کیا تھا وہ یہ تھا کہ آیا وہ بحری زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب اُنھوں نے اثبات میں دیا تھا اور کہا تھا کہ بحری زندگی اختیار کر لینے سے میری ایک دیرینہ آرزو پوری ہو جاتی ہے۔ میرے دوست احباب جنھیں اس ارادے کی خبر ہو گئی تھی اُنھوں نے خطوط کے ذریعہ اپنی بے پناہ مسرتوں کا اظہار کیا ہے۔ اتنے بے شمار خطوط پاکر مجھے نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ان سے متاثر بھی ہوا ہوں

ایٹلی نے ہندوستان کے بحران کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ "ویول یہاں فوجی انخلاء کے علاوہ کوئی ٹھوس اور تعمیری پروگرام لے کر نہیں آئے۔ ان دنوں ہندوستان میں جو تشویشناک سیاسی رجحانات پائے جا رہے ہیں اور کانگریس اور مسلم لیگ ان سے جس طرح اثرانداز ہو رہی ہیں حکومت اس سے ذرا بھی خوش نہیں۔ اگر ہم چوکنے اور ہوشیار نہ ہوئے تو نہ صرف ہم ہندوستان کو خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک دیں گے بلکہ ہمیں ایسی سیاسی تحریکوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو قطعی آمرانہ نوعیت کی ہوں گی۔ اس بحران کو ختم کرنے کے لئے فوری قدم اُٹھانا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کابینہ کے اراکین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ ہماری توجہ ایسی شخصیت کے انتخاب میں صرف ہونی چاہیئے جو اپنے جوہر اور اک سے

حالات پر قابو پا سکے۔ اس سلسلے میں اراکین نے موزوں و مناسب شخصیت کو تلاش کرنے کے لئے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور اب متفقہ طور پر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ ماؤنٹ بیٹن ہی حصول مقصد میں کامیاب ہوں گے کیونکہ اُنھوں نے شخصیت بھی پائی ہے اور ان کے اندر جوہر ادراک بھی ہے۔"

لیکن مذکورہ خیال سے ماؤنٹ بیٹن نے اتفاق نہیں کیا چنانچہ اُنھوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ سپریم کمانڈر کی حیثیت سے میں نے ہندوستان کا جس طرح جائزہ لیا ہے اور دہلی کے دورانِ قیام میں ویول کے ساتھ میری جو آخری بات چیت ہوئی ہے اس کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اُن کی پالیسی سے سراسر اتفاق ہے۔ ویول نے ایسا کوئی کام نہیں کیا کہ اگر میں اُن کی جگہ ہوتا تو انجام نہ دیتا۔ ایٹلی نے ماؤنٹ بیٹن سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ پچھلے دنوں ویول کی جو پالیسی رہی ہے وہ باعثِ قضیہ نہیں ہے بلکہ جس طرح آج اس پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے وہ زیر بحث ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ نہ صرف اب نئے حالات میں شخصیت کا مسئلہ ہمارے لئے اہم بن گیا ہے بلکہ ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ دوستانہ رابطہ اور قربت پیدا کرنے کی ضرورت بھی محسوس کی جا رہی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا۔" وزیرِ اعظم کی ان باتوں کے خلاف میں نے اپنی جھنجھلاہٹ دکھائی اور کہا کہ میں بہت تھک گیا ہوں، میرے اندر پہلے جیسے حوصلے بھی نہ رہے لہٰذا مجھے اگر بحری زندگی اختیار کرنے کا دوبارہ موقع دیا جائے تو میں اپنی مملکت کے لئے زیادہ خدمت انجام دے سکوں گا۔ کیا میرے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں؟ اوکنلک کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ہندوستان میں ان کا وقار بہت بلند ہے۔ ملاقات ختم ہوئی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ حکومت کی جس پالیسی پر بھی مجھے عمل درآمد کرنا ہوگا میں اس بارے میں بہرحال پہلے بادشاہ سے مشورہ کروں گا۔ کیونکہ وائسرائے نہ صرف اُس کا خادم اور نامزد ہے بلکہ وہ ہندوستانی ریاستوں کا نمائندہ بھی ہے۔"

ماؤنٹ بیٹن نے اس بارے میں میرا ردِعمل پوچھا۔ میں صرف اتنا کہہ سکا کہ وزیر اعظم نے اُن کے بارے میں نہ صرف نفسیاتی بصیرت کا ثبوت دیا ہے بلکہ اُنھوں نے اُن کی صلاحیت و قابلیت کا معقول اندازہ بھی لگایا ہے۔ لیکن کسی واضح ہدایت کے بغیر یہ پیش کش عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔" اگر مجھے اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو انتقالِ اختیارات کے لئے وقت کا تعین بہت ضروری ہے۔" اگر انھوں نے اس عہدے کو قبول

کرلیا تو برطانیہ میں اس کا جو ردعمل ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا:۔

"عوام مجھ سے ہمدردی کا اظہار کریں گے۔ میں اپنے لئے ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہوں، لیکن ساتھ ہی مجھے یقین ہے کہ میں خطرے کی قربان گاہ پر بھینٹ نہیں چڑھایا جاؤں گا۔"

جب ہم مصور کے نگار خانے میں پہنچے اور نامکمل تصویر کو دیکھنے کا وقت آیا تو میرا ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا۔

لندن جمعہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۶ء

حکومت برطانیہ نے سیام کے مشہور سیاست داں پریڈی پنومیانگ کے اعزاز میں جو دعوتِ استقبالیہ دی تھی اُس میں میں اور میری بیوی نے بھی شرکت کی۔ دعوت کا انتظام لنکاسٹر ہاؤس میں کیا گیا تھا۔ سیام کے اس سیاست داں نے زمانۂ جنگ میں ریجنٹ اور مزاحم لیڈر کا مشترکہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ میری اُن کے ساتھ پچھلی ملاقات اُس وقت ہوئی تھی جب انھوں نے گذشتہ جنوری میں بنکاک میں ماؤنٹ بیٹن اور اُن کی پارٹی کو مدعو کیا تھا اِن دنوں اینگلو سیامی امن کی تقریبات منائی جارہی تھیں۔

ماؤنٹ بیٹن ذرا دیر سے پہنچے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُنھوں نے اشارے سے بُلایا اور تنہائی میں لے جاکر وہ خط دکھایا جو وزیر اعظم کی پیش کش کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ جواب مختصر سا تھا۔ اُنھوں نے عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس وقت تک کے لئے معذرت طلب کی تھی جب تک خود ہندوستانی لیڈر انھیں مدعو نہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ ایٹلی اس شرط کو قبول نہیں کرسکتے۔ انھوں نے کہا کہ پارٹی سے وہ سیدھے ڈوننگ اسٹریٹ جائیں گے۔

لندن بُدھ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کے وائسرائے ہونے کی بات پکی ہوتی نظر آرہی ہے۔ وزیر اعظم کے ساتھ اُن کی ابتدائی گفتگو غیر فیصلہ کُن ثابت ہوئی تھی۔ انتقالِ اختیارات کے لئے حد مقرر کردی گئی۔ لیکن قطعی تاریخ کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ البتہ ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال کو سراہا گیا کہ اگر برطانیہ کو سیاسی کامیابی حاصل کرنی ہے تو جہاں تک جلد ہوسکے اس کو ہندوستان چھوڑ دینا چاہیئے۔۔ وہ

اختیارات کی منتقلی ۱۹۴۸ء کے دسمبر کی بجائے جون تک کر دینا چاہتے تھے۔ بڑے دن کا ہفتہ قریب آگیا تھا۔ اس لئے حتمی فیصلہ ٹل گیا۔ ماؤنٹ بیٹن اپنے خاندان والوں کے ساتھ مختصر چھٹیاں گذارنے کے لئے ڈیوس روانہ ہو گئے۔ ابھی وہاں پہنچے ہوئے ۴۸ گھنٹے بھی مشکل سے گذرے تھے کہ انھیں فوراً لندن طلب کر لیا گیا۔ اُن کو لانے کے لئے خصوصی طیارہ بھی بھیجا گیا تھا۔ حکومت کے اس اقدام سے اخبار والے مختلف قسم کی قیاس آرائیوں میں مصروف ہو گئے۔ ڈیلی میل کے اڈیٹر فرینک اوون نے تو یہ پیشین گوئی کر دی کہ ماؤنٹ بیٹن کو فلسطین بھیجے جانے کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ ماؤنٹ بیٹن کو فوراً اس لئے طلب کیا گیا تھا کہ ہندوستان سے تشویشناک خبریں آرہی تھیں۔ فرقہ وارانہ بحران اور تشدد کا بازار گرم تھا۔ حکومت جلد از جلد نئے وائسرائے کے تقرر اور نئی پالیسی کا اعلان کرنا چاہتی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کو جب یقین ہو چلا کہ ان کی بحری زندگی کو نقصان نہیں پہنچے گا تو انھوں نے نئے منصب کو قبول کرنے کا آخر کار فیصلہ کر ہی لیا۔ حکومت کے ساتھ اُن کی جو بات چیت ہوئی اُس میں انھوں نے اس خطرے سے متنبہ کر دیا تھا کہ اُن کی تقرری سے یہ خیال کسی حال میں پیدا نہ ہو کہ وائسرائے کا دور جاری و ساری رہے گا یا یہ کہ وہ برطانوی ثالث بن کر جا رہے ہیں۔ اسی لئے انھوں نے پہلی شرط یہ رکھی تھی کہ وہ وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان اُس وقت جائیں گے۔ جب ہندوستان کی سیاسی جماعتیں خود اُن کو آنے کی دعوت دیں گی۔ مسٹر ایٹلی نے وضاحت سے اس شرط کی تشریح کی اور کہا کہ یہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ البتہ انھوں نے برطانوی راج کو خواہ معاہدہ ہو یا نہ ہو، مقررہ وقت میں ختم کر دینے کی بات مان لی، اور یہ بھی کہا کہ اگر ہندوستان کی پارٹیاں دستور پر متفق الرائے ہو کر حکومت بنانے پر تیار ہو جائیں تو یہ قدم مقررہ وقت سے پہلے بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔

دولتِ عظمٰی برطانیہ نے بھی ماؤنٹ بیٹن کی منظوری حاصل کرنے کے لئے کوشش کی انتہا کر دی تھی۔ سر اسٹافورڈ کرپس نے ہندوستانی لیڈروں اور نئے وائسرائے کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے پہلے سے تعاون کا یقین دلایا۔ انھوں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ نئے وائسرائے کے نام کا اعلان کیا جائے، میں اس بات کی انتہائی کوشش کروں گا۔ کہ ہندوستانی لیڈر ان کی تقرری کو منظور کر لیں۔ کرپس نے کسی بھی عنوان سے کام کرنے کی آمادگی ظاہر کر دی بلکہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ ہندوستان جانے تک کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اس پیش کش

کو التوا میں ڈال دیا گیا۔ کیونکہ ہندوستانی امور میں کرپس کا تجربہ ماؤنٹ بیٹن کی پوزیشن کو نقصان پہنچانے کے علاوہ اُن کے کام کو ناممکن بھی بنا سکتا تھا۔

لندن۔ پیر، ۱۷ فروری ۱۹۴۷ء

بحریہ کی شرط کے ساتھ ساتھ ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے کے اسٹاف میں اضافہ کے لئے بھی زور ڈالا۔ اُن کی دلیل یہ تھی کہ اُن کا مشن قطعی مخصوص نوعیت کا ہے۔ اس مشن میں انھیں اہم سیاسی اور عسکری فیصلے کرنے ہیں۔ مسٹر ایٹلی نے ماؤنٹ بیٹن کو مزید عملہ بہم پہنچانے کے لئے سرکاری حمایت کا یقین دلایا۔ چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد وہ فوراً اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ماؤنٹ بیٹن چار ایسے نئے عہدوں کی تخلیق کر رہے ہیں جو اس سے پہلے قصر وائسرائے میں تھے ہی نہیں۔ مثلاً وائسرائے کے لئے چیف آف اسٹاف، ایک پرنسپل سکریٹری، ایک کانفرنس سکریٹری اور ایک پریس اٹاشی۔ یہ عہدے ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی سکریٹریٹ کے لئے مخصوص ہیں انھوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور دل نشیں کردار کی وجہ سے جو ان کی شخصیت کی اعلیٰ صفات ہیں، دو ایسے رفقائے کار کو اپنی ٹیم میں شامل ہونے کے لئے آمادہ کر لیا ہے جن کا وسیع اور گہرا تجربہ سود مند ثابت ہوگا —

— — — — — — — — — — ۔ اُن کے وہ دو رفقائے کار یہ ہیں:۔ لارڈ اسمے اور سر ایرک میویل۔ لارڈ اسمے جواب سے ٹھیک تین ہفتے کے بعد ریٹائر ہو رہے ہیں۔ چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے کام کریں گے اور میویل پرنسپل سکریٹری کا عہدہ سنبھال رہے ہیں۔ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۳ء کے درمیان اسمے اور میویل، لارڈ ولنگڈن کے علی الترتیب ملٹری اور پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ اس کے بعد اسمے نے کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے سکریٹری اور مسٹر چرچل کے فوجی مشیر کے فرائض بھی انجام دیئے۔ علاوہ بریں زمانۂ جنگ میں شروع سے آخر تک کمانڈ چیف آف اسٹاف کے افسر رابطہ بھی تھے اور یوں اُنھیں فنِ جنگ و حرب کا گہرا تجربہ ہے۔ ماؤنٹ بیٹن اور اسمے زمانۂ جنگ کے رفیق ہیں اور میویل برسوں بادشاہ کے نائب پرائیویٹ سکریٹری رہ چکے ہیں۔ اُنھیں وائسرائے کی پالیسی کو روبہ کار لانے کا بھی گہرا تجربہ ہے۔

خصوصی پارٹی کے دیگر اراکین یہ ہیں:-

کیپٹن رونالڈ بروکمین (رائل نیوی)، کمانڈر جارج نکولس (رائل نیوی)، لفٹیننٹ کرنل ورنن ارسکن کرم، اسکاٹس گارڈز اور راقم الحروف۔ ہم سب ماؤنٹ بیٹن کے ماتحت کام کر چکے ہیں۔ ہماری عمریں چالیس سے کم ہی ہیں۔ بروکمین غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ان کا انتخاب ناگزیر تھا۔ ماؤنٹ بیٹن ان سے کوئی بھی کام لے سکتے ہیں کیونکہ ان کی موزونیٔ طبع ہر جگہ کام آتی ہے۔ نیوی میں وہ سن و سال کے لحاظ سے سب سے چھوٹے ہیں۔ لیکن کافی تجربہ کار کپتان ہیں۔ وہ امیر البحر سر ڈڈلے پاؤنڈ کے سکریٹری رہ چکے ہیں اور ان کے ساتھ ۱۹۴۳ء تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔ گویا ماؤنٹ بیٹن کا رفیق کار بننے سے پہلے ہی اُنھیں اہم امور کا خاصہ تجربہ ہو چکا تھا۔ جارج نکولس کو بروکمین کا نائب مقرر کیا گیا ہے۔ یہ بھی باصلاحیت نیول افسر ہیں۔ نکولس کسی زمانے میں ماؤنٹ بیٹن کے بھی سکریٹری رہ چکے ہیں۔ ۱۹۴۶ء تک وہ اس منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ لیکن بروکمین اور نکولس اپنی انتظامی صلاحیتوں کے علاوہ حوصلہ مند اور سلیم الطبع بھی ہیں۔ "ورنن ارسکن کرم" کو کانفرنس سکریٹری کا عہدہ ملنے والا ہے۔ اس کام میں پہلے ہی وہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں کیونکہ جنوب مشرقی ایشیا کمان میں ماؤنٹ بیٹن کی کانفرنسوں کی رپورٹیں یہی مرتب کرتے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن سخن طرازی میں ڈپلومیسی کے قائل ہیں اس لئے ان کی گفتگو سے مضمون مرتب ہوتے ہیں، مضمون سے گفتگو ترتیب نہیں پاتی۔

جنوری میں اول اول جب ماؤنٹ بیٹن نے مجھے بھی اپنی ٹیم میں شرکت کی دعوت دی تھی تو مجھے یقین نہ تھا کہ میں اُن کے ہمراہ ہندوستان کا سفر اختیار کرسکوں گا کیونکہ حال ہی میں اُن کے اسٹاف میں چار سال رہنے کے بعد ونگ کمانڈر کے عہدہ سے سبک دوش ہوا تھا اور اب اپنی شہری زندگی کو مرتب و منضبط کرنے میں مصروف تھا۔ لیکن اب کافی غور و خوض کرنے کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ میں تعلقات عامہ اور پریس کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی بھاری ذمہ داری قبول کرلوں ان کا خیال ہے کہ اسٹاف میں فی الحال ایسا کوئی شخص نہیں جو عوام اور پریس کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکے۔ جو لوگ ہیں بھی وہ اس کام کے لئے پورا وقت نہیں دے سکتے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندوستانی اور بیرونی پریس کو مستند اور مصدقہ اطلاعات بہم پہنچانے کے لئے قصر وائسرائے کی حیثیت "بند دکان" جیسی ہو گئی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ اُن کے اسٹاف میں

ایک پریس اٹاشی کا ہونا بہت ضروری ہے۔

لندن۔ جمعرات ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء

ایک بار ماؤنٹ بیٹن سے میں چیسٹر اسٹریٹ میں ملا۔ انھوں نے مجھے اپنے اسٹاف میں شامل ہونے کی جو دعوت دی تھی میں نے اُس دعوت کو منظور کر لیا ہے۔ یہاں سے میں اُن کے ساتھ لاٹیمر ہاؤس گیا جہاں نائب امیر البحر ڈوگلس پنانٹ کی کمان میں جوائنٹ سروسس اسٹاف کالج قائم ہوا ہے۔ ڈوگلس جنوب مشرقی ایشیا میں ماؤنٹ بیٹن کے اسسٹنٹ ڈپٹی چیف آف اسٹاف رہ چکے ہیں۔ یہاں اُنھیں جنوب مشرقی ایشیا کی جنگی اہمیت پر تقریر کرنی تھی۔

فروری کی دوپہر میں ہم بکنگھم شائر کی طرف چل پڑے۔ سڑکیں برف سے ڈھکی ہوئی اور اُداس تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن کا موڈ ایک دم سے مختلف ہو گیا۔ اُن کے چہرے سے ذرا بھی ظاہر نہ ہوتا تھا کہ ان کی تقرری کی خبریں دنیا کے گوشے گوشے میں چند گھنٹوں کے اندر پھیلنے والی ہیں۔ انھوں نے کہا۔ "میرے نئے عہدہ کی خبر سننے سے پہلے چرچل رائل نیوی کلب میں ڈنر کھانے کے لئے آئے تھے، وہیں اُن سے ملاقات ہوئی اور اُنھوں نے بآنگِ دہل یہ کہا کہ لیبر گورنمنٹ میری صلاحیتوں کا غلط مصرف لے رہی ہے جو اس کے لئے باعثِ ننگ ہے۔ دوسری بار میں اُن سے اُس وقت ملا جب میں میری چرچل کی شادی میں مدعو تھا۔ اس وقت تک میری تقرری کی اطلاع ان کو مل چکی تھی۔ انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا لیکن دوسروں سے وہ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ سوشلسٹ اپنی ناکامی کے داغ کو ماؤنٹ بیٹن کے وقار کے پردے میں چھپانا چاہتے ہیں۔ یہ قدم انتہائی رسوا کن اور باعثِ ننگ و عار ہے۔

ہم لاٹیمر پہنچے تو ڈوگلس نے اپنے بحری محفوظ دستے پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے تقریباً ایک گھنٹہ سے زیادہ تقریر کی اور انھیں خوب داد ملی۔ تقریر کے اختتام پر ڈوگلس نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس وقت مسٹر اٹیلی دارالعوام کے سامنے ماؤنٹ بیٹن کی نئی تقرری کا اعلان کر رہے ہوں گے۔ یہ سنتے ہی دو سو سے زیادہ سامعین نے تالیاں بجا بجا کر مبارکباد دی۔ ماؤنٹ بیٹن نے صرف اتنا کہا۔ "یہ کوئی مقامِ مسرت تو نہیں ہے۔"

یہاں سے ہم واپس ہوئے تو راستے میں میرے نئے عہدے کی نوعیت پر تفصیل سے باتیں ہوئیں

انھوں نے مجھ سے پریس کانفرنس کے بارے میں چند سوالات کیے۔ مثلاً انھوں نے پوچھا کہ ہندوستان پہنچ کر انھیں ہندوستانی لیڈروں کی پریس کانفرنس بلانا چاہیے یا نہیں۔ شہر پہنچتے پہنچتے ہمیں دارالعوام کی روداد مل گئی۔ ہم نے سُنا کہ اعلان کے بعد ہی دارالعوام میں گرما گرم بحثیں چھڑ گئیں اور چرچل نے اُن بحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دراصل وہ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری اور اُس سے متعلقہ پالیسی کی مخالفت کرکے سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

نئے وائسرائے کو وسیع اختیارات دے دیے گئے۔ مسٹر ایٹلی نے دارالعوام میں کہا۔ "اگر جون ۱۹۴۸ء تک نمائندہ دستور ساز اسمبلی میں وحدانی طرز کا دستور نہ بن سکا تو حکومت برطانیہ اس بات پر غور کرنے میں حق بجانب ہوگی کہ برطانوی ہند کی مرکزی حکومت کے اختیارات مقررہ تاریخ پر کسی کو منتقل کیے جائیں۔ آیا یہ اختیارات برطانوی ہند کی مرکزی حکومت کو جس شکل میں بھی ہو منتقل کیے جائیں یا موجودہ صوبائی حکومتوں کے صرف بعض علاقوں کو۔ یا کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے جو مناسب ترین بھی ہو اور جس سے ہندوستانی عوام کے مفاد کو ٹھیس نہ پہنچے" ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں وزیراعظم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: "حکومت ان کے اختیارات اور ذمہ داریوں کو جو حاکمیت اعلیٰ کے تحت ہیں۔ برطانوی ہند کی کسی بھی جانشین حکومت کو منتقل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اور چونکہ حاکمیت اعلیٰ کو انتقال اختیارات تک محفوظ رکھنا ہے اس لیے طے پایا ہے کہ عبوری مدت تک کے لیے حکومت کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ریاستوں کے تعلقات معاہدہ کے ذریعے مربوط کرائے جائیں۔"

چرچل فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور ویول کی معزولی کے اسباب پر پے در پے کئی چبھتے ہوئے سوالات کر ڈالے۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ ایٹلی نے ویول کے بارے میں جو سرد مہری دکھائی تھی۔ چرچل کا اشتعال اسی کا ردعمل تھا۔ اس کے علاوہ انتقال اختیارات کے لیے مقررہ مدت کا اعلان قدامت پسند پارٹی کو ناگوار گزرا۔ لیکن اس سوال پر جس نزاع اور خلفشار کا خطرہ محسوس کیا جارہا تھا۔ وہ کسی طرح ٹل گیا۔

لندن۔ جمعہ ۲۱ر فروری ۱۹۴۷ء

نئی تقرری پر آج پریس کا ردعمل اُمید افزا نکلا۔ وزیراعظم کا بیان بیس گھنٹے پیشتر نہ جانے کیسے امریکی پریس میں شائع ہوگیا تھا۔ امریکی اخباروں کے تبصرے بڑے دلچسپ ہیں۔ نیویارک ٹائمز

نے " ہندوستان کو الٹی میٹم " کے عنوان سے جو اداریہ لکھا، اُس میں خوشی اور اندیشہ دونوں کا اظہار تھا۔ اُس نے لکھا تھا۔ " یہ اعلان سراسر ایسا ہی ہے جیسا امریکہ نے فلپائن کو آزاد کرتے وقت کیا تھا۔ حکومتِ برطانیہ کا یہ اعلان دراصل ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کی تشکیل کا اشارہ کرتا ہے۔ اور الٹی میٹم کی بھی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا اجرا اُس حکومت کی طرف سے ہوا ہے جو برابر ملوکیت پسند کہلاتی آئی ہے۔ یہ ہندوستانی لیڈروں کے لئے بھی الٹی میٹم ہے کہ وہ اپنے تنازعات جلد از جلد ختم کر دیں۔" واشنگٹن اسٹار نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ کیا حکومت برطانیہ اس حالت میں بھی کہ تعین وقت تک، معاہدہ کی کوئی شکل نکلے یا نہ نکلے اپنے وعدے پر کاربند رہے گی۔

فی الحال انڈیا ہاؤس کو ماؤنٹ بیٹن کو عارضی دفتر بنایا گیا ہے۔ چنانچہ آج سہ پہر کو ہم وہیں جمع ہوئے۔ انڈیا ہاؤس سرکاری محکمہ سے بھی کہیں زیادہ اداس اور تاریک فضا میں محبوس ہے۔ برسوں سے سول سروس والے یہاں کی مغموم فضا میں چہلیں کرتے آ رہے ہیں۔ چپراسی بے معنی پیغامات کا پلندہ لئے اونچے اور بوسیدہ کمروں میں آ جا رہے ہیں۔ ہندوستانی واقعات کے مٹتے ہوئے نقوش اور گرتے ہوئے سورما غدر کی روح کو بھی ابھارنے میں ناکام رہے۔ البتہ اُنھیں صرف " موت کی کشادہ ڈیوڑھی " بار بار یاد آ جاتی ہے۔ اسمے اس انڈیا ہاؤس کے انتخاب پر سخت ناراض اور برہم ہیں، ان کا خیال ہے کہ ہمارے خلاف ہندوستان میں موجودہ شورشوں کا یہی پہلا سرچشمہ ہے! مسلم لیگ اور جناح کے آرگن ڈان میں جو تبصرے آئے ان پر عام طور سے اطمینان کی سانس لی گئی۔ اسمے نے کہا۔ " میں چرچل سے مل رہا ہوں لیکن ان کا منہ بند کرنا میرے بس کی بات نہیں۔" انھوں نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا کہ کہیں ماؤنٹ بیٹن کے انتخاب کو یہ رنگ نہ دیدیا جائے کہ وہ ہندوؤں کے حامی اور مسلم لیگ کے مخالف ہیں۔

شام کو میں نے پانچ ہفتہ وار جریدوں کے مدیروں کی اجتماعی فشری تقریریں سنیں۔ یہ تقریریں بڑی ہی دلچسپ تھیں۔ ٹریبون کے ایڈیٹر جون کیمپے نے ماؤنٹ بیٹن کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کے برما کے کارنامے کی خوب تعریف کی۔ سبھوں نے " تعین وقت " کو خطرے سے تعبیر کیا لیکن کوئی اس نقطے کو نہ پا سکا کہ نئے وائسرائے اس شرط کے بغیر عہدہ کسی حال میں قبول نہیں کریں گے۔

کارلسلے۔ ہفتہ ۲۲ / فروری ۱۹۴۷ء

گذشتہ رات گئے میں کلیمنٹ ڈیوس کے ہمراہ بذریعہ ٹرین کارلسلے روانہ ہوگیا۔ جہاں دوسرے دن سہ پہر کو بہت بڑے آزاد خیال مجمع میں ہمیں تقریر کرنی تھی۔ سیاسی مجمع میں میری یہ آخری شرکت تھی۔ اس کے بعد ہی مجھے اپنے عارضی سول کام سے الگ جانا تھا کلیمنٹ ڈیوس کو اس جلسے سے آگاہ کیا اور ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے مشن میں مجھے بھی لے جانے کا فیصلہ کیا ہے اور میں نے اپنی رضامندی بھی دیدی ہے۔ انھوں نے اظہار مسرت کیا اور کہا۔ "یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو تمھیں ملا ہے۔ لیکن ساتھ ہی جو کام تمھیں سونپا جارہا ہے وہ بڑی ذمہ داری کا ہے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم زمانۂ حال کی اہم ترین ذمہ داری سنبھال رہے ہو جو جدید تاریخ کی داغ بیل ڈالے گی۔"

انھوں نے مجھ کو یہ بھی بتایا کہ وہ چرچل اور ایٹلی سے مل رہے ہیں اور یہ کہ ماؤنٹ بیٹن کا نام سب سے پہلے ایٹلی ہی کے ذہن میں آیا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ایٹلی حالات کو بڑی چابک دستی اور عزم کے ساتھ گرفت میں لے رہے ہیں۔" ڈیوس نے کہا۔ "اور وہ واقعی چاہتے ہیں کہ ہندوستانی عوام زمام حکومت خود سنبھالیں۔"

ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس پالیسی سے متفق ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسا سمجھوتہ عمل میں آجائے جو نہرو اور جناح دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔

باب ۲

مباحثے اور ہدایات

لندن، بدھ ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء

لارڈ ٹمپل ووڈ نے حکومت کے ۲۰ فروری کے اعلامیہ پر اظہار ناراضی کا جو موشن پیش کیا تھا وہ واپس لے چکے ہیں اور اس طرح دار الامراء میں دو روزہ بحث ختم ہوگئی ہے۔

لارڈ ٹمپل ووڈ نے تعین وقت کے بارے میں جو سخت رویہ اختیار کیا تھا اس پر ان عظیم اور برگزیدہ ہستیوں نے بھی مباحثوں میں حصہ لیا جو تین تہائی صدی سے ہندوستانی انتظامیہ کی تواریخ میں مشہور و معروف ہیں۔ لارڈ ٹمپل ووڈ نے اپنے اعلان میں کہا تھا کہ تعین وقت دراصل ایقان و اعتماد کی خلاف ورزی ہے جس سے ہندوستان کے امن اور خوش حالی کو خطرہ پہنچ سکتا ہے۔ لارڈ ٹمپل ووڈ جیسا کہ سب کو معلوم ہے سکریٹری آف اسٹیٹ کی حیثیت سے ہندوستان میں سات سال گذار چکے ہیں اور وہ آج بھی سر سموئیل ہور کے نام سے معروف ہیں۔ انھوں نے مسٹر چرچل جیسی شخصیت سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے سلسلے میں سخت ٹکر لی تھی۔ لارڈ ٹمپل ووڈ کی اس مقبولیت اور شہرت کے پس منظر میں یہ موشن حکومت کے لئے بلاشبہ چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا اگر اس موشن کو زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل ہو جاتی تو ہندوستان کی آزادی کے لئے متحدہ قومی کوشش ناممکن ثابت ہو سکتی تھی۔ لارڈ لسٹوول نے جب اوّل دن کے مباحثے کے ختم ہونے کا اعلان کیا اس وقت تک حکومت کو شکست سے بچنے کی اُمید خفیف سی تھی۔

آج یہ خطرہ اور شدت اختیار کر گیا جب سائمن کمیشن کے مشہور و معروف لارڈ سائمن نے حزبِ مخالف کے مباحثے کی ابتدا کی۔ انھوں نے ایک گھنٹہ سے زیادہ تقریر کی۔ انھوں نے کہا۔ "میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ اس اقدام سے ہندوستان میں قیامِ امن تو ممکن ہی نہیں البتہ برطانیہ کے وقار کی رسوائیوں کا انتظام ہو گیا ہے۔"

اس تقریر کے بعد لارڈ ٹرنچرڈ نے بھی انتہائی تشویش ناک تقریر کی۔ اب ہندوستان کے واحد سابق وائسرائے لارڈ ہیلی فیکس بھی مباحثہ میں حصہ لینے کے لئے کھڑے ہوئے ہندوستانی امور میں ان کی یہ آخری فیصلہ کن مداخلت تھی۔ انھوں نے اعلان کیا۔ "میں اپنے قلیل علم کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اور باتیں صحیح و غلط ہو سکتی ہیں، لیکن یہ قدم قطعی درست نہیں ...... کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ آج ہندوستان کے لئے جو بھی حل پیش کیا جائے گا اُس پر نہ صرف اعتراضات کی بوچھاڑ ہو گی بلکہ نتائج بھی خطرناک نکلیں گے۔ بہرکیف میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں اُس وقت تک دولتِ عظمٰی برطانیہ کے اقدام کی مذمت نہیں کر سکتا۔ جب تک میں پورے اعتماد کے ساتھ دوسرے بہتر حل کی سفارش نہ کر سکوں ...... مجھے یہ کہتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے کہ آج جو پیغام اس ایوان سے ہندوستان کو بھیجا جا رہا ہے وہ لعنت و ملامت کا پیغام ہے اور جس کی بنیاد ناکامی، مایوسی اور اندیشہ کے جذبات پر رکھی گئی ہے۔"

اس کے بعد لارڈ سموئیل نے مجھ سے کہا کہ دارالامراء میں اب تک انھوں نے جتنی تقریریں سُنی ہیں اُن میں لارڈ ہیلی فیکس کی تقریر بڑی ہی موثر تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قدامت پسند پارٹی کے جتنے اخباری نمائندے موجود تھے تقریر سننے سے پہلے حکومت کے خلاف ووٹ دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن جب انھوں نے تقریر سُنی اور خصوصاً جب لارڈ ہیلی فیکس نے لارڈ ٹمپل ووڈ سے ایوان کو دو گروہوں میں تقسیم نہ ہونے کی اپیل کی تو سب نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ خیالات کا دھارا بالکل بدل چکا تھا۔ یہاں تک کہ ٹمپل ووڈ نے اپنا موشن واپس لے لیا۔

لندن۔ بُدھ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء

اگرچہ دارالعوام میں دو روزہ مباحثے کی ابتدا پارلیمنٹ کے شایانِ شان تھی ہی

لیکن جب کرپس، حکومت کے کیس کی وکالت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان کی تقریر سامعین کے دلوں کو مسخر کر چکی تھی اور میں ایسا محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ دارالامراء میں نئی پالیسی کی کلیدی جنگ جیتی جا چکی ہے۔ کرپس کی تقریریں مدلل، معقول اور دل نشین ہوا کرتی ہیں۔

ہندوستان کی آزادی کا جو سورج ضوفشاں ہونے والا ہے اس میں کرپس پہلے ہی حصہ لے چکے ہیں، تاریخ اُن کو فراموش نہیں کر سکتی، جیسا کہ لارڈ ہیلی فیکس نے کہا ہے کہ ۱۹۴۲ء کا کرپس مشن ایسا فیصلہ کن قدم ہے جس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا ۱۹۴۶ء میں بھی کیبنٹ مشن میں وہی نمایاں شخصیت بنے ہوئے تھے۔ دونوں بار وہ حیرت انگیز کامیابی کی آستاں تک پہنچے۔ لیکن آخری منٹ میں اُن کی کوششیں بارآور نہ ہو سکیں۔ کرپس نے بڑے دُکھ کے ساتھ یہ بات کہی کہ ۱۹۴۸ء کے بعد ہندوستان میں سلطنت انگلشیہ کے قیام کا سوال انتظامی اور فوجی دونوں لحاظ سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ انھوں نے نہ تو تعین وقت پر کوئی زور دیا نہ ہی لارڈ ویول کی خدمات کا دبے لفظوں میں اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اور لارڈ ویول کے اختلاف رائے کی جو چہ می گوئیاں شروع ہو گئی تھیں اس کی ایک طرح سے تصدیق ہو گئی۔ کرپس ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کیبنٹ مشن پلان پر نظر ثانی کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے خاتمہ تقریر میں کہا۔ "وقت آگیا ہے کہ ایک ایک فرقہ کے چھوٹے چھوٹے مطالبوں پر دھیان دینے کی بجائے ہندوستان کے وسیع تر مفاد پر غور کیا جائے۔"

قدامت پسند پارٹی کی طرف سے سر جون انڈرسن نے مفصل ترمیم پیش کی۔ اور کرپس نے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس کی حمایت کی۔ یہ فارمولا دراصل سر جون کے اس اقدام کی واضح نشان دہی کر رہا تھا کہ گذشتہ ہفتہ لارڈ ہیلی فیکس نے جو کچھ کہا ہے اس سے اتفاق کر لیا جائے کیونکہ کل چرچل اس پر اپنا اظہار خیال کرنے والے تھے۔ لیکن انڈرسن جیسے ذہین آدمی کے لئے بھی یہ کام مشکل نظر آ رہا تھا۔ جیسا کہ ہم سب کو یقین تھا انھوں نے اپنی ترمیم میں صرف حکومت کے تعین وقت کی تجویز پر کھل کر مذمت کی، وہ پارلیمنٹ کے ایسے رکن ہیں جنھوں نے ہمیشہ مایوس کیا ہے۔ ان کے کردار کا یہ پہلو بار باران کی زندگی میں نمایاں ہے۔ اُن کی تقریروں میں طمطراق پایا جاتا ہے اور اسلوب بیان گراں بار ہے جس کی وجہ سے ایوان میں

ان کے دلائل و اثرات کمزور ہو جاتے ہیں۔

ایوان کے ان ارکان کی طرف سے جو سب سے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے دلچسپ مشورے سننے میں آئے۔ اس موضوع پر غالباً سب سے اچھی تجویز ایک" سوشلسٹ "باغی" نے پیش کی۔ اس نے ہندوستان میں قومی اقلیتوں کے مسئلہ کو اٹھایا اور کہا کہ وہاں کی اقلیتیں سراسر اکثریت کے رحم و کرم پر ہیں۔ ان پر سرے سے اعتماد ہی نہیں کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان فرقہ قومی اقلیت سے کچھ آگے اور آزاد قوم سے کچھ پیچھے ہیں۔ اس نے روس کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کو اقوام متحدہ کی ساری سہولتیں ملنی چاہئیں اس طرح مسلمانوں کو یوکرین جیسا درجہ دلوانے میں مدد ملے گی۔

لندن، جمعرات، ۶ مارچ ۱۹۴۷ء

آج چرچل نے جب اپنی تقریر شروع کی تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم جس شعلۂ جوالہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی پھواریں پڑنے لگی ہیں۔ سالہا سال سے چرچل ہندوستان کے بارے میں اپنی مخالفت، ناپسندیدگی اور بیزاری پر سختی سے قائم ہیں۔ ہندوستان کا ایسا شاید ہی کوئی مسئلہ ہے جس کے خلاف انھوں نے اپنی انتہائی نفرت کا ثبوت نہ دیا ہو۔ انھوں نے آج ۱۹۴۲ء کے کرپس مشن سے اپنی تقریر کی ابتدا کی۔ اگرچہ اس وقت اس پیش کش کو قبول نہیں کیا گیا تاہم اب بھی ایوان کے دونوں فریق اس سے وابستہ ہیں۔ چرچل نے موجودہ پلان کی شدید مذمت کی اور کہا کہ یہ پلان اپنے اصول کی وسعت اور کلیت سے انحراف کر گیا ہے۔ انھوں نے کہا ــ "وائسرائے لارڈ ویول کو معزول کر دیا گیا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں اُن کی طرف سے وکالت کرنے آیا ہوں۔ وہ بہرحال حکومت کے ایک ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسے نازک دور میں انھیں معزول کیوں کیا گیا اور یہاں واپس آنے پر انھیں واقعات کی توضیح کے لئے مجبور کیوں کیا گیا۔؟" نئے وائسرائے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے کہا ــ "کیا حالات کو قابو میں لانے کے لئے وہ کوئی جدید قدم اٹھائیں گے یا محض انہی روایتوں کو دُہرائیں گے جن پر ان سے پہلے ممتاز و معزز افسران پابند رہ چکے ہیں؟

میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ محض حسرت ناک اور معیبت خیز انجام کو چھپانے کے لئے حکومت نے جنگ کی اتنی عظیم اور ممتاز شخصیت کو بھینٹ چڑھا دیا ہے۔" اس کے بعد انھوں نے پیشین گوئی کی اور کہا۔ "ہندوستان نہ صرف تقسیم ہو کر رہے گا بلکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ تعین وقت ہندوستانی فریقوں کو ہوش میں لانے کے لئے زیادہ سے زیادہ مطالبات پیش کرنے پر اُبھارے گا۔ ان فریقوں کا یہ دعویٰ کہ وہ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سراسر لغو، مہمل اور بکواس ہے۔ ان نام نہاد فریقوں کے ہاتھوں میں زمامِ حکومت سونپنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم مٹی کے ایسے پتلوں کو اختیارات دے رہے ہیں جن کا چند سال بعد نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہ حکومت اپنے حالیہ اقدام سے یعنی پندرہ ماہ کا وقت دے کر نئے وائسرائے کو نہ صرف اپاہج کر رہی ہے بلکہ ایجنڈا کی دوسری کارروائیوں کو جن کو بہر حال نمٹانا ہے تکمیل پذیر ہونے سے روک رہی ہے۔"

چرچل نے تعین وقت کو ناقابلِ فہم بتایا۔ انھوں نے کہا۔ "کیا ایوان کو یقین آئے گا کہ اس وقت فلسطین جیسی چھوٹی اور معمولی جگہ میں ہندوستان جیسے عظیم ملک کے مقابلہ میں تین چار گنی زیادہ برطانوی فوج موجود ہے، اس تقسیم کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔" اس کے بعد اُنھوں نے سوشلسٹ ممبر کی تجویز کی حیرت انگیز طور پر حمایت کرتے ہوئے کہا کہ مسلم اقلیت کے مسئلے کو اقوام متحدہ میں لے جانا چاہئے۔ اُنھوں نے کہا۔ "غنیموں اور دشمنوں کے خلاف بہتوں نے برطانیہ کی پشت پناہی کی ہے۔ لیکن کوئی اپنے خلاف اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ ہمیں کم از کم شرمناک حد تک جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہمیں راہِ فرار اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں کرب اور جانکنی کے اس اندوہناک عالم میں اپنے ان صاف و شفاف چہروں کو ذلت و رسوائی کے داغ دھبوں سے ملوث نہیں کرنا چاہیئے۔"

اخیر میں جب ٹریزری بنچ سے اٹیلی کھڑے ہوئے تو ایسا محسوس ہوا کہ حاضرین ان کا شدت سے انتظار کر رہے ہوں۔ اٹیلی کو اس سے پہلے بھی میں بارہا سُن چکا ہوں۔ لیکن ہندوستانی امور پر جو اُن کا خاص مضمون ہے ان کی زبان سے کچھ سننے کا یہ پہلا موقع ہاتھ آیا تھا۔ سائمن کمیشن کے دو سال تک وہ ممبر رہ چکے ہیں۔ جو ان کی زندگی

کا زبردست تجربہ ثابت ہوا ہے۔ وہ لوگ جو چرچل اور ایٹلی کے درمیان موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں ہندوستان کے بارے میں دونوں کی نیت کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔

اس موقع پر ایٹلی نے مباحثہ اور مناظرہ کے وہ وہ جوہر آشکارا کئے کہ میں مبہوت رہ گیا۔ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ ان کے اندر فصاحت و بلاغت کے بھی جوہر چھپے ہوئے ہیں۔ انھوں نے جو مختصر یادداشت تیار کی تھی وہ ایک طرف رکھی رہ گئی اور زبان سے وہی کچھ نکلا جو اُن کے دل و دماغ میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خطابت کے سارے تیر ایک ایک کر کے دلوں کے پار ہوتے گئے۔ آخر وقت تک ان کی طرز ادا نہیں بدلی۔ اس شخص کے سینے میں دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی ہے جو روحانیت کی دیانت داری سے ہمیشہ روشن رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی ایسے مواقع آتے ہیں وہ بلندیوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔ چرچل ان ہلکے، سبک اور سنجیدہ طنز سے مار کھا گئے۔ یہ دست بدست جنگ تھی جو کبھی کبھی عوام کے سامنے تو ہم ہار جاتے ہیں لیکن پارلیمانی اکھاڑے کی کشتیاں جیت لی جاتی ہیں۔

ایٹلی نے بڑی سختی سے اس نظریہ کو غلط ثابت کیا کہ ویول کو یہاں واپس آنے کے بعد واقعات کی توضیح کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔" مقامی زبان میں میں یہ کہوں گا کہ اگر باؤ لنگ کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کی توضیح ہمیشہ تفصیل سے کرنا ضروری نہیں۔" جہاں تک ہندوستانی لیڈروں کو حکومت میں شامل کرنے کا سوال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان مسائل کو ابھی سے سمجھنا شروع کردیں جن کا سامنا ان کو آگے چل کر کرنا ہے ...... ہم سالہا سال سے جو اصلاحات نافذ کرتے آرہے ہیں ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ذمہ داری کی بجائے غیر ذمہ داری کا سبق زیادہ تن دہی سے پڑھایا گیا ہے۔ ہندوستان کے جتنے بھی سیاست داں ہیں انھوں نے ہمیشہ ہماری مخالفت کی۔ میں اپنے وسیع تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ہمیشہ مخالفت میں رہنا اچھا نہیں ہے۔"

اس کے بعد اقلیتوں سے متعلق انھوں نے ہماری ذمہ داریوں پر اپنا خیال ظاہر کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے بڑی ہی دور اندیشی دکھائی اور بولے :" حکومت برطانیہ نے اچھوتوں کو ہندو معاشرے میں جگہ دلانے یا ان کی پوزیشن کو بہتر بنانے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ سوائے دو ایک مستثنیات کے ہم اسی معاشی اور سماجی دستور سے

چھپکے رہے جو ہم نے یہاں آکر دیکھے تھے۔ انھوں نے ایوان سے پوچھا ــــ "اب جب کہ ہماری حکومت چراغ سحری بن گئی ہے ہم سے یہ کیوں کہا جارہا ہے کہ رختِ سفر باندھنے سے پہلے ہم ان ذمہ داریوں کو پورا کریں ورنہ ہم اپنا اعتبار اور اعتماد کھو بیٹھیں گے؟ اگر اعتبار اور اعتماد باقی ہے تو ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے بہت پہلے سبک دوش ہو جانا چاہئے تھا۔ تاخیر اور ٹال مٹول میں جو خطرات پوشیدہ ہیں ان سے کہیں زیادہ خطرہ پیش قدمی میں ہے۔ انھوں نے تقریر کو ختم کرتے ہوئے کہا" مجھے یقین ہے کہ متفقہ طور پر نئے والسرائے کے مشن کی تکمیل کے لئے ایوان اپنی نیک خواہشوں کا اظہار کرے گا۔ یہ مشن خود کو گمراہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایک ذمہ داری کی تکمیل کے لئے ہے۔"

وزیر اعظم کی تقریر خصوصًا تقریر کے اختتام نے پچھلی نشستوں کے حاضرین کو اپنا حامی بنا لیا۔ حالانکہ یہ وہ ممبران ہیں جو عام طور پر ہندوستان کے بارے میں تعصب اور تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں لیکن اس وقت ان کے دلوں کے غبار کو جیسے کسی نے دھو دیا تھا۔ جب رائے شماری کے لئے ایوان دو گروپوں میں تقسیم ہوا تو حکومت کی پالیسی اور مشن کی حمایت میں ۳۳۷ ووٹ اور مخالفت میں ۱۸۵ ووٹ ملے۔ ایٹلی نے ایوان سے اپیل کی تھی کہ ایوان کی طرف سے ہندوستانی لیڈروں کو خیر سگالی کا مشترک پیغام دینا چاہئیے لیکن ایوان کو دو گروپوں میں تقسیم ہونے سے کوئی روک نہ سکا اس کے باوجود ایوان سے ہر ممبر یہ احساس لے کر باہر آیا کہ حکومت اور حزب مخالف کے درمیان اختلافات کی جو وسیع خلیج حائل تھی وہ تنگ ہو چکی ہے اور چرچل کی نزاعی باتوں سے کوئی متاثر نہیں ہوا ہے۔

لندن۔ پیر ۱۰ / مارچ ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن خود کو سیاسی حالات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے سارا کام ابتدا سے کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے ہندوستان کا سب سے پہلا دورہ ۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلز کے اے۔ڈی۔سی کی حیثیت سے کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اکتوبر ۱۹۴۳ء اور اپریل ۱۹۴۴ء تک نئی دھلی میں مقیم رہے کیونکہ سپریم الائڈ کمانڈر کا ہیڈ کوارٹر یہی تھا۔ اگرچہ ان کے فرائض فوجی نقل و حرکت ہی تک محدود نہ تھے تاہم وہ ہندوستان کی سیاسی فضا سے

الگ ہی رہے۔

ماؤنٹ بیٹن کی نہرو سے پہلی ملاقات ملایا میں ہوئی تھی۔ نہرو لارڈ ویول کے مشورے سے یہاں ہندوستان کی بھاری اقلیت کے حالات معلوم کرنے آئے تھے۔ ملاقات بڑی ہی دلچسپ اور خوش آئند ثابت ہوئی۔ میں خود اس ملاقات میں موجود تھا۔ میں نے اس ملاقات سے اندازہ لگایا تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن کی نئی تقرری کا اعلان ہوتے ہی ملاقاتوں اور انٹرویو کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ انھوں نے بادشاہ سے بھی ملاقات کی۔ بادشاہ برابر کابینہ کی انڈیا اور برما کمیٹی میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہ کابینہ ایٹلی، کرپس، الیگزنڈر اور پیتھک لارنس پر مشتمل ہے چیف آف اسٹاف اور انڈیا آفس کے ماہروں سے بھی ماؤنٹ بیٹن کی تفصیلی گفتگو ہوئی۔....

.......اس گفتگو میں بہت سارے مسائل زیر بحث آئے۔ مثلاً وائسرائے کو حکومت کا ہدایت نامہ، انڈین سول سروس کی تلافی کا سوال، ہندوستان سے برطانوی شہریوں کی نقل و حرکت، گورکھوں اور بحریہ ہند کے دفاع کا مستقبل۔

سب سے پہلا اور اہم سوال گورنر جنرل کی اُن ہدایات کی دستاویز پر غور و خوض کرنا ہے جن میں ترمیم کی گئی ہے۔ یہ سرکاری رہ نمایانہ ہے جس کو روبہ عمل لانا ان کا فرض ہے اور ان کو نئی ہدایات پر اہم کردار بھی ادا کرنا ہے۔ موجودہ دستاویز عملاً پارلیمنٹ کے ارادوں کی تعمیل اور تکمیل ہے جیسا کہ ایکٹ ۱۹۳۵ء میں بھی شامل ہے اور اگرچہ اس کی قانونی دفعات دولت عظمیٰ برطانیہ کی نئی پالیسی سے متصادم نہیں ہوتیں اس لئے دونوں یکساں بھی نہیں۔ سچ پوچھئے تو دستاویز کا قطعی جدید ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ انتقال اختیارات کے نئے قانون کی منظوری تک براہِ راست تضاد کا امکان نہیں اس لئے حکومت اسے جاری رکھنے پر رضامند ہوگئی۔

ماؤنٹ بیٹن نے وزیر اعظم ایٹلی کو ایک مکتوب کے ذریعہ اس بات پر زور ڈالا تھا کہ دستاویز کی توسیع کے لئے جس نوعیت کا بھی ہو رہ نمایانہ ضروری ہے کیونکہ وہ اپنی تقرری کے مقصد کی وضاحت کو بے حد اہم سمجھتے ہیں۔

اسے منظور کر لیا گیا تو ماؤنٹ بیٹن متن کا مسودہ تیار کرنے میں مصروف ہوجائیں گے۔

اس مسودہ میں ان کی رہبری کے لئے پالیسی کے اہم نکات حسب ذیل ہوں گے:۔

(۱) حکومت برطانیہ کا قطعی مقصد برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے لئے برطانوی دولت مشترکہ کے تحت وحدانی طرز کی حکومت قائم کرنا ہے۔ بشرطیکہ اس کا نظم و نسق چلانے کے لئے کیبنٹ مشن پلان کے مطابق ایک دستور ساز اسمبلی ہو۔ انھیں ہدایت کی گئی ہے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ تمام پارٹیوں کو مل جل کر کام کرنے پر رضامند کریں۔" برطانوی دولتِ مشترکہ کے اندر۔ بشرطیکہ" والا فقرہ ماؤنٹ بیٹن کی درخواست پر شامل کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ شدت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ مسئلے کا حل نکالنا جس طرح بھی ہو ضروری ہے تاکہ ہندوستانی پارٹیوں کے دلوں میں نیک جذبہ وخلوص کا ایسا نقش مرتسم ہوجائے کہ وہ دولت مشترکہ میں رہنے پر مجبور ہوجائیں

(۲) چونکہ کیبنٹ مشن پلان برطانوی ہند کے لئے اس وقت زیر عمل آسکتا ہے۔ جب دو بڑی پارٹیوں کے درمیان معاہدہ کی صورت پیدا ہو لہٰذا کسی ایک پارٹی کو بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یکم اکتوبر تک دو پارٹیوں میں وحدانی طرز حکومت کی بنیاد پر معاہدہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ماؤنٹ بیٹن تعین وقت تک انتقالِ اختیارات کے لئے اپنے دوسرے اقدام سے حکومتِ برطانیہ کو آگاہ کردیں گے۔

(۳) مسٹر ایٹلی نے ریاستوں اور ان کے تعلقات کے بارے میں ان سے کہا ہے کہ وہ ہر والیٔ ریاست کو اس بات پر آمادہ کرنے کی انتہائی کوشش کریں کہ اُن کے یہاں زیادہ سے زیادہ جمہوری طرز کی حکومت کی فضا بحال ہو اور برطانوی ہند کے لیڈروں کے ساتھ ان کے مناسب تعلقات پیدا ہوں تاکہ مستقبل میں دونوں کے درمیان مستحکم رشتے کی بنیاد پڑ سکے۔

(۴) جہاں تک برطانوی ہند میں اُن کے انتظام کار کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہندوستانیوں کے ساتھ قریب ترین تعاون و امداد بہت ضروری ہے۔

(۵) انتقال اختیارات دفاع ہند کی ضرورتوں کے لحاظ سے ہوگا۔ انھیں ہندوستانی لیڈروں کے دلوں میں یہ بات بٹھانی ہوگی کہ افواج ہند کے قیام میں شگاف نہ پڑنے پائے اور ساتھ ہی بحیرۂ ہند کی حفاظت کے لئے مستقل اشتراک کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

ایٹلی کے مکتوب میں دریافت طلب مسائل ایسے شامل کئے گئے ہیں جو شاید ہی کبھی

حکومت نے وائسرائے کو دیئے ہوں۔

لندن منگل ۱۱ مارچ ۱۹۴۷ء

مصروفیتوں اور ملاقاتیوں کی افراتفری کے باوجود ماؤنٹ بیٹن حزب مخالف کے لیڈروں سے ملاقات کرنا نہ بھولے۔ ان سے جو باتیں ہوئیں وہ زیادہ تر نجی اور غیر رسمی تھیں آج رات وہ لارڈ سموئل سے پہلی بار ملنے کے لئے میرے فلیٹ میں تشریف لائے۔ لارڈ سموئل چند منٹ پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن ٹھیک وقت پر آئے۔ اس وقت ان کو غیر معمولی لباس میں دیکھ کر ہم چونک پڑے۔

انھوں نے بڑے دُکھ کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا کہ بادشاہ مکرم نے نئی تقرری کے سلسلے میں مجھ سے خود درخواست کی اور کہا کہ میں اسے اپنا قومی فرض سمجھ کر منظور کر لوں۔ ایٹلی نے میری تقرری پر حسنِ اخلاق و آداب کا ثبوت دیا لیکن حزب مخالف کے لیڈر یہ کہتے رہے کہ یہ تقرری دراصل وزیر اعظم کی اپنی ہے۔ تعین وقت کا بدل میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ جون ۱۹۴۸ء کوئی طویل مدت نہیں ہے۔ لیکن ویول نے خود اس تعین وقت کا ان اسباب کی بنا پر مشورہ دیا تھا کہ اُس وقت تک انتظامی امور کمزور پڑ جائیں گے۔ اپنے ذاتی خیال کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ میں اُسی وقت یہ ذمہ داریاں قبول کروں گا۔ جب حالات معمول پر آجائیں گے۔۔ بہار اور بنگال میں حالیہ خلفشار کے بعد اب کچھ سکون ہے لیکن پنجاب کے بحران کو روکنا قطعی ممکن نہیں۔ کوالیشن پارٹی کا مسلمان وزیر اعظم گذشتہ پانچ ماہ سے ہر رات کو در بدر پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اُسے کسی مسلم لیگی کے ہاتھوں قتل ہو جانے کا خطرہ درپیش ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں صوبہ سرحد میں بھی حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔

"سر ہیو برٹ رانس" برما کا گورنر ہو کر برما جانے والے تھے تو ماؤنٹ بیٹن نے انھیں متنبہ کیا تھا کہ وہ حالات معمول پر آنے کے بعد ہی رختِ سفر باندھیں، لیکن اُنھیں اپنے فرض کا اتنا پاس تھا کہ وہ کچھ دن پہلے ہی روانہ ہو گئے۔ جب وہ رنگون پہنچے تو مکمل ہڑتال تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ہڑتال کا الزام ان ہی پر رکھا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن کو اس وقت وہ ساری باتیں یاد آرہی تھیں لیکن انھیں یقین تھا کہ اگر وہ ہندوستان اس عالم میں بھی

پہنچ جائیں تو ذمہ داری ان پر عائد نہیں کی جائے گی، بلکہ اُنھیں گفت وشنید کرنے میں فائدہ ہی ہوگا۔ انھوں نے حاضرین سے اپنے پروگرام کے سلسلے میں مشورے طلب کیے۔ اپنے ہی سوال کا جواب دیتے ہوئے اُنھوں نے کہا۔

"میں شملہ میں کلیدی لیڈروں سے ایک ہفتہ تک نجی گفتگو میں حصہ لوں گا۔ اس طرح مجھے کسی مزاحمت کے بغیر تبادلۂ خیالات کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ سموئیل صرف ان کی باتیں سنتے رہے۔ لیکن انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ انتقال اختیارات کے بعد بھی دولتِ عظمیٰ برطانیہ کے ساتھ آئینی رابطہ بہت ضروری ہے۔

اس ملاقات کا انتظام میں نے ہی کیا تھا جس کے لئے میں انتہائی خوش ہوں۔ بلاشبہ سن وسال اور فکر ونظر کے لحاظ سے دونوں میں کوئی میل نہیں لیکن بہت سی باتیں مشترک بھی ہیں۔ دارالامرا میں سموئیل کا اثر بے پناہ ہے لہذا آئندہ چند ماہ میں ان کی عنایتیں اور نوازشیں بیش قیمت ثابت ہوں گی۔

لندن۔ جمعرات ۱۳ مارچ ۱۹۴۷ء

رختِ سفر باندھنے کے لئے صرف چند دن اور رہ گئے ہیں۔ اس عرصے میں سیاسی پس منظر سے میں خود کو نہ صرف اچھی طرح آگاہ کر رہا ہوں بلکہ آمادہ بھی کر رہا ہوں۔ آج ڈنر میں نے سر جارج اور لیڈی شوسٹر کے ساتھ کھایا۔ سر جارج، لارڈ ہیلی فیکس کے عہد حکومت میں وائسرائے کی اکزیکیٹو کاؤنسل میں وزیر مالیات رہ چکے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کے موجودہ عملے کو دیکھ کر وہ خوش ہوئے۔ لیکن انھوں نے مسلمانوں میں اوّل درجے کی عدم قیادت پر اظہار افسوس کیا۔ انھوں نے کہا۔

"۱۹۳۰ء میں جو گول میز کانفرنس ہوئی تھی اس میں جناح اس حد تک ناکام رہے کہ ہندوستان واپس جانے کی بجائے انھوں نے اپنی بہن کے ساتھ اسکاٹ لینڈ میں گوشۂ تنہائی اختیار کرلیا تھا۔ وہیں ان سے کئی بار شرف ملاقات حاصل کرنے کا موقع ملا۔" اس کے بعد انھوں نے پنجاب کا حوالہ دیا اور کہا کہ ہندوستان کا یہ صوبہ بھی ایک المیہ ہے۔ کیونکہ پچاس سال کی اصلاح اور فرقہ وارانہ اتحاد مسلم لیگی تعصب کی بھینٹ چڑھ گئے۔

ماؤنٹ بیٹن کے ابتدائی دشوار مسائل میں سے ایک مسئلہ انڈین سول اور ملٹری سروس

کو معاوضہ دینے کا ہے۔ انھیں اس اہم مسئلہ کو ہندوستان جانے سے پہلے متفقہ پالیسی کے ذریعہ حل کرلینا تھا۔ چنانچہ آج اس پالیسی پر بھی فیصلہ ہوگیا۔

سکریٹری آف اسٹیٹ (انڈین سول و ملٹری سروس) کی سروس کا جہاں تک تعلق ہے۔ ان سے پہلے ہی تین وعدے کرلئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ آئینی تبدیلیوں کی وجہ سے ان کو عہدوں سے یونہی سبکدوش نہیں کیا جائے گا بلکہ جنگی سروسوں کے امیدواروں کی طرح انھیں بھی عہدوں سے سبکدوش ہوتے وقت یک مشت رقم دی جائے گی۔ یعنی یہ رقم ہر حال میں اُس رقم سے زیادہ ہی ہوگی جو اپنی مرضی سے سُبک دوش ہوتے وقت ملا کرتی ہے۔ دوئم یہ کہ خواہ وہ نئی حکومت میں کام کریں یا نہ کریں بہر صورت سکریٹری آف اسٹیٹ سے ان کا معاہدہ منسوخ سمجھا جائے گا اور سوئم یہ کہ انھیں نئے حالات میں کام کرنے پر کسی طرح بھی مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر حکومتِ ہند نے اُن کی تنخواہوں کی شرح میں کم کرنے کا کوئی ارادہ کیا تو اس اقدام کی سختی سے مخالفت کی جائے گی۔ مذکورہ تینوں وعدے یوروپین اور انڈین سول سروس کے لئے ہیں۔ ان میں امتیاز کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔

ہندوستان کے وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے معاوضہ دینے کے سوال کی بہ حیثیت مجموعی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا۔ "نئی حکومت سابقہ حکومت کے کئے ہوئے وعدوں پر عمل پیرا نہیں ہوسکتی۔ اور اگر اس بات پر اصرار کیا جاتا رہا تو پھر برطانیہ کا خزانہ اس کا بار سنبھال لے۔" پٹیل کے اس خیال میں تبدیلی لانے کے لئے پارلیمانی انڈر سکریٹری برائے انڈیا مسٹر آرتھر ہنڈرسن جنوری میں لندن سے دہلی گئے لیکن پٹیل اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اس رویہ سے ماؤنٹ بیٹن کے کام میں رکاوٹ ضرور پڑی مگر ان کا خیال نہیں بدلا۔ انھوں نے پُر زور الفاظ میں کہا کہ اسکیم واپس نہیں لی جائے گی۔ البتہ اس میں اتنی ترمیم کی جائے گی کہ اس کی وجہ سے نقصان صرف برطانوی قوم کے افراد کو ہوگا۔ اگر حکومتِ ہند معاوضہ کی رقم دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو مجھے یہ کہنے کا حق دیا جائے کہ دولت عظمیٰ برطانیہ ان کی ضمانت کے لئے تیار ہے۔

لندن۔ پیر، ۱۷ مارچ ۱۹۴۷ء

آج مصروف ترین دن گذرا۔ سویرے سویرے چسٹر اسٹریٹ میں میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن

سے ملا۔ وہ عملے میں میری شرکت سے بے حد خوش ہیں۔ میں نے ان سے گذشتہ شب بیٹن اور لیڈی بیٹن کے ساتھ عشائیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ لیڈی بیٹن نے سردار پٹیل کی صاحبزادی مانی بن کے بارے میں بڑی دلچسپ بات بتائی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ مانی بن کا اثر سردار پٹیل اور خاندان کے دیگر افراد پر بہت زیادہ ہے اور وہ برطانیہ کے ارادوں کو شکوک کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے جناح کی ہمشیرہ کے بارے میں کہا کہ وہ بھی کم با اثر نہیں ہیں۔ ان کے خیالات ونظریات بھی بڑے شدید ہیں، جو موجودہ حالات میں خوفناک اثر ڈال سکتے ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو پہلے ہی ہدایت دے چکے ہیں کہ وہ جلد از جلد ان خواتین سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کریں جن کا اثر ہندوستان کی سیاست پر ہے اور جو قصر وائسرائے سے اب تک غیر متعلق رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ماؤنٹ بیٹن کی تحریک خیر سگالی کے لئے سماجی حکمتِ عملی اور موقع شناسی اہم کردار ادا کرے گی۔ ساتھ ہی مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اس میدان میں جس پر پہلے کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے کامیاب دوسری کوئی شخصیت نہیں ہوسکتی۔ پامیلا یعنی ان کی چھوٹی صاحبزادی بھی ہمراہ جارہی ہیں۔ ان کا سن اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنے والدین کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہیں۔ خصوصاً وہ یوتھ تحریکوں سے اپنے آپ کو متعارف کرانا چاہتی ہیں۔

میں نمبر ۱۰ ڈوننگ اسٹریٹ گیا اور وہاں وزیر اعظم کے افسر تعلقات عامہ فرانسس ولیم کے ساتھ کام کی باتیں کیں۔ انھوں نے متعدد مفید تعارفی خطوط دیئے اور میرے کام سے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ انڈیا آفس کے شعبۂ اطلاعات کے متعلقہ افسر اے۔ ایچ جوائس نے بھی میری مدد کی۔ ان کے خیالات بڑے معقول ہیں۔

شام کو ہائی کمشنر سر سموئیل رنگا نادھن نے انڈیا ہاؤس میں دعوت استقبالیہ دی۔ پریس کے نقطۂ نظر سے یہ سچ مچ بیئر گارڈن ہے جہاں پریس کے نمائندوں کا اچھا خاصہ اجتماع نظر آیا۔ میں نے ماؤنٹ بیٹن کو پہلے سے خبر دار کر دیا تھا کہ وہ انڈیا میں جہاں تک ممکن ہو سکے۔ پریس کانفرنس سے محفوظ رہیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ

یہاں اخبار کے اتنے سارے نمائندے اور فوٹو گرافر آجائیں گے۔ لندن کے تقریباً بارہ نامہ نگار جن کا ہندوستانی اخباروں سے تعلق ہے ماؤنٹ بیٹن کو گھیر کر شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگے۔ میزبان نے اپنے معزز مہمان کو نامہ نگاروں کے دست برد سے بچانے کی تھوڑی سی بھی کوشش نہیں کی۔ ایک رپورٹر نے تو کمال ہی کر دیا۔ اُس نے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی کارل مارکس کا مطالعہ کیا ہے اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اُنھیں یقین دلایا کہ وہ ان کی اس تقرری سے بے حد خوش ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ سمندر کے راستے برطانیہ کے انخلا کا کام ایک امیر البحر ہی اچھی طرح انجام دے سکتا ہے! میں ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ پارٹی سے نکل گیا۔ انھوں نے پارٹی پر صرف اتنا سا تبصرہ کیا "ہم زندہ ہیں اور زندہ رہنا سیکھ رہے ہیں۔"

لندن۔ منگل ۱۸ ر مارچ ۱۹۴۷ء

آج صبح کا وقت سامان باندھنے ہی میں گذرا، پھر انڈیا آفس آیا اور اسمے کو گذشتہ شب کی روداد سُنائی۔ اس پر اُنھیں چرچل کا وہ مقولہ یاد آگیا جو پریس اور اُن کے تعلقات کی صحیح تصویر کھینچتا ہے۔ چرچل نے صرف اتنا کہا تھا۔ "فتح حاصل کرنے یک سب کچھ موقوف ہے۔ فلیٹ اسٹریٹ میں ایک ایڈیٹر کے ساتھ عصرانہ کھایا جس نے ہندوستان کے چند بڑے بڑے تاجروں کے خلاف تلخ الفاظ استعمال کیے۔ اُس نے کہا۔ "دولت بٹورنے کے علاوہ ان کا کوئی اصول نہیں، جن کا نہ کوئی اچھا ذوق ہے اور نہ اچھا کلچر ہے جو بھونڈے اور بدنما مکانوں میں بیٹھ کر گھٹیا قسم کا کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے یہ بھی کہا۔ "ان کا نظریہ ان سیاسی لیڈروں کی عینیت سے قطعی مختلف ہے جن کی وہ حمایت کر رہے ہیں۔"

شام کو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے رائل آٹو موبائل کلب میں الوداعیہ دعوت دی۔ ماؤنٹ بیٹن اس کلب کے صدر ہیں۔ سات سو مہمانوں کے اجتماع سے کھوے سے کھوا چھلنے لگا تھا۔ اس اجتماع میں لندن کی تقریباً ساری ہی نامور شخصیتیں موجود تھیں۔ ڈیوک آف گلوسسٹر اور ڈچس آف کینٹ بھی تھیں۔ مسٹر اٹیلی کو میں نے ایک طرف تنہا چُپ چاپ کھڑا پایا۔ وہ اس وقت کسی سے مخاطب بھی نہ تھے۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا اور اپنا تعارف کرانے کے لیے آگے بڑھا۔ کیمبل جانسن سُن کر وہ حافظے

میں کچھ دیر ڈبکیاں لیتے رہے اور یہ نام اُن کے ذہن میں بازگشت کرتا رہا۔ اُن کے ذہن میں میرے والد ماجد کا نام یاد تھا۔ میں نے انھیں بتایا کہ یہ میرا ہی نام ہے۔ انھوں نے میرے نام کی نوعیت دریافت کی اور جب انھیں معلوم ہوا تو بولے کہ تم کو اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

اس کے بعد لوئل کا ورڈ سے تھوڑی دیر بات چیت کرتا رہا۔ انھوں نے ماؤنٹ بیٹن سے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے بہت بڑا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔

مالٹا۔ بدھ ۱۹ر مارچ ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن اور اُن کے عملے کو ہندوستان لے جانے کے لئے دو ہوائی جہازوں کا انتظام ہوگیا تھا۔ MW 151 اور MW 152 دونوں جہاز علی الترتیب کبھی بادشاہ اور ماؤنٹ بیٹن کے لئے مخصوص تھے۔ طے یہ پایا کہ ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور پامیلا کل پرواز کریں۔ ان کے ہمراہ رونی بروکن اور "پیٹر ہووس" بھی ہوں گے۔ میں نے اسٹے کے ساتھ ہوائی جہاز میں سفر کرنے کا ارادہ کیا۔

وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمیں تھوڑا سا مان چھوڑنا پڑا۔ ہم وقت مقررہ سے نصف گھنٹہ بعد یعنی دن کے ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوئے۔ ہمارے سفر کا پہلا مرحلہ سپاٹ تھا۔ ابھی مشکل اور دشوار سفر طے کرنا باقی ہے۔ ہم شمالی افریقہ کے ساحل سے ہوتے ہوئے مالٹا آ گئے۔

عشائیہ کے بعد ہماری پارٹی کے ایک ممبر نے مالٹا کی تہذیب، رسم و رواج اور تاریخ، سنگ تراشی وغیرہ میں بڑی دلچسپی دکھائی۔ اس نے کہا کہ سو سال پہلے ایک برطانوی افسر نے یہ قانون بنا دیا تھا کہ ہر وہ جہاز جو یہاں لنگر انداز ہو اُس سے چنگی وصول کی جائے۔

فیض۔ جمعرات ۲۰ر مارچ ۱۹۴۷ء

ہم ایک گھنٹہ پیشتر ہی بستر سے اُٹھ بیٹھے، ناشتہ کیا اور نو بجے تک بالکل تیار ہوگئے۔ بحر روم کے کمانڈر اِن چیف امیر البحر ویلیس ہمیں الوداع کہنے کے لئے ہوائی

اڈے تک آئے۔ موسم بڑا خوش گوار تھا۔ ہم نے تین ہزار فٹ سے نیچے دیکھا تو سمندر مچھلیوں کا حوض معلوم ہو رہا تھا۔ اور تباہ کن کشتیاں، بڑے بڑے جہاز اور طیارے رنگین سمندر میں رنگین اور منقش جہاز دکھائی دے رہے تھے۔

ٹھیک چائے نوشی کے وقت ہم فیض پہنچ گئے۔ ہم یہاں سے فوراً افسروں کے کلب کی طرف روانہ ہوئے۔ دھوپ تیز تھی اور ہم گرمی سے بچنے کے لئے سایہ ڈھونڈ رہے تھے کہاں تو انگلستان کی کڑکڑاتی سردی اور کہاں ایسی گرمی کہ ہم نے اپنی صدریاں تک اُتار دیں۔ عرب کے ریگستان میں جوں جوں رات کا اندھیرا پھیلنے لگا ہماری نگاہوں نے ایک بار پھر نیلے رنگ کو سوسنی رنگ میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا۔ ہمارے لئے رنگوں کا یہ جادو بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔ شام کو اسمے کے پرسنل اسسٹنٹ جان لاسلس نے ہم سے اپنے ایک دوست کا تعارف کرایا جو تقریباً دس سال سے یہاں سراغ رساں افسر ہیں۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ ہم نے وہاں ایسی عمدہ شراب بھی پی جو برسوں کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ جرمن بینڈ بھی سُنا جس سے سترہ ہزار جرمن جنگی قیدیوں کے دلوں کی دھڑکنوں کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ یہ قیدی اب تک مصر میں محبوس ہیں۔ انھوں نے "دی بلیو ڈینیوب" کا نغمہ چھیڑا۔ ہماری درخواست پر "للی مارلین" کا گیت بھی ساحل سوئز کی فضاؤں میں بکھیر اگیا۔ یہ سُن کر وائسرائے کے تصورات سحر بن کر ہمارے جذبات میں گھل مل گئے۔

کراچی۔ جمعہ ۲۱ر مارچ ۱۹۴۷ء

دس گھنٹے تک پرواز کرنے کے بعد ہم کراچی پہنچے۔ اس اہم لیکن چھوٹے سے ہوائی مستقر کو جدید بنایا گیا ہے۔ زمانۂ جنگ کے مقابلے میں آج کل یہاں طیاروں کی آمدو رفت بہت کم ہو گئی ہے۔ دورانِ جنگ میں ہم یہاں کن کن مشکلات میں گھرے تھے، کیا کیا تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں، ان باتوں کو سوچتا ہوں تو اپنے اوپر غصہ آتا ہے سخت تعجب ہوا کہ طیارہ سے اُترتے وقت جو پہلی آواز میرے کانوں میں آئی وہ بنگ کراسبی کا ایک ریکارڈ تھا جو بجایا جا رہا تھا۔ مجھے یاد ہے جب یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء میں پہلی بار میرا طیارہ ہندوستان کے ہوائی مستقر پر اُترا تھا تو میں نے یہی نغمہ سُنا تھا۔

باب ۳

پہلا ہفتہ

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی:

ہفتہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء

صبح سویرے ٹھیک سوا نو بجے ہم نے کراچی کو خدا حافظ کہا۔ رات سکون کی نیند نہ نہ آئی۔ کبھی سوتا کبھی جاگ پڑتا۔ سندھ اور راجپوتانہ کے تپتے صحراؤں سے دہلی تک کا آٹھ سو میل جان لیوا سفر طے کرنا پڑا۔ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان میرا یہ ساتواں فضائی سفر تھا۔ اور ہر بار چار ہزار کے رقبہ پر پھیلے ہوئے تپتے ہوتے صحراؤں سے واسطہ پڑا۔ یعنی تیونس سے لے کر ہمالیہ کی ترائی تک ریگ زاروں کا لا تتناہی سلسلہ نظر آیا کیا۔ ہم رات کے ٹھیک ساڑھے بارہ بجے پالم ہوائی اڈہ پہ تھے۔ کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل آرکنلک نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ ہم ان کے اعلیٰ اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے۔ کیونکہ دو گھنٹہ بعد ہی انھیں پھر ماؤنٹ بیٹن کا خیر مقدم کرنا تھا۔ سامان کے اٹھانے اور لے جانے کے جھگڑوں سے ہم بچ گئے۔ ہمیں فوراً وائسرائے کی کار مل گئی۔ یہیں سے سالِ رواں کی اہم ترین ذمہ داریوں کا بار میرے شانے پر رکھا گیا۔

قصرِ وائسرائے میں قدم رکھتے ہی یہ خوش خبری سنائی گئی کہ آج ہم ویول کے یہاں مدعو ہیں۔ ویول اور لیڈی ویول آخری بار لنچ پارٹی دے رہے تھے۔ کیونکہ ویول وائسرائے کے عہدہ سے سبک دوش ہو رہے ہیں۔ دعوت کا انتظام گلستان مغل کے چبوترہ پر کیا گیا

تھا۔ ہم ادھر ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے لئے چشم براہ تھے۔ اُدھر اسمے نے اپنے اُن چند پُرانے "خدمت گاروں" کے ساتھ دوستانہ گفتگو چھیڑدی جن سے اُن کی دیرینہ رفاقت تھی۔ اسمے نے یہاں کچھ عرصہ ولنگڈن کے ملٹری سکریٹری کی حیثیت سے گذارا تھا۔

میری نشست والسرائے کے بازو میں تھی۔ مجھے پہلے ہی ہوشیار کردیا گیا تھا کہ وہ مجھ سے شاید بے تکلف نہ ہوں، لیکن جلد ہی شیریں کلامی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جب اُنہیں میرے کام کی نوعیت معلوم ہوئی تو اُنھوں نے اشاعتِ کتب کی بات شروع کردی۔ چونکہ وہ خود مصنف ہیں اس لئے انھوں نے پبلشروں کی ان فنی دشواریوں سے خوب دلچسپی لی جو زمانۂ جنگ سے اُن کو پیش آرہی تھیں۔ اِن باتوں کے بعد انھوں نے اپنے فوجی مراسلات کی اشاعت کے بارے میں کہا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس رپورٹ کی اشاعت ماؤنٹ بیٹن کی اس رپورٹ جیسی ہو جس کا تعلق جنوب مشرقی ایشیا کمان سے ہے اور جو مہینوں کی سخت جانفشانی کے بعد کمبائنڈ چیف آف اسٹاف کو پیش کی جانے والی ہے۔ ویول نے کہا ۔"میں نے اس بارے میں کوئی زحمت نہیں اُٹھائی۔ جنگی مراسلات لکھنے کا اب تو طریقہ ہی بدل گیا ہے۔ وہ زمانہ یاد کیجئے جب واٹرلو کی جنگ کے بعد شام کو ولنگڈن، جنگ کی رپورٹ تحریر کرتے تھے۔ اُس زمانے میں رپورٹ محض سرکاری یا غیر سرکاری، اس طرح کی پہلی خبر ہوا کرتی تھی کہ جنگ چھڑ گئی ہے خود ہیگ کی رپورٹ پہلی جنگ عظیم کے بعد مکمل ہوئی تھی۔ اسی رپورٹ میں انھوں نے اپنے ایک جنرل کے بارے میں لکھا ہے ۔"وہ اپنی رپورٹ میں اس حد تک معروف تھا کہ وہ پسپا ہوتی ہوئی دشمن کی فوج کو شکست دینا بھول گیا، جس کے نتائج اچھے نہ نکلے۔ آج کل کمانڈر بیٹھ کر اپنے اُن اقدام کا جواز ڈھونڈتے ہیں جو دوران جنگ میں اُن کو نہیں اٹھانا چاہیئے تھا۔"

لارڈ ویول نے جنرل اڈمنڈس کے بارے میں کہا۔" میرا خیال ہے کہ جنرل اڈمنڈس جو میرے پُرانے رفیق ہیں اب تک پہلی جنگ عظیم کی صحیح تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں۔ انھیں دو تین جلدیں اور لکھنا ہیں۔ کیونکہ انھیں جنگ کی مکمل تفصیلات سے گذرنا پڑ رہا ہے۔ اس جنگ عظیم کی سرکاری تاریخ لکھنے کی ذمہ داری میرے شانے پر رکھی جارہی تھی۔

ہیں نے بیک وقت دو تواریخ مرتب کرنے پر زور دیا۔ ایک عوام کے لئے اور دوسری ایسی جو صحیح صحیح حقیقت پر مبنی ہو۔"

چشم دید تاریخ کا موضوع نکل ہی آیا تو میں نے ٹریور روپر کی نئی کتاب "ہٹلر کے آخری ایام" کا حوالہ دیا۔ کتاب مذکور عصر حاضر کی تحقیق اور تنظیم کی شان دار مثال ہے۔ اس پر ویول نے کہا کہ نوزمبرگ کے مقدمات اور ہٹلر کی سفاکانہ موت سے مستقبل کے جابر پست ہمت نہیں ہو سکتے۔ نازی بارہ سال تک مختار کل رہے۔ انھیں توقع نہ تھی کہ اتنی قلیل مدت تک اُن کا ستارہ عروج پر رہے گا۔

ویول بے حد خلیق اور ملنسار ثابت ہوئے۔ ان کا "اے ڈی سی" خوش تھا کہ وہ باتوں میں منہمک ہیں ورنہ جو بھی ان کے بازو میں بیٹھا کرتا تھا اُس کے لب سِلے رہتے تھے۔ لیکن آج معاملہ ہی برعکس تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ کل سویرے ویول ہم سے رخصت ہو جائیں گے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو جب پہلی بار میں نے دہلی میں قدم رکھا تھا اس کے دوسرے دن ویول نے لنلتھگو سے زمام اختیار اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ اس بار جب آیا تو وہ رخصت ہو رہے تھے۔

جب سے اب تک ایک مدت گذر گئی۔ اب جب کہ وہ رخصت ہونے کے لئے تیار بیٹھے ہیں تغیرات کی ترازو میں وہ سارے نقوش دیکھنے پر مجبور ہو گیا ہوں جو ان کے عہدہ سنبھالنے کے بعد سے رونما ہوتے رہے ہیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب آسام کی سرحدوں پر جاپانی فوجیں پہنچ چکی تھیں، کانگریس کے سارے صفِ اوّل کے لیڈر سلاخوں کے پیچھے تھے۔ فوجی لحاظ سے فضا ناقابلِ تصور حد تک پُرخطر ہو چکی تھی اور سیاسی اعتبار سے تعطل چھایا ہوا تھا۔ مجھے وہ دن یاد آرہے ہیں جب ہم ۱۹۴۳ء کے اختتام میں جنوب مشرقی ایشیا کمان پر مذاکرہ کرتے کرتے چین کے ساحل تک پہنچنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور اس بات کی کوئی ضمانت نہیں مل رہی تھی کہ جنگ کے بادل ۱۹۴۷ء میں چھٹ جائیں گے۔ بلا شبہ غلطیاں بھی سرزد ہوئیں جن کا اعتراف ویول نے خود اپنی الوداعی تقریر میں کیا ہے۔ سیاست میں اگر غلطیوں کا بار بار اعتراف کیا جائے تو ناسمجھ آدمی آپ کی باتوں کو سیاسی بازی گری سمجھیں گے۔ ویول اپنی اسی انکساری اور سادگی کا شکار ہو گئے۔ چند ہی لوگوں نے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری کی طرف

بڑھتا ہوا اتنی آسانی سے دیکھا ہوگا۔

سہ پہر کو وائسرائے ہاؤس کے عظیم دربار ہال کے زینوں اور والان میں گہما گہمی شروع ہوگئی تھی۔ سوا تین بجے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کھلے ہوئے لینڈو میں تشریف لائے۔ گورنر جنرل کا حفاظتی دستہ بھی ساتھ تھا۔ زینوں کو سُرخ قالین سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ملٹری سکریٹری کرنل ڈوگلس اور ایک اے۔ ڈی۔ سی کی رہنمائی میں معزز مہمانوں نے زینے کو طے کیا۔ آخری زینہ پر ویول اور لیڈی ویول نے اُن کا خیر مقدم کیا۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کورنش بجالائیں اور ماؤنٹ بیٹن اوّل اور آخری بار وائسرائے کے آگے سرنگوں ہوئے۔ کچھ دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے اور فوٹو گرافروں کو خوبصورت تصویریں لینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔

ورنن ارسکن کرم کا خیال ہے کہ یہاں جو یورپین ہیں اُن کے جذبات چار اسباب کی بنا پر ماؤنٹ بیٹن کے خلاف ہیں:۔

(الف) کہ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا مطلقاً علم نہیں ہے۔

(ب) کہ ان کے ساتھ جو عملہ آیا ہے اسے بھی ہندوستان کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ وہ قابل شخصیتوں کو موزوں اور مناسب فرائض سے الگ کر رہے ہیں۔

(ج) کہ وہ چھیل چھبیلے نظر آتے ہیں۔

(د) کہ ویول کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا گیا ہے اور انھیں برطرف کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

جہاں تک (الف) اور (ج) کا تعلق ہے ماؤنٹ بیٹن چند دنوں کے اندر اپنی موجودگی اور عمل سے اچھا ثبوت پیش کردیں گے۔ (ب) کا اشارہ یقیناً اسمے یا میول کی طرف نہیں ہے۔ رہے ہم لوگ، تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم کسی کو بھی اُس کے فرائض سے سُبک دوش نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ وائسرائے کا جتنا عملہ ہوا کرتا ہے اس وقت اس سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ (د) کی ذمہ داری ویول پر ہے جنھوں نے ویول کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال نہیں کئے۔

ہمارے بارے میں برطانیہ کا یہ نظریہ ہو سکتا ہے لیکن ہم اس خیال کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ماؤنٹ بیٹن کو اُسی وقت وائسرائے کے عہدہ سے سرفراز کیا گیا جب فضا بالکل

مکدر ہو چکی تھی۔ حکومت نے انتقال اختیارات کو تسلیم تو کر لیا ہے لیکن اسے یہ نہیں پتہ کہ اس پر عمل درآمد کیسے کیا جائے۔ ہم نے یہاں اور چیزوں کے علاوہ فرقہ وارانہ فسادات کے لپکتے ہوئے شعلوں کو دیکھا — وہ شعلے جو بھڑکتے ہی جا رہے ہیں۔ پنجاب کی فضا تشویش ناک ہے۔ یہاں ہندو مسلمان اور سکھ کے فرقہ وارانہ مسائل ہیں۔ وائسرائے کا پلان ہے جو فوجی انخلا سے نہ کچھ زیادہ ہے نہ کچھ کم۔ آزاد خود مختار جمہوریت کا فارمولا ہے جسے کانگریس نے پیش کیا ہے۔ لیکن مسلم لیگ اس کے خلاف راست اقدام چلانے کی دھمکی دے رہی ہے۔ ہندوستانی رجواڑوں کو اقتدار اعلیٰ واپس کرنے کا سوال ہے لیکن براہ راست گفتگو کرنے کی کوئی تجویز نہیں بتائی گئی کہ برطانوی ہند میں اپنے جانشینوں یا کسی کے ساتھ بھی نئے تعلقات کس طرح پیدا کیے جائیں گے۔

مختصر یہ کہ لوگ فرقہ وارانہ فسادات برپا کر رہے ہیں۔ رجواڑے آپس میں دست بگریباں ہیں۔ انڈین سول سروس اور پولیس کا اخلاق کمزور ہو رہا ہے اور برطانیہ شکوک اور اندیشوں میں مبتلا ہے لیکن زہریلی فضا کے باوجود میں ماؤنٹ بیٹن کے اندر قنوطیت نہیں پاتا۔ وہ بڑے پرامید نظر آتے ہیں۔ وہ آج بھی اتنے ہی رجائی ہیں جتنے ساڑھے تین سال پہلے تھے جب ہم نے اُن کے ساتھ دہلی پہنچ کر شکست اور افسردگی کی راکھ سے جنوب مشرقی ایشیا کمان کے "ناممکن" کام کو ممکن بنایا تھا۔

مجھے معلوم ہوا کہ ہوائی اڈہ پر اخباری نمائندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا گیا۔ ایک نہایت ہی ممتاز یوروپین نامہ نگار نے بیان کیا کہ انھیں گردن پکڑ کر دھکیل دیا گیا تھا۔ ہندوستانی نامہ نگار اور فوٹو گرافر بھی برہم ہیں۔ یہاں تعلقات عامہ کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے تھا۔

رات کے کھانے سے پہلے اور بعد بھی ماؤنٹ بیٹن اور ویول مختلف امور پر باتیں کرتے رہے۔ ماؤنٹ بیٹن کی یہ کوشش تھی کہ وہ باتوں باتوں میں ویول کے دل ودماغ سے وہ سارے مواد اکٹھا کر لیں جو حالات کے سنوارنے اور بہتر بنانے میں کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے تک نووارد اور سبک دوش ہونے والے وائسرائے نے ایسے مواقع سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔

ماؤنٹ بیٹن نے وقت رائگاں کیے بغیر گاندھی اور جناح کے نام کھرا اور سیدھا

سادا خط اس مضمون کا لکھ کر ارسال کیا کہ اگر ممکن ہو سکے تو دونوں حضرات جلد از جلد ان سے آکر ملاقات کریں۔ انھیں گاندھی کی مصروفیات کا علم ہے۔ وہ ان دنوں بہار کے ان علاقوں کا دورہ کر رہے ہیں جہاں فرقہ وارانہ فسادات کی بھٹی سلگی ہوئی ہے۔ اُن کی ان مصروفیات سے اس بات کا شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ وہ پان ایشیائی کانفرنس میں جو لال قلعہ کے اندر پیر سے ہو رہی ہے شاید ہی شریک ہو سکیں۔ ویول کے رخصت ہونے سے پہلے ہی ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی اور جناح سے قریب آنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس سے ان کی فراست اور فطانت ظاہر ہوتی ہے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

اتوار ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء

ویول اور لیڈی ویول نے صبح کے ٹھیک سوا آٹھ بجے ہندوستان کو خدا حافظ کہا۔ آج دن بھر ہمیں ذرا بھی سکون نہ ملا۔ کل حلف نامہ اُٹھائے جانے کی جو رسم انجام پا رہی ہے اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہم بھاگم بھاگ میں مصروف ہیں۔ اس سے پہلے ایسی رسم کی نہ تصویر لی گئی نہ ہی فلم بنائی گئی تھی اب ہمیں آخری موقعہ ہاتھ آیا ہے۔ میں ماؤنٹ بیٹن کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ آیا ان سارے بائیس ۲۲ مقامی کیمرہ مینوں کو داخلہ کی اجازت دی جائے یا صرف چند کو۔ کیونکہ اگر سب آجاتے ہیں تو بہت ساری پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ انھوں نے ایک عظیم چبوترہ بنانے کی تجویز پیش کی۔ اس کے بعد اُنھوں نے آج کا ڈان دکھایا۔ اُس کے پہلے صفحہ پر ماؤنٹ بیٹن کے پرائیویٹ سکریٹری رونی بروک میں اور الزبتھ وارڈ کی تصویریں ہیں۔ لیکن اُن کے نیچے یہ عنوان درج ہے:" لارڈ اور لیڈی لوئی کی آمد" (جنگی منصب حاصل کرنے سے پہلے تک چونکہ وہ لارڈ اور لیڈی لوئی ماؤنٹ بیٹن کے نام سے مشہور تھے اس لئے انھیں مقامی طور پر اب بھی لارڈ اینڈ لیڈی لوئی کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے)

ماؤنٹ بیٹن کی آمد کے بعد سے ہندوستانی پریس کا ردّعمل اطمینان بخش ہے۔ ویول کو رخصت ہوتے وقت اخباروں نے جو خراج تحسین پیش کیا۔ اس سے وہ

بہت خوش ہوئے۔ اُنھوں نے کہا کہ ویول کو استخفاف کرکے میری مدح سرائی کی جاتی تو میں اس طرزِ عمل کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن حلف اُٹھاتے جانے کی رسم کے ساتھ ساتھ مختصر سی تقریر بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ ایک اور جدّت ہے۔ جارج ایبل نے جو پہلا مسودہ تیار کیا تھا وہ مجھے پڑھ کر سُنایا گیا۔ میرا خیال ہے کہ تقریر جچی تُلی اور بروقت ہے۔ ڈنر کے وقت مجھے ماؤنٹ بیٹن کا نظر ثانی کردہ مسودہ دیا گیا۔ اس میں ایک جملہ ایسا تھا جسے پڑھ کر مجھے پریشانی ہوئی۔ یعنی حکومتِ برطانیہ کے اس عزم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ جون ۱۹۴۸ء تک انتقالِ اختیارات کا کام تکمیل پذیر ہوجائے گا۔ انھوں نے یہ جملہ بھی اضافہ کرنا چاہا۔ "عمل درآمد کے لئے اگر کافی وقت نکالنا ہے تو آئندہ چھ ماہ کے اندر اندر ہمیں کسی نہ کسی حل تک پہنچ جانا چاہیے" میرے خیال میں اس جملے کو غلط معنی بھی پہنایا جاسکتا ہے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جب حکومت نے مجھے اختیار دے دیا ہے کہ اکتوبر تک کام کی رفتار کی رپورٹ پیش کروں تو پھر کیوں نہ ابھی سے اس کا انکشاف کردیا جائے؟ پہلی دفعہ وہ اپنا سر خم کرتے نظر آئے۔ حکومت نے جب وقت کا تعین کردیا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی قسم کھائی ہے تو پھر شبہ کا اظہار کیوں؟

ٹھیک ایک بجے اے۔ ڈی۔ سی نے آکر بتایا کہ ہزاکسیلنسی نے اپنی تقریر پر نظر ثانی کرلی ہے اور اب مجھے وہ تقریر پریس کے حوالے کردینی ہے۔ شام ڈھلنے کے بعد میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے ملا اور انھیں بتایا کہ میں وہ چبوترہ دیکھنا چاہتا ہوں جو کیمرہ مینوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

پیر ۲۴ مارچ ۱۹۴۷ء

حلفِ وفاداری کی رسم اوّل وقت میں بخیر و خوبی انجام پاگئی۔ ۱۹۴۳ء میں اس دربار ہال میں ویول کی مسند نشینی کے وقت جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہی آج بھی دیکھا۔ اِس طرح بگل بجائے گئے، پھر ایک اے۔ ڈی۔ سی ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو

تزک واحتشام کے ساتھ تختِ شاہی تک لے گیا۔ اس شاہانہ آب وتاب اور چمک دمک میں ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن خوب بج رہے تھے۔ نائٹ آف دی گارٹر (امرائے انگلستان کا سب سے اعلیٰ درجہ) کے گہرے نیلے ربن میں ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت نکھر آئی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے چاروں طرف تمغے اور اعزازی نشانات جڑے ہوئے تھے۔ گارٹر کے ساتھ ساتھ کے۔ سی۔ بی اور ڈی۔ اس۔ او کی تین نہایت ہی اعلیٰ صلیب بھی تھیں۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن حسن وجمال کا نچوڑ نظر آرہی تھیں۔ ان کے سر پر ہندوستان کا تاج تھا۔ اور کمخواب کے لباس پر تمغے اور دیگر اعزازی نشانات جگمگا رہے تھے۔ سُرخ وطلائی تخت شاہی کا حسن آویزاں بیش قیمت سرخ مخمل کی ہلکی ہلکی روشنی سے دوبالا ہو گیا تھا۔ جب سر پٹرک۔ اسپنس، لارڈ چیف جسٹس آف انڈیا نے حلف اُٹھانے کی رسم کا افتتاح کیا تو قوسی روشنی کی پھُواریں پڑنے لگیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے ایک ایک لفظ کو بڑی آسانی سے دہرایا۔

دربار ہال میں پہلی بار فلمی کیمرے وندنائے اور فلیش بلب جلے اور بجھے۔ میں فوٹو گرافروں کے ساتھ ساتھ رہا تاکہ یہ دیکھتا جاؤں کہ خراب تصویریں تو نہیں لی جا رہی ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر ہال کے عقبی حصے میں ذرا بھی سُنائی نہیں دی۔ حتیٰ کہ ان کے قریب کے مہمان بھی اُن کی تقریر نہ سُن سکے۔

ٹھیک پون گھنٹے میں تقریبات ختم ہوئیں۔ تقریر کل چار منٹ کی تھی۔ تخت شاہی کے دونوں سمتوں میں جدید ہندوستان کے قائدین جن کے شانوں پر چند ہفتوں کے بعد بھاری ذمہ داریاں آنے والی تھیں تشریف فرما تھے۔ نہرو اور لیاقت نے بڑے انہماک سے تقریر سُنی۔ یہ تقریر ان کے لئے حیرت انگیز تھی۔ اخباروں کا فوری ردِّ عمل بھی بے حد اُمید افزا تھا۔ دی ٹائمس کے نامہ نگار ایرک برٹیر نے میرے پاس آکر پوچھا کہ کیا تقریب میں جس خیال کا اظہار کیا گیا وہ ماؤنٹ بیٹن کا ذاتی خیال ہے۔ وہ اسی طرح رپورٹ بھیجنا چاہتے تھے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا اور یہ حقیقت بھی تھی۔

رسم وفاداری میں نواب آف بھوپال اور مہاراجہ آف بیکانیر نے شرکت نہیں کی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے عدم شرکت کا سبب کبھی نہیں بتایا گیا۔ دس بج کر دس منٹ ہی

ہوئے تھے کہ جارج ایبل نواب آف بھوپال کی آمد کی تصدیق کرنے گئے۔ لیکن ان کی نشست خالی نظر آئی۔ اس لیے وہ نشست ہی اُس جگہ سے ہٹا دی گئی۔ نواب آف بھوپال اور مہاراجہ آف بیکانیر ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی پُرانے دوست ہیں۔ ان دونوں کی عدم شرکت سے اس بات کا اشارہ مل رہا تھا کہ اُن میں اتحاد نہیں رہا۔

سہ پہر کو پہلی بار میں قصر سنگ مرمر سے نکل کر کچھ خریداری کے لئے باہر نکلا۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے فقرہ کسا کہ انھیں ہمیشہ شک سا رہتا ہے۔ لیکن اب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اس پُر پیچ محل میں ساری دنیا سے ناطہ رشتہ منقطع کرکے یکہ و تنہا رہنا کتنا آسان ہے۔

آج سہ پہر کو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کے ساتھ تین گھنٹے اور لیاقت کے ساتھ دو گھنٹے گذارے۔ اس ملاقات میں لیاقت کا بجٹ زیرِ بحث آیا جو دو فریقوں کے مابین تنازعہ کا سبب بنا ہوا ہے۔ ویول نے ماؤنٹ بیٹن کو پہلے ہی اس سے متنبہ کر دیا تھا کہ جب وہ اپنی پہلی مجلس عاملہ کی صدارت کریں گے تو بجٹ کا مسئلہ انھیں اُلجھا کر رکھ دے گا۔ عارضی حکومت میں وزیر مالیات کی حیثیت سے لیاقت نے تمام بڑے بڑے سرمایہ داروں پر بھاری ٹیکس عائد کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اور اسی طرح انھوں نے کانگریس کی پوزیشن کو نازک بنا دیا تھا۔ کیونکہ کانگریس کے حامی بڑے بڑے تاجر تھے اور ان تاجروں کی وہ اپنے ترقی پسندانہ اعلانات کے باوجود پشت پناہی کرتی تھی۔ لیکن عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ دونوں فریقوں میں مصالحت ہو جائے گی کیونکہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سے کوئی بھی اپنے سرمایہ دار حامیوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس عائد نہیں کرسکتی۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

منگل ۲۵ مارچ ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف کی پہلی میٹنگ ان ہی کے کمرۂ مطالعہ میں ہوئی تھی۔ میں نے بھی شرکت کی۔ میرے علاوہ اسمے، میویل، جارج ایبل، بروک مین اور ارسکن کرم

شامل تھے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ غیر رسمی جلسے روزمرہ کے مسائل کی بنیاد پر منعقد ہوا کریں تاکہ وہ کھلے دل ودماغ سے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرسکیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے میٹنگ کا آغاز کل کی اُس ملاقات سے کیا جس میں نہرو اور لیاقت تشریف لائے تھے۔ انھوں نے مہاراجہ آف بیکانیر اور نواب آف بھوپال کے ساتھ ملاقاتوں کا بھی ذکر کیا۔ یہ دونوں والیانِ ریاست رسمِ حلفِ وفاداری میں عدم شرکت کا سبب بتانے آئے تھے۔ ان ملاقاتوں کے بارے میں جو کل چھ گھنٹے تک جاری رہیں، انھوں نے کہا کہ میں "اُبلے ہوئے انڈے" کی طرح محسوس کررہا ہوں۔

نواب آف بھوپال اور مہاراجہ آف بیکانیر سے جو ملاقاتیں ہوئیں اُن سے صاف پتہ چل گیا کہ والیانِ ریاست کے مابین اختلافات کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ نواب آف بھوپال نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مہاراجہ آف بیکانیر اور دیگر مخالفین نے دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا فیصلہ کرکے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ وہ کانگریس کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہیں اور ریاستوں کی پوزیشن کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کل تک فرقہ واریت کی فضا سے بالکل آزاد تھے۔ نواب آف بھوپال کا خیال ہے کہ تعیین وقت کی قید ممکن نہیں اگر اس کو نافذ کیا گیا تو خون کی ندیاں بہنے لگیں گی اور چاروں طرف تعطل پھیل جائے گا۔ انھوں نے ماؤنٹ بیٹن سے پوچھا کہ کیا اس خطرے سے مفر نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ہاں صرف ایک راستہ نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ساری جماعتیں ہمیں اپنے متحد اور پُرامن رہنے کا یقین دلادیں۔ لیکن نواب آف بھوپال کو شک تھا کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں اس قسم کی پیش کش کی جائے گی۔

ماؤنٹ بیٹن نے اس نقطہ پر جب مہاراجہ آف بیکانیر سے سوال کیا تو ان کا جواب پُرامید نظر نہ آیا۔ اُنھوں نے نام نہاد نارضامند والیانِ ریاست کی حمایت کی اور کہا کہ اگرچہ آپس میں نفاق افسوسناک ہے لیکن اس کا سبب خود نواب بھوپال ہیں جنھوں نے عارضی حکومت میں اپنے رویّہ سے فرقہ وارانہ مسئلے کو ہوا دی۔ دستور ساز اسمبلی میں نارضامندوں کی شرکت نئی مرکزی حکومت کو مضبوط بنادے گی اور اس سے یہ ظاہر ہوجائے گا کہ یہ نئی تشکیل قطعاً کانگریسی نہیں ہے۔

نہرو سے ماؤنٹ بیٹن کی پہلی ملاقات بصیرت افروز ثابت ہوئی۔ اس ملاقات میں اُنھوں

نے کیبنٹ مشن سے اُدھر کے بڑے بڑے اور اہم واقعات پر نظرثانی کی۔ اُنھوں نے جن جن واقعات کا ذکر کیا وہ ماؤنٹ بیٹن کو سچ اور صحیح معلوم ہوئے کیونکہ لندن میں انھوں نے ان واقعات کی ساری تفصیلات جمع کی تھیں۔ نہرو کے خیال میں مسلم لیگ کو ویول نے عارضی حکومت میں شرکت کی دعوت دے کر بھیانک غلطی کی تھی۔ انھیں کچھ انتظار کرنا چاہیے تھا۔ یہاں تک کہ خود مسلم لیگ شرکت کی درخواست کرتی۔ اس سلسلے میں نہرو نے مسلم لیگ کی اس میٹنگ کا بھی حوالہ دیا جس میں جناح نے اس سوال پر گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے بارے میں نہرو کی رائے دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ انھوں نے اپنی حالیہ تصنیف میں اس خیال کا اظہار کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے تاثرات بتانے سے محترز نہیں رہے۔ انھوں نے کہا کہ جو ضروری چیز جناح کے بارے میں ذہن نشین کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کامیابی اُن سے اُس وقت بغل گیر ہوئی جب وہ ساٹھ سال کے ہو چکے تھے۔ اس سے پہلے ہندوستانی سیاست میں اُن کی شخصیت نمایاں نہیں تھی۔ وہ کامیاب وکیل ضرور ہیں مگر بہت اچھے نہیں۔ اُن کی کامیابی کا راز اور سب سے بڑا راز یہ ہے کہ ان کا انداز ہمیشہ منفی رہا ہے۔ اور اس طرح اُن کی انفرادیت جو ۱۹۳۵ء سے شروع ہوئی تھی برابر قائم رہی۔ انھیں علم تھا کہ پاکستان تعمیری تنقید کی تاب نہیں لا سکتا۔ اس لئے اُنھوں نے ایسے حالات ہی پیدا نہیں ہونے دیئے۔

ماؤنٹ بیٹن نے پھر نہرو سے پوچھا کہ آج ہندوستان کے سامنے عظیم ترین اور اہم ترین مسئلہ کیا ہے تو اُنھوں نے ایک لمحہ بھی رُکے بغیر جواب دیا۔ "اقتصادی" اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے سوال کیا۔ "عارضی حکومت جس انداز سے مسائل کو حل کر رہی ہے کیا اطمینان بخش ہے؟" نہرو نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ مسلم لیگ نے پوزیشن کو ناممکن بنا دیا ہے کیونکہ مرکز کو جو بھی اقتصادی منصوبہ پیش کیا جاتا ہے وہ اس میں کیڑے نکالتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ایسا منصوبہ کامیاب ہوا تو پنجاب کے معاملے میں پاکستان کے کیس کو نقصان پہنچے گا۔ اس کے بعد نہرو نے فرقہ وارانہ خطوں پر ترتیب دیا ہوا صوبہ کے لئے تین جماعتی نظم و نسق کی تجویز پیش کی جس میں بعض اہم و غیر فرقہ وارانہ مضامین کا اختیار مرکز کو ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کی مدد سے حکومت

کے تعطل کو ختم کیا جا سکتا ہے جو دفعہ ۹۳ کے چنگل میں ہو۔

انتقالِ اختیارات کے موقع پر انڈین سول سروس کے ملازمین کو معاوضہ دینے کا پریشان کن سوال بھی زیرِ بحث آیا۔ نہرو کا خیال ہے کہ ہم سول سروس کے اُن ملازمین کو معاوضہ دینے کا حق رکھتے ہیں جو ملازمتوں سے دست کش ہونا نہیں چاہتے۔ نئی حکومت ان کو معاہدے کی سابقہ شرائط پر ملازمتوں کی پیش کش کرے گی۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ حکومتِ برطانیہ اپنے وعدے سے انحراف نہیں کر سکتی۔ یقیناً نہرو کا بھی یہی خیال ہوگا۔ نہرو نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جہاں تک اہلِ برطانیہ کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری قطعی حکومتِ برطانیہ پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو زیادہ سے زیادہ معاوضہ کیوں دیا جائے؟ اس طرح ملازمتیں چھوڑنے میں ان کی ہمت افزائی ہوگی۔ ہندوستانی ملازمتوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ اپنے ملک والوں کے لئے ملازمتوں سے سبک دوش ہونا نہیں چاہیں گے۔ تجویزیں بظاہر عجیب و غریب ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے بہرکیف اس سلسلے میں نہرو کی حمایت چاہی۔ ان کے خیال میں نہرو نے برطانوی نفسیات کو غلط سمجھا ہے۔ برطانوی سول ملازمین زیادہ معاوضہ لے کر اپنے عہدوں سے سُبک دوش نہیں ہو جائیں گے بلکہ وہ بدستور کام کرتے رہیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ نہرو بڑے ہی معقول اور صاف گو ثابت ہوئے۔ اُنھوں نے نہرو کو ان کے سامنے اینگلو انڈین یونین کی تجویز پیش کر کے حیرت زدہ کر دیا۔ اس تجویز سے مشترک حقِ شہریت لپیٹ میں آ رہا تھا۔ لیکن نہرو نے اس کو نفسیاتی اور جذباتی دونوں لحاظ سے ناقابلِ قبول بتایا۔

ملاقات کے بعد نہرو جوں ہی رخصت ہونے کے لئے مڑے کہ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔ "مسٹر نہرو، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے آخری وائسرائے سمجھنے کی بجائے ایسا فرد سمجھیں جو آپ کو نئے ہندوستان کی طرف لئے جا رہا ہے۔" نہرو مُڑے، اس فقرے سے بہت متاثر ہوئے، چہرے پر مسکراہٹ دوڑی اور بولے۔ "لوگ اکثر آپ کی خطرناک دل فریبی کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ آج مجھے اس کا صحیح مطلب سمجھ میں آ گیا۔"

لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن کی اس تقریر سے متعلق اہم سوال کیا جو حلفِ وفاداری اُٹھاتے وقت کی گئی تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ تقریر میں جو خیال پیش کیا گیا تھا اس کا ذمہ دار

کون ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ سارے خیالات ان کے ذاتی تھے۔ کسی کی بھی فرمائش پر پیش نہیں کیے گئے۔ میرے اسٹاف کے بعض افراد نے ان خیالات کی مخالفت بھی کی تھی۔" لیاقت نے کہا: "یہ سُن کر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ تین معتبر ذرائع نے مجھے یقین دلایا تھا کہ کانگریس کی درخواست پر آپ نے تقریر مرتب کی تھی۔" یہ معمولی سا واقعہ بتا سکتا ہے کہ ہمارے ذہن کس طرح کام کر رہے ہیں۔

اسٹاف میٹنگ میں میول نے سر ایوان جنکنس گورنر پنجاب کے اس تار کی طرف توجہ دلائی جو نہرو کی پنجاب کی تجویز سے متعلق ہے۔ جنکنس نے اطلاع دی تھی کہ سکھ کے ایک بااثر لیڈر گیانی کرتار سنگھ کا خیال ہے کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان معاہدہ نہ ہوا تو وہ صرف پنجاب کی تقسیم پر اصرار کریں گے اور اگر مسلم لیگ کی وزارت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خلاف سارے وسائل کام میں لائے جائیں گے۔ اس خیال کی اہمیت یوں بھی ہے کہ سکھ پہلے ہی تقسیم پنجاب سے متعلق کانگریس کو ایک قرارداد پیش کرنے پر رضامند کر چکے تھے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے ہندوستان آنے سے ایک ہفتہ پہلے ویول نے اس قرارداد کو منظور بھی کر لیا تھا۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

بدھ ۲۶ مارچ ۱۹۴۷ء

کل جن شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوئیں اُن کی واضح تصویر ماؤنٹ بیٹن نے آج کی اسٹاف میٹنگ میں پیش کی۔ ماؤنٹ بیٹن کا حافظہ بہت تیز اور شعور و ادراک قابلِ رشک ہیں۔ کل انھوں نے وزیر مواصلات ڈاکٹر جان متھائی، سکریٹری پولٹیکل ڈپارٹمنٹ سر کونریڈ کورفیلڈ اور ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقاتیں کیں۔ متھائی عیسائی ہیں اور ان کا تعلق کسی فریق سے نہیں ہے۔ انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کی تعریف بڑے جچے تُلے اور مناسب انداز میں کی۔ متھائی نے کہا کہ موجودہ حالات کی خوفناک تصویر اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ وہ سارے لوگ جو باعزت سمجھوتے کے لئے کوشاں ہیں ان کا اثر نہ صرف رفتہ رفتہ ختم ہو رہا ہے۔ بلکہ انھیں دونوں فریق غیر معتبر سمجھنے لگے ہیں۔ متھائی نے کہا کہ میں نے لیاقت کے بجٹ کی حمایت کی لیکن ڈان نے مجھے ہی ہدف لعنت بنایا

وائسرائے کے مشیر کورفیلڈ نے نورا تلخ انداز میں کہا کہ مہاراجہ آف بیکانیر نے دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہ کرکے والیانِ ریاست کی سودا بازی کے کیس کو کمزور بنادیا ہے۔ اس نزاع میں کورفیلڈ نواب آف بھوپال کے حامی نظر آرہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ والیانِ ریاست اس انتقالِ اختیارات میں "تیسری طاقت" کے مالک ہیں۔

پٹیل کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن کی جو پہلی ملاقات ہوئی اس کے بارے میں وہ ذرا متوحش نظر آرہے تھے کیونکہ پٹیل کانگریس ہائی کمان میں مردِ آہن مشہور ہیں۔ لیکن پہلی ہی نظر میں ماؤنٹ بیٹن نے سردار کی آنکھوں میں ایک چمک پائی۔ تمام مسائل کے بارے میں اُن کا خیال واضح اور دو ٹوک ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انڈیا کو مسلم لیگ سے نجات حاصل کرلینا چاہیے پنجاب میں جو کچھ ہورہا ہے مسلم لیگ اُس پر بغلیں بجارہی ہے اس کے لیڈر پاگل ہوگئے ہیں۔

لیکن جب معاوضہ دینے کا سوال زیر بحث آیا تو پٹیل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور قسم کھائی کہ اگر کسی ہندوستانی نے معاوضہ قبول کیا تو اسے دوبارہ ملازمت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

مورس زنکن کے ساتھ میں نے ڈنر کھایا۔ ان کا تعلق انڈین سول سروس سے ہے۔ بڑے ہی ہوشیار اور فطین ہیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۴۳ء میں دہلی میں ہوئی تھی۔ اِن دنوں وہ محکمہ مالیات کے نائب سکریٹری ہیں۔ اس لئے لیاقت کے متنازعہ بجٹ کی تشکیل میں ان کا قریبی تعلق رہا ہے۔ اس بجٹ سے سرمایہ دار ہندوؤں کا خون خشک ہورہا ہے اور کانگریس کے چار آنے والے ممبر اور کروڑپتی کے مابین خلیج وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ مورس نے کے۔ ایم پانیکر کو مدعو کیا تھا۔ ان سے ملنے کے لئے میں خاص طور پر بے حد پریشان تھا۔ پانیکر کی خشخشی ڈاڑھی ہے۔ بڑی ہی شاہانہ! آپ بیک وقت مورخ، سیاست داں اور صحافی ہیں۔ علمیت اور قابلیت میں ان کا کوئی جواب نہیں۔ فنِ گفتگو میں آپ کے آگے کوئی نہیں ٹکتا ــــ ویسے یہ فن اب روبہ زوال ہے۔

میں نے ان سے بڑا ہی دلچسپ سوال کیا۔ "اگر آپ ماؤنٹ بیٹن کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟" انھوں نے فوراً جواباً کہا ــ "بحری فن حرب کے ماہر کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن کو محسوس کرنا چاہیے کہ برطانیہ کا مفاد اسی میں ہے کہ ہندوستان کے ساحلی

علاقہ کی نبیاد پر ایک ٹھوس مرکزی ریاست قائم کرے۔ ہندوستان ایک ہاتھی ہے اور پاکستان اس کے دو کان۔ ہاتھی کان کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔" انھوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جناح معقول کیس بنا سکتے ہیں۔ وہ چار کمروں والے مکان کا صرف ایک کمرہ مانگ رہے ہیں۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ کمرہ پر ملکیت ان ہی کی ہو۔ وہ مقامی مسلم اکثریت کو ان ہندوؤں کے ہاتھوں میں دینا نہیں چاہتے جن کا مرکزی حکومت پر کنٹرول ہو۔ پانیکر کا یہ نظریہ ہے کہ ہم انگریزوں کو ہندوستان کے لئے اتنی ہی یک جہتی اور ربط باہمی کی کوشش کرنی چاہئے جتنی ضرورت ہے۔ پنجاب کے لئے نہرو نے جو سہ جماعتی تجاویز پیش کی ہیں دراصل وہ اس بات کی پہلی علامت ہے کہ کانگریس ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کو منظور کرتی ہے۔ سکھوں کے بارے میں جناح کو جو تجربہ ہوا ہے اس سے انھیں اندازہ ہو چکا ہے کہ پنجاب کی وحدت قطعاً ناممکن ہے۔

پانیکر نے یہ بھی کہا کہ تاریخی اعتبار سے پنجاب دراصل برطانیہ کی خیالی داستان بن کر رہ گیا ہے۔ یہ اب ہندوستان کے بقیہ علاقوں کے مقابلے میں سورماؤں کا ملک خاص نہیں رہا۔ صدیوں تک ہندوستان کی تاریخی عظمت کو آہنی پنجاب کا ایک جزو نہیں سمجھا گیا۔ برطانیہ کو پنجاب کی خیالی داستان اور "سنٹرل ایشیا" کی داستان سے خبردار رہنا چاہئے کیونکہ یہ ہوا ماضی میں ان کے ذہن اور پالیسی میں حاوی رہا ہے۔ حالات کا تجزیہ مابعد جنگ کی روشنی میں کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد انھوں نے والیانِ ریاست کے مسئلے کو لیا۔ پانیکر مہاراجہ آف بیکانیر کے نہ صرف دیوان یا وزیراعظم اور مشیر خاص ہیں بلکہ انھیں ریاست میں کلیدی پوزیشن بھی حاصل ہے۔ پانیکر اور مہاراجہ آف جے پور کے دیوان سروی۔ ٹی کرشنا چاری نے راجپوتانہ کے راجاؤں کی طرف سے پہل کردی ہے۔ پانیکر نے تسلیم کیا کہ نواب آف بھوپال کی پوزیشن جو رجواڑوں کی انجمن کے موجودہ چانسلر بھی ہیں نازک ہوگئی ہے۔ کیونکہ وہ ہندو ریاست کے مسلمان نواب ہیں۔ لیکن چانسلر کی حیثیت سے وہ حاکمیت اعلیٰ کے جدید نظریہ کا اعلان کررہے ہیں۔ یعنی والیٔ ریاست جب بھی کوئی قدم اُٹھانا چاہے وہ انفرادی نہیں اجتماعی ہو۔ پانیکر نے کہا کہ حاکمیت اعلیٰ کے بارے میں میرا جو نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ چانسلر کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ کون والیٔ ریاست دستور ساز اسمبلی میں شرکت کررہا ہے

اور کون نہیں ؟ ۔

سولہ ریاستوں میں سے دس ریاستوں نے دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرلی ہے ۔ جب تک یہ ریاستیں برطانیہ کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" والی پالیسی کا آلۂ کار رہیں گی اس وقت تک وہ حکومت کے لیے عظیم طاقت ہیں ۔ لیکن برطانوی حکومت کے انخلاء کے ساتھ ساتھ ان کا از خود زوال آجائے گا اور تب انھیں اس سیاسی طاقت کے آستانے پر جبہ سائی کرنی پڑے گی جو ابھر رہی ہے اور جس کے برسر اقتدار آنے کا قوی امکان ہے ۔ جودھپور، جے پور، بروودا، پٹیالہ اور بیکانیر کی پوزیشن خاص طور پر مشکل ہو گئی ہے ۔ پٹیالہ دہلی سے صرف ایک سو چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

فروری کے مہینے میں نہرو نے رجواڑوں کے ساتھ ایک ہفتہ تک جو گفت و شنید کی تھی اس میں تقریباً پانچ بار اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ کانگریس کے ساتھ بہ رضا و رغبت کوئی بھی معاہدہ کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ کانگریس معاہدہ نہ کرنے والی ریاست کو مجبور بھی نہیں کر سکتی ۔ اب فیصلہ رجواڑوں کو کرنا ہے ۔ وہ معاہدہ کرلیں یا اپنا وجود ختم کرلیں ۔ نظام حیدر آباد کا کیس قطعی مختلف ہے ۔ اگرچہ ان کے ساتھ سخت کارروائی کی جا سکتی ہے ۔ لیکن پانیکر نے مجبور نہ کرنے کی سفارش کی ۔ ہندوستانی ریاستوں میں حیدر آباد بہت بڑی ریاست ہے اور جو ہندوستان کے قلب میں واقع ہے ۔ لیکن اس کا حکمراں ایک مسلمان ہے حالانکہ ایک کروڑ ستر لاکھ کی مجموعی آبادی میں ۸۶ فیصد ہندو آباد ہیں ۔ لہٰذا نظام کے لیے ہندوستان سے الگ رہنا ممکن نہیں ۔ کشمیر کی پوزیشن بھی جو رقبہ میں ساری ریاستوں سے بڑی ہے پریشان کن ہے ۔ بلاشبہ مہاراجہ کو جناح کے ساتھ اپنی قسمت آزمائی کرنے پر ابھارا جائے گا ۔ پانیکر نے کہا کہ رجواڑوں کو دستور ساز اسمبلی میں شریک کرانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو کانگریس کے دائیں بازو کو تقویت پہنچے اور دوسری طرف جے پرکاش نرائن اور ان کے سوشلسٹ گروپ کے لیے جوابی طاقت ثابت ہو جو بنگال میں کافی آگے بڑھ چکے ہیں ۔

آخر میں میں نے دونوں فریقوں کے معاشرتی ڈھانچہ کے بارے میں سوال کیا ۔ انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ماضی قریب میں کانگریس اختلاف اور انتشار کا شکار ہو جائے گی ۔ اور مسلم لیگ اگرچہ بہت ٹھوس اور متحد ہے

لیکن وہ دولت سے محروم ہے اور افلاس کا شکار رہے جو چند مسلمان سرمایہ دار ہیں وہ صرف زمیندار ہیں اس لئے ہندو سرمایہ داروں کے ہاتھوں غریب و نادار مسلمانوں کا بڑی آسانی سے استیصال کیا جاسکتا ہے۔

وائسرائے هاؤس، نئی دهلی

جمعہ ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے کا منصب سنبھالے ہوئے کل ایک ہفتہ ہوا ہے۔ لیکن ان کے کام کی رفتار حوصلہ افزا رہی ہے۔ مارچ ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ کابینہ کے ممبروں، اوکنلگ، دیگر کمانڈر انچیفوں، رجواڑوں، وزرار اعظم، برطانوی فرقہ کے لیڈروں اور اچھوتوں سے بھی ملاقات کرلیں گے۔ وہ بات چیت میں وسیع النظری، کشادہ دلی اور بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دل میں لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ذاتی رشتے استوار ہوں ماضی میں ادھر مطلق توجہ نہیں دی گئی تھی۔ کام بڑے جان جوکھوں کا ہے۔ ملاقاتوں کی مدت نصف گھنٹے سے کم کی شاید ہی ہوتی ہو۔

چونکہ ماؤنٹ بیٹن لیڈروں سے تسلسل کے ساتھ مل رہے ہیں اس لئے خیالات واطلاعات کا انبار لگتا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کمرے سے ایک لیڈر کے رخصت ہونے کے بعد سے دوسری ملاقات تک پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس عرصے میں وہ اپنے اسٹینو گرافر کو پچھلی گفتگو کا خلاصہ تحریر کرا دیتے ہیں۔ یہ نوٹ فوراً اسٹاف میں تقسیم کردیا جاتا ہے تاکہ ان کے کسی خیال سے بھی ہم لاعلم نہ رہیں۔

ایشیائی رابطہ کانفرنس نے جو پورے ہفتے لال قلعہ کے پاس جاری رہی۔ ماؤنٹ بیٹن کو وسیع حلقے میں متعارف ہونے کا موقع فراہم کیا۔ آج شام کو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے کانفرنس کے تمام مندوبین، دستور ساز اسمبلی کے اراکین اور دہلی کے اعلیٰ سرکاری افسروں کو پہلی گارڈن پارٹی دی۔ معزز مہمانوں کی تعداد کم و بیش سات سَو تھی۔ باغ مغل اور شاہی کمرے کانگریسی اور دیگر لیڈروں سے پُر ہو گئے تھے۔ ان لیڈروں نے پہلی بار قصرِ وائسرائے کے اندرونی حصے کو بڑے انہماک سے دیکھا۔ نفسیاتی

لحاظ سے یہ پارٹی بے حد اہم تھی۔ اوّل چیز تو یہ کہ ایشیائی امور میں ہندوستان کی اہمیت اور درجے کو مستحکم بنانے کے لئے نہرو نے جو حوصلہ مندانہ قدم اٹھایا تھا اس سلسلے میں نئے وائسرائے کی یہ پارٹی گرم جوشی کی کھلی علامت تھی۔ لیکن اس سے قطع نظر ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے ابتدا ہی سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اُن کے اندر اعلیٰ سماجی و معاشرتی اور اک وشعور ہے اور وہ ہندوستان کی محبت و دوستی کے خواہاں ہیں۔ میں نے مہمانوں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کیں۔ ان کے دلوں میں عداوت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ البتہ وہ تحقیق و تجسس کو دبانے کی انتہائی کوشش کرتے رہے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے بھی آج رات اُن کی کم آمیزی کو توڑنے کی قسم کھالی تھی۔

اس کے بعد لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور پامیلا قصر وائسرائے کی ایک پارٹی کے ساتھ نہرو کی رہائش گاہ ۱۷ یورک روڈ کے باغ میں "ایٹ ہوم" کے لئے تشریف لے گئیں۔ یہاں ہم نے سرائے قلعہ کے رقاصوں کے دلچسپ ہنس ناچ دیکھے۔

باب ۴

گاندھی اور جناح

نہرو کے خاندان کے ساتھ سویرے سویرے ناشتہ کی غرض سے میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ فضا قطعی بے تکلفی کی تھی۔ ہم نے ناشتہ میں وہی یورپی چیزیں کھائیں ۔یعنی انڈے، توس، ٹماٹر، چائے کافی اور پھلوں کا مربّہ۔ نہرو کی نہایت ہی حسین وفطین بہن مسز پنڈت بھی اقوام متحدہ کے اجلاس سے ابھی ابھی واپس آئی تھیں ۔اُن کے ہمراہ اُن کی ایک صاحبزادی بھی تھیں ۔انڈیا لیگ کے شہرت یافتہ اور نہرو کے ایک قریب ترین دوست عقابی ناک والے کرشنا مینن بھی موجود تھے جن کو انھوں نے اس نازک وقت میں سفیر مقرر کیا تھا ۔نہرو کے ایک اور بھی دوست مسٹر پاٹل تشریف فرما تھے ۔ٹریکٹر سازی اُن کا پیشہ ہے ۔وہ نہرو کو اس بات پر آمادہ کر رہے تھے کہ بمبئی میں اُن کی نئی فیکٹری کا افتتاح ان ہی کے ہاتھوں ہو لیکن نہرو ذرا مذبذب نظر آ رہے تھے ۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بمبئی بُدھ مت کے آثار لے کر جا رہے ہیں ۔ایک طرف تو روحانیت اور دوسری طرف خالص مادہ پرستی ۔بھلا دونوں کا ملاپ بیک وقت کیسے ممکن ہے ۔نہرو بڑے ہی پرسکون انداز میں گفتگو کرتے ہیں اور خصوصاً اپنی رہائش گاہ میں ان کی گفتگو کی اثر آفرینی بڑی ہی نرم وگداز ہوتی ہے۔

آج ان کے بارے میں ایک عجیب وغریب خبر دیکھنے میں آئی ۔نہرو پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ نہ صرف حکومت برطانیہ کے ساتھ سودا بازی میں مصروف ہیں، بلکہ اُنھوں نے درجۂ نوآبادیات کی رضامندی بھی دیدی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ "انکشاف" روزانہ دی

پیپل میں شائع ہوا ہے۔ حالانکہ اس کا اپنا کوئی نامہ نگار نہیں۔ اخبار مذکورہ کے بارے میں نہرو نے مجھ سے چند سوالات کیے۔ انھیں یہ جان کر سخت تعجب ہوا کہ "ڈیلی ہیرالڈ" کی طرح اس کا مالک بھی اودھم ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تماشہ دو ایک دن سے زیادہ چلنے والا نہیں۔

ناشتہ سے فارغ ہوا تو کرشنا مینن کے ساتھ سنجیدہ گفتگو شروع کر دی۔ انھوں نے کہا کہ —— (الف) ہندوستان کا آدمی درجۂ نوآبادیات نہیں مشترک حق شہریت چاہتا ہے۔ چرچل کے بارے میں عام طور پر شبہات پائے جاتے ہیں۔ درجۂ نوآبادیات کیسے مانا جائے جب کہ یہ حقیقی آزادی نہیں (ب) کابینہ کی موجودہ فضا کے پیش نظر نہرو کا پیمانۂ صبر چھلکنے ہی والا ہے۔ مسلم لیگی ممبروں کا پے در پے نہرو کو لیڈر تسلیم کرنے سے انکار ناقابلِ برداشت بن گیا ہے۔ (ج) وائسرائے کے آئی۔ سی۔ ایس۔ عملہ اور خصوصاً جارج ایبل کے خلاف نکتہ چینی۔ میں نے ایبل کی اعلیٰ لیاقت اور بے مثال واقعیت پسندی کی پُر زور الفاظ میں حمایت کی۔ مینن نے بھی تسلیم کیا کہ ان کے خلاف جو حملے ہو رہے ہیں وہ قطعی غیر دانش مندانہ ہیں لیکن بقول ان کے سیاسی حقیقت سے ماؤنٹ بیٹن بھی انکار نہیں کر سکتے۔

انھوں نے کہا کہ ماؤنٹ بیٹن کو ایک سہولت یہ حاصل ہے کہ گاندھی اُن کے سامنے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی انھوں نے متنبہ کیا کہ مہاتما کے ساتھ جو بھی بات چیت ہونے والی ہوتی ہے اس کے بارے میں پہلے سے تیقن نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیشہ خطرہ اس بات کا رہتا ہے کہ کہیں گاندھی خود کو مخصوص موضوع میں الجھا کر اصل موضوع کو ٹال نہ دیں۔

اس بات چیت کے اختتام کے ساتھ ہی نہرو روزمرہ کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ملنے والوں کا تانتا بندھ گیا جو اطلاع کیے بغیر آتے گئے اور سیٹوں پر قبضہ جماتے گئے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مجھے اتنا موقع بھی نہ ملا کہ اس مہمان نوازی کا نہرو خاندان کے کسی ایک فرد سے بھی شکریہ ادا کر لوں۔

اسٹاف کی میٹنگ دس بجے ہونے والی تھی۔ میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔ اس میٹنگ میں گاندھی کے ساتھ تیسرے پہر کو ہونے والی ماؤنٹ بیٹن کی پہلی ملاقات کا موضوع زیرِ بحث آیا۔ اس ملاقات میں پریس کی دلچسپی کا خاص خیال رکھا گیا۔ مہاتما سے یک تین

بجے تشریف لائے ۔اس وقت گلستان مغل میں بر صغیر کے سارے تسلیم شدہ کیمرہ مینوں کے ساتھ مہاتما کے لیے چشم براہ تھا۔ ابتدائی رسمی تقریبات ختم ہوگئیں تو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن اُنھیں کیمرہ کے سامنے لے آئے ۔اس دور آزمائش سے وہ ہنسی خوشی گذر گئے ۔کبھی وہ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ سے مذاق کرتے اور کبھی کیمرہ مینوں کی درخواستوں کو خندہ پیشانی سے منظور کر لیتے ۔کیونکہ ہر کیمرہ مین اچھی سے اچھی اور مکمل تصویر لینا چاہتا تھا ۔ایسوسی ایٹیڈ پریس آف امریکہ کا ممتاز فوٹو گرافر میکس ڈسیفر اُس وقت تک اپنا کیمرہ لیے کھڑا رہا ۔جب سارے فوٹو گرافر تصویریں لے چکے ۔اتنے میں گاندھی رخصت ہونے کے لیے مڑے ہی تھے کہ اُنھوں نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ۔ فوٹو گرافر کی قوتِ مشاہدہ کام آگئی اور اُس نے فوراً تصویر اُتار لی لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے شانے پر ہاتھ رکھنے کا مقصد کم و بیش یہی تھا کہ گاندھی اُنھیں بھی اپنی اُن پوتیوں کی طرح سمجھتے ہیں جو اُن کے ہمراہ پرارتھنا کے لیے جایا کرتی ہیں ۔ان کا ہر اشارہ اور کنایہ شعوری یا غیر شعوری طور پر علامتی ہوا کرتا ہے ۔یہی وہ اشارہ تھا جو آج تیسرے پہر بے ساختہ شفقت اور محبت کا سبب بنا ۔

آج کی بات چیت ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی ۔ اختتام گفتگو کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے مجھے طلب کیا اور گاندھی سے میرا تعارف کرایا، تاکہ پریس کمیونکے کے نوری سوال پر تبادلۂ خیالات کروں ۔گاندھی جو آہستہ اور قدرے تُتلا کر بات کرتے ہیں ۔بولے کہ سب کچھ وائسرائے پر چھوڑے دیتا ہوں ۔ وہ الفاظ کی ترتیب وغیرہ خود دیکھ لیں ۔اُن کے رخصت ہو جانے کے فوراً بعد ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ یہ انٹرویو یادگار کے طور پر دانستہ لیا گیا ہے ۔اوّل سوا گھنٹے لیڈی ماؤنٹ بیٹن اُن کے ساتھ بے تکلفی کی فضا پیدا کرتی رہیں اور باقی وقت میں ہم سب ساتھ رہے ۔میں نے دانستہ سیاسی حالات کو موضوع بحث بنانے سے احتراز کیا ۔تاکہ پہلے بھائی چارہ ، محبت اور سمجھوتے کی راہ ہموار ہو سکے ۔گاندھی نے ہمارے سامنے اوائل زندگی کے، جب وہ انگلستان اور جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے چند نقوش پیش کیے ۔انھوں نے سابق وائسرائے سے ملاقاتوں کا حال بھی سُنایا ۔ ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ گاندھی جب تک دہلی میں قیام پذیر ہیں اُن کے ساتھ مزید ملاقاتیں ہوں گی ۔ یہ بڑی مستحسن اور قابلِ تعریف ابتدا ہے ۔لیکن اخباروں کو یہ

بتانا سہل نہیں کیونکہ ان کو یقین ہی نہیں آئے گا کہ اہم باتیں دراصل اب تک زیرِ بحث آئیں ہی نہیں۔

میں نے پوری برق رفتاری سے ملاقات کی روداد تیار کی، ماؤنٹ بیٹن سے تصدیق کرائی اور فوراً صحن میں آیا جہاں نامہ نگاروں کی کھیپ موجود تھی میں نے پڑھنا شروع کیا — "آج شام کو وائسرائے ہاؤس میں لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن مسٹر گاندھی سے ملے۔ دوستانہ فضا میں باتیں ہوئیں جو ۵، منٹ تک جاری رہیں ...."

قبل اس کے میں اطمینان کی سانس لیتا ایک نامہ نگار نے احتجاج کیا کہ حقیقت سے اس کا ذرا بھی تعلق نہیں۔ اس کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ مہاتما نے وائسرائے ہاؤس میں دو گھنٹے سے زائد گذارے ہیں۔ اس احتجاج کے بعد چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں۔ لیکن جب میں نے یہ کہا کہ "اس کے بعد ہز اکسلینسی اور مسٹر گاندھی نے ایک گھنٹہ تک اُسی دوستانہ فضا میں بات چیت کی۔" تو نامہ نگار خاموش ہوگئے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

منگل یکم اپریل ۱۹۴۷ء

گاندھی کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن نے دوسری بار بھی ملاقات کی۔ یہ ملاقات دو گھنٹہ جاری رہی لیکن صرف پندرہ منٹ تک اصل موضوع پر گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد مہاتما گاندھی نے پھر اپنی روداد حیات سُنائی جو زیادہ تر سیر و سیاحت پر مبنی تھی۔ یکایک انھوں نے سارے سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لئے عجیب و غریب تجویز پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ کابینہ کو توڑ دیا جائے اور جناح کو خالصًا مسلم نظم و نسق چلانے کی دعوت دی جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا — "آپ کے خیال میں جناح کا کیا ردِّ عمل ہوگا؟" گاندھی نے جواب دیا — "جناح یہی کہیں گے۔ چالاک گاندھی نے پھر ایک چال چلی۔" ماؤنٹ بیٹن نے مسکراتے ہوئے پھر پوچھا — "کیا وہ اپنے اس خیال میں حق بجانب نہیں ہیں؟"

"نہیں" گاندھی نے جواباً کہا — "میں قطعی مخلص ہوں۔" انھوں نے ماؤنٹ بیٹن

سے یہ بھی کہا کہ میں اپنے اقدام میں راسخ ہوں اور اپنے آباواجداد کے پاپ کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ برطانوی نظامِ حکومت "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ ملک میں نظم و آئین قائم رکھنے کے لئے یا تو برطانوی راج کو برقرار رکھا جائے یا ہندوستانی آپس میں خون کی ہولی کھیلیں۔ خون کی ہولی کھیلنا منظور ہے۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

ملاقاتوں کے لامتناہی سلسلے سے ویول برگشتہ ہو گئے تھے لیکن ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ضرورت پیش آئی تو میں دس گھنٹے بھی ملاقاتوں میں ضائع کر سکتا ہوں۔ وہ گاندھی سے حیرت انگیز طور پر متاثر ہوئے۔ ان کا خیال ہے کہ اب بھی ان کی شخصیت اہم ترین ہے۔

آج انڈین نیشنل آرمی کے پریشان کن مسئلے کو آخری طور پر حل کرنا تھا۔ اس میٹنگ میں مجھے بھی ماؤنٹ بیٹن نے بلایا تاکہ میں غیر سرکاری رپورٹر کے فرائض انجام دوں۔ سابق آئی۔ این۔ اے کے بہت سے فوجی، جنگی مجرموں کی حیثیت سے آہن و سلاسل کے پیچھے تھے اور ان کی رہائی کے لئے حکومت پر بار بار دباؤ ڈالا جا رہا تھا لیکن اوکنلک کمانڈر انچیف کی حیثیت سے اڑے ہوئے تھے کہ اگر ڈسپلن (نظم) برقرار رکھنا ہے تو انھیں رہا نہ کیا جائے۔ سارے بنگال میں آئی۔ این۔ اے کو سورما سے آزادی کہا جا رہا تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ فوجوں کی کمان سبھاش۔ بوس کر رہے تھے۔ سبھاش بوس جنھوں نے کانگریس کا صدر بننے کے لئے گاندھی سے ٹکر لی تھی اور برطانوی راج کی آنکھوں میں اس لئے کھٹکنے لگے تھے کہ انھوں نے اتحادیوں سے ساز باز کر لیا تھا اور ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لئے جاپانیوں کو انڈین نیشنل آرمی کی امدادی فوج بہم پہنچائی تھی۔

جوں ہی ماؤنٹ بیٹن نے اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیا عام طور پر یہ خیال پایا جانے لگا کہ اب اس کا حل نکل آئے گا۔ لیکن چونکہ گذشتہ دنوں اس مسئلے کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے یہ روز بروز پیچیدہ اور مشکل بنتا گیا۔ ویول نے اس سوال پر ہمیشہ اپنا ویٹو استعمال کیا اور وہ اسے معمہ بنا کر پیش کرتے رہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اس مسئلے کو نہرو، لیاقت، بلدیو سنگھ اور اوکنلک کے ساتھ صاف گوئی اور بے لاگ گفتگو کے ذریعہ حل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ موجودہ سیاسی فضا کا مجھے براہِ راست جو تجربہ ہوا ہے اس کی روشنی میں مذکورہ بات چیت کا رنگ ان سارے بحرانوں سے مختلف ہوگا جن کا سامنا ماؤنٹ بیٹن کو کرنا ہے۔ کیونکہ اس مسئلے میں کانگریس اور مسلم لیگ کا عندیہ یکساں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئی۔این۔اے' کے دو ایک آرمی مسلمان بھی ہیں۔ اگرچہ مسلم لیگ کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک سے برابر الگ رہی جس کی مثال ۱۹۴۲ء کی کانگریس سول نافرمانی ہے۔ لیکن یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ جب ایسی کوئی تجویز پیش ہوتی ہے جس میں قومی وقار کا سوال ہوتا ہے تو کانگریس کے ساتھ اس کے اختلافات فوراً دور ہو جاتے ہیں۔

نہرو سارے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پریشان نظر آرہے ہیں۔ لیکن قانون ساز اسمبلی کے ردِ عمل سے فکر مند بھی ہیں۔ لیاقت نے اس کے برعکس کچھ ایسے دلائل پیش کئے جو میرے خیال میں اوکنلک کو مشتعل کرنے اور حکومت اور کمانڈر انچیف کے درمیان رخنہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ تاہم جو کھچاؤ پایا جا رہا ہے۔ اُس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اوکنلک عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کے استعفےٰ کی دھمکی سے مایوسی کی لہر پھیل گئی ہے اور یہی دھمکی بحران کا سبب بنی ہے۔ بہرکیف تین گھنٹے کی شدید بحث و تمحیص کے بعد ایک حل نکل ہی آیا۔ اوکنلک کو استعفےٰ واپس لینا پڑا۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

بدھ ۲ر اپریل ۱۹۴۷ء

صبح کو اسٹاف کی جو میٹنگ ہوئی اس میں ماؤنٹ بیٹن نے آئی۔این۔اے فارمولا پر سخت محنت کی۔ وہ برابر مصروف دکھائی دیئے۔ اب سارا سوال صرف وفاقی مجلس قانون کی حیثیت کا ہے۔ یہ مجلس بظاہر اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ رپورٹیں کمانڈر انچیف کے حوالے کردے۔

ماؤنٹ بیٹن کی ہدایت پر میں نے مجلس قانون ساز کے جلسے میں شرکت کی۔ اس

وقت آئی۔این۔اے کا موضوع زیرِ بحث تھا۔ میں ٹھیک گورنر جنرل کی نشست کے قریب بیٹھ گیا۔ عقبی سیٹ سے ایک مسلم لیگی ممبر نے آئی۔این۔اے کے لوگوں کو رہا کر دینے کی تحریک پیش کی اور ساتھ ہی اس نے خوب شعلہ فشانی بھی دکھائی۔ لیکن اس کی خطابت کا سارا زور یکایک سرد پڑ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کانگریس کے وِہپس (WHIPS) نے اس کو تقریر کے دوران ہی میں کچھ دوستانہ مشورے دیدیئے تھے۔

اس کے بعد نہرو جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ان کی تقریر بے مثال تھی۔ انھوں نے اوکنلک کے اقدام کو اپنی پوری قوت سے سراہا کیونکہ انھوں نے حمایت کا پہلے ہی وعدہ کر لیا تھا۔ غصّہ سے بپھرے ہوئے ایوان میں یہ تقریر درحقیقت اخلاقی جراَت کا زبردست ثبوت تھی۔ اُنھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آئی۔این۔اے کا مسئلہ قطعی مختلف ہے۔ اس میں فوجوں کی فرض شناسی اور وفاداری کا سوال پوشیدہ ہے۔ ایک دوراہم وفاداری کا سوال بھی پوشیدہ ہے۔ اس میں — اور وہ ہے اپنے وطن سے وفاداری۔ جب وفاداری ہی میں آویزش پائی جانے لگے تو افراد کے اندر بھی تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اِن حالات میں اچھا آدمی نقصان اٹھاتا ہے اور کمتر آدمی کے اندر حس باقی نہیں رہتا۔ آئی۔این۔اے کے سارے افراد محبِ وطن نہیں ہو سکتے، البتہ کچھ اچھے بھی ہیں، کچھ بُرے بھی ہیں۔ آخرکار تحریک واپس لے لی گئی۔ اس خطرناک اور سنگین واقعہ کا نتیجہ ماؤنٹ بیٹن کی پہلی کامیابی کی صورت میں نکلا۔ ان کی مصالحت کام آئی۔ نہرو نے بھی اپنی ثابت قدمی کی جراَت مندانہ مثال پیش کی۔

سراکبر حیدری اور لیڈی حیدری کے ساتھ میں نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ حیدری کو کچھ دیر پہلے سر اینڈریو کلو کی جگہ آسام کا گورنر بنایا گیا تھا۔ آئندہ ماہ دونوں یعنی سراکبر اور لیڈی حیدری شیلانگ روانہ ہو جائیں گے۔ یہ دوسرے ہندوستانی ہیں۔ جن کو ہندوستان کے ایک صوبہ کی گورنری کا اعزاز ملا ہے۔ ان سے پہلے سر چندولال ترویدی کو یہ شرف بخشا جا چکا ہے۔ آپ اڑیسہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ حیدری اس عظیم اعزاز کے مستحق بھی ہیں۔ کیونکہ ان کو ملکی نظم و نسق میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ پچھلے کارنامے حیرت انگیز طور پر شاندار رہے ہیں۔ انھوں نے اور ان کی سویڈن بیوی نے جن کی زندہ دلی اور جمال آرائی کا میں قائل ہوں۔ سب سے پہلے مجھے ہندوستانی مہمان نوازی سے نوازا۔ یہ

اس وقت کی بات ہے۔ جب میں نے اکتوبر ۱۹۴۳ء میں اجنبی کی حیثیت سے دہلی کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ حیدری کہتے ہیں کہ ہمیں متحدہ ہندوستان اور وفاقی طرزِ حکومت کے سوال پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ گویا وہ ایکٹ ۱۹۳۵ء کی حمایت کر رہے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو گیارہ صوبوں میں سات صوبے فوراً وفاق میں شامل ہو جائیں گے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

جمعرات ۳ر اپریل ۱۹۴۳ء

اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے کل کی ملاقاتوں کا حال سنایا کل اُنھوں نے اسمبلی کے یوروپین لیڈر پی۔ جے گریفیتھ سے ملاقات کی تھی جنھوں نے کیبنٹ مشن کا اچھے لفظوں میں اظہار خیال نہیں کیا کیونکہ ان کے خیال میں پلان مذکور میں یوروپین فرقہ کی طرف سے بے توجہی برتی گئی ہے۔ ان کی تجویز ہے کہ اسمبلی میں یوروپین فرقہ کے لئے آٹھ نشستیں محفوظ کی جائیں۔ یہ قطعی غیر حقیقت پسندانہ تجویز ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ہندوستان میں ان کی آبادی کل ستر ہزار ہے۔ اور دس لاکھ کی آبادی میں ایک نشست مقرر کی گئی ہے۔

اس کے بعد آپ بڑے ہی بااثر سکھ جے۔ جے۔ سنگھ سے ملے۔ امریکہ کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے اور پختہ قسم کے ہیں اور امریکہ سے حال ہی میں واپس آئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہندوستان آنے کے بعد میں نے سب سے پہلے جو چیز دیکھی وہ تھے برطانیہ کے خلاف غیظ و غضب سے بھرے ہوئے جذبات۔ کسی کو یقین ہی نہیں آتا کہ برطانیہ ہندوستان سے رخصت ہو رہا ہے۔ انھوں نے انقلاب کے امکان پر اپنے خیال کا سب سے پہلے اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ نئے حالات کے تحت ہندوستان میں نئے لیڈر منظرِ عام پر آئیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی سے پھر ملاقات کی۔ انھوں نے کہا کہ میں مسز آصف علی سے برابر ردّو قدح کرتا آرہا ہوں کہ برطانیہ کے خلاف ان کی جارحانہ پالیسی درست نہیں میں نے ان کو لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے ملنے کے لئے کہا۔ گاندھی اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں۔

کہ حکومت بنانے کے لئے جناح کو طلب کیا جائے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

جمعہ ۴ر اپریل ۱۹۴۷ء

اخباروں میں اب تک سرحد کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہو رہی ہیں۔ اسمے نے آج کی میٹنگ میں وہاں کے حالات کو "نامراد صورت حال" سے تعبیر کیا۔ کہنے لگے کہ مسلمان وہاں ۹۰ فی صد ہیں لیکن وزارت کانگریس کی ہے۔

اس کے بعد ٹراونکور کا سوال درپیش ہوا۔ یہ علاقہ جنوب میں واقع ہے اور یہی ایک ایسی ہندوستانی ریاست ہے جو سمندر کے کنارے ہے اور یہاں یورانیم ایسے وقت میں بھاری مقدار میں دستیاب ہوا ہے جب کہ انتقال اختیارات کے دن قریب تر آ رہے ہیں ۔

یورپینوں کے انخلا پر (اگر یہ ممکن ہے) طویل مذاکرے ہوئے۔ طے یہ ہوا کہ جو لوگ جون ۱۹۴۷ء تک جانا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ایک رجسٹر تیار کیا جائے۔ بحری جہاز کی قلت حیرت انگیز طور پر محسوس کی جا رہی ہے۔ لہذا جہازوں کے بیڑے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ہدایت کردی ہے کہ جنگ کی وجہ سے بحری جہازوں کو جو نقصان پہنچا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہ رکھا جائے اور منصوبہ تیار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ڈر، خوف اور اندیشہ کی فضا نہ پیدا ہو۔

رات کا کھانا زنکنس کے ساتھ کھایا۔ مورس نے نہرو کو گاندی کا مغربی رُخ بتایا۔ انھوں نے پاکستان کے بارے میں یہ نظریہ بھی قائم کیا کہ وہ اقتصادی لحاظ سے زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ اس کے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت ہے۔ میں نے اس بارے میں ان کو ایک یادداشت تیار کرنے کے لئے کہا کیونکہ میرے خیال میں ماؤنٹ بیٹن کے لئے یہ باعث دلچسپی ہو سکتا ہے۔ انتشار اور جنون کے باوجود ہم فیصلہ کن مراحل پر پہنچ گئے۔ مہاراجہ آف دنگاپور کے چھوٹے بھائی بھی جنھوں نے انڈین سول سروس کو اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا، موجود تھے۔ وہ صاحب ادراک اور بے حد حسین وجمیل آدمی ہیں۔

حیدری کی طرح ان کا بھی یہی خیال ہے کہ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے حصہ دوئم کو از سرِ نو تازہ کرنے کی ایک مرتبہ اور کوشش کرنی چاہیئے۔

مورس کا خیال ہے کہ نہرو اور گاندھی اوکنلک کی حمایت اس لئے کر رہے ہیں کہ انھیں خوف ہے کہ اگر وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہوئے تو سِلم کو اُن کا جانشین بنا دیا جائے گا۔ جو غلط یا صحیح طور پر مسلمانوں کے دوست سمجھے جاتے ہیں۔ لیاقت اور مسلم لیگ یقیناً اسی وجہ سے اوکنلک کو مستعفی ہو جانے پر ابھار رہے ہیں۔ مورس نے ایشیائی رابطہ کانفرنس کے آخری سیشن میں نہرو کا ایک دلچسپ لطیفہ سُنایا۔ انھوں نے کہا کہ نہروؔ کو ریڈور میں آئے اور ان مندوبین کے شانے پکڑ کر ہلائے جو کارروائیوں کے دوران مشروبات اور گفتگو میں مصروف تھے۔ یکایک انھوں نے ایک کبیدہ خاطر مندوب سے کہا "ارے آپ تو آم کا پیڑ معلوم ہوتے ہیں اور شاید اس لئے غٹاغٹ پانی پئے جا رہے ہیں۔"

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

ہفتہ۔ ۵ راپریل ۱۹۴۷ء

گاندھی کا عظیم منصوبہ زیرِ بحث آیا اور اس کی مثال اُس پُرانی پتنگ سے دی گئی جو نظر سے اوجھل ہوئے بغیر اڑ رہی ہو۔ ماؤنٹ بیٹن عقل و ذہانت میں یکتا تو ہیں ہی۔ فوراً اس منصوبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ گفت و شنید میں پڑنے کی بجائے صرف اُن کے مشورے کو سُنتے جائیں۔

پندرہ دن گذر جانے کے بعد ماؤنٹ بیٹن کے پلان کی اہمیت اپنی صلاحیتوں کی موزونیت کے ساتھ پہلے ہی ایک شکل اختیار کر چکی تھی۔ ان کو یہ سارا کام اگرچہ ابتدا سے کرنا پڑا۔ لیکن وقت کا برابر خیال رکھا گیا۔ ان کا بنیادی مقصد مسئلے کا ایسا حل پیش کرنا تھا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتیں متفقہ طور پر ابتدا ہی سے دولتِ مشترکہ میں رہنے پر تیار ہو جائیں۔ وہ کیبنٹ مشن پلان کو ہر قیمت پر تازہ رکھنے کی کوشش رہے ہیں لیکن اس خیال کے ساتھ کہ جناح کے اختیار اور مقصد پروان چڑھتے رہیں اور تقسیم

کی سہولتیں بھی مہیا کی جائیں ۔ وہ اس عندیہ کو سراہتے ہیں کہ مرکز کو تقسیم کرنے کی جو منطق اور دلیل پیش کی گئی ہے وہی ان صوبوں پر بھی عائد ہوتی ہے. جہاں دو فرقے برابر اور متوازن ہیں۔

بہر حال کیبنٹ مشن پلان جو شکل بھی اختیار کرے ماؤنٹ بیٹن کو شروع ہی سے اس کا یقین ہو چلا ہے کہ سیاسی حل کی ضرورت اس وقت کے مقابلے میں جب کہ ہم لندن میں تھے اب شدت اختیار کر چکی ہے اور یہ کہ جون ۱۹۴۸ء جو انتقالِ اختیارات کی آخری تاریخ مقرر کی گئی ہے وہ بہت دور ہے ۔ وہ ہر وقت سیاسی تہہ و بالا کے خطرے کو محسوس کر رہے ہیں ۔ مثلاً کانگریس، مسلم لیگ اور سکھ ۔ یہ تینوں جماعتیں اپنے اپنے مطالبات کو حاصل کرنے کی انتہائی قوت رکھتی ہیں ۔ لیکن ہندوستان میں چین جیسے حالات نمودار ہوں تو ان کو روکنے کی ان کے اندر اس وقت تک صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آپس میں سمجھوتہ نہ ہو جائے ۔ ہاں سیاسی حل فوری طور پر نکالا جا سکتا ہے ۔ مگر ایک شرط ہے، اور وہ یہ کہ نظم و نسق سے متعلق جو پیچیدگیاں ہیں وہ ہنگامی مدت کے بعد ہی سلجھائی جائیں۔

قابلِ قبول پلان کے لئے راہ ہموار کرنے کا ماؤنٹ بیٹن نے عزم راسخ کر لیا ہے ۔ وہ طے کر چکے ہیں کہ تمام لیڈروں کو قدم بقدم ساتھ لے کر چلیں گے لیکن ملاقات کا سلسلہ الگ الگ رہے گا ۔ ان کو اُمید ہے کہ اس طرح لیڈروں کے ساتھ جو بات چیت ہو گی اُس کی وجہ سے فرقہ وارانہ جذبات سرد پڑ جائیں گے ۔ یہ مقصد لیڈروں کے ساتھ اجتماعی گفتگو سے پورا ہونا ممکن نہیں ۔ اس کا تجربہ عارضی حکومت کی کابینہ میٹنگوں سے ہو چکا ہے ۔ اس طرح فرقہ وارانہ جذبات اور مشتعل ہوتے ہیں ۔ ہماری اسٹاف کی میٹنگوں میں بھی تمام ممکنہ صورتوں پر غور کیا جاتا ہے۔

آج سویرے اس بات کا حل معلوم کرنے کے امکان پر غور کیا گیا کہ مرکز کے پاس بھی کچھ رہ جائے ۔ ماؤنٹ بیٹن نے متبادل کے طور پر اتحاد و اشتراک کے چند خیالات پیش کئے ۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اقوامِ متحدہ کے طرز پر اشتراک ہو، ایسی خود مختاری ہو جیسی روس میں ہے اور ایسا وفاقی ڈھانچہ ہو جیسا کہ واشنگٹن میں پایا جاتا ہے ۔ اس تجویز پر خوب ہنگامہ آرائی رہی اور کہا گیا کہ فیصلہ اُسی وقت کیا جا سکتا ہے ۔ جب سارے

اعداد و شمار دستیاب ہو جائیں ۔ ممکن ہو تو یہ کام دو ماہ کے اندر مکمل ہو جائے ۔ لیکن یہ کام فیصلہ کی شکل میں ہو ۔ یک طرفہ سمجھوتے کی شکل میں نہیں ۔ اس صورت میں ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی منظوری فوراً لی جائے گی ۔ ساتھ ہی جلد سے جلد دستور مرتب کیا جائے گا اور اس پر عمل درآمد بھی شروع ہو جائے گا تاکہ اسکیم ۱۹۴۷ء کے اختتام سے پہلے پہلے مکمل ہو کر ۱۹۴۸ء تک سامنے آ جائے ۔ یہ قدم انتہائی دیانت دارانہ ہو گا ۔ اور اگر اس اسکیم کی ضرورت پڑی جس میں مرکز نہ ہو تو ہم اپنے فرائض سے اتنی جلدی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے ۔

مسئلہ کے ان سارے پہلوؤں پر اس لئے غور کیا گیا کہ آج ماؤنٹ بیٹن اور جناح کی ملاقات ہو رہی ہے ۔ انھوں نے پہلے ہی سے اپنے ذہن کو اس کے لئے تیار کر لیا ہے صبح کی میٹنگ جناح کی آمد تک جاری رہی ۔ اس ملاقات کے لئے اتنے فوٹوگرافر نہیں آئے تھے جتنے گاندھی کے ساتھ پہلی ملاقات میں تھے ۔ اس کے علاوہ جناح پریس والوں کے ساتھ انتہائی پُر تکلف ، کم گو اور کم آمیز رہے ۔ ملاقات کے اختتام کے ساتھ ساتھ میں فوراً اپنی کمیونکے کی منظوری حاصل کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن کے پاس گیا ۔ اس میں صرف ایک جگہ معمولی سی تبدیلی کی گئی ۔

آج رات کی بجائے کل شام جناح اور ان کی بہن وائسرائے ہاؤس میں کھانے پر مدعو ہیں ۔ اس تبدیلی کی وجہ صاف ظاہر ہے ۔ ماؤنٹ بیٹن کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ آج ان کے ساتھ دوسری ملاقات کی تاب نہیں لا سکتے ۔ جناح نے رخصت ہوتے ہوتے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ وہ سب کچھ اُن کی مرضی پر چھوڑ دیں گے ۔ ماؤنٹ بیٹن پر اس فقرے کا سب سے پہلا ردِّ عمل یہ ہوا کہ اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا ۔ "خدایا تیرا شکر ہے ' وہ بڑے نرم اور سرد نکلے ۔ حالانکہ میں ان کو اشتعال دلاتا رہا تھا"

میں یہاں سے فوراً لنچ کے لئے چلا گیا ۔ مہمان پہلے ہی سے موجود تھے ۔ نہرو اور اُن کی صاحبزادی اندرا ، اور انڈونیشیا کے وزیر اعظم شہریار ، ان کے ساتھ ان کی گداز جسم والی ڈچ بیوی بھی تھیں ۔ آسٹریا کے پاکٹ سائز وزیر اعظم ڈولفس کے بعد شہریار سب سے زیادہ پست قد وزیر اعظم ہیں ۔ ان مہمانوں کے علاوہ ڈچ اطاشی ونکلمین اور ان کی بیگم بھی موجود تھیں ۔ میں اندرا کے بازو میں بیٹھ گیا ۔ انھوں نے لندن کے دوران

قیام میں خطرناک ترین بمباری کا ذکر کیا۔ کہنے لگیں کہ آگ اور خون کا یہ سیلاب میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا۔ پیکاڈلی میں ایک شام خوفناک دھماکے ہوئے اور آگ کی چنگاریاں ہوا سے باتیں کرنے لگیں۔ میں بھی آگ بجھانے والوں میں شامل ہوگئی اور جب ہی وارڈن کی ہیٹ ملی تھی۔ اُس ہیٹ کو میں نے اب تک بطور یادگار محفوظ رکھا ہے۔ وہ ابھی ابھی شملہ روانہ ہوگئیں۔

لنچ کے بعد ماؤنٹ بیٹن کی درخواست پر کرشنا مینن اور اُنھوں نے گاندھی کی تجاویز پر طویل گفتگو کی۔ آج فیصلہ ہوا کہ قبل اس کے کہ گاندھی کانگریس کے لیے جان توڑ کوشش شروع کریں نہرو پر یہ واضح کر دیا جائے کہ ماؤنٹ بیٹن گاندھی پلان پر اپنی منظوری نہیں دے سکتے اور یہ کہ تجویز مذکور پر مزید غور و خوض کی ضرورت ہے۔ صبح کی میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا تھا کہ گاندھی' جناح کو نظم و نسق سنبھالنے کے لیے دعوت دینے پر نہ صرف تیار ہوگئے ہیں۔ بلکہ کانگریس کی حمایت کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔ گاندھی کی تجاویز اور ان کے نظریہ کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ وہ مسٹر پائیک کے عجیب وغریب نظریات سے مشابہ ہیں۔ مسٹر پائیک کبھی مشترکہ فوجی نقل و حرکت میں "سائنس داں" تھے جنھوں نے برفیلی ہوائی اڈہ کا خیال پیش کیا تھا۔ دوراز کار لیکن قابلِ عمل۔

ولینگڈن کورٹ میں آج میرے اعزاز میں پارٹی ہوئی۔ یہ پارٹی سر اوشا ناتھ سین نے دی تھی۔ موصوف ہندوستانی نامہ نگاروں کے صدر اور ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کے نامہ نگار خصوصی ہیں۔ انھوں نے میرا تعارف بیس سے کچھ زائد ممتاز ہندوستانی نامہ نگاروں سے کرایا۔ ان کے ساتھ میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاں کنی کے عالم میں رہا۔ میں نے اپنا تعارف اس طرح کرا کر چھٹکارا حاصل کیا کہ میں لبرل پارٹی کا ایک ممبر ہوں اور عارضی طور پر سیاست کے چکر سے چھٹی لے کر آیا ہوں۔ مجھے اقلیتی مسائل سے گہری دلچسپی ہے اور میں ان کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ ماؤنٹ بیٹن کے تفریحی مشغلوں پر خاصی دلچسپی لی گئی۔ عام طور پر اب خیال پایا جانے لگا ہے بلکہ یقین ہو چلا ہے کہ آئندہ پندرہ دنوں میں مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ اب ان مسائل کو سرد خانے میں ڈالا نہیں جا سکتا۔

رات کا کھانا میں نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کھایا۔ اس وقت ہمارے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا۔ انھوں نے جناح کے ساتھ غیر معمولی انٹرویو کی تفصیل بتائی۔ اُنھوں نے بتایا

کہ جناح نے گفتگو کا آغاز نہایت ہی دو ٹوک انداز میں یوں کیا تھا "میں بات چیت کرنے پر آمادہ ہوں ـ لیکن ایک شرط پر" ماؤنٹ بیٹن نے کہا ـ "اس سے پہلے کہ وہ جملہ پورا کرتے میں نے سلسلۂ کلام کو منقطع کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر جناح میں نہ تو آپ کی شرائط سننے کے لئے تیار ہوں اور نہ موجودہ حالات پر کچھ سننا چاہتا ہوں ـ میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں زیادہ سے زیادہ باتیں بتائیں"

ماؤنٹ بیٹن کے اس رویہ پر جناح ششدر رہ گئے اور تھوڑی دیر تک ان کی زبان سے کچھ نہ نکلا ـ لیکن بعد میں ان کا موڈ نرم پڑ گیا ـ اور انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کی اس خواہش پر گھٹنے ٹیک دیئے کہ پہلے وہ مسلم لیگ کی رام کہانی بیان کریں کہ اس کو سیاسی اقتدار کیسے حاصل ہوا اور وہ خود اس سے وابستہ کیسے ہوئے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

پیر ۷ اپریل ۱۹۴۷ء

گزشتہ رات کو جناح نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کھانا کھایا ـ جناح نے مسلمانوں کی قتل و غارت گری کی داستان تفصیل سے سنائی ـ انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں فوراً کوئی قدم اٹھایا جائے ـ "اس کا حل چیر پھاڑ ہو سکتا ہے" ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا ـ "لیکن چیر پھاڑ سے پہلے اعضا کو سُن کرنا بھی ضروری ہے" ماؤنٹ بیٹن جناح کے ساتھ دوسری ملاقات میں بھی کامیاب رہے "جناح میرے ساتھ گفت و شنید میں حصہ لے سکتے ہیں لیکن میرا فیصلہ اٹل ہو گا" جناح اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ گاندھی کی پوزیشن قطعی فتنہ پرور ہے ـ کیونکہ وہ کسی ذمہ داری کے بغیر اپنی عظمت کا لوہا منوانا چاہتے ہیں ـ اپنی اس دلیل کو ثابت اور برحق کرنے کے لئے انھوں نے گاندھی کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا حال سنایا ـ مثلاً کس طرح کرپس پلان کو انھوں نے مسترد کیا اور ۱۹۴۲ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی ـ مہاتما کی اس تحریک کو جناح نے "عظیم اور فاش غلطی" بتایا ـ جناح نے یہ بھی کہا ـ "کانگریس سب کچھ خود ہڑپ کرنا چاہتی ہے حتیٰ کہ وہ مجھے

پاکستان سے محروم کرنے کے لئے درجۂ نوآبادیات تک کو منظور کرنے پر تیار ہو جائے گی"

ماؤنٹ بیٹن اسٹاف میٹنگ میں ان مسائل و سوالات پر بھی غور کرنے لگے ہیں جو ادھورے رہ جاتے ہیں۔ بحث و تمحیص کی بھٹی میں وہ اپنے خیالات و عقائد کو اچھی طرح تپاتے اور اُن پر عزم راسخ کے ہتھوڑے چلاتے ہیں۔ تخلیق کا یہ طریقۂ عمل کتنا پُرجوش ہے اسمے نے گاندھی کا تازہ ترین مکتوب پڑھ کر سنایا۔ اس میں "گاندھی۔ ماؤنٹ بیٹن معاہدہ" کے جراثیم رینگ رہے ہیں۔ مکتوب مذکور میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کی اس تجویز پر ذرا ہمدردانہ دلچسپی لیں جس میں جناح کو حکومت کی تشکیل کے لئے کہا گیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن بھی چاہتے ہیں کہ جناح کو حکومت بنانے کی دعوت دی جائے۔ لیکن یہ کام کیسے ہو، اب تک واضح نہ ہو سکا۔

پہلی ملاقات سے کچھ قبل جب جناح، ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کیمروں کے سامنے آئے تو جناح نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو ازراہ تفنن "دو کانٹوں کے درمیان ایک پھول" کہا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ درمیان میں خود جناح تھے۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس آف امریکہ کے والٹ مین مجھ سے ملے اور بولے کہ کیا وہ اس فقرہ کو ان ہی کے حوالے سے شائع کر سکتے ہیں؟ اس وقت گیلری میں خوب چہ می گوئیاں ہو رہی تھیں۔ میں ڈر گیا۔

اس ملاقات کے بعد ہی آج شام کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے تعارف کرانے کے لئے مجھے طلب کیا۔ جناح نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا اور کچھ نہ بولے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کی تحریک پر وہ مجھ سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے اور بولے کہ وہ بڑی خوشی سے میرے ساتھ پریس کے مسائل پر بات چیت کریں گے۔ ان کے رخصت ہو جانے کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ کل کی ملاقات دشوار تر ہو گی۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

منگل - ۸ را پریل ۱۹۴۷ء

آج اسٹاف کی میٹنگ میں لیاقت کا مکتوب پڑھ کر سنایا گیا۔ اُنھوں نے

تحریر کیا تھا کہ فوجوں میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام ہے۔ لہٰذا فوجوں کی از سرِ نو تنظیم کی جائے تاکہ مناسب وقت پر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ان کو تقسیم کرنے میں آسانی ہو۔ اسمے نے کہا کہ اگر لیاقت کے مکتوب پر عمل کیا گیا تو سیاسی فضا ناخوش گوار ہو جائے گی۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ جب تک وائسرائے ہز مجسٹی کی حکومت کو اپنے نظریہ سے مطلع نہیں کر دیتے ہیں اس وقت تک کیبنٹ مشن پلان پر عمل درآمد ہوتا رہے گا۔ پلان مذکور میں واحد نیشنل آرمی ہی کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اسمے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ انتقالِ اختیارات سے پہلے دو اسباب کی بنا پر ہندوستانی فوج کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اول یہ کہ نہ تو یہ ممکن ہے اور دوئم یہ کہ میں خود نہیں چاہتا۔ انھوں نے کہا کہ میں جناح کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ امن وامان قائم رکھیں۔ اور ایک کے خلاف دوسری پارٹی کی حمایت نہ کریں۔ بالفرض اگر ہر صوبہ کو اختیارات دیئے بھی گئے تو بھی دفاع کا مرکزی کنٹرول ضروری ہے۔

اسمے نے کہا کہ برطانوی فوج اس وقت تک ہندوستان میں رہے گی تا آنکہ پوری کمان منتقل نہ ہو جائے۔ ۱۹۳۵ء کا دستور بھی جاری وساری ہے۔ گاندھی پلان کے بارے میں نہرو کا جو نظریہ ہے اُس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ مضبوط مرکز کو اختیارات کی منتقلی تک کمزور نہیں کرنا چاہئے۔ ایبل نے کہا کہ کلیدی سوال یہ ہے ــــ کیا کیبنٹ مشن پلان باقی نہیں ہے؟ جناح سے کہہ دیا جائے کہ اگر وہ انکار کرتے ہیں تو اُنھیں انکا سے کیا حاصل ہوگا؟ یہ بات اُنھیں سمجھانے کے لئے اس کا واضح کر دینا ضروری ہے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

بدھ۔ ۹ اپریل ۱۹۴۷ء

آج کی میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے بتایا۔ "کل جناح سے میں نے کہا کہ فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرنے کے لئے دو بڑی جماعتوں کے درمیان معاہدہ ہو جانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں میں نے اُس اپیل کا بھی حوالہ دیا جو تیار کی گئی تھی۔ میں نے اُن سے صاف لفظوں

میں یہ بھی دریافت کیا کہ آیا وہ فسادات کی آگ کو بجھتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں یا وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ آگ بھڑکتی رہے اور مسلم لیگ سیاسی اعتبار سے نقصان اُٹھائے۔ جناح نے بہرکیف اپیل میں شرکت کرنے پر رضامندی دیدی۔"

مجھے تاکید کی گئی کہ ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں وائسرائے چونکہ مختلف منصوبوں پر کام کر رہے ہیں اس لئے پریس کو پہلے سے متنبہ کیا جائے کہ وہ من گھڑت باتیں پھیلانے سے احتراز کرے۔ مثلاً اس قسم کی باتیں وہ نہ پھیلائے کہ جو پلان زیرغور یا زیربحث ہے اُس پر دو ایک دن کے اندر فیصلہ ہوجائے گا۔ ان دنوں جس پلان پر مختلف پہلوؤں سے غور و خوض کیا جارہا ہے وہ بلاشبہ کیبنٹ مشن پلان ہے۔

پالیسی کا موضوع دوبارہ زیربحث آیا۔ اسمے نے اس گفتگو کا حوالہ دیا جو انھوں نے جناح کے ساتھ کی تھی۔ وہ اپنی پالیسی کے نظم و نسق کی پیچیدگیوں سے قطعی واقف نہیں۔ برطانیہ ہندوستان کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں مناسب تو یہی ہے کہ پاکستان کو مان لیا جائے۔ لیکن جناح نے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ اُن کو "لنگڑے لولے پاکستان" کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

اسٹاف میٹنگ کے بعد میں جناح سے ملنے اُن کی قیامگاہ گیا۔ اُن کا دولت کدہ ۱۰ اورنگ زیب روڈ پر واقع ہے۔ مکان مسجد نما ہے اور سرخ و سیاہ مرصع کاری سے بھرپور۔ ان کے پردے پر ہندوستان کا نقرئی نقشہ بنا ہوا ہے۔ پاکستان کو سبز رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ آج کی ملاقات میں وہ پہلے سے زیادہ پُرتپاک نظر آرہے تھے۔ ہم نے پریس پر بہت کچھ اظہار خیال کیا۔ اُنھوں نے کہا آل انڈیا ایڈیٹرس کانفرنس میں سب کے سب ہندو نمائندے تھے۔ ڈان کا جو میری ملکیت ہے۔ صرف ایک مسلم نمائندہ شریک تھا۔ اگرچہ آپ یقین نہیں کریں گے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں اس اخبار کی براہ راست پالیسی میں حائل نہیں ہوا کیونکہ پالیسی کی ترتیب میں ایڈیٹر کا حق ہے اور یہ چیزیں اُسی کے دائرۂ اختیار میں آتی ہیں۔ میں اس سے خوب واقف ہوں۔" اس کے بعد انھوں نے مسکرائے بغیر کہا۔ "ایڈیٹر ہمیشہ میرے نظریات و عقائد سے اتفاق کرتا آیا ہے۔" پھر انھوں نے بتایا کہ نواکھالی میں ہندوؤں کے خلاف قتل و غارت گری کی جو خبریں چھپ رہی ہیں وہ بالکل غلط لغو اور مہمل ہیں۔ ان خبروں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ہزار بتائی گئی ہے لیکن دراصل ہلاک ہونے

والوں کی تعداد سو سے کچھ اوپر اور زخمیوں کی تعداد سو ہے ۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ۔ ہندوستانی پریس کے ساتھ پس منظر کے طور پر کوئی بات چیت تقریباً ناممکن ہے ۔ لندن کی بات بالکل مختلف ہے ۔ وہاں میں نے رسمی گفتگو میں جو باتیں بھی کیں اُن کا پورا پورا احترام کیا گیا۔

ماؤنٹ بیٹن کے لئے اس انٹرویو کے نوٹ میں میں نے مندرجہ ذیل باتیں بھی لکھیں:۔

"حال ہی میں اخباروں میں جو چند تبصرے آئے ہیں وہ نہ صرف اشتعال انگیز ہیں بلکہ بے بنیاد اور غلط بھی ہیں ۔ لہٰذا میری سفارش ہے کہ آپ (جناح) فوراً کل ہند مدیران کانفرنس کے نام ایک پیغام ارسال کریں جس میں اُن سے طرز تحریر میں متانت اور سنجیدگی پیدا کرنے پر زور دیا جائے وغیرہ ۔"

میں جناح کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا تھا۔ ردّ عمل اُمید افزا ثابت نہ ہوا " اگر میں واقعی مشورہ دوں" انھوں نے کہا ۔ " تو ہز اکسیلنسی کا کام بڑھ جائے گا ۔ انھیں فوراً کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا اور پند ونصائح سے گریز کرنا پڑے گا ۔ بہر کیف نظم ونسق کو برقرار رکھنا تو ان کا کام ہے" انٹرویو اس معنی میں حوصلہ افزا ثابت ہوا کہ میں مسلم پریس سے رابطہ پیدا کر سکوں گا ۔ لیکن ساتھ ہی مایوس کن بھی ثابت ہوا کیونکہ ہندو اور مسلم پریس کے لئے دوش بدوش کام کرنے کی فضا تاریک ہو چکی ہے ۔"

سہ پہر کی چائے نہرو خاندان کے ساتھ پی ۔ اندرا اور کرشنا مینن نے مسلم لیگ اور اُس کی قیادت کی بنیاد کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جناح خود نسلاً ہندو ہیں ۔ کرشنا نے کہا۔ "لیگ کا نصیبہ اُسی وقت چمکا تھا جب کانگریس نے ڈائرکٹ ایکشن کی تحریک شروع کی تھی۔ اس کی نشو ونما میں برطانوی حوصلہ افزائی شامل ہے ۔" گوالیار میں جو اسٹیٹ کانفرنس ہونے والی ہے اس میں کرشنا چاہتے ہیں کہ میں بھی شرکت کروں ۔ یہاں نہرو ، صدارت کی ذمہ داری کشمیر کے مسلم کانگریس لیڈر شیخ عبد اللہ کو سپرد کرنے والے ہیں ۔ شیخ عبد اللہ ان دنوں جیل میں ہیں ۔ آج کل نہ صرف سیاست کا بازار گرم ہے اور درجۂ حرارت بڑھ رہا ہے ۔ بلکہ کل تھرمامیٹر بھی ۱۰۸ ڈگری فارن ہیٹ تک پہنچ گیا تھا ۔ نہرو نے مجھ سے کتنی اچھی بات

کہی — مصیبت تو یہ ہے کہ ہم گرمی کو سوچ کر اپنے اندر بھی حرارت محسوس کرنے لگتے ہیں۔"

شام کو ہندوستانی والیان ریاست میں برطانوی ریزیڈنس کے اعزاز میں شاندار ڈنر کا انتظام کیا گیا۔ انھیں شاہی نمائندے کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مشورہ کرنے کے لئے دہلی بلایا گیا تھا۔ کمرے کھول دیئے گئے اور لیڈی ولنگڈن کے کمرے کی چھت میں مکڑیوں نے جو جالے بُن دیئے تھے ان کی جھاڑ پونچھ ہوئی۔ ۸۰ معزز مہمان شریکِ دعوت ہوئے۔ نقرئی پلیٹیں رکھی گئیں تاہم غذا کی خوشبو میں کسی طرح اضافہ نہ ہو سکا۔ اس پُر تکلف دعوت میں منٹو، میو، ہالیفیکس اور ریڈنگ کی تصویریں مہمانوں کو نظرِ حقارت سے دیکھ رہی تھیں اور انگریزی اور ہندوستانی دھنوں کا امتزاج عجب تاثر پیدا کر رہا تھا۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

جمعہ ۱۱ر اپریل ۱۹۴۷ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ کیبنٹ مشن پلان پر جناح کا اصل اعتراض یہ تھا کہ بعض صوبوں کو حق اختیاری نہیں مل سکتا لیکن دوسرے گروپ میں ان کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔ کانگریس نے اب حق خود اختیاری کو مان لیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ چاہتی ہے کہ متحدہ ہندوستان کا جو دستور کیبنٹ پلان میں پیش کیا گیا ہے، اُس کی پابندی کی جائے۔ وائسرائے کے ڈپٹی پرائیویٹ سکریٹری اسکاٹ نے بتایا کہ کیبنٹ پلان میں گروپوں کے اتحاد پر زور دیا گیا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے آج جن خیالات کا اظہار کیا ان میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ اعلان اس نوع کا ہو جس سے پتہ چل سکے کہ انتقال اختیارات کو ہندوستانی عوام پسند کرتے ہیں یا نہیں۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

پیر ۱۴ اپریل ۱۹۴۷ء

اخبارات قیاس آرائیوں میں معروف ہیں۔ آج کے ہندوستان ٹائمز میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں "امن کی اپیل" کے سوال پر قیاس آرائی کی گئی ہے۔۔ اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ اپیل عنقریب جاری ہونے والی ہے جس میں گاندھی اور جناح کے دستخطوں کے علاوہ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے کرپلانی بھی دستخط کریں گے۔ وہ سوال جو اس سلسلے میں متنازعہ فیہ بنا ہوا ہے وہ ہے کرپلان کی شمولیت جس کا اصرار کانگریس کرتی آرہی ہے لیکن جناح نہیں مانتے۔ اسمے اور میویل کا خیال ہے کہ۔ ہندوستان ٹائمز کا مطبوعہ مضمون جناح پر اچھا اثر نہ ڈالے گا۔ خصوصًا ایسے وقت میں جب کہ وہ دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے مجھے سخت ہدایتیں دیں کہ میں سب کو یہ بتاؤں کہ مضمون مذکور نہ صرف ان کے علم کے بغیر شائع ہوا ہے بلکہ اس کی اشاعت سے انھیں سخت پریشانی بھی لاحق ہو گئی ہے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے۔ انھوں نے خود نہرو سے ایک خط کے ذریعہ اس کی اشاعت کی وجہ دریافت کی۔

غیر یقینی حالات کے بعد آخر کار ماؤنٹ بیٹن کے استقلال اور عزم راسخ نے میدان مار لیے۔ آج سہ پہر کو ہیں اصلی دستاویز جس پر گاندھی اور جناح کے مشترک دستخط ہیں۔ وزارت اطلاعات لے گیا۔ کرپلانی کے معاملے میں جناح کو کامیابی ہوئی کیونکہ انھیں دستخط کرنے کے لئے مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ گاندھی نے انگریزی اور اردو میں دستخط کئے تھے۔

اپیل کے لہجہ میں ماؤنٹ بیٹن کی شخصی فتح چھپی ہوئی ہے۔ اس کامیابی سے ان کے اندر یہ حوصلہ بھی پروان چڑھا کہ وہ ایسا سیاسی پلان تیار کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں۔ جو دونوں فریق کو قابلِ قبول ہو۔ اس سے ان کا وقار اونچا ہو گیا ہے۔ اپیل کا مقصد یہ ہے کہ باہمی کشیدگی اور چپقلش دور ہو کیونکہ اس کے بغیر سیاسی حل ممکن نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کی حکمت عملی اور فراست کی یہ پہلی کامیابی ہے۔

اپیل میں جو لہجہ اختیار کیا گیا ہے وہ سخت ہے۔ ایسے ہی لہجہ کی ضرورت بھی ہے۔ خاص طور پر اپیل میں کہا گیا ہے کہ تقریر اور تحریر میں ایسا اشتعال انگیز لہجہ اختیار نہ کیا جائے۔

جس سے تشدد اور انتشار پیدا ہو۔ یہ اپیل بر وقت ہے۔ بعض فرقہ پرست مبصرین اشتعال انگیز زبان اختیار کر رہے ہیں۔ ایسی زبان جو نفرت کو ہوا دیتی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کی درخواست پر ہیں نے وزارت اطلاعات کی ان تجاویز کو بہت غور سے پڑھا جو اپیل کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے اپیل کی اشاعت کا زبردست کام لیا جائے گا۔ اس کے علاوہ سینماؤں کے پردوں پر بھی اس کی صحیح نقل پیش کی جائے گی، اور ہوائی جہاز کے ذریعہ فساد زدہ علاقوں میں پرچیاں گرائی جائیں گی۔

واقعات کا دھارا اب ایک طرف مڑنے والا ہے۔ اس کا رُخ شملہ کی طرف ہے جہاں مئی کے مہینے میں سیاسی لیڈر جمع ہوں گے۔ یقینی مہمانوں میں نہرو، جناح، پٹیل، لیاقت کرپلانی، بلدیو سنگھ اور ممکنہ مہمانوں میں گاندھی، نواب آف بھوپال اور مہاراجہ آف بیکانیر شرکت کر رہے ہیں۔

کل گورنروں کی کانفرنس ہونے والی ہے۔ اس کے فوراً بعد ہی ریزیڈینس کے ساتھ ملاقات کا قرینہ ہے۔ ماؤنٹ بیٹن جب تک مسودہ پر گورنروں کے قطعی خیالات نہیں معلوم کر لیتے ہیں اُس وقت تک وہ اپنے پلان کو آخری شکل نہیں دیں گے۔ وہ مسودہ کو گورنروں کی کانفرنس میں زیر غور لانے کے لئے بھیج چکے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کے پلان کے خاص خاص نکات یہ ہیں۔

(ا) اگر ملک کی تقسیم ہوئی تو اس کی ذمہ داری سراسر ہندوستانیوں پر ہوگی۔

(ب) صوبوں کو عام طور پر اپنے مستقبل کے فیصلہ کا حق حاصل ہوگا۔

(ج) بنگال اور پنجاب کو رائے دھندگی کے لئے تقسیم کرنا ہے۔

(د) تقسیم شدہ بنگال کی وجہ سے ضلع آسام میں مسلم اکثریت ضلع سلہٹ کو مسلم صوبے میں شامل ہونے کا اختیار دیا جائے۔

(ہ) صوبہ شمال مغربی سرحد میں عام انتخابات کرائے جائیں گے۔

بعض گورنر وائسرائے ہاؤس پہنچ چکے ہیں اور ماؤنٹ بیٹن نے سر فریڈرک بورن (گورنر سی۔پی) سر جان کولول (گورنر بمبئی) اور سر آرچی بالڈنائے (گورنر مدراس) سے پہلے ہی گفتگو کر لی ہے۔ جب سارے گورنر تشریف لے آئیں گے تو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن ایک ہی شامیانے کے نیچے انھیں، ان کی بیگمات، ان کے پرائیویٹ سکریٹری

اور اے۔ ڈی۔ سی کی شان دار دعوت کریں گے۔ یہ اجتماع وائسرائے ہاؤس کے لئے حیرت انگیز ہوگا جس میں تین سو چالیس کمرے ہیں اور نصف میل لمبا غلام گردش ہے۔

حیدر آباد کے وزیر اعظم سر مرزا اسمٰعیل، بورن (گورنر سی۔ پی) سے گفتگو کرنے آئے۔ انھوں نے برار کی حیثیت پر جو بے حد مشکل مسئلہ ہے بات چیت کی۔ بلاشبہ برار نظام حیدر آباد کا آبائی علاقہ ہے اور ان کے ولی عہد کو شہزادہ برار کا لقب ملتا ہے۔ لیکن اس کا نظم ونسق سی۔ پی کے ہاتھوں میں ہے۔ کانگریس یقیناً برار کو سی۔ پی کا ایک حصہ بنانے کا مطالبہ کرے گی اور نظام اس کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ مرزا نے بتایا کہ نظام عنقریب جناح سے مل رہے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے بارے میں کہا کہ اُن پر سے نظام کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے لہٰذا زیادہ دنوں تک وہ اس عہدے پر نہیں رہیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن کی دی گئی لنچ پارٹی میں مَیں، اسمٰعیل کے برابر ہی بیٹھا۔ وہ مسلمان ہیں اور بڑے ہی ذہین۔ اُن کی رائے معتدل اور فیصلہ معقول اور سنجیدہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ان کی پوزیشن قدرے مختلف ہے۔ انھوں نے مجھے بڑی آزادی سے یہ بتایا کہ نظام کا وزیر اعظم ہونا بے حد کٹھن کام ہے۔ وزارتِ عظمیٰ کی مدت چار سال سے زیادہ نہیں بڑھتی۔ صرف سر اکبر حیدری اس سے مستثنیٰ رہے۔ ان کی وزارتِ عظمیٰ کی مدت چودہ سال تک پھیلی ہوئی ہے۔ نظام کی ریاست میں وزیر اعظم کے خلاف ساز باز کرنے والوں کی کمی نہیں۔ سازشیں اس حد تک آگے بڑھ جاتی ہیں کہ نظام اپنے وزیر اعظم سے سارے اختیارات چھین لیتے ہیں۔ اسمٰعیل کے بقول خود شکستگی کی سازش کا یہ مایوس کن چکر ایسا ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ لنچ میں کومپٹن میکزی بھی موجود تھے۔ آپ ان تمام جنگی محاذوں کا دورہ کر رہے ہیں۔ جہاں جہاں ہندوستانی فوجوں نے اپنی عسکری طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ کام قطعی سرکاری ہے۔ آپ تفصیلات جمع کر رہے ہیں۔

بمبئی کے گورنر کولول نے گفتگو کا آغاز ہی اپنے استعفیٰ سے کیا لیکن کچھ دن اور رُک جانے پر انھیں رضا مند کر لیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ موجودہ پالیسی پر کولول نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔ غلط

اس معنی میں کہ مہلت اور وقت کی قید ہندوستانی لیڈروں کو حقائق کا سامنا کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور صحیح اس معنی میں کہ نیا دستور نافذ کرنے کے لئے کافی وقت نہیں۔

باب ۵

گورنر اور پلان

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

منگل: ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء

آج گورنروں کی کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر گاندھی، جناح اپیل موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی۔ اخباروں کا یہ حوصلہ افزا رویہ کانفرنس کے لئے فالِ نیک ثابت ہوا۔ پہلا سیشن کونسل چیمبر میں ہوا جس میں میں نے بھی شرکت کی۔ منظر بڑا ہی دل کش تھا۔ گیارہ گورنر گول میز کے گرد ترتیب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے افتتاحی تقریر کی جو بڑی رواں دواں اور موثر تھی۔ انھوں نے گورنروں سے اپیل کی کہ وہ حکومت کے فیصلہ پر وفادار رہیں اور یہ بھی کہا کہ اگر کسی کے ذہن میں ذرا بھی شک وشبہ ہے تو وہ یاد رکھیں کہ جون ۱۹۴۸ء انتقالِ اختیارات کی آخری تاریخ ہے۔

یوروپی باشندوں کے انخلاء پر بڑی تفصیل سے بے لاگ گفتگو ہوئی۔ کو لول اور ناتے یعنی ان دونوں گورنروں نے اس مسئلے پر بڑی سمجھداری کا ثبوت دیا لیکن سرایوان جنکنس نے پنجاب کے سنگین اور نازک حالات کی طرف حاضرین کی توجہ منعطف کرائی۔ بہار کے گورنر سرہگ ڈو نے کہا کہ اس صوبہ کی چار کروڑ کی آبادی میں یورپین افسروں کی تعداد صرف پچاس ہے اس لئے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں امن وامان کس حد تک خطرے میں ہیں۔ آسام کے ریٹائر ہونے والے گورنر سر اینڈریو کلو نے

کاشت کاروں کے بارے میں اپنا خیال ظاہر کیا اور کہا کہ یہاں نوجوان بیویاں پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں اور اطمینان کی زندگی گذار رہی ہیں۔ ان کے پاس وافر غذا ہے اور نوکر چاکر بھی ہیں۔

گورنر بنگال سر فریڈرک بروز (جو کانفرنس میں علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے) کے سکریٹری جے۔ ڈی۔ ٹائی سن نے کہا کہ بنگال میں یورپینوں کی تعداد بیس ہزار ہے لیکن ان پانچ ہزار یورپینوں کے لئے جو دور افتادہ ضلعوں میں مقیم ہیں میں بے حد پریشان ہوں۔ انھوں نے کہا کہ صوبے میں امن و امان برقرار رکھنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اس صوبے میں کیمونسٹوں کے مظاہروں نے شدت اختیار کرلی ہے۔ یہ کیمونسٹ یورپینوں کے کٹر دشمن ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جو لوگ یورپ سے ہندوستان چلے آرہے ہیں ان کے داخلہ پر پابندی عائد کرنے کے لئے شاید ہی کسی آئین کو برطانوی کابینہ کی حمایت حاصل ہو سکے۔ اس کا امکان سرے سے نظر ہی نہیں آتا۔ البتہ اس نازک مسئلے پر جو رائے شماری لی گئی اس میں طے پایا تھا کہ یورپینوں کو یہاں نہ آنے پر مجبور کیا جائے۔

اس کے بعد معاوضہ دینے کے پریشان کن سوال پر غور و خوض کیا گیا۔ اس بارے میں اب تک جو گفت و شنید ہوئی تھی ماؤنٹ بیٹن نے اس کی روداد تفصیل سے بتائی۔ تریویدی اور حیدری کا خیال ہے کہ سول سروس کے ہندوستانی ملازمین خالصًا حب الوطنی کے جذبے میں نہ تو اپنی ملازمتوں سے سبک دوش ہوں گے اور نہ معاوضہ ہی قبول کریں گے۔

سہ پہر کے سیشن میں ہر گورنر نے اپنے صوبہ کی روداد پیش کی۔ سر اولف کیرو نے شمال مغربی سرحد کے بارے میں کہا کہ یہاں سنگین قسم کا سیاسی بحران ہے اور لوگ انتخاب کا مطالبہ کررہے ہیں۔ لیکن اس صوبہ کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب انتخابات کے حق میں نہیں ہیں۔ اگر انتخاب کرایا بھی گیا تو مسلم لیگ کے وہ سارے حامی مسلمان جن کو اس انتخاب سے فائدہ پہنچ سکتا ہے شرکت نہیں کرسکتے کیونکہ وہ قید خانے میں ہیں ماؤنٹ بیٹن نے "ٹالے جانے" کا مشورہ دیا لیکن کیرو کبیدہ خاطر نظر آتے تھے کیونکہ ان کے شانے پر ذمہ داریوں کا بار گراں ہے۔

جنکنس نے پنجاب کی تقسیم سے پیدا ہونے والے الجھاؤ کا صاف اور واضح لفظوں

میں تجزیہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ سکھوں اور جاٹ ہندؤں کے دعاوی سے مسلم اور غیر مسلم کا مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ ٹائی سن نے بھی بنگال کے حالات کا تقسیم کی صورت میں جائزہ لیا۔ ان کے خیال میں مشرقی بنگال گندگیوں کا ڈھیر بن کر رہ جائے گا۔ مشرقی بنگال میں ہندؤں کی تعداد تقریباً ڈھائی کروڑ یعنی آبادی کا ۵ ء ۹ فی صد ہے اور سب کے سب ہندوستان میں آباد ہونا چاہتے ہیں۔ بہتیرے مقامی مسلمان بھی مشرقی بنگال کے تصور کو ناقابلِ قبول سمجھتے ہیں۔ بنگال کے موجودہ وزیرِ اعلیٰ سہروردی اور جناح کے درمیان تعلقات بے حد کشیدہ ہیں کیونکہ سہروردی تقسیم سے ہراساں ہیں اس لئے وہ ہندؤں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنا چاہتے ہیں۔ جنکنس نے کہا کہ پنجاب اور بنگال میں پاکستان کی مخالفت کا جذبہ شدید ہو سکتا ہے۔ مقامی مسلمان اس بات پر تیار ہو جائیں گے کہ بنگال کا اقتدارِ اعلیٰ ان کے ہاتھوں میں آجائے۔

بہار کے گورنر نے دھات اور لوہے کی دولت کی طرف توجہ دلائی۔ سہروردی آزاد بنگال کا جو خواب دیکھ رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے چھوٹا ناگپور کی صنعتی ترقی کا نقشہ ہے۔ صوبائی بنیاد پر اختیارات تفویض کئے گئے تو اس کے نتائج خصوصاً بہار کے معاملے میں سنگین ہوں گے۔ گفتگو کے دوران بہر حال یہ محسوس کیا گیا کہ سندھ اور پنجاب پر مشتمل پاکستان تو اقتصادی لحاظ سے ممکن ہے لیکن ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں مشرقی بنگال اور شمال مغربی سرحد دونوں بارگراں ثابت ہوں گے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

بدھ: ۱۶ / اپریل ۱۹۴۷ء

آج کی گورنر کانفرنس میں جنکنس نے پنجاب کی تقسیم کے بارے میں اظہارِ خیال کیا اور حد بندی کمیشن کے اعداد و شمار پر اپنی رائے ظاہر کی۔ تقسیم کے پلان کا جو مسودہ تیار کیا گیا تھا اس پر تفصیل سے بحث ہوئی۔ گورنروں نے جو کچھ کہا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جو بھی مناسب اور معقول حل ہندوستانیوں کے سامنے پیش کیا جائے گا وہ قبول کر لیں گے۔

پانیکر کے ساتھ آج میں نے امپریل ہوٹل میں ظہرانہ کھایا۔ انھوں نے کہا کہ مسلم لیگ کا آئین مسلم اقلیتی علاقوں میں اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئین میں ان کے حقوق کے بارے میں خاصا زور دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناح اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈال رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بنگالیوں کی وفاداریاں ہندوستان سے بڑھ رہی ہیں۔ اس لئے بنگال کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ انھوں نے برٹش پریوی کونسل کی طرز پر انڈیا میں بھی ایک کونسل کی ضرورت پر زور دیا جہاں ایسے مسائل فیصلے کے لئے بھیجے جائیں جو یا تو قطعی عدالتی ہوں یا ایسے جن کے بارے میں پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔

ماؤنٹ بیٹن نے وزیر دفاع بلدیو سنگھ سے بات چیت کی۔ انھوں نے گورنر پنجاب جنکنس کی موجودگی میں سکھ اپیل فنڈ کا خزانچی ہونے سے انکار کردیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگی اور غیر آئینی مقاصد کے لئے چندے اور عطیے جمع کئے جاتے تھے۔

بلدیو نے فوج کو قومی بنانے کی اسکیم پر ماؤنٹ بیٹن کا مشورہ طلب کیا اور پوچھا کہ کہ جون ۱۹۴۸ء کے بعد برطانوی افواج کے قیام کا کیا امکان ہے؟ ماؤنٹ بیٹن نے جواباً عرض کیا کہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ بلدیو سنگھ کے انداز گفتگو اور چہرے مہرے سے تصدیق ہوگئی کہ تقسیم ہی مسئلے کا واحد حل ہے اور جس پر ساری پارٹیاں متفق ہیں۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

جمعہ ۱۸؍اپریل ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن آج کی اسٹاف میٹنگ میں بڑے خوش و خرم نظر آرہے تھے۔ کرشنا مینن سے ان کی بے حد دلچسپ گفتگو ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ آزاد خود مختار جمہوریہ کے فارمولا کو پیش کرنے کی نصف ذمہ داری میرے سر ہے۔ انھوں نے اس کا بھی انکشاف کیا کہ میں اور کانگریس کے چند لیڈر ایک اور فارمولے پر کام کررہے ہیں جس کی وجہ سے برطانیہ کے ساتھ ہمارا رشتہ اور قریب تر ہو جائے گا۔

مباحثے کے درمیان میں نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ فوجی سطح پر کمانڈر چیف آف اسٹاف کے مفاد کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ اُنھوں نے میرے اس خیال سے اتفاق کیا اور یقین دلایا کہ وہ اس بات کو ذہن میں رکھیں گے۔

آج ہمارے خاندان کے افراد لندن سے دہلی ماؤنٹ بیٹن کے طیارہ خصوصی "یارک" سے آرہے ہیں۔ چنانچہ میں، اسمتھ، رونی اور جارج ہنکلس ان کو خوش آمدید کہنے کے لئے پالم ہوائی اڈے پہنچ گئے۔

یارک، اب تک مشہور شخصیتوں کی خدمات انجام دیتا آرہا ہے۔ ہم نے اپنے اپنے اہلِ خاندان کا خیرمقدم کیا۔ جہاز سے برڈکمین کی تین صاحبزادیاں، ہنکلس کے ایک صاحبزادے اور مھری ور جنیا اور کیتھ اور بڑوں میں اسمتھ کی دو لڑکیاں سوسن اور سارہ تھیں۔ میری بیوی فیئے، اپنی نرس مس کیرتی اور بچوں کو لے کر فوراً دہلی کی چلچلاتی گرمیوں سے بچنے کے لئے شملہ روانہ ہو گئے۔ وہ بچوں کو شملہ پہنچا کر پھر مجھ سے یہاں آن ملیں گی اور دفتری کاموں میں میرا ہاتھ بٹائیں گی۔

وائسرائے هاؤس، نئی دہلی

ہفتہ۔ ۱۹ر اپریل ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے سکھ لیڈروں سے اپنی ملاقات کا وحشت ناک لیکن دلچسپ حال سنایا اُنھوں نے کہا کہ ان کی ڈاڑھیاں لمبی لمبی تھیں اور بڑی بڑی کرپانیں، لیکن آنکھوں میں عینک، بالکل پروفیسر معلوم ہوتے تھے۔ نیک، پُرامن، مہربان۔ البتہ کبھی کبھی دل خراش آوازوں سے میں چونک پڑتا تھا۔ سب نے تقسیم کا مطالبہ کیا۔ کہنے لگے، میں پنجاب کی تقسیم کردوں کیونکہ راولپنڈی کے فساد میں سب سے زیادہ سکھ مارے گئے۔

ماؤنٹ بیٹن نے ڈاکٹر متھائی سے بھی اپنی ملاقات کی روداد بیان کی۔ ڈاکٹر متھائی نے کہا تھا کہ اگرچہ ذمہ دار لیڈران عام طور پر معتدل اور غیر جذباتی تقریریں کر رہے ہیں، لیکن اخبارات فضا کو تشویش ناک اور مشتعل بنا رہے ہیں۔ اُنھوں نے تجویز پیش کی کہ وائسرائے ہندوستان کے سارے ایڈیٹروں کو بلائیں اور ان سے درخواست کریں کہ گاندھی، جناح

اپیل کی روشنی میں وہ اپنے تبصروں کی زبان ذرا نرم کریں۔ ڈاکٹر متھائی کے خیال میں اس کا ردعمل حیرت انگیز طور پر موثر ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کے بارے میں میری رائے دریافت کی تو میں نے اس تجویز کو قطعاً نامناسب اور ناقابلِ قبول بتایا۔ اوّل تو یہ کہ دور دراز علاقوں کے سارے ایڈیٹروں کو جمع کرنا دشوار طلب کام ہے اور اگر انھیں کسی طرح یک جا کر بھی دیا گیا تو وہ قصرِ وائسرائے میں پہنچ کر پند ونصائح سننے کی بجائے اہم فیصلے کی توقع رکھیں گے۔ حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ انھیں پند ونصیحت کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ پٹیل وزیرِ اطلاعات ہیں اس لئے یہ مسئلہ ان ہی کے سامنے پیش کیا جائے۔

ڈاکٹر خان صاحب کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن کی کل جو ملاقات ہوئی تھی اس میں یہ سوال پیش ہوا کہ انھیں جلد از جلد صوبہ سرحد کا دورہ کرنا چاہیے۔ اب تک یہی خیال تھا کہ جب تک عظیم پلان منظور نہ کر لیا جائے اس وقت تک دورے منسوخ کئے جائیں لیکن سرحد کے حالات کا تقاضا ہی کچھ اور ہے۔ عام پالیسی پر ہماری جو بات چیت ہوئی اس میں درجۂ نوآبادیات کے سوال کو زیرِ غور لایا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ جناح کی طرح ناظم الدین بھی جو مشرقی بنگال کے لیڈر ہیں پاکستان کے سوال پر اڑے ہوئے ہیں۔ اسمے نے کہا کہ ہم دراصل دو پاکستان کو جنم دے رہے ہیں۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے تبصرہ کرتے ہوئے اظہارِ خیال کیا کہ اس میں جو بھی پیچیدگیاں ہوں، پاکستان کی تخلیق اب تو ناگزیر ہوگئی ہے۔

آج پامیلا کی اٹھارویں سالگرہ منائی گئی۔ اس خوشی میں ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے رقص پیش کیا۔ یہ جشن اس باغ میں منایا گیا جہاں جھرنے بجتے ہیں — جہاں کی پرافسوں روشنی حیاتِ نو میں ارغوانی رنگ بھرتی ہے، جہاں کی ہواؤں کی چال مدھم اور سبک ہے، جہاں ہرے بھرے سرو کے درخت رقصِ بہاراں پیش کرتے ہیں اور سرخ گلاب سفید دیواروں کو چومتے ہیں اور سنہری پوشاک میں وائسرائے کے خدّام دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ یہ ہے اُس سحر طراز باغ کی تصویر جہاں پامیلا کی اٹھارویں بہاروں نے مسکرایا تھا

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

اتوار - ۲۰ر اپریل ۱۹۴۷ء

ہم نے حکومتِ ہند کے محکمۂ اطلاعات کے سکریٹری جی۔ ایس بوزمین کے ساتھ امپیریل ہوٹل میں کھانا کھایا۔ گاندھی جناح اپیل کے سلسلے میں ان سے میرا اچھا خاصا تعارف ہوگیا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد ہم باغ میں بیٹھ گئے۔ موسمِ گرما کے ابتدائی دن تھے اور نئی دھلی کی فضا خنک اور خوش گوار تھی۔ امپیریل ہوٹل کے لان میں روشنی کا جیسے سیلاب آگیا تھا اور مہمان باسکٹ کرسیوں پر بیٹھے طویل مشروبات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ باربار گیدڑ کے سائے نظر آتے اور کچھ فاصلے پر تانگہ کی گھنٹیوں کی آوازیں بھی سُنائی دے جاتیں۔ بوزمین نے کہا کہ میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ولبھ بھائی پٹیل ہندوستانی لیڈروں میں مردِ آہن سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھکر ان سے بات چیت نہ کی گئی تو یقیناً ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ قطعی باعمل انسان ہیں اس لئے کسی بھی مسئلے کا حل ان کے ساتھ بیٹھ کر نکالا جا سکتا ہے اور اگر انھیں نظرانداز کیا گیا تو ایسی صورت میں وہ ویٹو استعمال کرنے پر مجبور ہوں گے۔

باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ڈیلی ٹیلی گراف کے کولن ریڈ بھی آگئے۔ وہ امور مشرق وسطیٰ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں انھوں نے مصر اور بحرِ روم کے ساحلی علاقوں کی اسلامی تہذیب وثقافت کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ہندو مسلم تقسیم کے بارے میں ان کا خیال معلوم کیا تو وہ بولے کہ گذشتہ دس برسوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ اب مشترک مفاد کے بارے میں دونوں فرقے سوچ ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد میں نے سوال کیا کہ یہ تقسیم کہاں تک مذہبی ہے اور کہاں تک سیاسی؟ کولن نے کہا۔ "اس سوال کا جواب دینا ذرا مشکل ہے۔ میں نے قرآن مجید کا عربی زبان میں گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اکثر موقعوں پر جناح کو آزمایا ہے اور اس تجربے کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید کا علم جناح کے مقابلہ میں مجھے زیادہ ہے۔"

میں نے ایک اور سوال پوچھا۔ "مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے درمیان کتنا قریبی رشتہ ہے؟" کولن نے جواب دیا "حال ہی مشرق وسطیٰ سے جو مشن آیا تھا اُس

نے نہ تو جناح سے کوئی دلچسپی لی اور نہ مسلم لیگ سے۔" لیکن میں نے کہا۔" دنیا کی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور دیگر ممالک کے مسلمانوں کے درمیان یکسانیت و مماثلت موجود ہے۔" کوکن بولے۔" مگر اب تک مجھے تو 'متحدہ اسلام' جیسی کوئی چیز کہیں بھی نظر نہ آئی۔"

وائسرائے ہاؤس، نئی دھلی

پیر۔ ۲۱/اپریل ۱۹۴۷ء

لیاقت کے ساتھ سہ پہر کو جو ملاقات ہونے والی تھی ماؤنٹ بیٹن نے اس کے پیش نظر خود کو تیار کرنا شروع کیا۔ انھوں نے کہا کہ صوبہ سرحد میں تازہ انتخاب کرانے کا آخری فیصلہ میں اسی وقت کرسکوں گا جب لیاقت مجھے یقین دلادیں کہ مسلم لیگ کے اندر وزارت سازی کی صلاحیت کہاں تک ہے۔ میں اس بات کی بھی وضاحت کردوں گا کہ میں کسی طاقت یا دھمکی کے آگے سرنگوں نہیں ہوسکتا۔

صوبہ سرحد کے دورہ کے بارے میں انھوں نے مجھے پریس نوٹ تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ میں پہلے سے پروگرام کا اعلان کردوں۔

ماؤنٹ بیٹن نے بروکمین اور لیڈی بروکمین، نکول اور لیڈی نکول اور ہمیں اپنے در دولت پر مدعو کیا۔ اس کے بعد ہم گارڈن پارٹی میں شامل ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔" مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ سارے مہمان جن کی تعداد تین سو چھتر تھی افسر درجہ کے ہیں۔ ساتھ ہی مجھے حیرانی اس بات پر ہوئی کہ تقریباً سات ہزار افراد وائسرائے کے ماتحت ہیں۔ میں نے ازراہ مذاق جب کسی سے یہ کہا کہ وہ اپنا میئر انتخاب کیوں نہیں کرلیتے تو مجھے جواب دیا گیا کہ سب مجھ ہی کو اپنا میئر سمجھتے ہیں۔ میں اس ظرافت سے بہت محظوظ ہوا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستانیوں میں بھی ظرافت کا عنصر پایا جاتا ہے۔

ڈنر سے پہلے جب ہم ڈرائنگ روم میں آرام کررہے تھے تو لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ وہ خود بھاری بھرکم ٹیک لکڑی کی بنی ہوئی کرسیوں اور صوفوں کو ادھر ادھر مستقل گھسیٹتی رہیں۔ کیونکہ انھیں ایک بھی نوکر نظر نہ آیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے لیڈی لنلتھگو

کا ایک واقعہ بیان کیا، کہنے لگیں کہ مہمانوں کی آمد کا وقت قریب تھا کہ ان کا کتا وائسرائے کے قالین سے الجھ کر مجروح ہو گیا۔ اس نازک لمحے میں ایک نوکر بھی نہ ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود کتے کو بچانے لگیں، اس اثنا میں مہمان اور خدمت گار بھی آ گئے۔ سب اس منظر سے خوب لطف اندوز ہوتے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے مختلف درجوں کے نوکروں کی تصویریں طلب کیں جن سے واضح ہو سکے کہ وہ کیسا یونیفارم پہنتے ہیں، ان کا رتبہ اور درجہ کیا ہے۔

ڈنر کے موقع پر ماؤنٹ بیٹن نے خوب فقرے کسے، خصوصاً انھوں نے مالٹا میں اپنے دورانِ قیام کا جو لطیفہ بیان کیا اس سے میں خاص طور پر بے حد لطف اندوز ہوا۔ انھوں نے کہا کہ میں چائے پی رہا تھا کہ میرے باورچی نے "فراموش خانہ" کے راز بتاتے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس راز سربستہ کو دہرایا، انھوں نے اس وقت جارج نکلسن کے چہرے پر عجیب سی کیفیت محسوس کی چنانچہ انھوں نے پوچھا "فراموش خانہ کے رکن آپ بھی تو نہیں ہیں" جارج نے تسلیم تو کر لیا۔ لیکن انھوں نے پوچھا۔ "ابھی جو الفاظ دہرائے گئے کیا وہ صحیح ہیں؟" اس کے بعد جارج نے کہا کہ صرف ایک انگریز عورت کو یہ سربستہ راز معلوم تھا لیکن کسی طرح اس نے اس راز کا انکشاف کر دیا۔ لہٰذا جب فراموش خانہ کے اراکین اسے ڈھونڈنے آئے تو وہ اپنے دادا کی گھڑی کے پیچھے چھپ گئی اور جب اسے ڈھونڈ نکالا گیا تو اس سے بازپرس کی گئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔ "میں سمجھا تھا آپ کہیں گے انھیں شہر بدر کر دیا گیا۔

اس گفتگو کے دوران ایک افسر کا نام زبان پر آ گیا اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن اچھل کر بولیں۔ "جیسے بھی ہو ہم انھیں ضرور دیکھیں گے۔ لیکن خدا کے لیے ان سے کہیے کہ وہ ہمارے دورے کا پھر انتظام نہ کریں۔" اس کے بعد انھوں نے اپنے دورہ اراکان کا ایک واقعہ سنایا جب اس افسر بے چارے کو یہ یاد ہی نہ رہا تھا کہ دریا میں جوار آیا ہوا ہے اور انھیں اور الزبتھ وارڈ کو جیپ سے اتر کر تیر کر جانا ہے۔

ڈنر کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت کے ساتھ اپنی دلچسپ ملاقات کی روداد بیان کی۔ لیاقت نے ویول کے بارے میں بڑی صفائی سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم انھیں صرف قابل سپاہی سمجھتے ہیں۔ وہ خواہ مخواہ سیاست میں آ کر بدنام ہوئے

گذشتہ دسمبر کو جب ہم لندن گئے تو انھوں نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں صرف سپاہی ہوں۔ سیاست میں اگر مجھ سے بھیانک غلطی سرزد ہوئی۔ اس اقرار کے بعد ثابت ہو چکا تھا کہ وہ اس عہدے پر زیادہ دن نہیں ٹک سکیں گے۔ چنانچہ اس اقرار کے بعد فوراً ہی جانشینی کا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی ذات سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا کہ جب مجھے اس منصب پر فائز ہونا ہی تھا تو اٹھارہ ماہ پیشتر ہی منظور کر لینا چاہتے تھا۔ اس وقت میں حالات پر قابو بھی پا سکتا تھا۔ لیکن اتنی کم مدت میں اتنا سارا کام مشکل سے نبٹا سکوں گا۔ گذشتہ چند ماہ میں حالات خوفناک حد تک نازک ہو گئے ہیں اس لئے قبل اس کے کہ کوائف و واقعات کے دھاروں کو روکا جائے۔ تعین وقت کے اندر اندر سیاسی حل کسی نہ کسی طرح معلوم کرنا ہے۔

پریس کا ذکر آیا تو میں نے کہا کہ قیاس آرائیوں پر قابو پانے کے لئے مشکل اور پیچیدہ خبروں کی اہمیت کو وقت سے پہلے ہی سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میں نے گورنروں کی کانفرنس کا حوالہ دیا جس میں ہمیں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی تھی، اس کے علاوہ میں نے موجودہ فضا میں ٹیپل کی اہمیت پر بھی اپنا خیال ظاہر کیا۔

وائسرائے ھاؤس، نئی دھلی

منگل: ۲۲ر اپریل ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ ہندوستان کے تقریباً نصف آبادی کے نمائندوں نے دولت مشترکہ میں رہنے کی خواہش ظاہر کردی ہے۔ ان نمائندوں میں مسلم لیگ، اچھوت اور ہندوستانی ریاستیں ہیں۔ لیکن یہ عین ممکن ہے کہ تمام ریاستوں کے عوام اپنے والیان کے ہم خیال نہ ہوں۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ سوال کیا کہ کیا سارے ہندوستان کو، یا ہندوستان کے الگ الگ حصوں کو درجۂ نوآبادیات دینے کا اب بھی کوئی امکان موجود ہے؟ انھوں نے وفاعی کونسل کے قیام پر زور دیا جس کا چیرمین گورنر جنرل ہو اور اُسے فیصلہ کن رائے دینے کا حق حاصل ہو۔ اسمے نے اس درمیان میں کہا کہ پاکستان کی طرف سے دولت مشترکہ

کی رکنیت کی جو درخواست آئی ہے اُسے خارج از بحث قرار نہیں دینا چاہیے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ متحدہ یا منقسم ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات دینے کا فیصلہ جون یا جنوری ۱۹۴۷ء سے پہلے پہلے کر لینا چاہیے۔

ماؤنٹ بیٹن نے آج یہ فیصلہ کر لیا کہ کیبنٹ مشن پلان کو نئی شکل دیدی جائے کیونکہ پہلے جب اس کو پیش کیا گیا تھا وہ نفسیاتی لحاظ سے مناسب وقت نہ تھا۔ اگر دو خودمختار مملکتوں کے اصول کو تسلیم کیا جا سکتا ہے تو اعتماد اور یگانگت بھی خودمختاری کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ بات اب طے شدہ ہے کہ مسلم لیگ بی اور سی گروپ (پاکستان کا مکمل علاقہ) کی بجائے لولے لنگڑے پاکستان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ اس کا آزاد مرکز ہو۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

بدھ: ۲۳ر اپریل ۱۹۴۷ء

آج سویرے ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے ساتھ مکمل تین گھنٹے گذارے۔ جارج ایبل کے ساتھ میں نے لنچ کھایا۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ جناح کا رویہ دوستانہ تھا۔ بعض اوقات وہ دیدہ و دانستہ تند مزاج بن جاتے ہیں لیکن آج ان کے مزاج میں برہمی نہ تھی وہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر رضامند نظر آرہے تھے۔ صوبۂ سرحد کے بارے میں "معقول قدم" اٹھانے کی اپیل کی۔ راست قدم اٹھانے کے سوال کو انھوں نے پس پشت ڈالتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن سے کہا "صاف گوئی معاف، ہندو ناممکن عناصر میں سے ہیں، وہ ہمیشہ سولہ آنے کا سترہ آنے ہی مانگتے ہیں" جارج نے اس پر حاشیہ آرائی کی — "میرا خیال ہے کہ یہ حقیقت ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کا کیس بہتر ہے۔ لیکن وہ اونچی بولی بول کر اس کیس کی نوعیت کو بگاڑ دیتے ہیں"

کانگریس کے سربرآوردہ مسلمان لیڈر مولانا آزاد نے نیا فارمولا پیش کیا ہے۔ اس فارمولے کا تعلق لندن میں منعقدہ اس کانفرنس سے ہے جو دسمبر میں انڈین لیڈروں اور ویول کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں یہ سوال زیرِ بحث آیا تھا کہ صوبوں

کو گروپوں سے الگ رہنے کا اختیار دیا جائے۔ چنانچہ کانفرنس کے اختتام پر حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک بیان جاری کیا گیا جس کی وضاحت ماؤنٹ بیٹن نے کی تھی۔ مولانا آزاد نے اس وضاحت کو کانگریس کے لئے قابل قبول قرار دیا۔

وائسرائے ھاؤس، نئی دھلی

جمعرات ۲۴ر اپریل ۱۹۴۷ء

انتقال اختیارات کے مسودہ کی تیاری میں آج اسٹاف کے ساتھ طویل مباحثے ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن پہلے ہی مسودہ تیار کر چکے تھے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ آل انڈیا ریڈیو سے نشر کرتے اُنھوں نے اپنے اسٹاف کے نوٹس میں لانا مناسب سمجھا۔ اُنھوں نے مسودہ اسٹاف کے حوالے کیا تاکہ ہم اس پر غور وخوض کریں اور پھر اپنی آرا دیں۔

صوبہ سرحد پر جناح نے جو بیان دیا تھا وہ اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن اس بیان سے بے حد خوش ہیں کیونکہ وہ اُن سے ایسے ہی بیان کی توقع رکھتے تھے۔

وائسرائے ھاؤس، نئی دھلی

جمعہ: ۲۵ر اپریل ۱۹۴۷ء

آج صبح کو اسٹاف کی جو میٹنگ ہوئی اس میں پلان کا پہلا مسودہ زیرِ غور آیا لیکن اس کی مکمل تصویر سامنے نہیں آئی۔ اسکاٹ نے نہایت ہی اہم متنازعہ فیہ سوال اٹھایا۔ انھوں نے کہا کہ دونوں پارٹیوں کی مجلس عاملہ میں مسودہ کو زیرِ غور لانے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ پبلسٹی کی جائے۔ اس طریق کار کا فائدہ یہ ہوگا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے سنجیدہ اور اعتدال پسند عناصر باہم دگر ہو کر اتحاد و یگانگت کی کوشش کریں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اس نظریہ سے اتفاق کیا اور کہا کہ اہم ترین سوال یہ ہے کہ

اعلامیہ کے اجرا کے ساتھ ساتھ کہیں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ تقسیم ملک کی بات ٹل گئی ہے اور فیصلہ عوام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ متحدہ ہندوستان کے تصور کو حقیقت بنانے کے لئے اعلامیہ میں گریز کی ایک دفعہ شامل کرلی جائے تو اچھا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں ہر اس پلان پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں جو اتحاد کو ممکن بنا سکے اور مرکز میں وہی سبجکٹس شامل ہوں جو کیبنٹ مشن پلان میں دکھائے گئے ہیں۔ مثلاً امور خارجہ، دفاع اور مواصلات۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ کیبنٹ مشن پلان میں مرکز کی ہندو اکثریت مسلم اقلیت کو ہمیشہ کثرتِ رائے سے شکست دیا کرے گی اور زیر کرنے کے لئے محفوظ سبجکٹس کا استعمال کرے گی۔ لیکن اس کی سبیل یوں نکالی جاسکتی ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے نمائندے برابر، برابر کی بنیاد پر قریب آجائیں۔ اگر اس نوع کا متحدہ ہندوستان حقیقت بن گیا تو پھر پنجاب، بنگال اور آسام کا اتحاد باقی رہ سکے گا۔ ایبل نے کہا۔ مگر یہ توصحیح معنوں میں برابر برابر کا حصہ نہیں ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ مجھے اس کا احساس ہے لیکن میرا مقصد صرف یہ ہے کہ کثرت رائے شماری کے طریقے کی بجائے مرکز میں ایسی دو خود مختار ریاستیں یا دو علیحدہ بلاک بنائے جائیں جو صرف گفت وشنید کے ذریعے اپنے مسائل سلجھا سکیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے جتنے بھی سوالات اٹھائے ان میں کلکتہ کے مستقبل کا سوال پریشان کن ثابت ہوا۔ انھوں نے کہا کہ کلکتہ کے مسلمان استصواب رائے کا مطالبہ کرکے رہیں گے اور اس طرح اس شہر کا مسئلہ سنگین بن جائے گا۔ اس لئے ان حالات کے تحت حق خود اختیاری کا قانون مرتب کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ایسی صورت میں مطلب غلط نکالا جاسکتا ہے۔

انھوں نے ٹیل کی شکایات بھی پیش کیں۔ ٹیل کہتے ہیں.........۔" نہ تو آپ لوگ ہی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہمیں ہی حکومت کرنے کا اختیار دیتے ہیں"۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہم کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے لیڈروں سے مل لینا چاہتے ہیں چنانچہ اس ملاقات کے لئے ۱۹ رمئی کی تاریخ مقرر بھی کردی گئی ہے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

ہفتہ۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۴۷ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں پریس کے بارے میں بہت ساری ہدایات موصول ہوئیں اولف کیرو کا بھی ایک اہم تار ملا جس میں انھوں نے پوچھا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے مجوزہ دورۂ صوبہ سرحد کے موقع پر کس پالیسی پر عمل کیا جائے، خصوصاً درۂ خیبر میں ماؤنٹ بیٹن کی پارٹی کے ساتھ جو نامہ نگار ہوں گے ان کے بارے میں انھوں نے استفسارات کئے ہیں۔ میں ان کو یہ جواب بھیج رہا ہوں کہ اخباروں کے نامہ نگاروں پر کوئی پابندی نہیں ہے البتہ پریس کانفرنس منعقد نہیں ہوگی۔

ماؤنٹ بیٹن نے جارج ایبل اور اسمے کو پلان کا پہلا مسودہ دے کر لندن بھیجے کا فیصلہ کرلیا ہے، تاکہ دونوں وہاں پہنچ کر حکومت اور حکومت کے کارپردازوں کے ساتھ مل کر پلان کی ایک ایک دفعہ پر غور وخوض کرسکیں۔

دولت مشترکہ کا سوال خوفناک نظر آرہا ہے۔ آج کے ہندوستان اسٹینڈرڈ میں ٹیپل کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں اس موضوع پر ان کی پالیسی کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ اسمے نے حسب ذیل اقتباس کی طرف توجہ دلائی۔

"اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہوا جس کی رو سے مسلم اکثریتی علاقے الگ الگ خود مختار ریاستوں میں تشکیل پاسکیں تو یونین کو ان ریاستوں کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اگر برطانیہ نے اُن ریاستوں سے فوجی یا سیاسی نوعیت کا کوئی معاہدہ کیا تو انڈین یونین اس اقدام کو قطعی معاندانہ تصور کرے گی۔"

اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن کا کہنا ہے کہ انھیں ایسی کوئی ہدایت موصول نہیں ہوئی کہ اگر ہندوستان کے ایک یا ایک سے زیادہ حصے دولتِ مشترکہ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کریں تو ان کا طرزِ عمل کیا ہوگا۔ لیکن دولتِ عظمیٰ برطانیہ نے واضح لفظوں میں انھیں یہ ہدایت دی ہے کہ اس سوال کو وہ کسی حال میں زیر بحث نہ لائیں کیونکہ اس میں ہندوستانی اتحاد کو خطرہ درپیش ہے۔

بی بی سی کے نامہ نگار خصوصی مقیم انڈیا بوب اسٹمسن نے مجھے وہ اسکرپٹ دکھائی جو بی بی سی کے نیوز بلیٹن میں دن بھر ریلے کی گئی تھی۔ انھوں نے کہا۔" ہندوستانی فضا کے پیش نظر جو اہم ترین حقیقت روزمرہ کی خبروں میں نظر انداز ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ گذشتہ دو ماہ کے اندر ہندوستانی رویے میں بنیادی تبدیلی آگئی ہے:" ہندوستان چھوڑو" کے اعلان کے بعد خیرسگالی کا جو جذبہ پیدا کیا گیا تھا اُس جذبے کو نئے وائسرائے نے پانچ ہفتے کی محنت شاقہ کے بعد مضبوط و مستحکم بنا دیا ہے۔"

وائسرائے ھاؤس، نئی دھلی

اتوار - ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء

جارج ابیل لاہور کے دورہ سے واپس آگئے ہیں۔ انھوں نے وہاں کے سنگین اور نازک حالات کی روداد سنائی۔ ہندوستان کے غالباً قابل ترین ناظم، جنکنس کو لاہور میں خانہ جنگی کا خطرہ نظر آرہا ہے۔ جارج کے اس سوال پر کہ کیا جون ۱۹۴۸ء میں ہندوستان چھوڑنے کے علاوہ اور بھی کوئی دوسری صورت ہے، جنکنس نے اقرار کیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ ہم دراصل ہندوستان کو افراتفری اور تباہی کی آگ میں جھونک کر رخصت ہو رہے ہیں۔

کلکتہ سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ وائسرائے کا جوائنٹ پرائیویٹ سکریٹری جان کرسٹی بنگال کے گورنر کو پلان کے اس حصے سے جس کا تعلق بنگال سے ہے قائل نہ کر سکے۔ بروز یعنی گورنر بنگال کلکتہ کو فری سٹی قرار دیئے جانے کے حق میں نہیں ہیں۔

میویل برطانیہ کے منصوبوں اور ارادوں کے بے وقت انکشاف پر پریشان نظر آرہے ہیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن بالکل مطمئن ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اخبارات جتنی زیادہ تقسیم کے بارے میں قیاس آرائیاں کریں گے۔ اتنی ہی زیادہ رائے عامہ اس کے حق میں ہموار ہوتی جائے گی۔ لیکن میں اس خیال سے متفق نہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اخبارات کی قیاس آرائیوں کو نہ روکا گیا تو نہ صرف فضا سنگین ہو سکتی ہے بلکہ ہمارا مشن ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

باب ۶

سرحد کا دورہ

گورنمنٹ ہاؤس، پشاور

پیر ۲۸ اپریل ۱۹۴۷ء

آج صبح سویرے وائسرائے کی پارٹی کے ساتھ میں بذریعہ ہوائی جہاز پشاور پہنچ گیا۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن پامیلا کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ پامیلا کے علاوہ ان کے ساتھ اسکاٹ، موریل واٹسن اور مارٹن جیلیٹ بھی ہیں۔ اسکاٹ کی زندگی کا بیشتر حصہ سرحد کے علاقوں میں گذرا ہے۔ یہ سفر کٹھن ثابت ہوا، جہاز بار بار جھٹکے کھاتا، کبھی نیچے گرتا اور کبھی اوپر اُٹھ جاتا۔ میں اور پامیلا خصوصًا منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے نیم جان ہو گئے۔ راستے میں ننگا پربت کی فلک بوس رفعتوں کو دیکھکر ہماری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گیئں۔ یہ منظر واقعی دیدنی تھا۔ اس کی چوٹیاں تقریبًا ۲۵ ہزار فٹ بلند ہیں۔ ہمارا طیارہ ٹھیک دوپہر کو ہوائی اڈے پر پہنچا۔

ہم نے سوچا تھا کہ گورنمنٹ ہاؤس پہنچتے ہی ہمیں پرتکلف لنچ ملے گا لیکن حالات قطعی مختلف نظر آتے۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم طاری تھا۔ گورنر سر اولف نے ہمیں بتایا کہ یہاں سے "تقریبًا ایک میل آگے مسلم لیگ مظاہرین کا عظیم الشان جلوس نکل رہا ہے۔ یہ مظاہرین وائسرائے کے سامنے اپنی شکایات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کی پیش قدمی کو روکا گیا تو وہ قانون شکنی کے لئے بھی تیار رہیں۔ اولف کیرو نے یہ

بھی کہا کہ اس مظاہرہ پر قابو پانے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ وائسرائے بنفس نفیس ان کے پاس جائیں اور ان کی شکایات سنیں۔ مظاہرین کی تعداد ستر ہزار سے بھی زیادہ بتائی گئی۔ یہ لوگ کئی دن پہلے سے پیدل چل چل کر نہ جانے کہاں کہاں سے آکر یہاں جمع ہوئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن کچھ دیر تک گورنر کیرو اور وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب سے باتیں کرتے رہے۔ پھر طے پایا کہ وائسرائے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر مظاہرین کے سامنے جائیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے فوراً کار سے ادھر کا رخ کیا۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن بھی زبردستی ان کے ساتھ ہولیں۔ انھوں نے غیر معمولی ہمت و شجاعت کا ثبوت دیا۔ ہمارے اردگرد جو مظاہرین تھے وہ واقعی خوں خوار نظر آرہے تھے۔ تاریخی قلعہ بالا حصار کے قریب ہی ہم ریلوے پشتہ کے اوپر چڑھ گئے اور وہاں کننگھام پارک کی طرف نگاہیں دوڑائیں جہاں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ اتنا بڑا ہجوم پارک سے ہوتا ہوا دور دراز کے کھیتوں تک پہنچ گیا تھا۔ بے شمار لیکن غیر آئینی سبز جھنڈیاں لہراتی نظر آئیں جن پر چاند تارہ کا نشان تھا اور یہ الفاظ تحریر تھے۔ "پاکستان زندہ باد"۔

ہمارے پہنچنے کے چند ہی منٹ بعد شدت میں کمی آگئی اور نعرے بدل گئے۔ اب ماؤنٹ بیٹن زندہ باد کا نعرہ فضاؤں میں گونجنے لگا۔ خشم آلود چہرے مسکرا اٹھے۔ اور مسرتوں کی پھواریں پڑنے لگیں۔ تقریباً نصف گھنٹے تک ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن اپنی خاکی پوشاک میں ملبوس ہاتھ ہلاتے رہے۔ ان کے گردو پیش خواتین اور بچوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ اس وقت تقریر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کی دوستانہ اور مخلصانہ شخصیتیں متعصبانہ مجمع کو رام کر چکی تھیں۔

ہم پشتے سے نیچے اتر کر گورنمنٹ ہاؤس پہنچے اور خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ گورنر اور مقامی افسروں کے چہرے بشرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو حیاتِ نو ملی ہے! انھوں نے کہا کہ اگر مظاہرین یک دل و دماغ ہو کر گورنمنٹ ہاؤس پر حملہ آور ہو جاتے تو مقامی پولیس اور فوج بھی انھیں پرامن طور پر منتشر نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کو دیکھتے ہی وہ جیسے سب کچھ بھول گئے اور خوش خوش اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

لنچ کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان ملاقاتوں میں میں بھی

شریک تھا۔ پہلے تو وہ ڈاکٹر خان صاحب اور اُن کی کابینہ کے چار افراد سے ملے۔ اس کے بعد مقامی ہندوؤں کا ایک وفد ملنے آیا۔ انھوں نے مقامی مسلم لیگ کے لیڈروں سے بھی ملاقات کی۔ ان لیڈروں کو جیل سے حکم خصوصی کے ذریعہ گورنمنٹ ہاؤس لایا گیا تھا۔ صوبہ سرحد کی مسلم لیگ اور کانگریس میں تو اختلافات ہیں ہی گورنر اور کانگریسی وزیر اعلیٰ کے تعلقات بھی کشیدہ ہیں۔ یہ کشیدگی قومی سطح پر زبردست پیچیدگی کا سبب بن گئی ہے۔

ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے رفقار کار کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن کی جو ملاقات ہوئی اس میں ان کی لچک دار حکمت عملی کام آگئی۔ انھوں نے گفتگو کا آغاز یوں کیا۔ "آپ لوگوں سے بالمشافہ گفتگو کر کے مجھے انتہائی مسرت ہو رہی ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے ملاقات کا جو موقع دیا ہے اس کے لئے بے حد ممنون ہوں۔" اس کے بعد دونوں طرف سے سوالات کئے گئے اور جوابات دیئے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے خاں صاحب کے مشورے کو سراہا کہ وہ خود مظاہرین سے ملیں اور ان کی شکایات سنیں۔ انھوں نے کہا۔ "در اصل میں تو پشتہ پر کھڑا مجمع کو دیکھتا رہا اور کچھ نہیں کیا۔"

ماؤنٹ بیٹن نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ "میں ہندوستان کو ہندوستانیوں کے حوالہ کرنے آیا ہوں۔ اس سلسلے میں میں رائے عامہ کو زیادہ اہمیت دوں گا۔ میں پنجاب اور بنگال سے تو نبٹ رہا ہوں لیکن صوبہ سرحد کے حالات میرے لئے باعثِ دردِ سر بن گئے ہیں۔ میں مسلم لیگ سے صاف صاف کہدوں گا کہ میں تشدد کو کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن میں آپ کو بھی بتائے دیتا ہوں کہ انتخابات ضروری ہیں۔ جناح نے وعدہ کیا ہے کہ اگر انتخابات ہوئے تو تشدد نہیں ہوگا آپ کو میری دیانت داری پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ جناح میری باتوں کو مان چکے ہیں اور وہ سول نافرمانی بند کرنے کے احکام صادر کر رہے ہیں۔"

ماؤنٹ بیٹن نے مسلم لیگ ہائی کمان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ گذشتہ انتخابات میں مسلم لیگ پاکستان کے سوال پر بری طرح پٹ جاتی۔ مسلم لیگ کے صفِ اول کے لیڈر سردار نشتر انتخابات میں آخر شکست کھا ہی گئے۔ اس کے بعد کانگریس کی "انڈیا چھوڑ دو" والی پالیسی تھوڑے دنوں کے لئے تو عوام کے جذبات کو قابو میں

کر چکی تھی ۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ نعرہ عوام کو متحد نہ رکھ سکا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار لوگ جنھوں نے پہلے کانگریس کی حمایت کی تھی ۔ اب وہ ٹاپک ٹوئیاں مار رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیا وہ ہندو کے قبضہ میں پھر آجائیں ۔

اس کے بعد خان صاحب نے جب پختونستان کا مسئلہ چھیڑا تو گفتگو میں ذرا گرمی پیدا ہوگئی ۔ گاندھی کچھ دن سے اس خیال کے زبردست حامی نظر آرہے ہیں ۔ حال ہی میں بڑے جوش وخروش سے انھوں نے اس خیال کو سراہا بھی ہے ۔ اگر یہ خیال ذہن سے نہ گیا تو سرحد میں قومیت کا ایک نیا تصور پیدا ہو جائے گا اور اس طرح پاکستان کے ساتھ اس صوبے کی سیاسی سالمیت کو دھچکا پہنچے گا ۔ خان صاحب نے متنبہ کرتے ہوئے کہا ۔ "اگر آپ نے پٹھان قوم کو تہس نہس کر دیا تو خوفناک حالات ظہور پذیر ہوں گے ۔"

ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا ۔ "آخر اس صوبے میں مخلوط وزارت کیوں نہیں بن سکتی ؟" خان صاحب نے ذرا غصہ میں جواب دیا ۔ "اگر کانگریس مخلوط وزارت چاہتی ہے تو میں دست بردار ہوتا ہوں ۔" ماؤنٹ بیٹن نے فوراً ان کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ۔ "نہیں نہیں میں تو اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا ہوں ۔" خان صاحب نے کہا ۔ "ہمارے عوام بے حد غریب ہیں اور یہاں کی مسلم لیگ صرف مفاد پرستوں اور بڑے بڑے "خانوں" کی نمائندگی کرتی ہے ۔" گورنر کیرو نے کہا ۔ "مگر یہاں چند بڑے دولت مند ایسے ہیں جو کانگریس کے حامی ہیں ۔"

ماؤنٹ بیٹن نے صوبے کے اندر فرقہ وارانہ جذبات کی شدت کے بارے میں سوال کیا تو گورنر کیرو نے جواب دیا ۔ "ہزارہ کے علاوہ مسلمان عوام ہر جگہ ہندوؤں اور سکھوں کی حفاظت کر رہے ہیں ۔ مسلمانوں کے دل و دماغ قابو میں ہیں ۔" لیکن خان صاحب نے کہا کہ افسران مسلمانوں کو قانون شکنی کی اجازت دے رہے ہیں ۔ اس پر کیرو نے جواب دیا کہ ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ افسروں نے اپنے فرائض انجام نہیں دیئے ۔ مصیبت یہ ہے کہ ان کی خدمات سراہنے کی بجائے انھیں ہدف لعنت بنایا جاتا ہے ۔

جب گورنر نے وزیر اعلیٰ اور وزیر اعلیٰ نے گورنر کے خلاف الزامات اور شکایات کی بھرمار کر دی تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا ۔ "میں یہاں کام کرنے آیا ہوں ۔ شکایتیں سننے

نہیں۔ رائے عامہ ہی کی بنیاد پر انتقالِ اختیارات کرنا چاہتا ہوں۔ میں استصواب کا حامی ہوں مگر اس کے لئے وقت بہت تھوڑا ہے "۔ اس کے بعد انھوں نے صوبوں کے درجے کو کم کرنے کی پیچیدگیوں پر اظہار خیال کیا اور پھر کہا :- "اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کیا اپنی موجودگی میں انتخابات کراؤں یا یہ کام خود حکومت اپنے ذمہ لے "۔ انھوں نے انتخابات کے سلسلے میں مشورے دینے کے لئے دو ہائی کمان پر مشتمل ایک مشترکہ کمیٹی کی تجویز پیش کی۔ اس کے بعد بولے :- "برطانیہ ہمیشہ ہلکی ہلکی ضرب لگاتا ہے۔ لیکن میرا فیصلہ قطعی غیر جانب دارانہ ہے "۔

وزیروں سے ملاقات کرنے کے فوراً بعد ہم مقامی ہندو نمایندوں سے ملے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے وفد کو نہ تو سیاست سے کوئی غرض ہے اور نہ مسلم لیگ سے۔ ہم مسلم لیگ کے دشمن بھی نہیں۔ البتہ ہم اپنے فرقے کی سلامتی چاہتے ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وزارت کا کیا حشر ہوگا، ہمیں بحث صرف بے گناہ ہندوؤں اور سکھوں کے جان و مال کی حفاظت سے ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا :" میں حقائق کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اچھا یہ بتایئے کہ کیا آپ لوگ حکومت کی حمایت کرتے ہیں؟" ہندو نمایندوں نے جواب دیا :- " ہم کسی بھی حکومت کے ماتحت پُرامن زندگی گذارنا چاہتے ہیں "۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا :- "مجھے اس ہوش مندانہ رویہ سے خوشی ہوئی۔ میں قطعی آئینی قدم اٹھاؤں گا "۔ پولیس فورس کی کمی کی بھی شکایتیں کی گئیں۔ چار بریگیڈ تھے لیکن کافی تعداد میں پولیس کو پشاور منتقل کر دیا گیا کیونکہ وہاں قتل کی واردات ہو رہی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے پولیس کی جگہ فوج کے استعمال کی سخت مخالفت کی۔ دونوں کے فرائض منصبی مختلف ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہندوستان کے دیگر مقامات کے مقابلے میں صرف صوبہ سرحد میں فوج کافی ہے۔ اس سلسلے میں کیرو نے کہا کہ پچیس سال کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہاں کبھی اتنی فوج استعمال نہیں کی گئی۔ جتنی اب کی جا رہی ہے حتیٰ کہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں بھی نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن بولے کہ غیر یقینی فضا کو ختم کرنے کے لئے میں زیادہ سے زیادہ مراعات دے سکتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ میرا پیش کردہ حل سب کو قابلِ قبول ہو۔

تیسری میٹنگ میں میں شریک نہ ہو سکا۔ اس میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن سے ملنے وہ مسلم لیگی لیڈر آئے جن کو جیل سے اس موقع کے لئے لایا گیا تھا۔ وفد میں نوجوان اور

کٹر پیر آف مانکی شریف اور خان عبدالقیوم خاں بھی شامل تھے۔ اسکاٹ نے مجھے بتایا کہ یہ لوگ بہت دیر تک جوش وخروش دکھاتے رہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے سب کو ایک ہی جیل میں رکھنے کی ہدایات دی تھیں تاکہ یہ لوگ آپس میں مل سکیں اور مشورہ بھی کر سکیں انھوں نے ان کی اس تجویز کو بھی مان لیا کہ جناح سے مشورہ کرنے کے لیے انھیں پیرول سے دہلی جانے کی اجازت دی جائے۔

آج دن بھر کی سرگرمیوں کا مسودہ تیار کرنے اور منظوری لینے میں الجھا رہا۔ مجھے اخباروں کو یہ خبریں بھیجنا تھیں۔ تھوڑا سا وقت ملا تو ڈاکٹر خان صاحب کے استقبالیہ کی نذر ہو گیا۔ اس دن رات کو گورنمنٹ ہاؤس میں ڈنر پارٹی تھی۔ اس پارٹی میں گورنمنٹ کے ارکان کے علاوہ ممتاز سول اور ملٹری افسران بھی شریک ہوئے۔ بریگیڈیر سَر حسام الدین نے ایک مہمان کی حیثیت سے آخری وائسرائے کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ سَر حسام الدین مقامی زمیندار ہیں اور شخصیت میں برطانیہ سے زیادہ انیگلو نظر آتے ہیں۔ اب تک جتنے تمغے اُنھوں نے حاصل کیے تھے سارے کے سارے اُن کی وردی میں جڑے ہوئے تھے۔ ان تمغوں سے ان کی پچھلی شان وعظمت ظاہر ہوتی تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ سب سے پہلے جس وائسرائے کے ماتحت انھوں نے کام کیا وہ تھے لارڈ کرزن۔ اوّل اوّل وہ لارڈ کرزن کی خواب گاہ کے باہر پہرہ دار بنے تھے۔ لارڈ کرزن کے بارے میں وہ بولے کہ پہرے دار کا کام سہل نہ تھا۔ کیونکہ کرزن اتنا چوکنا سوتے تھے کہ گارڈ اور سنتریوں کے افسران کو بھی دبے قدموں سے گذرنا پڑتا تھا۔ مبادا ان کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔

گورنمنٹ ہاؤس
پشاور اور راولپنڈی

۲۹ر اپریل ۱۹۴۷ء

صبح سویرے ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم درۂ خیبر کے دورے اور جمرود میں جرگہ سے ملنے روانہ ہو گئے۔ نصف درجن کاریں تھیں جو جلوس کی شکل میں گذلہ

رہی تھیں ۔ہم جب بد قطع اور بنجر پہاڑوں سے گذرے تو گورنر کے سکریٹری مسٹر آر۔ ایچ ۔ڈی لوئس نے مجھے اور موریل واٹسن کو معلومات افزا باتیں بتائیں ۔۔ ہم اسلامیہ کالج کے قریب سے بھی گذرے جہاں چند سال پہلے اسکاٹ پرنسپل تھے ۔ واپسی میں بہت سے طلبا نے " پاکستان زندہ باد" کا نعرہ لگا کر ہمارا خیر مقدم کیا۔ شاید وہ اس چیز سے آگاہ تھے کہ ان کا کالج نئی مملکت کے لئے افسروں کی تربیت میں اہم فرض ادا کرے گا ۔اس کے بعد ہم اُس قلعہ کے پاس سے گذرے جہاں گرو ہری سنگھ دفن ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ان کی لاش اُڑکر جمرود پہنچ گئی تھی تاکہ ہر فرد ان کو آسانی دیکھ سکے ۔ یہاں سے ہم جمرود کے تاریخی قلعہ کے قریب آئے ۔ یہ قلعہ پہاڑوں کی چٹانوں سے بنایا گیا ہے اور یہیں خیبر رائفل فوج رہتی ہے ۔

بارہ میل طویل سفر میں سڑکوں کی دونوں جانب قبائلی پولیس فورس کا پہرہ تھا ۔ ان کی تورادا ایک ہزار چھ سو ہے ۔بڑے ہی جفاکش اور بہادر ہیں ۔اور آفریدی تو درّہ خیبر میں یونانیوں کے وقت سے محافظ دستے کا کام دیتے چلے آرہے ہیں ۔ان کا نظام حکومت پشتہا پشت سے اسی طرح کا چلا آرہا ہے ۔مسٹر لوئس نے بتایا کہ اب ہم حکومت پٹھان کے قلب سے گذر رہے ہیں ۔ اس کی دو سرحد بندیاں ہیں ۔ ایک ہندوکش اور دوسرا دریائے سندھ ۔ چار باغ میں ہم درے کے اوپر پہنچ گئے اور وہاں سے ہم نے افغانستان کی وادی کو دیکھا ۔لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو بیتے دنوں کی بات یاد آگئی ۔انھوں نے کہا کہ اُنیس سال کی عمر میں وہ پہلی بار درّہ خیبر آئی تھیں ۔

اس کے بعد ہم لنڈی کوتل کی طرف مڑ گئے ۔یہیں ماؤنٹ بیٹن قبائلی جرگہ سے ملے ۔ اس جرگہ میں حسب ذیل قبیلے شامل ہیں ۔ آفریدی، شنواری، زخاچل ۔ ملک دین خیل. سپاہ، سلمانی اور ملاگوری ۔ لنڈی کوتل ۔کیمپ موسم گرما میں سسکس جیسا نظر آرہا تھا جرگہ بڑا ہی دل کش اور دل فریب منظر پیش کر رہا تھا ۔ بہت سے قبائلی جو درختوں کی چھاؤں میں کھڑے تھے بہت ہی مہربان ، نیک اور شفیق نظر آرہے تھے اور یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ دنیا کے بہادر ترین سپاہیوں میں ان کا شمار ہے ۔

جرگہ کا نمائندہ خان عبداللطیف خان نے پشتو زبان میں مختلف مطالبے پیش کئے ۔ گورنر صوبہ سرحد کیرو نے مترجم کا فرض انجام دیا ۔ جتنے مطالبے پیش کئے گئے ان میں

بیشتر مقامی رنگ کے تھے لیکن ایک مطالبہ بڑا اہم تھا، کہ حکومت برطانیہ ہندوستان سے رخصت ہونے وقت خیبران کے حوالے کردے۔ اس کے علاوہ اس نے اس بات کی بھی وضاحت کی کہ اگرچہ ان کا تعلق کسی خاص جماعت سے نہیں ہے لیکن ان کی ہمدردیاں اپنے مسلمان بھائیوں سے ہیں۔ اس نے نہرو اور ہندوؤں کے خلاف بھی بہت کچھ کہا۔ نہرو پر گذشتہ سال جب وہ سرحد کے دورہ پر آئے تھے۔ سنگ باری کی گئی تھی۔

جو جو نکتے پیش کئے گئے تھے ماؤنٹ بیٹن نے ایک ایک کرکے سب کا جواب دیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ آنے والی حکومت کے ساتھ معاہدے کی گفت وشنید کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ایک اور دلچسپ بات کہی :۔ "آپ لوگ یقیناً جانتے ہوں گے کہ میں ایک ملّاح ہوں اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں نے شمالی سمندر میں ایچ۔ ایم۔ ایس آفریدی کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیا ہے۔ یہ نام آپ ہی کے قبیلے کا ہے جو اپنی جنگی صلاحیتوں کی وجہ سے عالمگیر شہرت کا مالک ہے۔ ہم آپ لوگوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کا جرگہ اپنی عقل و بصیرت اور بالغ نظری کی وجہ سے خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ گذشتہ سولہ سال سے آپ اپنے معاہدوں پر کاربند ہیں۔ لہٰذا ایسے وقت میں جب کہ اختیارات منتقل کئے جا رہے ہیں آپ اپنی نیک نامی اور شہرت کو نہ گنوائیے۔"

خان عبداللطیف خان نے وائسرائے کی خدمت میں خیرسگالی کے کئی تحفے پیش کئے جن میں ایک خرجین، پٹھان خنجر اور چپل اور ایک نہایت ہی عمدہ رائفل بھی شامل تھی جس کی کاریگری کی داد نہیں دی جا سکتی۔ یہ رائفل خیبر کے دروں ہی میں کہیں بنائی جاتی ہے۔ تھوڑا سا وقفہ ملا تو ہم نے کافی پی اور پھر واپس پشاور آگئے۔

واپس آنے کے بعد دوسرا لیکن چھوٹا جرگہ گورنمنٹ ہاؤس کے کشادہ میدان میں ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ یہ جرگہ وزیری اور محسود قبائل پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بھی ہندو راج کے خلاف اُبل پڑے۔ ماؤنٹ بیٹن نے انھیں یقین دلاتے ہوئے کہا :۔ "پاکستان کے بارے میں آپ لوگوں نے جو کچھ کہا ہے میں نے توجہ سے سُنا۔ جیل سے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں میں نے ضروری کارروائی کر دی ہے۔ عنقریب یہ لوگ جیل سے باہر آجائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ شدت جتنی جلدی ختم ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ کیونکہ

اسی میں سب کی بھلائی ہے۔" اس کے بعد ہندو اور سکھ اقلیتی نمائندوں سے بھی مختصر بات چیت ہوئی۔ یہ لوگ اپنی گفتگو میں حد سے زیادہ معتدل رہے۔

لنچ کے فوراً بعد ہم ہوائی جہاز سے راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ وہاں ہم ایک گھنٹہ دیر سے پہنچے۔ ہم جہاز سے اُتر کر کمانڈر ہاؤس گئے ہی تھے کہ گورنر سر جنکنس ہمیں کہوٹا لے گئے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حال ہی میں ہولناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں۔ ۲۵ میل تک کار چلانے کے بعد ہم گرد آلود ہو چکے تھے اور پیاس کے مارے ہمارا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس چھوٹے سے شہر میں آکر ہم نے تباہی کا بھیانک منظر دیکھا۔ ہم گرے ہوئے مکانوں کے اینٹ پتھر سے گذر کر جب آگے بڑھے تو ہم نے وہ منظر دیکھا جو جنگ میں بمباری کے بعد نظر آتا ہے۔ یہاں مسلمانوں نے سکھوں کو تباہ و برباد کیا تھا۔ اور یہاں کے مسلمان اپنے اس عمل سے خوش نظر آتے تھے۔ لیکن وہ بھول گئے تھے کہ یہی مقامی سکھ سوداگران کی گذر اوقات کا ذریعہ تھے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کو جس طرح نقصان پہنچایا ہے اقتصادی لحاظ سے بڑا ہی دل خراش اور ہولناک ہے۔

مکمل دورہ کرنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن چھوٹی سی میز کے سامنے بیٹھ گئے اور مختلف مقامی تاجروں اور نمائندوں کی زبانی ان کی شکایات سنتے رہے۔ دیوان پنکی داس بھروال نے پانچ صفحات پر مشتمل طویل سپاس نامہ پڑھا حالانکہ ایجنڈا میں یہ شامل نہیں تھا۔ جنکنس سپاس نامہ سُن کر بوکھلا گئے کیونکہ سپاسنامہ میں ساری شکایتیں اُن کی ذات کے خلاف کی گئی تھیں۔ مثلاً اس میں کہا گیا تھا کہ تین ہزار ایک سو ننانوے ہندوؤں کو زبردستی تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا ہے۔

راولپنڈی واپس آئے تو مقامی ہوٹل میں اپنے چند ہندوستانی اور برطانوی پریس کے احباب سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے یہاں سے خبریں ارسال کرنے کی مشکلات کا مجھ سے ذکر کیا۔ کمانڈر ہاؤس میں ڈنر تھا اور میں ٹھیک وقت پر وہاں پہنچا۔ میری نشست کرنل اسٹل کے برابر تھی۔ بڑے ہی دلچسپ آدمی ہیں۔ انھوں نے پارلیمانی جمہوریت پر گفتگو کی اور کہا کہ اس کو چلانے کے لئے "چالاک اور نیک آدمی" کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بربریت کی تعریف یوں بیان کی — "بربریت میں قدروں کا

نقدان ہوتا ہے"

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

بدھ ۲۳ر اپریل ۱۹۴۷ء

ہماری پارٹی کے دو حصے ہو گئے۔ ماؤنٹ بٹین سیدھے دہلی واپس آ گئے اور لیڈی ماؤنٹ بٹین فساد زدہ علاقوں کا دورہ کرتی رہیں۔ نامہ نگار اس دورے کے مواد کے لئے مجھے پریشان کرنے لگے۔ وہ پس منظر کے طور پر اُسے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ میں ان ہی کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مجھے بڑی ہوشیاری سے یہ کام انجام دینا تھا۔ ان دنوں کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈر عارضی طور پر صوبوں سے دلچسپی لینے لگے اور مختلف قسم کی قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔

میرا اہم ترین کام ڈان کے اڈیٹر الطاف حسین سے ملنا تھا۔ انھوں نے اپنے پشاور کے نامہ نگار کے حوالہ سے ایک نہایت ہی پریشان کن اور غلط خبر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ شائع کی تھی۔ یعنی —" سرحد کے لیڈروں سے ماؤنٹ بٹین کی ملاقات — مانکی اور قیوم نے پیرول پر رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ پٹھان مرد و عورت کا زبردست مظاہرہ — وائسرائے بذریعہ ہوائی جہاز جمرود واپس گئے" حقیقت دراصل کچھ اور ہی تھی۔ ماؤنٹ بٹین نے مانکی اور قیوم کے ساتھ دو گھنٹے گذارے تھے اور دونوں مسلم لیگ کے وفد کے نمایندہ خصوصی تھے۔ اس خبر کو دیکھ کر ماؤنٹ بٹین کا پہلا ردِ عمل یہ ہوا کہ اس کے خلاف جناح سے احتجاج کیا جائے۔ لیکن میں نے انھیں الطاف حسین کی اس یقین دہانی پر کہ کل کے شمارے میں تصیح کر دی جائے گی۔ ایسا قدم اٹھانے سے روک دیا۔ اس نامہ نگار کے تخیل کی پرواز کا واقعی قائل ہونا پڑتا ہے۔ اُنھوں نے بڑی خوبصورتی سے یہ جانے بغیر کہ جمرود میں ہوائی اڈہ نہیں ہے گھڑ دیا کہ وائسرائے بذریعہ ہوائی جہاز واپس جمرود گئے۔

فی الحال ایسی کوئی اہم چیز نہیں کہ تحریر میں لایا جائے۔ سوائے اس واقعہ کے کہ مقامی لیڈر جناح سے مل رہے ہیں اور اس ملاقات سے دُور رس نتائج کی توقع

کی جا رہی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ سب بحران کو ختم کرنے کے لئے کیا ہے۔ سول نافرمانی کی تحریک کو جناح کے علاوہ اور کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ سرحد کے لیڈر بڑے ہی اُجڈ اور وحشی ہیں۔ اگر سب کچھ ان ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کسی بھی معقول سمجھوتے پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس دورے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے ہندوستان کے مستقبل کا حل نکل آئے۔ اگر ہم اس میں ناکام رہے تو پنجاب اور صوبہ سرحد یعنی دونوں صوبوں میں نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہر طرف انتشار پھیل جائے گا۔ واقعی حیرت انگیز بات ہے کہ جنوبی اور مرکزی ہندوستان میں کوئی گڑبڑ اور انتشار نہیں۔

رائٹر کے نامہ نگار ڈوون کیمبل نے نصف شب کو مجھے فون پر بتایا کہ جناح اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کی طرف سے دو نہایت ہی سخت قسم کے بیانات موصول ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جناح اپنے "لنگڑے لولے اور دیمک خوردہ پاکستان" کے خلاف تحریک شروع کرنے والے ہیں۔ انھوں نے "وسیع تر" پاکستان کا مطالبہ پیش کیا ہے۔ یعنی ان تمام صوبوں کو پاکستان میں شامل کرنا چاہتے ہیں جو کیبنٹ مشن پلان کے گروپ بی اور سی میں دکھائے گئے ہیں۔ مثلاً سندھ، پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، بنگال اور آسام۔ پرشاد نے اپنے بیان میں مسلم لیگ کی اس تاریخی قرار داد کی طرف توجہ دلائی ہے جو ۱۹۴۰ء میں لاہور میں منظور کی گئی تھی اور جس میں پاکستان کے تصور کو پیش کیا گیا تھا۔ اس قرار داد میں بقول پرشاد ان علاقوں کا مطالبہ کیا گیا تھا جہاں مسلمان تعداد کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں۔ اس ہفتہ کے اوائل میں دستور ساز اسمبلی کا جو تیسرا سیشن ہوا تھا اس میں انھوں نے نئے صدر کی حیثیت سے پہلے ہی ممبروں کے ذہن کو ہندوستان کی تقسیم کے لئے تیار کر لیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی تھی کہ تقسیم اُسی وقت ممکن ہوگی جب چند صوبوں کو بھی تقسیم کیا جائے گا۔

پرشاد کانگریس ہائی کمان کے بااثر ممبروں میں سے ہیں اور ان دنوں عارضی حکومت میں خوراک و زراعت کی وزارت ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ چند روز پہلے جب میں ان کی قیام گاہ پر ان ہی کے ساتھ چائے پی رہا تھا تو میں ان کے بلندیٔ کردار اور استقامت قلب سے بہت متاثر ہوا۔ وہ اعتدال پسند، صلح جو اور عوامی انسان ہیں۔ ان کی شہرت

اور نیک نامی میں شورش انگیزی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ وہ ایک مدت سے قوم پرست تحریک سے وابستہ چلے آرہے ہیں۔ خواہ ہندوستان منقسم ہو یا غیر منقسم رہے وہ نئی مملکت میں بلا شبہ اہم اور نمایاں کردار انجام دیں گے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

جمعرات۔ یکم مئی ۱۹۴۷ء

میں آج کی لنچ پارٹی میں موجود تھا اور میری نشست وزیر اعلیٰ آسام مسٹر باردولی کے پاس ہی تھی۔ ان کا مزاج دیگر صفِ اوّل کے کانگریسیوں کی طرح بے حد سادہ ہے۔

ہندوستان کو دولت مشترکہ میں رکھنے کا مسئلہ آج کی اسٹاف میٹنگ میں پھر زیرِ بحث آیا۔ لندن سے ہمیں ایک یادداشت موصول ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہندوستانی ریاستیں اب برطانوی عمل داری میں نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کو برطانوی دولت مشترکہ کے جزو کی حیثیت سے شامل نہیں کیا جاسکتا۔

جہاں تک برطانوی ہند کا تعلق ہے ماؤنٹ بیٹن نے اس خیال کی شدت سے مخالفت کی کہ محض اس کے ایک حصّے کو دولت مشترکہ میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔ انھوں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو برطانیہ کے خلاف یہ آواز بلند کی جاسکتی ہے کہ وہ ہندوستان کی ایک خود مختار حکومت کی حمایت اور دوسری کی مخالفت کرتی ہے انھوں نے ذاتی طور پر اس فارمولے کی حمایت کی کہ صرف برطانوی ہند کو کلیتہً دولتِ مشترکہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ اسمے نے کہا کہ ہندوستان کے کسی بھی حصّے کو جو دولتِ مشترکہ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کرتا ہے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نہ تو اخلاقی لحاظ سے ممکن ہے اور نہ مادی لحاظ سے۔ اس سلسلے میں اگر پاکستان لپیٹ میں آتا ہے تو پھر کل مسلم بلاک کے سوال کو زیرِ غور لانا پڑے گا۔ برطانیہ کی پشت پناہی پورے ہندوستان کو نہ سہی اس کے چند حصّے ہی کو حاصل رہی تو اس طرح خانہ جنگی کے خطرے کو ٹالا جاسکتا ہے۔ اسکاٹ نے اسمے کی اس دلیل کی حمایت کی۔

جارج ایبل نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہ برطانیہ اپنی اخلاقی ذمہ داری سے

سبک دوش نہیں ہوا ہے۔ کہا کہ اس ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کا بدترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی یک طرفہ حمایت کی جائے۔ میں نے کہا۔ "مجھے جارج کی باتوں سے اتفاق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر برطانیہ ہندوستان کے صرف ایک عضو کی حمایت کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ برصغیر پر بین الاقوامی کشیدگی اور سازش کے بادل چھا جائیں گے۔ میوویل نے اہم سوال اٹھایا۔ "کیا برطانوی پارلیمنٹ کا ایسا کوئی آئین ہے کہ اگر ہندوستان من حیث الجماعت یا جزواً شامل ہونا چاہیے تو اس کے استثناء یا شمول کے بارے میں دولت مشترکہ کے تمام ممبروں کی رضا مندی لینی پڑے گی ؟" انھوں نے یہ بھی کہا کہ وی۔پی مینن، ریفارم کمشنر اور ان کے اسٹاف کے ایک رکن نے مجھے بتایا ہے کہ پٹیل فی الحال درجۂ نوآبادیات کی پیش کش کو بھی منظور کریں گے۔

سر فریڈرک بروز جو علالت کی وجہ سے گورنرز کانفرنس میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ کل چوبیس گھنٹے کے دورے پر تشریف لائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اُن سے ملاقات کی اور اُنھیں ہم خیال پایا۔ بروز، سولبری کمیشن کے ایک رکن کی حیثیت سے پہلے ہی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کمیشن نے سیلون کو درجۂ نوآبادیات دینے کی سفارش کی تھی۔ کلکتہ میں ان سے پہلے جتنے گورنر رہ چکے ہیں اُن میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کلکتہ میں ریلوے مین کی حیثیت سے اُنھوں نے زندگی کی طویل مدت گذاری ہے۔ اور وہ اس پر ناز بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے کلکتہ سوسائٹی بھی بنائی تھی اور یہ اعلان بھی کیا تھا کہ بنگال کے سابق گورنروں اور مجھ میں اتنا فرق ہے کہ اگر وہ شکار اور بندوق کے شوقین تھے تو میں شنٹنگ اور ہوٹنگ کا شوقین ہوں۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دھلی

جمعہ۔ ۲ر مئی سنہ ۱۹۴۷ء

میں نے ماؤنٹ بیٹن کے مختصر دورۂ شملہ کا اعلان کر دیا ہے۔ نمائندہ ہندوستانی لیڈروں سے باتیں ہو چکی ہیں۔ ۶ر تاریخ کو کابینہ کی ہفتہ وار میٹنگ سے فارغ ہو کر

وہ شملہ روانہ ہو جائیں گے اور دوسری میٹنگ کی صدارت کے لئے پھر وقت پر دہلی واپس آجائیں گے۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی سہ روزہ مہم کی روداد بھی میں نے پریس کو بھیج دی ہے۔ اس دوران میں انھوں نے صرف ہوائی جہاز سے تقریباً ایک ہزار پانچ سو میل کا سفر کیا ہے۔

میں آج رات دہلی میل سے مشوبرہ روانہ ہو گیا۔

باب ۷

شملہ میں بحران

"دی ریٹریٹ" مشوبرہ

شملہ۔ ہفتہ ۳ رمئی ۱۹۴۷ء

دہلی سے شملہ کا سفر صرف دو سو میل ہے لیکن ٹرین سے یہ مسافت تقریباً بارہ گھنٹے میں طے ہوتی ہے۔ ہماری ٹرین رات کے ٹھیک ساڑھے دس بجے دہلی کے ہنگاموں اور جان لیوا گرمی کو الوداع کہہ کر شملہ روانہ ہوئی۔ میں سرد ڈبے میں بڑے اطمینان سے سویا۔ صبح سات بجے سے کچھ پہلے ٹرین کالکا پہنچی۔ یہیں سطح زمین اور پہاڑ کے دامن ملتے ہیں۔ میں یہاں سفید ریل موٹر میں آ گیا اور اس طرح شملہ کی پانچ ہزار فٹ بلندی پر ریل موٹر چڑھنے لگی۔ کہیں ڈھلوان اور کہیں چڑھائی نظر آتی تھی۔ منظر بڑا ہی دل فریب تھا۔ تاہم ہمالیہ کی پراسرار برف پوش چوٹیاں میرے لئے پُراسرار ہی رہیں اور مدھم مدھم سروں میں نغماتی فضا میرے حواس پر چھائی رہی۔ راستے میں دو چار کھیتوں کے علاوہ پہاڑ کا پہلا سرا بالکل ہی بنجر نظر آیا۔ لیکن جب چار ہزار فٹ کی بلندیاں پر پہنچے تو زمین سرسبز و شاداب دکھائی دی۔ اسی سطح پر پہنچ کر صابون کی طرح بادل میں نہاتے ہوئے مناظر نے ہمارے قدم لئے۔ دہلی کی تپتی زمین اور آگ اُگلتے ہوئے آسمان سے نکل کر مجھے یہاں ایسا محسوس ہوا جیسے میں ایک نئی دنیا میں آ گیا ہوں۔ بارش اور بادل کی دنیا میں جہاں پھواریں چہروں پر پڑتی ہیں تو طبیعت تر و تازہ اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔

شملہ پہنچا تو مال میں مجھے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ مال پر صرف وائسرائے، گورنر اور

کمانڈر انچیف کی کاروں کو گذرنے کا حق حاصل ہے۔ شملہ کی زندگی مرکزی سڑک میں مرکوز ہوگئی ہے۔ اگر اس سڑک میں موٹر پر کنٹرول نہ کیا جائے تو بھیڑ بھاڑ سے دم گھٹنے لگے گا۔ شملہ کی مڑک طے کرکے میں سات میل اور اوپر گیا۔ یہ سڑک تبت کو چلی جاتی ہے۔ میں نے ایک سنگ میل بھی دیکھا جس پر کندہ تھا "تبت ۱۹۱ میل"۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس سڑک کی انتہا تک جاؤں۔ صرف رکشا ہی ایسی سواری ہے جو ہمیں مکان تک پہنچا دیتی ہے اس الگ تھلگ اور دور افتادہ مکان۔ "ریٹریٹ" (کنج عافیت) کے گیٹ پر ایک سنتری پہرہ دیتا ہے۔ یہ جگہ بڑی ہی دل فریب ہے۔

۔ "دی ریٹریٹ" مشوبرہ

شملہ۔ پیر ۵ رمئی ۱۹۴۷ء

مکمل ۴۸ گھنٹے تک میں آرام اور سکون کا لطف اٹھاتا رہا۔ ہمالیہ کی راحت بخش فضا تنہائی اور نظر فریب مناظر میرے دل ودماغ کو ابدی سکون بخشتے رہے۔ مستقل کئی دنوں تک فضا کہر آلود رہی اور بادل مجھ سے سرگوشی کرتے رہے۔ نیچے نظر دوڑاتا تو خوبصورت وادی، دامن دل کو کھینچتی اور اردگرد شالی کی چوٹیاں نگاہوں میں رنگ بہار گھول دیتیں۔ یکایک سامنے ایک پردہ گرتا ہے اور برف کا ازلی لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ صف بہ صف جیسے ان گنت سنتری چوکنا ہو کر ہمالیہ کی حفاظت کررہے ہوں۔ ہمالیہ کے ایسے ہی اور بھی صف بہ صف سلسلے دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اتنے ہی دل فریب اور حسین، کیونکہ کائنات کا یہ سائبان "دو ۲۰ سو پچاس ہزار مربع میل کو گھیرے ہوتے ہے اور رکم ازکم چالیس چوٹیاں ایسی ہیں جن کی بلندی ۲۴ ہزار فٹ سے زیادہ ہی ہے۔ شملہ سے یہ پُرشکوہ اور پُرجلال نظارہ عظمت کی دلیل ہے۔

ادھر میں مشوبرہ میں مختصر لمحات فرصت گذار رہا ہوں اور اُدھر دہلی کے سیاسی واقعات میں برق رفتاری آگئی ہے۔ اسمے اور جارج ایبل ۲ رمئی کو لندن روانہ ہوگئے۔ وہ اپنے ساتھ پلان کا مسودہ لے گئے ہیں جو حکومتِ برطانیہ کے ملاحظے میں آئے گا۔

ہفتہ کے دن پہلی بار ہندوستانی اخبارات نے ماؤنٹ بیٹن پر شدید حملے کئے۔ خصوصًا ہندوستان ٹائمز کا رویہ جارحانہ ہوگیا ہے۔ اس میں جو مضمون شائع ہوا ہے اس کی اہمیت یوں بھی ہے

کہ اس کے ایڈیٹر مہاتما کے صاحبزادے دیوداس گاندھی ہیں اور پروپرائٹر سب سے بڑا سرمایہ دار جی۔ڈی برلا ہے۔ اخبار مذکور نہرو، پٹیل اور مہاتما کی بھی زبان ہے مضمون یوں شروع ہوتا ہے ۔" جب سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالا ہے آج پہلی بار محسوس ہو رہا ہے کہ وہ کانگریسیوں اور سکھ لیڈروں کے ساتھ مساوی برتاؤ نہیں کر رہے ہیں ۔" مضمون میں ماؤنٹ بیٹن کے بعض فیصلوں کا انکشاف بھی کیا گیا ہے جو بڑی حد تک درست بھی ہے کانگریس نے اس کی بنیاد پر دھمکی بھی دی ہے اور پنجاب میں سکھوں کے ساتھ معقول برتاؤ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ صوبہ سرحد میں انتخابات کرانے پر نا رضامندی کا اظہار بھی ہے مضمون میں یہ تحریر ہے ۔" کانگریس کی مجلس عاملہ نے سرحد کے سوال کو آزمائش مقدمہ قرار دیا ہے۔ وائسرائے پر یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اگر سرحد کی وزارت کو معطل کرنے اور انتخابات کرانے کی تجویز منظور کی گئی تو حکومت برطانیہ سے متعلق کانگریس کا رویہ ایک دم سے بدل جائے گا۔"

میرا خیال ہے کہ کل ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی اور جناح سے اہم ملاقاتیں کی ہیں اور ان ملاقاتوں سے ماؤنٹ بیٹن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کہیں اسمے کی روانگی قبل از وقت تو نہیں ہے انھوں نے تین سال کے بعد دونوں لیڈروں کو باہم دگر کیا تھا۔ اس میں ان کی اعلیٰ بصیرت اور آہنی عزم کو کافی دخل ہے۔ ادھر رسمی تکلفات ختم ہوئے ادھر ماؤنٹ بیٹن کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ گاندھی اور جناح دونوں ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر بیٹھے تھے کہ اُن کی آوازیں صاف سُنائی نہیں دے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو پرانے سازشی دُور سے معنی خیز اشاروں میں مصروف ہیں ۔ ماؤنٹ بیٹن نے دونوں کی گفتگو سننے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود۔ بہرحال ان کا ایک مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ یعنی دونوں جناح کی قیام گاہ پر تفصیلی گفتگو کرنے پر رضامند ہو گئے تھے۔

شملہ روانہ ہونے سے پہلے ماؤنٹ بیٹن پنجاب، بنگال اور شمال مغربی سرحد کے صوبوں کے گورنروں کے یہ خیالات معلوم کرتے رہے کہ کیا ان صوبوں میں انتخاب کرائے جائیں یا نہیں کیرو انتخابات کے حق میں ہیں۔ بروز نے اگرچہ قطعی رائے ظاہر نہ کی مگر وہ خلاف ہیں اور جنکنس کے خیالات انتہائی اُداس اور دل گیر ہیں ۔ انھیں شک ہے کہ یہ نہ تو جناح کو منظور ہوگا اور نہ سکھوں کو، لیکن ماؤنٹ بیٹن کا یہ پختہ خیال ہے کہ جناح رضامند ہو جائیں گے اور

سکھوں کو گفت وشنید کے ذریعے ہی رضا مند کیا جا سکتا ہے۔

" دی ریٹریٹ " مشوبرہ

شملہ۔ منگل ۶ رمئی ۱۹۴۷ء

جناح کی قیام گاہ واقع اورنگ زیب روڈ میں دونوں لیڈر یعنی گاندھی اور جناح ملے اور تین گھنٹے تک گفتگو ہوئی۔اس کے بعد حسب ذیل متفقہ بیان جاری ہوا۔

" ہم نے دو مسائل پر بات چیت کی۔ایک مسئلہ انڈیا کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنے کا تھا۔مسٹر گاندھی تقسیم کے اس اصول پر متفق نہیں ہیں۔ان کا خیال ہے کہ تقسیم ناگزیر نہیں ہے اور میرا خیال ہے کہ نہ صرف پاکستان ناگزیر ہے بلکہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا یہی واحد حل بھی ہے۔

۔ دوسرا مسئلہ جس پر ہم نے بات چیت کی وہ اس اپیل کے متعلق تھا جو ہم نے اپنے مشترکہ دستخطوں سے لوگوں میں امن وامان برقرار رکھنے کے لئے جاری کی تھی۔ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم اپنی اپیل پر لوگوں کو عمل پیرا ہونے کی درخواست کریں۔نیز اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہم ہر ممکن کوشش بھی کریں"

اگرچہ یہ ملاقات لاحاصل ثابت ہوئی لیکن جناح کا تدبر کام آیا۔اس کا ثبوت مذکورہ بجے تلے الفاظ پر مشتمل متن سے ظاہر ہے۔اب سوال صرف یہ ہے کہ گاندھی تقسیم کے بپھرتے ہوئے سیلاب کو کب تک روک سکتے ہیں۔

" دی ریٹریٹ " مشوبرہ

شملہ۔بدھ ۷ رمئی ۱۹۴۷ء

میرے مختصر لمحات فرصت کو آج ہند آگئی کیونکہ مجھے قصر وائسرائے میں طلب کیا گیا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن اپنے ہمراہ وی۔پی مینن کو بھی لائے ہیں۔مینن ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس اور ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن پلان کی بات چیت میں برابر شریک رہ چکے ہیں۔اگرچہ وہ کچھ مدت

تک کے لیے پردہ گم نامی میں چھپ گئے تھے۔ اس کے باوجود وبھ بھائی پٹیل اب تک ان پر کلّی اعتماد رکھتے ہیں۔ یہ ماننا پڑے گا کہ قصرِ وائسرائے غور و خوض، بحث و تمحیص اور استدلال کے لیے پُرسکون اور مثالی جگہ ہے۔ ان کا کمرہ دہلی کے کمرے سے قطعی مختلف ہے۔ دہلی کا کمرہ اُداس اُداس سا نظر آتا ہے۔ لیکن یہاں کے کمرے کی فضا فرحت بخش ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ دہلی کے کمرے کی تاریکی دراصل افسردگی کی فضا پیدا کرتی ہے۔ تعجب ہے کہ سابق وائسرائے اس فضا میں دن دن بھر گرمیوں میں بجلی جلا کر کیسے کام کیا کرتے تھے۔

یہاں پہنچتے ہی تابڑتوڑ دو اسٹاف میٹنگوں میں شرکت کرنی پڑی۔ پہلی میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نہیں تھے دوسری میں وہ شریک ہوئے۔ دونوں میٹنگوں میں ہم نے متبادل پلان پر غور کیا لیکن ساتھ ہی یہ شک بھی تھا کہ جناح کو یہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ وی پی مینن نے بھی اس امکان کا اظہار کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کوئی بھی منصوبہ بنانے سے پہلے میں یہ سوچ لیتا ہوں کہ جناح اسے مسترد کردیں گے۔ جناح اور لیاقت کے ساتھ میری جو ملاقاتیں ہوئیں ہیں نے ان ملاقاتوں میں ان کے اس رویے کا گہرا مطالعہ کیا مگر وہ نہیں کھلے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں جناح دو مفروضات کی بنا پر میری تجویز کو قبول نہیں کرتے۔ اول یہ کہ وہ اس سودا بازی کو طول دینا چاہتے ہیں تاکہ برطانیہ کی راہوں میں مشکلات پیدا ہوں اور اس طرح انھیں زیادہ سے انعام واکرام سے نوازا دیا جائے۔ دوئم یہ کہ شاید وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ پاکستان قابلِ عمل نہیں ہے۔

لیکن ماؤنٹ بیٹن نے ایسی کوئی بات جناح کے قول و فعل میں اب تک نہیں پائی ہے انھیں شک ہے کہ ان دونوں مفروضات کا وجود ہی نہ ہو۔ بہرکیف انھوں نے وی۔ پی مینن کے اس مشورے پر عمل پیرا ہونا منظور کرلیا کہ جناح سے سودا بازی کرنے کے لیے متبادل پلان ضرور تیار رکھیں۔ متبادل پلان میں موجودہ آئین کے تحت اختیارات کم سے کم ہوں گے اور اس کے لیے ہندوستانی لیڈروں کا متفق ہونا ضروری بھی نہیں ہوگا۔ موجودہ صوبائی حکومتوں کو صوبائی سبجکٹس اور موجودہ مرکزی حکومت کو مرکزی سبجکٹس منتقل کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اس طرح مسلمان ہندو اکثریت کے ماتحت آجائیں گے۔

لندن بھیجنے کے لئے ٹیلیگرام کا مسودہ تیار کرلیا گیا ہے جس میں پلان مذکور کا پس منظر دیا گیا ہے۔ اور اس کی منظوری بھی مانگی گئی ہے۔ ہم نے انڈیا کو دولتِ مشترکہ میں بدستور

شامل رکھنے کے امکانات پر بھی غور کیا۔ وی۔ پی مینن نے اس موضوع پر پٹیل اور نہرو کے اثباتی نظریہ کی بھی تصدیق کر دی۔ دونوں لیڈروں نے "شہنشاہ" اور 'حکومت' جیسے الفاظ حذف کر دینے پر زور دیا ہے کیونکہ دونوں الفاظ پر بے شمار ہندوستانیوں کو اعتراض ہے۔ وی۔ پی مینن سے ایک مضمون تیار کرنے کے لئے کہا گیا ہے جس میں ایسے طریقۂ کار کی وضاحت ہو جس کی رو سے متبادل پلان کے تحت انڈیا کو درجۂ نوآبادیات دیا جا سکے۔

"دی ریٹریٹ" مشوبرہ

شملہ۔ جمعرات ۸ مئی ۱۹۴۷ء

آج کی میٹنگ کے ایجنڈے میں یہ مسئلہ بھی شامل کیا گیا تھا کہ انڈین اور عالمی پریس کے ساتھ ہمارے تعلقات کہاں تک متاثر ہو سکتے ہیں۔ جب سے ہم ہندوستان آئے ہیں غیر ملکی نامہ نگار ماؤنٹ بیٹن یا اسمے سے ایسے انٹرویو مانگ رہے ہیں جو ریکارڈ میں نہ آ سکیں۔ ہم اس سلسلے میں بے حد محتاط ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس فضا میں پلان کی تشکیل کے علاوہ ماؤنٹ بیٹن کی زبان سے ایسی کوئی بات نکل جائے جس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ اس کے علاوہ اسمے مزید پندرہ دنوں کے لئے ہندوستان سے باہر ہیں۔ ان دنوں پہلے کے مقابلے میں ہر ایڈیٹر اور نامہ نگار یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح بھی وائسرائے تک رسائی ہو اور کوئی نقطہ مل جائے۔

میرا خیال یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ غیر ملکی نامہ نگاروں کا انٹرویو تو خیر خارج از بحث ہے۔ کیونکہ ایسا کیا گیا تو انڈین پریس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ مناسب یہ ہوگا اگر اسمے کے فرائض ان کی غیر موجودگی میں میویل انجام دینا شروع کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ لندن اور نیو یارک کے اخباروں کے دفتروں میں خصوصاً پلان کے بارے میں جو قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں وہ سب سے ختم ہو جائیں گی۔ آج اس پر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

"دی ریٹریٹ" مشوبرہ

شملہ۔ جمعہ ۹ مئی ۱۹۴۷ء

آج صبح درجۂ نوآبادیات کا سوال پھر زیرِ غور آیا اور اس پر طویل بحث ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن

نے کہا کہ اگر ہندوستان کو ۱۹۴۸ء سے پہلے ہی درجۂ نوآبادیات دینا ہے تو منا سب یہ ہے کہ یہ کام ۱۹۴۷ء کے ختم ہونے سے پہلے ہی انجام پا جائے۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ میں ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو درجۂ نوآبادیات دیدینا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں انھوں نے کیوبک کانفرنس کی چونکا دینے والی مثال دی۔ اس کانفرنس میں یہ ہدایت نامہ منظور کرنے کے لئے کہا گیا تھا کہ ۱۹۴۸ء تک جاپان کی جنگ ختم ہوجانی چاہیے۔ لیکن روزولٹ رضامند نہیں ہوئے۔ چنانچہ ہوپکنس نے مداخلت کی اور کہا "تو پھر ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء تک ختم ہوجانی چاہیے"۔ صدر روزولٹ نے اسے منظور کرلیا۔

نہرو اور کرشنا مینن بھی تشریف لے آئے ہیں۔ ساری باتوں کا دار و مدار ماؤنٹ بیٹن کی اعلیٰ بصیرت اور اُن کی عقل و دانش پر ہے۔ کرشنا مینن پہلے ہی اشارہ کرچکے ہیں کہ اگر درجۂ نوآبادیات قبل از وقت منظور کرلیا گیا تو فوج کی تقسیم نہ کی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ اس اقدام کی مزاحمت کریں گے۔ بیوئیل کا خیال ہے کہ اگر انڈیا دولت مشترکہ میں شامل ہوا تو اس کا فائدہ انڈیا کو پہنچے گا نہ کہ دولتِ مشترکہ کو انڈیا سے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کا نظریہ قطعی مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انڈیا دولتِ مشترکہ میں شامل ہوا تو نہ صرف متحدہ انگلستان کا وقار دنیا کی نظروں میں بڑھ جائے گا بلکہ جنگی لحاظ سے بھی اہمیت میں اضافہ ہوجائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس سلسلے میں بہت ساری دشواریاں ہیں خصوصًا وہ دشواریاں جو پاکستان کی وجہ سے درپیش ہیں۔ انھوں نے یہ سوال کیا۔ "ہم کر کیا رہے ہیں؟ انتظامی لحاظ سے مستقل عمارت اور جھونپڑے کی تعمیر میں بڑا فرق ہے۔ پاکستان کا جہاں تک تعلق ہے ہم خیمہ نصب کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کل مصروفیات کی وجہ سے وہ اپنی بحری زندگی کی ۲۴ ویں سالگرہ بھی نہ منا سکے۔ ۱۲ سال کی عمر میں انھوں نے بحری زندگی اختیار کی تھی۔

آج سہ پہر کو جھمیلوں سے تھوڑی سی فرصت ملی۔ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو "ریٹریٹ" میں چائے کی دعوت دی تھی۔ لیکن چاروں طرف پہاڑ ہونے کی وجہ سے یہ مخصوص انگلش گارڈن ٹی پارٹی بن گئی۔ ابتدا ہی میں معمولی سی بات پر ذرا کشیدگی پیدا ہوگئی۔ فے نے جو نہرو کے بازو میں بیٹھے تھے کسی طرح شکر کی قلت اور شملہ سے اُن کی نفرت کے خیالات معلوم کرلئے — (وہ لوگ اپنی شکر خود ساتھ لائے تھے) دراصل نہرو نے رکشا قلی پر انسانیت سوز مظالم

ڈھانے کے خلاف شملہ سے اپنی نفرت کا اظہار کیا تھا۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ محنت انسانی وقار کی زبردست ہتک ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے نہرو سے پوچھا۔ "وزارت امور خارجہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کیا برما کے مواصلات کا بار بھی آپ ہی کے شانے پر ہے۔ اگر ہے تو کیا آپ بتائیں گے کہ کثیر رقم خرچ کرنے کے بعد جو شاہراہ اور ہوائی اڈے بنائے گئے تھے ان کا کیا حشر ہوا۔ عرصہ سے برما کو انڈیا سے ملانے کے لئے ایک سڑک کی تعمیر کا منصوبہ بنایا جارہا ہے، کیا یہ منصوبہ واقعی زیر عمل آرہا ہے؟" نہرو نے اس سلسلے میں دلچسپی تو دکھائی۔ لیکن انھوں نے کہا کہ اس پر بھاری خرچ آئے گا۔

چائے نوشی کے بعد نہرو نے ہمارے بچوں سے ملنا چاہا۔ ماؤنٹ بیٹن نے میرے لڑکے کیتھو کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ بچہ خطِ مستقیم کی طرح سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے۔ اور میں ڈرتا ہوں کہیں یہ پیچھے لڑھک نہ جائے۔" اس کے بعد ہم وائسرائے کے باغات کو دیکھنے چلے گئے۔

ماؤنٹ بٹین کو یہاں سے اس حد تک والہانہ محبت ہوگئی ہے کہ وہ پھر واپس آنے کا قصد کر چکے ہیں۔ ہم بہت دیر تک باغوں کے نشیب و فراز میں گھومتے رہے۔ نہرو کا چہرہ خوشی و مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ انھوں نے کوہ پیمائی کا ارادہ کیا۔ انھوں نے کوہ پیمائی کا جدید طریقہ باضابطہ مظاہرہ کر کے بتایا۔ انھوں نے کہا کہ اس طرح بلندی پر پہنچ کر سانس لینے میں سہولت ہوتی ہے اور پنڈلی کو آرام ملتا ہے۔

"دی ریٹریٹ" مشوبرا

شملہ۔ ہفتہ ۱۰ رمئی ۱۹۴۷ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بٹین نے کرشنا کے ساتھ اپنی گفتگو کی روداد سُنائی اور وی پی مینن نے پٹیل کے ساتھ ملاقات کا حال سُنایا۔ ایسا گمان گذرتا ہے کہ دونوں لیڈر درجہ نوآبادیات کے فارمولے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ کرشنا مینن کا خیال ہے کہ چونکہ سب سے پہلے اس بنیاد پر انتقال اختیارات کی تجویز انھوں نے پیش کی تھی

اس لیے نام میرا ہونا چاہیے۔ انھوں نے اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ نہرو اس تصور کو سراہ رہے ہیں کیونکہ اس طرح ہندی والیانِ ریاست پر ماؤنٹ بٹین کو اپنا اثر ڈالنے کا موقع ملے گا۔ وی پی مینن نے کہا کہ دستور یہ ہند کی تکمیل میں اغلباً تاخیر بھی، نہرو کو درجۂ نو آبادیات منظور کرنے پر مجبور کرے گی۔ کانگریس کو اصل خوف بائیں بازو سے ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ عوام میں یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کردے کہ کانگریس نے درجۂ نو آبادیات قبول کرکے برطانیہ کے ہاتھوں خود کو بیچ دیا ہے۔

آج میں نے اہم کیونکے جاری کیا جس کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا ہے کہ وائسرائے ۱۷ار مئی کو ہندوستانی لیڈروں سے صبح کے ساڑھے دس بجے اور والیانِ ریاست کے نمائندوں سے سہ پہر کو ملیں گے۔ ان ملاقاتوں کے درمیان ماؤنٹ بٹین ان کے سامنے وہ پلان پیش کریں گے جسے دولتِ عظمیٰ برطانیہ نے ہندوستانیوں کے ہاتھوں انتقالِ اختیارات کے لیے منظور کیا ہے۔

آج ہی کی شام کو چھ بجے ماؤنٹ بٹین سے تھوڑی دیر ملاقات کے بعد میویل غیر ملکی نامہ نگاروں سے اپنی ہی قیام گاہ میں ملے۔ انھوں نے نامہ نگاروں سے اہم نکات پر بات کی۔ مثلاً انھوں نے نامہ نگاروں سے کہا کہ جلد از جلد سیاسی حل کی ضرورت کیوں محسوس کی جا رہی ہے، حکومت کی تمام تر ذمہ داریاں عوام یا ان کے منتخب نمایندوں کے شانے پر کیوں رکھی جائیں، ہندوستانی لیڈر کس طرح رفتہ رفتہ سمجھوتے کی طرف مائل ہو رہے ہیں وغیرہ۔

ایرک بریٹر نے جو ہمارے ساتھ ہی مقیم ہیں بتایا کہ اس بات چیت کا خاصہ اثر ہوا ہے اور خصوصاً امریکی پریس بہت خوش ہے۔

وی ریٹریٹ۔ مشوبرہ

شملہ۔ اتوار ۱۱ر مئی ۱۹۴۷ء

آج ماؤنٹ بٹین کا دن بھاگ دوڑ میں گزرا۔ ہم پریس کے اُن نامہ نگاروں کی جن سے کل میویل ملے تھے۔ ضیافت کرنا ہی چاہتے تھے کہ انھوں نے مشوبرہ میں مجھے فون کیا۔ اور

ہدایت دی کہ، ان تمی کو جن لیڈروں سے وہ ملنے والے ہیں اور جس کا اعلان کل کر دیا گیا ہے۔ ملتوی کر دیا جائے۔ اس پیغام۔ نے میرے ہوش وحواس معطل کر دیئے۔ تو کیا اب دوسرا کیونکے جاری کروں؟ جب سے میں نے یہاں رابطۂ عامہ کا کام سنبھالا ہے آج پہلی بار میں عظیم ترین مسئلے سے دوچار ہوا ہوں۔ اگر چہ میں ذہنی اور قلبی اعتبار سے خلفشار میں مبتلا تھا۔ لیکن مہانوں پر ظاہر نہ ہونے دیا اور شام کے ٹھیک ساڑھے چھ بجے دل شکستہ ہو کر قصر والسرائے پہنچا۔

لندن سے پلان کا جو مسودہ نظرثانی اور منظوری کے بعد موصول ہوا کل رات نہرو کو مطالعہ کے لئے دیا گیا تھا۔ شروع سے اخیر تک پڑھنے کے بعد انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔انھوں نے بڑے تیقن کے ساتھ کہا کہ یہ وہ مسودہ نہیں ہے جسے ماؤنٹ بیٹن اور اُن کے اسٹاف نے تیار کیا تھا اور جس کو اسمے اور جارج ایبل ماہ رواں کے آغاز میں لندن لے گئے تھے۔

نہرو کیبنٹ مشن پلان اور ماؤنٹ بیٹن کے تیار کردہ مسودہ سے مطمئن نظر آتے تھے کیونکہ اُن کے خیال کے مطابق دونوں کے اندر ہندوستان کی وحدت کا تصور موجود ہے۔ لیکن لندن سے جو مسودہ منظور ہو کر آیا ہے اس میں بڑے علاقوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بانٹ دینے کے اقدام سے اغماض کیا گیا ہے۔ نہرو اس بات کو منوانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان اور دستور ساز اسمبلی برطانوی ہند کے وارث ہیں اور پاکستان اور مسلم لیگ برطانوی ہند سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی کئی اعتراضات کئے جو معمولی اور ادنیٰ تھے جن کا فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بلوچستان کے بارے میں جو مجوزہ طریق کار ہے اُس سے اُن کو کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے۔ یہ خیال بہر حال قبل از وقت ہے۔ میں نے نہرو کے دل میں لندن کی طرف سے شکوک وشبہات پائے۔ ان تبدیلیوں سے وہ ذرا بھی خوش نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آج بھی جب ہندوستان کو مکمل آزادی دینے کا سوال شدت اختیار کرتا جارہا ہے غیر ملکی سول سروس والے اس کی راہ میں حسبِ معمول سنگِ گراں بنتے نظر آرہے ہیں۔

نہرو کے رویّے میں جو تیکھا پن نظر آرہا ہے اس کے پیش نظر ماؤنٹ بیٹن اور ان کا اسٹاف جلد از جلد دوسرا پلان اسمے کو لندن ارسال کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جارہا ہے۔

دوسرے کمیونکے کے اجرا کے سلسلے میں میں میویل کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن سے ملنے گیا تاکہ میں ان کو آنے والی مشکلات اور خطرات سے آگاہ کردوں۔ ان کی ژولیدہ موئی کو دیکھ کر ان کی پریشانی کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن بظاہر وہ بے حد بشاش تھے۔ انھوں نے کہا کہ میری لچک دار طبیعت ہی میرے آڑے آتی ہے۔ ورنہ میں طوفانوں میں تنکے کی طرح بہہ گیا ہوتا۔ اگر میں ذرا بھی ضدی ہوتا تو میں نہ صرف اپنے مشن میں ناکام ہو گیا ہوتا، بلکہ میں یہاں سے کب کا چلا گیا ہوتا۔ اور پھر ہمارا مذاق اڑایا جاتا کہ ہم اس بات سے مطمئن تھے کہ نہرو پلان کو منظور کرلیں گے۔

میں نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ جب تک لندن سے باضابطہ وضاحت نہ آجائے اس وقت تک التوا کا اعلان مناسب نظر نہیں آتا۔ اس سلسلے میں کچھ دیر تک تبادلۂ خیال ہوتا رہا پھر طے پایا کہ حسب ذیل اعلان جاری کر دیا جائے۔

"لندن میں پارلیمانی تعطیل کے پیش نظر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ہندوستانی لیڈروں سے والسرائے کی ملاقات ہفتہ ۱۷ مئی کی بجائے پیر ۲ جون تک کے لئے ملتوی کر دی جائے۔"

مذکورہ کمیونکے چونکہ پہلے اعلان کے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر تیار کیا گیا ہے اور خصوصاً ایسے موقع پر جب کہ ابھی ابھی غیر ملکی نامہ نگاروں کی ضیافت سے ہم فارغ ہو رہے ہیں، کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا ہے۔ میں پہلے سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نوعیت کا کمیونکے پریس کو نہ تو پہلے ہی جاری کیا تھا اور نہ شاید آئندہ کبھی جاری کر سکوں گا۔ میں اعتبار اور خیر سگالی کے اُس گھروندے کو مسمار ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوں جسے ہم نے بڑی ہوشیاری سے اتنے دنوں کے بعد بنایا تھا۔ بھوکے پریس کے لئے بھی ہم عجیب و غریب قیاس آرائیوں کی خوراک فراہم کر رہے ہیں۔

ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ بحران کی اس نازک گھڑی میں ہم حقیقت گوئی سے کام لے رہے ہیں۔ دہلی کا ایک فرد بھی ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ اس التوا کی ذمہ داری لندن پر ہے۔ کسی کو یقین آبھی گیا تو شبہات از سر نو ذہنوں میں پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے۔ سب کو اس بات کا علم ہے کہ نہرو والسرائے کے ساتھ مقیم ہیں۔ تعلقات عامہ کے پیش نظر اگر التوا کی بنیاد مسودہ کی غیر معمولی تفصیلات پر رکھی جاتی تو میں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے

یقین ہے کہ حالات اتنے نازک نہ ہوتے۔ بہرکیف بحث وتمحیص کی ذرا بھی گنجائش نظر نہ آئی اور میں نے اعلان جاری کر دیا۔

دی ریٹریٹ۔ مشوبرہ

شملہ۔ پیر ۱۲ر مئی ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کل کے حالات سے مطمئن نظر آرہے تھے لیکن انھوں نے کہا کہ مجھے لندن کی طرف سے اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں ادھر سے کوئی ایسی دستاویز یا تجویز نہ آجائے جو میری دیانت داری کو ہندوستانی لیڈروں کی نظروں میں مشکوک بنا دے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا اسٹاف ہی مسودہ کو دوبارہ مرتب کرے۔ انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ بنگال یا کسی بھی دوسرے صوبہ کو آزادی کا اختیار دینے سے پہلے مسودہ پر نظر ثانی کر لینا ضروری ہے۔ ان کے خیال ہے کہ صوبائی آزادی کے سلسلے میں اگر کبھی بھی فریقین کی طرف سے کوئی درخواست پیش کی جائے تو فیصلہ پر دوبارہ غور کیا جائے گا۔ نہرو کا ہم سے ملتا جلتا ایک پلان ہے اور وہ یہ ہے کہ درجہ نوآبادیات کی بنیاد پر عارضی حکومت کو جلد از جلد اختیارات منتقل کر دیئے جائیں۔

میٹنگ کے بعد ایک لنچ پارٹی میں میں اور فے مہمان کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ دعوت کا انتظام باغ میں چیل کے درختوں کے سائے میں کیا گیا تھا۔ کرشنا مینن بھی موجود تھے۔ کرشنا مینن کو بوائے اسکاٹ کی تحریک سے خاصی دلچسپی ہے۔ اس لئے ہماری گفتگو اس موضوع پر ہوتی رہی۔ لیکن اس گفتگو میں بھی سیاست اور گٹھ جوڑ کا پلہ بھاری رہا۔ لنچ کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی جنگی اہمیت پر خواہ وہ متحد رہے یا تقسیم ہو، بات چیت کی۔ لیکن یہ گفتگو کانگریس کے لیڈروں کے لئے باعثِ دلچسپی ثابت نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی زندگی ہمیشہ سیاسی معاملات ہی کے گرد گھومتی رہی ہے۔

باب ۸

پلان کا دُوسرا مسوّدہ

وائسرائے ہاؤس ۔ نئی دہلی

بدھ ۔ ۱۴ ؍ مئی ۴۷ء

دربار کے سرکلر میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن شملہ سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لے آئے ہیں ۔ وائسرائے کے ملٹری سکریٹری ڈوگلس کری کا اندازہ ہے کہ جن افراد کو بذریعہ ٹرین سفر کرنا ہے ان کی تعداد بشمول ملازمین ۳۳ ہے ۔ وائسرائے کی خصوصی پارٹی نے کاروں سے سفر کیا ۔ بارہ کاروں کا جلوس پیچ در پیچ راستوں سے گذرتا ہوا عجیب منظر پیش کر رہا تھا ۔ ماؤنٹ بیٹن کی کھلی ہوئی بیوک کار سب سے آگے آگے تھی ۔ شملہ اور کالکا کے درمیان ۵۲ میل کا فاصلہ ہے ۔ مجھے اس میں کوئی روحانی مسرّت نہیں ملی ۔ کالکا اور انبالہ کے درمیان سڑکیں تقریباً ہر دو میل پر مڑتی ہیں ۔ انبالہ سے دہلی کا فاصلہ اگرچہ ایک سو بارہ میل ہے مگر سڑک خط مستقیم کی طرح سیدھی چلی گئی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے اس کی کوئی انتہا نہیں ۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گاؤں نظر آ جاتے ۔ جہاں مٹی کی بنی ہوئی جھونپڑیاں ، آگ کے لپکتے شعلوں کا مقابلہ کرتی چلی آ رہی ہیں ۔ دہلی سے آتی ہوئی اور ادھر جاتی ہوئی بیل گاڑیوں کا کارواں کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا ۔ جب ہماری کاریں گذرتیں تو یہ بیل گاڑیاں ایک طرف ہو جاتیں اور ہم گرد اُڑاتے برق رفتاری کے ساتھ نکل جاتے ۔ جہاں جہاں چوپال

پر لوگ نظر آئے، وہ ہماری کاروں کو مشفقانہ نظروں سے دیکھتے اور خندہ پیشانی سے ہمارا خیرمقدم کرتے۔ سڑکوں کے کنارے کنارے وہ نام بھی نظر آئے، جہاں جنگیں لڑی گئی تھیں اور فوجیں صف بہ صف کھڑی رہتی تھیں۔ پانی پت میں بابر نے وہ جنگ جیتی تھی۔ جو ہندوستان میں حکومت مغلیہ کی بنیاد کا سبب بنی۔ ان تاریخی واقعات کی جھلکیاں آج بھی مل جاتی ہیں۔ آگرہ جہاں مغلیہ شان وعظمت کے پرچم آج بھی لہرا رہے ہیں وہ دہلی سے صرف ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دہلی پہنچ کر میں نے اندازہ لگایا کہ لیڈروں کی ملاقات کے التوا کا جو اعلان کیا گیا تھا۔ اُس پر مختلف حلقوں میں شک وشبہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ آج گرمی بلا کی پڑ رہی ہے۔ ہم کباب بنے ہوئے ہیں۔ درختوں کی چھاؤں میں بھی حرارت ۱۱۲ ڈگری ہے۔ چھاؤں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں بھی گرمی کی شدت میں ذرا بھی کمی نہیں۔ پریس کی قیاس آرائیوں پر قابو پانا میرے لئے ناممکن سا ہو گیا ہے۔ میول کی پریس پارٹی سے انڈین پریس برگشتہ نظر آرہا ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن مشورہ کے لئے لندن جارہے ہیں۔ وہاں کے لئے یہ موسم بڑا ہی خوش گوار ہے۔ اوّل اول تو اس طلبی پر انھوں نے ناک بھوں چڑھائی اور کہا کہ میرا جانا کوئی سود مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ وہ وزیراعظم کی اس بات پر بھی چراغ پا ہوئے کہ کابینہ کا کوئی رکن جلد از جلد لندن پہنچ جائے۔ وزیراعظم نے مجوزہ دورہ کے لئے بہت ہی جچے تلے الفاظ میں تیار کیا ہوا ایک کیمونکے بھی روانہ کیا ہے۔ روانہ ہونے سے پہلے ماؤنٹ بیٹن یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ وہ اس لئے لندن نہیں جارہے ہیں کہ ان کو فوراً طلب کیا گیا ہے بلکہ اس میں ان کے ارادے کو بھی دخل ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نظرثانی کیا ہوا پلان پہلے جناح اور پھر نہرو کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ آج دو اور کلیدی شخصیتوں یعنی پٹیل اور لیاقت علی خاں سے بھی ملاقات کررہے ہیں۔ وی پی مینن نے

کہا کہ شملہ میں نہرو کی اُداسی اور دل گرفتگی کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی احباب سے دور تھے۔ لیکن یہاں پٹیل کی قربت اُن کی افسردگی کو دور کردے گی۔

اخباری نمایندوں کے ساتھ آج کا دن بڑا ہی مصروف گذرا۔ مجھے شام کے سات بجے فرصت ملی۔ جب میں وائسرائے کی روانگی کا کمیونکے جاری کرچکا تھا۔ اس عرصے میں میں نے ایسوسی ایٹیڈ پریس آف امریکہ کے نمایندے والٹ میمن پرسٹن گروور، نیوز کرانیکل کے نارمن کلف اور ڈیلی اکسپریس کے سڈنی اسمتھ سے ایک کمرے میں ملاقات کی اور فون کی گھنٹیوں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکا۔ گھنٹیاں مستقل بجتی رہیں۔

مجھے وی پی مینن کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کا یہ دورہ نہ صرف عام حالات پر اچھا اثر ڈالے گا، بلکہ قیاس آرائیوں کے چڑھتے ہوئے سیلاب کو بھی روک سکے گا۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ۔ ۱۶ رمئی ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ہندوستانی لیڈروں کی جو ملاقات ہونے والی ہے۔ اس میں نہرو اور پٹیل نے کرپلانی کو بھی شامل کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کرپلانی کی موجودگی ان کے لئے سودمند ہوگی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کانگریس کا صدر ہونے کے لحاظ سے کرپلانی کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی مسلم لیگ کا صدر ہونے کی حیثیت سے جناح کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے انھیں اس نوعیت کا ایک مکتوب تحریر کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ کرپلانی کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں۔ لیکن دعوت نامہ میں ان کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ملاقات سے پہلے یا بعد میں وہ علیحدہ ان سے مل لیں گے۔ یہ مسئلہ بے حد پریشان کن ہے۔ اگرچہ پہلی نظر میں اس کی اہمیت معلوم نہیں ہوتی، لیکن غور کیا جائے تو یہ عظیم بحران کا پیش خیمہ بھی بن سکتا ہے۔ اگر کرپلانی کو مدعو نہیں کیا گیا تو کانگریس کو یہ شکایت پیدا ہوگی کہ ہم جناح کے آگے سرتسلیم خم کررہے ہیں۔ اور اگر انھیں مدعو کیا گیا تو جناح کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی۔

وی پی مینن نے امور معاہدہ کا مسودہ مختصر لیکن مناسب اور معقول بنا رکھا ہے بعاہدے کے کل آٹھ حصے ہیں یہ بڑا ہی جرات مندانہ قدم ہے کیونکہ لیڈروں کی مشکلات ختم کردی گئی ہیں۔ وہ اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم رائے عامہ کے بغیر فیصلے کیسے لے سکتے ہیں۔ اور نہ وہ یہ کہہ کر بچ سکتے ہیں کہ پارٹی سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ معاہدہ فوری درجہ نوآبادیات پر زور دیتا ہے یعنی یہ ایک عارضی انتظام ہوگا اور اس کی بنیاد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر چند تبدیلیوں اور ترمیموں کے بعد رکھی جائے گی۔ ساتھ ہی ایک یا دو خودمختار مملکتیں بھی ہوں گی۔ اگر ایک خودمختار مملکت ہوئی تو اختیارات موجودہ مرکزی حکومت کو منتقل کردیے جائیں گے۔ معاہدے کا چھٹا حصہ اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ اگر دو مملکتیں قائم ہوئیں تو گورنر جنرل مشترک ہوگا۔ مسلم افواج کی تقسیم کا مسئلہ بھی حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً یہ تجویز کی گئی ہے کہ علاقائی بنیاد پر جو رنگروٹ بھرتی کیے جائیں گے اس کے مطابق یونٹ مقرر کیے جا سکیں اور متعلقہ حکومتیں اس کام کی نگرانی کریں۔ لیکن مخلوط یونٹوں کے لیے مخصوص گنجائش رکھی گئی ہے۔

جناح اور لیاقت نے دستاویز اور مکتوب پر دستخط نہیں کیے۔ ماؤنٹ بیٹن کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انھوں نے کہا ہم اس کے عام اصولوں کو مانے لیتے ہیں لیکن تحریری طور پر ہم اس سے متفق نہیں ہو سکتے۔ وی پی مینن نے کہا کہ پٹیل اور نہرو کو تشویش اس بات پر ہے کہ جناح اس طرح پلان کو منظور کرلیں جس سے واضح ہو جائے کہ یہ ان کا آخری علاقائی مطالبہ ہے محض عارضی سمجھوتہ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر جناح اعلان کو قبول کر لیتے ہیں اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے اثرات کام میں لاتے ہیں تو کانگریس کو اطمینان ہو جائے گا۔

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جب میں نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر معاہدہ نہ ہو سکا تو درجہ نوآبادیات کی بنیاد پر اختیارات عارضی حکومت کو منتقل کردیے جائیں گے تو اُس وقت میں نے جناح کے ردعمل کو آزمایا تھا لیکن جناح خاموش رہے اور صرف اتنا بولے کہ کسی حال میں وہ اس اقدام کو روک نہیں سکتے۔ ماؤنٹ بیٹن اور جناح کی ڈپلومیسی کا یہ نازک اور فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں جناح کا ردعمل غیر معمولی بھی تھا اور پریشان کن بھی — بلکہ بہت حد تک فراست و دانائی پر مبنی بھی تھا۔ تجرباتی غبارے فضا میں بلند کیے

گئے اور واپس بھی آگئے۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ جناح اٹل پہاڑ کی طرح اڑے رہے۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے اپنا وعدہ پورا کیا اور وہ ملتان واپس آگئیں۔ دس دن پہلے صبح پانچ بجے وہ دہلی سے روانہ ہوئی تھیں۔ گرد آلود آسمان کی وجہ سے کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔ اس کے باوجود ان کا جہاز ہوائی اڈے پر کامیابی سے اُترا۔ وہ ہسپتال گئیں، رفیوجی کے مراکز کا دورہ کیا، فسادزدہ علاقوں کو دیکھا اور بہت سے زخمیوں سے بات چیت کی۔ ان زخمیوں کو دیکھ کر وہ بے حد سنجیدہ اور دل گرفتہ ہوئیں۔ انھوں نے کہا کہ متعدد خاندان فسادات میں تباہ و برباد ہو گئے۔ ان کے گھر بار اور جائدادوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا اور جو بچ گئے اُن کے دلوں میں خوف و دہشت طاری ہے۔

جب تک سیاسی سمجھوتہ نہیں ہو جاتا ہے اُس وقت تک ان کے لئے غذاؤں، کپڑوں اور گھر بار کے علاوہ اور کیا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی سے اُن کے دلوں کو تقویت ملتی رہی، ان کی اخلاقی حالت پست نہیں ہوئی۔ ملتان میں ہندوؤں کی تعداد چالیس فی صد ہے۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو فسادات کے دوران میں یہ جان کر مسرت ہوئی کہ مسلمان پولیس اور ہندو فوج نے شانہ سے شانہ ملا کر کام کیا اور اُس وقت تک رات کا کھانا نہ کھایا جب تک نظم و نسق معمول پر نہ آ گئے اور تعلقات پہلے جیسے دوستانہ نہ ہو گئے لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔ "دکھ درد اور مصائب و آلام کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں مجھے اُمید کی یہ کرن نظر آئی کہ فضا سے نفرت و کدورت کے غبار چھٹ جائیں گے اور محبت و دوستی کے نغمے سنائی دیں گے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار۔ ۱۸ر مئی ۱۹۴۸ء

آج سویرے ساڑھے آٹھ بجے ماؤنٹ بیٹن پالم ہوائی اڈہ سے لندن روانہ ہو گئے۔ انھیں رخصت کرنے کے لئے ہوائی اڈے پر بے شمار جانے پہچانے چہرے نظر آئے۔ کولول بھی تھے جو سینیئر گورنر ہونے کی وجہ سے چوتھی بار قائم مقام وائسرائے کے فرائض انجام دیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ وی پی مینن اور ورنن بھی لندن تشریف لے گئے۔ وی پی مینن پر

ماؤنٹ بیٹن کو مکمل اعتماد ہے ۔ وہ بہت سی صلاحیتوں کے مالک ہیں ۔مسودہ سازی میں تو اُن کا کوئی جواب نہیں ۔سیاسی سوجھ بوجھ بھی اچھی خاصی ہے ۔ وائسرائے کے اسٹاف میں اُن کا ایک رکن ہونا اگرچہ حددرجہ نازک معاملہ ہے ۔لیکن ان کے اندر معاملہ فہمی کی صلاحیت بے پناہ ہے ۔وی پی مینن جیسے باصلاحیت آدمی پر اتنی جلدی نظر انتخاب پڑنا ماؤنٹ بیٹن کی دور بینی کی بہت بڑی دلیل ہے ۔

ماؤنٹ بیٹن اپنے زمانۂ جنگ کے طیارہ یارک ایم ڈبلیو ۱۰۲ میں پرواز کر رہے ہیں اس کی تیز رفتاری سے انھیں سخت وحشت ہوئی ۔ان کا طیارہ صرف ماری پور (کراچی) اور فیض (مصر) میں تھوڑی دیر کے لئے اُترے گا ۔

وائسرائے ہاؤس ۔نئی دہلی

جمعرات ۔۲۲ر مئی ۱۹۴۷ء

جناح نے سیاست کی فضا میں زبردست بم پھینکا جو موقع و محل کے لحاظ سے موزوں اور مناسب ثابت ہوا ۔انھوں نے مطالبہ پیش کیا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کو ملانے کے لئے آٹھ سو میل طویل قطعہ زمین دی جائے ۔اس نوعیت کے مطالبہ کو پیش کرنے کا فن غالباً انھوں نے اسٹالن سے سیکھا ہے ۔رائٹر کے نامہ نگار جان کیمبل نے جس کو یہ مطالبہ اشاعت کے لئے دیا گیا تھا ۔مجھ سے کہا کہ چند روز پہلے اُنھوں نے جناح سے ایک سوال کیا تھا اور یہ اُسی سوال کا جواب ہے ۔ میں نے ارسکن کرم کو لندن میں یہ تار بھیجا :" جناح کا جواب زبانی نہیں تحریری تھا" ۔رائٹرز کی طرف سے جوں ہی یہ خبر اخباروں کو بھیجی گئی جناح کے سکریٹری نے فوراً غیر ملکی نامہ نگاروں کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی اور ان نامہ نگاروں نے نجی حیثیت سے مجھے اطلاع دی کہ جناح نے اس انٹرویو کی پیش کش کئی نامہ نگاروں کو کی تھی ۔انھوں نے کہا کہ جناح کسی طرح بھی اپنے بیان کو دُور دور تک پہنچانا چاہتے تھے ۔چنانچہ اُنھوں نے رائٹر کو استعمال کیا ۔ رائٹر کا انتخاب واقعی بڑا ہی دور رس ثابت ہوا اور خصوصاً ایسے موقع پر جب کہ وائسرائے دولتِ برطانیہ سے گفت و شنید میں مصروف ہیں برطانوی پریس میں جیسا کہ جناح چاہتے تھے اس مطالبہ کی خوب اشاعت ہوئی ۔

ہندوستانی اخباروں کے نامہ نگار مقیم لندن نے مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کیں لیکن اس کے باوجود ماؤنٹ بیٹن کی گفت وشنید پُر اطمینان اور پُرسکون انداز میں جاری رہی۔ لندن میں اُن کی موجودگی سے کابینہ اور سرکاری حکام میں اعتماد بحال ہوگیا ہے۔ حزب مخالف کے لیڈروں سے بھی ان کی اہم ملاقاتیں ہوئیں، کیونکہ ماؤنٹ بیٹن جانتے ہیں کہ ان کے تعاون کے بغیر پارلیمنٹ کے ذریعہ آزادی کی دفعہ کو منظور کرانا ناممکن ہے۔

مسٹر ایٹلی بھی جن کا حکومت ہند کی پالیسی پر پورا پورا کنٹرول ہے اپنے رفقائے کار کے ذہنوں سے شکوک وشبہات دور کرنے کی شب وروز کوشش کررہے ہیں۔ نیز انھوں نے ان کو حالات کی نزاکت واہمیت کا بھی پورا پورا احساس دلادیا ہے۔ سارا بوجھ لارڈ چانسلر اور انڈیا آفس پر پڑا ہے۔ لارڈ چانسلر نے وعدہ کرلیا ہے کہ جولائی کے پہلے ہفتہ تک ایوان میں پیش کرنے کے لئے بل کو بہرصورت تیار رکھیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسودہ سازی میں ایسی برق رفتاری کی ضرورت پڑے گی جس کی مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی۔ تقسیم ملک کی صورت میں دفاع کا مسئلہ بے حد پیچیدہ اور ٹیڑھا ہے۔ تاہم اسمے خوش آئند اور حوصلہ افزا اطلاعات روانہ کررہے ہیں۔ درجۂ نو آبادیات کو جس پر ماؤنٹ بیٹن اور وی پی مینن نے انتہائی محنت کی ہے کافی سراہا گیا صرف بعض اخباروں نے چند ترمیمات اور توضیحات کی ضرورت محسوس کی۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

۲۳ رمئی ۱۹۴۷ء

میں نے لندن میں ورنن کو حسب ذیل اطلاع روانہ کی:۔

"جناح کے انٹرویو پر آج سویرے صرف ہندوستان ٹائمز میں اداریتی تبصرہ کیا گیا۔ اور یہ بڑا ہی تیکھا ہے، لیکن اشتعال انگیز نہیں ہے۔ آٹھ سو میل طویل قطعہ زمین کے بارے میں اخبار لکھتا ہے۔ 'پاکستان کے وجود کا انحصار اگر اسی قطعہ زمین پر ہے تو پاکستان ہرگز وجود میں نہیں آسکتا'۔ میرا خیال ہے کہ اخباروں کا ردِّعمل قطعی جارحانہ نہیں ہے، جیسا کہ توقع کی جارہی تھی۔"

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر۔ ۲۶ رمئی ۱۹۴۷ء

میں نے لندن میں ورنن کو حسب ذیل تحریر بھیجی۔

ہندوستانی اخباروں میں اس نوعیت کی ان گنت خبریں آرہی ہیں کہ کابینہ کی اکثریت پلان کی مخالفت ہے۔ بیون کے بارے میں برابر یہ کہا جارہا ہے کہ وہ دفاع کے سوال پر مخالفت کر رہے ہیں۔ کرپس اور الیگزنڈر کے متعلق بھی ایسی ہی خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ ہندوستانی اخباروں میں یہ خبر بھی آرہی ہے کہ کابینہ وائسرائے سے ناخوش ہے۔ انڈین نیوز کرانیکل نے تو یہاں تک کہدیا کہ "وائسرائے مستعفی ہوجانے کی دھمکی دے رہے ہیں؟" اگرچہ یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے۔ اگر لندن سے جوائس، کابینہ کی یک جہتی اور ہم آہنگی کی مصدقہ خبریں اور یہ بھی کہ انڈیا میں وائسرائے کی آمد کے دس ہفتے کے اندر اندر سمجھوتہ کتنا یقینی ہوگیا ہے، بھیجتے رہیں تو حالات کی نزاکت کو قابو میں کیا جا سکتا ہے۔"

جناح نے قطعہ زمین کا جو مطالبہ پیش کیا ہے اس کا ردِ عمل اگرچہ دیر سے ہوا، لیکن ہوا ضرور۔ نزاعی مباحثوں کے شعلوں کو ہوا دی جارہی ہے اور کشیدگی بڑھتی جارہی ہے۔ ماونٹ بیٹن نے گذشتہ دو ماہ کے اندر اپنی شب و روز کی مساعی سے خیر سگالی کا جو جذبہ بیدار کیا تھا وہ اُن کے قیامِ لندن کی وجہ سے خاک میں مل رہا ہے۔ میں نے ورنن کو حسبِ ذیل مشورہ دیا:—

"پرشاد اور دیو (کانگریس کے سکریٹری) نے زوردار بیانات دیئے ہیں۔ پرشاد نے کہا ہے"۔ جناح کے مطالبوں پر ایک لمحہ کے لئے بھی توجہ دینا بیکار ہے۔" اور دیو کا خیال ہے کہ یہ مطالبے اس خوش فہمی میں پیش کئے گئے ہیں کہ برطانیہ اب بھی ان کی پشت پناہی کرے گا۔ ملک کو بہر حال ان چالوں سے دھولنا یا نہیں جا سکتا۔ قطعہ زمین کا مطالبہ ناقابلِ منظور ہے۔

"ڈان نے پرشاد اور دیو کے بیانات کی روشنی میں بڑا ہی اشتعال انگیز اداریہ لکھا ہے۔ عنوان ہے۔ "سب بکواس ہے"۔ اداریہ یوں شروع ہوتا ہے۔ "قطعہ زمین کا

مطالبہ کوئی نیا نہیں ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بارہا اس سوال کو اٹھایا ہے کیونکہ یہ مطالبہ پاکستان کے سیاق وسباق میں نہایت اہم ہے۔ اگر مضبوط، ٹھوس اور حقیقی پاکستان حاصل کرنا ہے تو اس کے مشرقی اور شمالی علاقوں کو مربوط کرنے کے لئے قطعہ زمین ناگزیر ہے۔ ہمیں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے پاکستان کی صورت میں اپنے مقصد عظیم کو پا لیا ہے اس طرح وہ پاکستان کے دونوں بازوؤں کو مربوط کرنے کے لئے قطعہ زمین بھی حاصل کرکے رہیں گے۔ مسٹر وکیو اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔

ہفتہ کو نہرو نے یونائٹڈ پریس آف انڈیا کو ایک انٹرویو دیا جو ان کی پہلی پریس کانفرنس ہے۔ انھوں نے کہا "مسٹر جناح کا حالیہ بیان قطعی غیر حقیقت پسندانہ ہے اور اس سے یہ بات عیاں ہے کہ وہ کسی قسم کا بھی سمجھوتہ نہیں چاہتے۔ قطعہ زمین کا مطالبہ لغو، مہمل اور عجیب و غریب ہے۔ ہم ہندوستان کی ایکائی کی تائید کرتے ہیں ساتھ ہی جو علاقے یونین سے الگ ہونا چاہیں یا اس میں رہنا چاہیں ان کو اس کا حق دیا جاتا ہے۔ ہم مجبور نہیں کرسکتے اگر اس بنیاد پر کوئی اور مطالبہ پیش کئے بغیر سمجھوتہ نہ ہوسکا تو پھر ہم ہندوستان کی ایکائی کے لئے آئین سازی اور اس پر عمل درآمد کرنے کا کام شروع کردیں گے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل۔ ۲۷ رمئی ۱۹۴۷ء

بروز نے جو اطلاعات بھیجی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلکتہ کے حالات دو ایک دن سے انتہائی نازک ہوتے جارہے ہیں۔ انھوں نے امرت بازار پتریکا کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نہرو ۲ رجون کو ایک نئی تحریک شروع کررہے ہیں اور یہ کہ وہ پُرامن سمجھوتہ پر پُرامید نہیں۔

میں اس مبینہ بیان کی صداقت کی جانچ پڑتال کررہا ہوں، لیکن تصدیق نہیں ہوسکی۔ فضا تشویش ناک ہوتی جارہی ہے۔ ایرک برٹیر نے مجھ سے کہا ہے کہ کلکتہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے اپنی اپنی چوکیاں پہلے ہی سے ٹھیک کرلی ہیں۔ کسی وقت بھی آگ کے شعلے بلند ہوسکتے ہیں۔

وائسرائے ہاؤس ۔ نئی دہلی

ہفتہ ۔ ۳۱ ر مئی ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن دہلی واپس آگئے ۔ آتے ہی انھوں نے اسٹاف کی میٹنگ طلب کی ۔ اب ہمارے اور فیصلہ کن کانفرنس کے بیچ میں صرف چند دن رہ گئے ہیں ۔ اس دوران میں ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ہو جائے گا ۔

آج اسٹاف کی دو میٹنگیں ہوئیں ۔ پہلی میٹنگ میں کو تول موجود نہ تھے ۔ ماؤنٹ بیٹن کی جسمانی اور ذہنی قوت بے پناہ ہے ۔ اُن کے چہرے پر نہ تو طویل سفر کی تھکن کے آثار ہی نظر آتے ہیں اور نہ لندن کی طویل مباحثوں سے وہ پژمردہ ہوئے ۔ بلکہ ان دنوں تو وہ پہلے سے زیادہ مستعد، سرگرم اور ہشاش بشاش ہیں اور اپنے اسٹاف کو ہدایتیں دے رہے ہیں ۔

گاندھی نے حال ہی میں اپنی پرارتھنا میں متحدہ ہندوستان کی باتیں کی ہیں جس کی وجہ سے ماؤنٹ بیٹن پریشان ہیں ۔ لیکن کولول اور مینن کا خیال ہے کہ گاندھی تقسیم کے پلان کی مخالفت نہیں کریں گے اور نہ اس کی راہ میں حائل ہوں گے ۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ذہن میں طے کر لیا ہے کہ جناح نے قطعۂ زمین کا جو مطالبہ پیش کیا ہے اُس پر وہ برہم ہونے کی بجائے ان سے اپنے افسوس کا اظہار کریں گے ۔ میرا کام پہلے سے زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے ۔ ماؤنٹ بیٹن برما اسٹار پارٹی کا انتظام اس دن کر رہے ہیں جس دن وہ ہندوستانی لیڈروں سے ملاقات کریں گے ۔ دونوں کاموں کے نشر و اشاعت کا کام تھکا دینے والا ہے ۔

گذشتہ ہفتے سے میں وزارت اطلاعات اور آل انڈیا ریڈیو کی لمبی لمبی کانفرنسوں میں الجھتا رہا ہوں ۔ ہم نے اشاعتی کام کے لئے ایک ایسا نقشہ تیار کیا ہے ۔ جو مجھے اُمید ہے قابلِ عمل ہوگا ۔ حکومت دولتِ برطانیہ کے اعلان کے متن کا ۲ ر جون کو جو اجرا ہونے والا ہے اُسی دن انڈین لیڈروں کی دونوں میٹنگوں اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کی میٹنگ کا کیونکہ بھی جاری کیا جائے گا ۔ ساتھ ہی ماؤنٹ بیٹن کے نشریۂ کا متن بھی پریس کو دینا ہے کیونکہ ساری دنیا میں ان کی آواز سُنی جائے گی ۔ ماؤنٹ بیٹن کی ہدایت کی روشنی

میں نہرو، جناح، بلدیو سنگھ اور غالباً اوکنلک سے بھی تقریریں کروائی جائیں گی۔ میں نے خود کو کامیابی اور ناکامی کے لئے تیار کر لیا ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار۔ یکم جون ۱۹۴۷ء

میں نے والدہ محترمہ کو مندرجہ ذیل مکتوب ارسال کیا۔

"ہم عظیم واقعات کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن منگل کو اختیارات کا جواہم اعلان کر رہے ہیں اس کی پبلسٹی کے منصوبوں کی تفصیلات پر آخری خط کھینچ رہا ہوں۔ فضا غم و غصہ کی وجہ سے تند و تیز ہے۔ اگر فیصلہ تقسیم ملک کا ہوا، جیسا کہ بہت حد تک طے پا چکا ہے، تو پھر فرقہ وارانہ فسادات کے آتش فشاں کا پھٹ پڑنا یقینی ہے۔ ایک چیز جو ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ قہر و غضب کے تیر ایک بھائی دوسرے بھائی کے خلاف چلا رہے ہیں اور برطانیہ دونوں بھائیوں یعنی ہندو اور مسلمان کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ محبوب بن گیا ہے۔ ایسی ہر دل عزیزی اور مقبولیت کی مثال پہلے کہیں نہیں ملتی۔

۲۰ فروری کو حکومت نے جو اعلان کیا ہے اس کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا ہے۔ کہ کانگریس ہائی کمان تقسیم ملک کو ناگزیر سمجھنے لگا ہے۔ لیکن گاندھی اپنی ذات کو اس تصور سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کے خلاف سخت برہمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کی ان مخالفتوں کا بہرحال کوئی وزن نہیں۔

نہرو اور ولبھ بھائی پٹیل جو عارضی حکومت میں کانگریس کے دو سب سے بڑے نمائندے ہیں اس شرط پر تقسیم ملک کو تسلیم کر رہے ہیں کہ جناح کے پاکستان کو مان لینے کے بعد وہ ان کی کسی بات پر بھی کان نہیں دھریں گے یا نہرو کے الفاظ ہیں۔ سر کاٹ کر ہمیں درد سر سے نجات مل جائے گی۔ وہ اپنے اس خیال پر حق بجانب بھی ہیں کیونکہ جناح کی اشتہا بڑھتی ہی جائے گی جیسا کہ مشرقی و مغربی پاکستان کو ملانے کے لئے قطعۂ زمین کے مطالبہ سے ظاہر ہے۔ تقسیم ملک سے جو بھی بھیانک نتائج کیوں نہ نکلیں، یہ قدم دونوں پارٹیوں کی رضامندی سے اُٹھایا گیا ہے۔ بلاشبہ تقسیم ملک ایک المیہ ہے، لیکن بدترین المیہ یہ ہوگا اگر غیر منقسم ہندوستان کے تصور کو دس کروڑ مسلمانوں پر زبردستی مسلّط کرنے کی کوشش کی گئی۔"

باب ۹

پلان کی منظوری

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر۔ ۲ر جون ۱۹۴۷ء

وہ عظیم لمحہ آپہنچا جس کا انتظار تھا۔ سارے لیڈر اپنی امریکی کاروں میں شمالی کورٹ کی سمت آنے لگے۔ میں وائسرائے کی مطالعہ گاہ میں تھا۔ اس مطالعہ گاہ کی فضا قطعی غیر رسمی ہے۔ اس کے دروازوں اور دیواروں پر ہلکے سبز رنگ کی پالش کی گئی ہے۔ بڑے کمرے کے دروازے کے ٹھیک اوپر کلائیو کی جو تصویر آویزاں ہے وہ "راج" کی اُبھرتی ہوئی عظمت کو نگاہِ حقارت سے دیکھ رہی ہے۔ جناح سب سے آخر میں چند منٹ دیر سے تشریف لائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے مختصر دوستانہ گفتگو کر کے فضا کو دوستانہ بنانا چاہا لیکن فضا اتنی ہنگامہ خیز تھی، یہ بات ممکن نہ ہو سکی۔ کرپلانی کو شامل کرنے کا مسئلہ اس طرح حل کیا گیا کہ مسلم لیگ کے رکن سردار عبدالرب نشتر کو بھی شامل کر لیا گیا۔ جناح نے یہی شرط رکھی تھی۔ چنانچہ پانچ بڑوں کی بجائے اب سات بڑوں سے ماؤنٹ بیٹن کی ملاقات ہوئی۔

ماؤنٹ بیٹن میٹنگ کی کارروائی کو جلد از جلد شروع کرنا چاہتے تھے۔ تصویریں لینے کے لئے صرف گورنمنٹ آف انڈیا کے فوٹو گرافرز کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس رویہ سے ہندوستانی اور غیر ملکی فوٹو گرافرز نہ صرف مشتعل ہو گئے بلکہ سارے فوٹو گرافر سکیس ڈسفر کی قیادت میں

" واک آؤٹ " بھی کر گئے ۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے سب کے دستخط سے ایک احتجاج نامہ بھی مجھے پیش کیا ۔ مجھے اُن کی شکایات منظور ہیں ۔ کل اُن کی شکایتوں کو دُور کردوں گا۔

کانفرنس ٹھیک دو گھنٹے جاری رہی ۔ ورنن کی اطلاع کے بموجب ماؤنٹ بیٹن نے اپنے تکلم کا سارا اعجاز صرف کردیا۔ اُنھوں نے روزمرہ کے واقعات وحالات کا مدلل جائزہ لیا ان کے ابتدائی فقرے لیڈروں کے لئے تازیانہ ثابت ہوئے ۔ انھوں نے کہا کہ گذشتہ پانچ سال میں میں نے اُن اہم میٹنگوں میں شرکت کی ہے ۔ جن میں جنگ کی قسمت کا فیصلہ کیا گیا لیکن مجھے یاد ہے کہ آج کی میٹنگ کی طرح ان میٹنگوں میں ایسے کوئی فیصلے نہیں کئے گئے جو دنیا کی تاریخ میں اثر انداز ہوئے ہوں ۔ انھوں نے اس بات کی وضاحت کردی کہ وہ ہندوستانی لیڈروں کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا رہے ہیں ۔ انھوں نے وہی کچھ کیا جو لیڈروں کی گفتگو سے ظاہر ہوا ۔ یہ لیڈر موجودہ غیریقینی فضا کو ختم کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اختیارات جتنے جلد منتقل کئے جائیں اُتنا ہی اچھا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ میں نے آخری بار کیبنٹ مشن پلان میں جان ڈالنا چاہا تھا لیکن جب جناح نے مسترد کردیا تو پھر نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق میں تقسیم ملک کا فارمولا پیش کرنے پر مجبور ہوگیا ۔ کانگریس تقسیم ہند کے اصول پر رضامند تو نہ ہوئی ، لیکن اس نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر تقسیم ہند ناگزیر ہے تو پھر صوبوں کی بھی تقسیم کردی جائے ، تاکہ مسلم یا ہندو اکثریت کے علاقوں کے جبرو استبداد اپنی موت آپ مرسکیں ۔ جناح نے صوبوں کی تقسیم کی سختی سے مخالفت کی ، وہ صرف تقسیم ہند کے مطالبے پر اڑے رہے ۔ انھوں نے کہا کہ پلان لندن میں پارٹی مسئلہ نہیں بنا ۔ انھوں نے سکھوں کی پوزیشن پر اپنے دکھ کا اظہار کیا اور استصواب رائے کی اس تجویز کو کہ کلکتہ "فری پورٹ" بنا دیا جائے پیش کیا۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی مخصوص ہوشیاری کے ساتھ پلان کے پیراگراف ۲ بعنوان " فوری انتقال اختیارات " کو پیش کیا اور درجۂ نوآبادیات کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ ہندوستان میں رکنا نہیں چاہتا ، بلکہ وہ تو جلد از جلد اپنی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہونا چاہتا ہے لیکن برطانوی تعاون یا امداد کی ضرورت اب بھی محسوس کی گئی تو برطانیہ اس کے لئے تیار ہے ۔

پلان کی کاپیاں تقسیم کردی گئیں تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا ۔ " مجھے امید ہے کہ اگر میں آپ سب کے تعاون کی درخواست کروں تو آپ اپنے ضمیر کی آواز کی خلاف ورزی بھی کرسکتے

ہیں ۔ میری صرف یہ درخواست ہے کہ آپ لوگ پر امن طور پر پلان کو منظور کر لیں "۔ نہرو نے جب منظوری اور سمجھوتہ کی مزید صراحت چاہی تو ماؤنٹ بیٹن نے فوراً کہا ۔ سمجھوتہ کا مطلب یہ ہے کہ صحیح اصول کو کام میں لایا جا رہا ہے لیکن میں فریقین کے اُصول کے خلاف بھی جا سکتا ہوں اس لئے میں مکمل سمجھوتہ کا مطالبہ نہیں کر رہا ہوں ۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ پلان کو منظور کر کے یہ یقین دلا دیں کہ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے پلان مناسب اور معقول ہے ۔ نہرو نے کہا کانگریس کسی حال میں پلان کو مکمل طور پر منظور نہیں کر سکتی ۔ البتہ اس کے زیادہ تر حصے کو منظور کرتی ہے ۔ نشتر نے اس منطقی بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ پلان کی منظوری کا مطلب ہی دراصل اس بات سے سمجھوتہ اور اتفاق ہے کہ اسے زیر عمل لایا جائے گا ماؤنٹ بیٹن نے نشتر سے اتفاق کیا ، اور اس وقت یہ اندازہ لگا لیا گیا کہ جنگ جیتی جا چکی ہے ۔

اس کے بعد جناح نے بتایا کہ وہ قائد اعظم ہونے کے باوجود اپنے طور پر فیصلہ کیوں نہیں دے سکتے ۔ انھوں نے کہا کہ میں تجاویز کی اسپرٹ کی قدر کرتا ہوں لیکن مجھے اور مجلس عاملہ دونوں کو آخری فیصلہ کرنے سے پہلے عوام کا نقطۂ نظر بھی معلوم کرنا ہوگا ۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ایسے بھی مواقع آتے ہیں جب لیڈروں کو عوام کا نقطۂ نظر معلوم کئے بغیر اہم فیصلے کرنے پڑتے ہیں ۔ حالات کے مطابق اگر فیصلہ پہلے کر لیا جائے اور بعد میں عوام اس کی تصدیق کر دیں تو یہ طریق کار قطعی جمہوری ہوگا ۔

جناح تقریباً فیصلہ دے چکے تھے ۔ اُنھوں نے کہا کہ میں عوام کے سامنے پلان کو پیش کروں گا ، لیکن اس نیت کے ساتھ نہیں کہ اس کی مخالفت میں آوازیں بلند کروائی جائیں بلکہ اس اُمید میں کہ وہ کسی طرح اسے منظور کر لیں ۔ اُنھوں نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا ۔

ماؤنٹ بیٹن نصف شب تک کانگریس اور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اور سکھوں کا ردِ عمل معلوم کرنا چاہتے تھے ۔ کرپلانی اور بلدیو سنگھ رضامند ہوئے لیکن جناح نے کہا کہ وہ تحریری طور پر مجلس عاملہ کی آرا نہیں بھیج سکتے ۔ البتہ وہ خود آ کر وائسرائے سے ملیں گے اور زبانی رپورٹ پیش کریں گے ۔ ماؤنٹ بیٹن کو اطمینان ہو گیا ۔

ماؤنٹ بیٹن کے سر پہ کامیابی کا مزید سہرا یوں بھی چڑھا کہ انھوں نے آل انڈیا ریڈیو سے نشری تقریر کے لئے نہرو ، جناح اور بلدیو سنگھ سے رضامندی لے لی تھی ۔ طے یہ پایا تھا ۔ کہ

ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے بعد نہرو، جناح اور بلدیو سنگھ تقریریں کریں گے۔ ماؤنٹ بیٹن نے صبح تک ان کی نشری تقریر کا مضمون دیکھنے کی بھی خواہش ظاہر کی۔ پٹیل جواب تک کم سخنی پر عمل پیرا تھے۔ مسکراتے ہوئے بولے کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ نشری تقریر نشر ہونے سے پہلے اطلاعات کے معزز رکن کے سامنے پیش کی جائے۔ جناح نے لبوں پر مسکراہٹ لائے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ میں اپنی تقریر میں وہی کہوں گا جو میرے دل کی آواز ہوگی۔

ماؤنٹ بیٹن نے جس فراست و ہوشیاری اور جس باکمال صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ ورنن نے مجھ سے کہا کہ وہ ہر وقت چوکنے سے رہتے اور بحث وتمحیص کو دریافت طلب مسائل کے اندر ہی رکھتے۔ شروع میں فضا انتہائی نازک تھی۔ لیکن اُن کی تقریر نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔ دلوں میں خیر سگالی کے جذبے پیدا ہوئے اور ذہنوں میں ہوشمندی اور فہم وادراک کی شعاعیں اُبھریں۔ حتیٰ کہ مسٹر جناح کی سرد مہری اور درشتی بھی ماؤنٹ بیٹن کی کامیابی میں آڑے نہ آسکی۔

جیسا کہ پہلے طے پایا تھا ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے رُک جانے کے لئے کہا۔ مقصد یہ تھا کہ ماؤنٹ بیٹن پلان کے بارے میں جناح کی نیت معلوم کرنا چاہتے تھے لیکن جناح نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اب ساری باتوں کا انحصار نصف شب کو اُن کی ملاقات پر تھا۔

ساڑھے بارہ بجے مہاتما تشریف لائے۔ ایک لحاظ سے وہ تمام کارروائیوں میں شریک رہے ہیں۔ لیکن تقسیم ملک سے متعلق ان کا ردِعمل نہیں معلوم ہوسکا۔ ہر طرف اس بات کا خوف اور اندیشہ پایا جارہا تھا کہ کہیں وہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر نہ صرف پلان کی مخالفت شروع کردیں بلکہ ہندوستان کی تقسیم کے خلاف اپنا آخری فیصلہ بھی صادر کردیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس انٹرویو کا بڑے ہی اضطراب اور بے چینی سے سامنا کیا۔ اس وقت ان کے استعجاب اور بے اطمینانی کا اندازہ لگائے بغیر مہاتما نے متعدد استعمال شدہ لفافوں کی پشت پر اور کاغذ کے دوسرے ٹکڑوں پر یہ لکھ کر بتادیا کہ وہ آج یوم خاموش منارہے ہیں۔

جب انٹرویو ختم ہوگیا تو ماؤنٹ بیٹن نے کاغذ کے سارے ٹکڑے جمع کرلئے تاکہ یہ کاغذات بھی ان کی تاریخی یادگاروں میں اضافہ کا سبب بن سکیں۔ ان ٹکڑوں پر مہاتما نے لکھا تھا: "مجھے افسوس ہے کہ میں بات نہیں کرسکتا۔ پیر کے دن خاموشی اختیار کرنے کا جب میں نے فیصلہ کیا تھا تو دو باتیں مستثنیٰ رکھی تھیں۔ اہم معاملات میں یا مریضوں کے ساتھ

گفتگو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ میری خاموشی کو توڑنا نہیں چاہیں گے۔ کیا اپنی تقریروں میں کبھی میں نے آپ کے خلاف ایک لفظ بھی استعمال کیا ہے؟ اگر آپ مانتے ہیں کہ میں نے ایسا کبھی نہیں کیا تو آپ کی وارننگ فضول ہے۔ دو ایک باتیں ایسی بھی ہیں جن پر میں اظہار خیال کروں گا، لیکن آج نہیں —— آئندہ ملاقات میں۔ اگر ہم ملے"۔

اس عجیب وغریب ضابطہ میں سیاسی نفس کشی اور ضبط نفس کا عمل پوشیدہ ہے۔ اس اہم میٹنگ کے بعد جب میں پریس کمیونکے کے سلسلہ میں ماؤنٹ بیٹن سے مختصر گفتگو کے لئے اندر گیا تو مجھے بھی چھوٹی گول میز پر سے ایک تاریخی نشانی ملی۔ وہ دراصل ایک کاغذ تھا جس پر مسٹر جناح کے تحت الشعور سے ان کی عظیم الشان سیاسی فتح کے لمحے کچھ پھوٹ پڑے تھے۔ میں نفسیات کا ماہر نہ سہی لیکن اس میں مجھے شان وعظمت اور اقتدار واختیار کی علامتیں نظر آئیں۔

چار بجے اسٹاف کی میٹنگ ہوئی اور میں نے "تقسیم ملک کے انتظامی نتائج" کا بغور مطالعہ کیا۔ یہ فل اسکیپ کے تیس صفحات پر پھیلی ہوئی معرکہ آرا دستاویز ہے۔ اس کا بیشتر حصہ جون کرسٹی نے تیار کیا ہے۔ آنے والی نسل یقیناً یہ نہیں کہے گی کہ ہم نے انتظامی امور پر استخفاف کر کے سیاسی جواب معلوم کیا ہے۔ اسٹاف میٹنگ ختم نہیں ہوئی تھی کہ یکے بعد دیگرے نامہ نگاروں سے ملنا پڑا۔ میں نے اپنے چہرے کو پُر اُمید تو بنایا لیکن ذرا ہوشیاری سے کیونکہ پیالی اور لب کے درمیان کی لغزش ہندوستانی سیاست کے لئے خطرۂ عظیم ہے۔

برما اسٹار پارٹی میں شرکت کے لئے میں نے ٹھیک وقت پر نامہ نگاروں سے گفتگو ختم کی۔ گلستان مغل میں یونیفارم کی بہاریں آئی ہوئی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن بش شرٹ میں تھے۔ انھوں نے کبھی مائیکروفون پر اور کبھی اس سے ہٹ کر تقریر کی—تقریر میں سوائے جنوب مشرقی ایشیا کمان کی یاد رفتہ کے اور کچھ نہ تھا۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۳ر جون سنہ ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے اپنا کام اسٹاف کی میٹنگ سے شروع کیا۔ اس میٹنگ میں انھوں نے

جناح کے ساتھ اپنی نصف شب کی ڈرامائی ملاقات کی روداد بیان کی۔ چونکہ جناح نے صاف صاف انکار کر دیا تھا، وہ پلان کے بارے میں تحریری جواب نہیں دیں گے اس لئے گواہ کے طور پر اسمے بھی ماؤنٹ بیٹن کے پاس بیٹھ گئے۔ جناح نے وہی کچھ دہرایا جو صبح کو کانفرنس میں کہہ چکے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ان پر خاصا دباؤ ڈالا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اُنھوں نے صرف اتنا یقین دلایا کہ وہ مسلم لیگ کونسل سے پلان کو منظور کرانے میں ہر ممکن آئینی قدم اُٹھائیں گے۔ اُنھوں نے مجلس عاملہ کی حمایت کا بھی یقین دلایا۔

ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے کہا کہ کانگریس پارٹی اُن کی اس چال کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ انھوں نے جناح کو متنبہ کیا کہ نہرو، کرپلانی اور پٹیل صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ اگر مسلم لیگ نے ایک ہی وقت میں کانگریس کے ساتھ ساتھ پلان کو منظور نہیں کیا تو ایسی صورت میں وہ پلان کو مسترد کر دیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن کی یہ وارننگ بھی بے اثر ثابت ہوئی۔ انھوں نے ایک بار پھر کہا کہ وہ پوری مسلم لیگ کونسل کی اتفاق رائے کے بغیر اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرنے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ چند روز اور وہ کونسل کی میٹنگ طلب نہیں کر سکتے۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔۔ "اگر آپ کا رویہ یہی ہے تو کانگریس پارٹی اور سکھوں کے لیڈرز صبح کو آخری منظوری دینے سے انکار کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انتشار پھیل جائے گا اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ پاکستان سے ہاتھ دھو لیں گے۔"

جناح نے کندھوں کو جنبش دیتے ہوئے صرف اتنا جواب دیا۔ "تو پھر، تو پھر۔"

ماؤنٹ بیٹن بولے۔۔ "مسٹر جناح! میں نہیں چاہتا کہ سمجھوتے پر جو کچھ کام ہوا ہے آپ اُسے تہس نہس کر دیں۔ چونکہ آپ مسلم لیگی ارکان سے منظوری لئے بغیر اس پلان کو منظور نہیں کر رہے ہیں اس لئے میں اُن سے نمٹ لوں گا۔ میں اُن سے یہ کہنے کا خطرہ اپنے سر لوں گا کہ آپ نے جو یقین دلایا تھا میں اُس سے مطمئن ہوں۔ اگر آپ کی کونسل نے سمجھوتے کی توثیق نہ کی تو اس کا الزام مجھ پر ڈال دیجئے۔ میری صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں صبح کی میٹنگ میں یہ کہوں کہ "مسٹر جناح نے مجھے یقین دلادیا ہے اور میں مطمئن ہوں"، تو آپ کسی حال میں اس کی تردید نہ کریں۔ بلکہ جب میں آپ کی طرف دیکھوں تو آپ صرف اثبات میں سر ہلا دیجئے۔" ماؤنٹ بیٹن کا آخری سوال تھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔" اگر میں

ایٹلی کو یہ مشورہ دوں کہ وہ کل اعلان کر سکتے ہیں ؟" اس سوال کا جواب انھوں نے اثبات میں دیا۔ اس آخری یقین دہانی پر ماؤنٹ بیٹن اور اسمے دونوں نے اطمینان کی سانس لی کہ جناح نے بالواسطہ پلان کو تسلیم کر لیا ہے۔

جناح کے رخصت ہونے کے فوراً بعد کرپلانی کا مکتوب موصول ہوا۔ ویسے تو بعض شرائط رکھی گئی ہیں۔ لیکن کانگریس کی پوری مجلس عاملہ کی طرف سے پلان کی منظوری لے لی گئی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن راضی ہو گئے کہ کل جن فوٹو گرافروں نے احتجاج کیا تھا انھیں آج لیڈروں کی تصویریں لینے کے لئے مدعو کیا جائے۔ انھوں نے کل کی خاموش فضا کے مقابلہ میں آج ماحول کو اپنی ظرافت سے لالہ زار بنا دیا۔ انھوں نے کہا کہ ایک طرف تو سارے لیڈر اپنے اپنے سخت کام میں مصروف تھے۔ دوسری طرف فوٹو گرافرز کا ایک طبقہ دھرنا دے کر بیٹھ گیا تھا اور ہڑتال کر دی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ اب یہ لیڈران دوسری بار ان فوٹو گرافروں کو آزمائش میں مبتلا نہیں کریں گے۔ یہ سُن کر جناح بھی اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اسٹاف میٹنگ میں بتایا کہ کل رات جناح تشریف لائے تھے انھوں نے سر ہلا کر اپنی منظوری دیدی۔ اس کے بعد انھوں نے تین پارٹیوں کی طرف سے پلان کے مختلف حصص پر کئے گئے اعتراضات سنائے، لیکن یہ سارے اعتراضات بڑی آسانی سے دور کر دیئے گئے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہر پارٹی نے کوئی نہ کوئی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن یہ تجویزیں ایسی نہیں تھیں۔ کہ کسی ایک پارٹی کو بھی قابلِ قبول ہوتیں۔ اِس لئے وہ میٹنگ میں زیر بحث نہیں لائے۔ چنانچہ انھوں نے تمام لیڈروں سے اُن کی رضامندی لے لی اور اس طرح متنازعہ فیہ مسئلہ قریب قریب حل ہو گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اب سرکاری طور پر پلان کا اعلان کر دیا جائے گا اور کوئی لیڈر اس پر اعتراض نہیں کرے گا۔

ان تمام باتوں کے پیشِ نظر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا کام بخیر و خوبی انجام پا جائے گا لیکن جب ماؤنٹ بیٹن نے روشن مستقبل کی تعمیر کے لئے ماضی کی تلخ باتوں کو دفن کر دینے اور چھوٹے چھوٹے لیڈروں کو اعتدال پسند بننے کی درخواست کی تو لیاقت اپنے جذبات کو نہ روک سکے اور بول اٹھے کہ چھوٹے لیڈروں سے کہیں زیادہ اونچے اور اعلیٰ لیڈروں کو اعتدال پسند بننے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کہا "گاندھی کو پرارتھنا کے جلسوں میں دیکھئے" اس فقرے سے پُرانی اور دبی ہوئی تلخیاں پھر ابھر آئیں۔

جناح نے کنایتہً کہا کہ گاندھی لوگوں کو من مانی کرنے پر اُبھار رہے ہیں اور انھیں اس کانفرنس کے لیڈروں کی بجائے دوسرے عہدے داروں پر تکیہ کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ اس پر کرپلانی نے جواب دیا کہ گاندھی کا ہر عمل عدم تشدد کے لئے وقف ہے اور پٹیل نے کہا کہ گاندھی کو اُس فیصلے سے جو یہاں کیا جائے گا اتفاق ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس خطرناک بحث وتمحیص کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ اس موضوع پر خاصا اظہارِ خیال ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے ڈرامائی انداز سے متحیر لیڈروں کے سامنے تقسیم ملک کے انتظامی نتائج کا پلندہ ایک دھماکے کے ساتھ میز پر رکھا۔ یہ دستاویز فل اسکیپ کے ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اب تمام لیڈروں کے سامنے ان کے سیاسی فیصلے کے حقائق آگئے تھے۔ اُن کے لئے یہ بڑے ہی جانگسل اور قیامت خیز لمحے ثابت ہوئے۔ اس بار پھر جنبش لب سے رائی کا پہاڑ بن گیا۔ ہوا یہ کہ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز رکھی کہ "کابینہ کے جلسے" میں پیش کرنے سے پہلے کاغذات کو اِدھر اُدھر سے دوبارہ زیرِ غور لایا جائے گا۔ اس پر لیاقت اور جناح نے اعتراضات کئے۔ انھوں نے سمجھا کہ 'کابینہ' کا مطلب "برطانیہ عظمٰی کی کابینہ" ہے۔ کافی دیر کے بعد یہ واضح ہو سکا کہ جناح اور لیاقت کا کیا مطلب تھا۔ بعد میں جناح نے اپنی غلط فہمی کو تسلیم کیا اور کہا "تو آپ کو کہنا چاہیے تھا وائسرائے کی اکزیکٹو کونسل۔ ہر بات کو واضح الفاظ میں بیان کرنا چاہیے۔" ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جناح کا ذہن ہمیشہ آئینی اصطلاح میں سوچا کرتا تھا۔

لیاقت نے سوال کیا کہ کیا اس مسئلے کو تقسیم ملک کی بین پارٹی کمیٹی میں اکثریتی آرا سے حل کیا جائے گا۔ جیسا کہ دستاویز سے ظاہر ہے۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن بولے۔ "نہیں اس سلسلے میں جو بھی مناسب قدم ہوگا اُٹھایا جائے گا۔ اب جب کہ تقسیم ملک کا مسئلہ حتمی طور پر حل ہو چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مباحثوں میں نیا ولولہ اور جوش پیدا ہوگا۔" لیاقت نے فوراً کہا۔ "سوال نئے ولولے اور جوش کا نہیں ہے۔ ابھی تو مسلم افواج کی تقسیم کے نازک سوال پر اختلاف رائے باقی ہے۔"

بہرکیف فوراً طے پایا کہ مسلم افواج کی تقسیم شہریت کی بنیاد پر ہو۔ جناح نے پورے اعتماد سے کہا کہ میں پاکستان میں فرقہ وارانہ اختلافات کو پھلنے پھولنے نہیں دوں گا اور جو لوگ بھی، خواہ مذہب کوئی بھی ہو، وہاں رہیں گے اُن کو پورے شہری حقوق حاصل ہوں گے۔

چار بجے ریاستوں کی گفت وشنید کی کمیٹی کے ممبران کونسل چیمبر میں جمع ہوئے

انھیں آج شب کے سرکاری اعلانات اور تقاریر پیشگی دیدی جائیں گی۔ بیضوی میز کے چاروں طرف مندرجہ ذیل والیانِ ریاست اور اُن کے مشیر تشریف فرما تھے :- ہز ہائی نس آف بھوپال، پٹیالہ، ڈونگاپور، نوانگر، اور بلاسپور۔ سر مرزا اسماعیل دیوان آف حیدرآباد، سر بی ایل مترآف بروودا۔ سر راما سوامی مدا لیرآف میسور۔ کاک آف کشمیر۔ سر ی نیوآسن آف گوالیار۔ سر سی پی راما سوامی آیئر آف ٹراونکور۔ سر وی ٹی کرشنہ اچاری آف جے پور۔ پانیکر آف بیکانیر۔ ان کے علاوہ چیمبر آف پرنسس کے دو نمائندے سر سلطان احمد اور ڈی. کے. سین بھی موجود تھے۔

یہ بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ ہندوستان کے اتنے بڑے بڑے اور اعلیٰ دماغ ریاستوں کے وزرا اعظم ہیں۔ ان میں سے نصف اعلیٰ پایہ کے قانون داں ہیں جو ان والیانِ ریاست کو اس نازک وقت میں آیئنی مشورے دے رہے ہیں۔ والیانِ ریاست سے ان کا رشتہ بہت حد تک بیرسٹر کا سا ہے جو مفید مشورے اور ہدایتیں دیتا رہتا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے والیانِ ریاست اور اُن کے نمایندوں کے سامنے بھی اپنی دانائی و فراست کا زبردست ثبوت دیا انھوں نے پلان کا مقصد بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اس کی وجہ سے ریاستوں پر کیا اثر پڑے گا۔ والیانِ ریاست یہ جاننا چاہتے تھے کہ کیا دولتِ برطانیہ عظمیٰ اختیارات سپرد کرنے سے پہلے اپنا اقتدار ختم نہیں کر سکتی تاکہ اس کی جگہ جو حکومتیں بنیں گی اُن کے ساتھ وہ سودا بازی کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے میٹنگ میں حقیقت اور سچائی کے جذبے کو بیدار کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کردی۔ انھوں نے کہا کہ دو نئی مملکتوں کے وجود کا مطلب ہے دو مضبوط مرکزی حکومتوں کا قیام۔ کیونکہ دو مملکتوں کے لئے ایک مرکز جو کمزور ہوگا کام نہیں کر سکتا۔ انھوں نے درجۂ نوآبادیات کی اہمیت کو پھر محسوس کرایا۔ ان کے خیال میں درجۂ نوآبادیات نہ صرف دو اکثریتی فرقوں کا تحفظ کر سکتا تھا بلکہ یہ ان والیانِ ریاست کے لئے ایک قسم کی تلافی ہوتا جو برطانیہ کے اتنے پکے وفادار اور دوست رہے ہیں۔ انھوں نے بہرکیف ان کو مشورہ دیا کہ فیصلہ جو بھی ہو وہ آئندہ دس سالوں پر نگاہ رکھیں اور اُس کی روشنی میں یہ دیکھیں کہ اُس وقت ہندوستان اور دنیا کی پوزیشن میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔

ادھر یہ میٹنگ ہو رہی تھی اور اُدھر میں آل انڈیا ریڈیو کے ساتھ عالمی ٹرانسمیشن پتھول

برطانیہ وامریکہ کے سلسلے میں مصروف تھا۔ میرا خیال ہے کہ جاپان کے ہتھیار رکھدینے کے بعد سے ایشیا میں آج تک اتنا اہم واقعہ پیش نہیں آیا جتنا کہ آج کے دن کا اہم اعلان سننے کے لئے پریس اور ریڈیو منتظر ہیں۔

آج صبح درجۂ نوآبادیات کا راز کسی طرح انڈین پریس کو معلوم ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن کو اس افشائے راز سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا بلکہ اُنھوں نے محسوس کیا کہ یہ اطلاع یقیناً درد میں مرہم کا کام کرے گی۔ بہرحال اعلان کے صحیح متن کی اشاعت کے سلسلے میں میں ہوشیار ہوگیا۔

ان حالات سے نبردآزما ہونے کے لئے میں نے ہندوستان کے ڈپلومیٹک نمائندوں کے ذریعہ بیک وقت مغربی اور مشرقی کرۂ ارض میں اعلان کی اشاعت کا انتظام کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے ماؤنٹ بیٹن کی ریڈیائی تقریر بھی نشر ہونے سے تین گھنٹہ پہلے پریس کو بھیج دی۔ ساتھ ہی ہدایت بھی کردی تھی کہ تقریر نشر ہونے سے پہلے کسی شکل میں بھی اس کی اشاعت ممنوع ہے۔ میرا آخری حربہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ نہرو، جناح اور بلدیو سنگھ کی تقریروں کا متن نشر ہونے سے کچھ ہی پہلے موصول ہوا تھا۔ لہٰذا اگر ماؤنٹ بیٹن کی تقریر بھی روک لی جاتی تو بیک وقت تمام تقریروں کی اشاعت میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔

ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ میں بھی آل انڈیا ریڈیو گیا۔ افسران کھڑکیوں اور بالکنی سے جھانک رہے تھے۔ عمارت کے دروازے کے چاروں طرف لوگوں کا مختصر سا ہجوم بھی نظر آیا۔ نئے جو بالکنی میں تھے بعد میں مجھ سے بولے کہ جب ہم عمارت میں داخل ہورہے تھے کہ کچھ سادھوؤں نے جو چمکیلی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے نعرے لگانا شروع کئے۔ ہمارے پیچھے پیچھے پولیس کی جو گاڑی آرہی تھی اس میں ان سادھوؤں کو بند کردیا گیا۔ یہ سبب کچھ اس صفائی سے کیا گیا کہ وہ ہندوستانی بھی جو وہاں موجود تھے ہنسی ضبط نہ کرسکے۔ یہ سادھو ملک کے مختلف حصوں سے آئے تھے اور انھوں نے جمنا کنارے خیمے لگا رکھے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تقسیم ملک سے ہندوؤں کے رسم ورواج اور آئین حیات کو جو نقصان پہنچے گا اس کے خلاف احتجاج کیا جائے۔

چند سکنڈ آواز کی جانچ میں لگے اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے آہستہ آہستہ لفظوں پر زور دے دے کر تقریر شروع کی۔ ان کی یہ تقریر اُس تیز و تند اور شعلہ انگیز تقریر سے

قطعی مختلف تھی جو کبھی محفلوں میں میں سن چکا ہوں۔ تقریر بے حد چپی تلی اور خطابت سے پُر تھی۔ لیکن کہیں بھی مبالغہ کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ اُنھوں نے اپنی اس تقریر سے دلوں کو مسخر کر لیا۔ فتح و کامرانی کا تاج اُن کے سر پر جگمگا رہا تھا۔

تقریر ختم ہوتے ہی ماؤنٹ بیٹن ملحق اسٹوڈیو میں تشریف لے گئے جہاں نیوز ریل کیمرہ مین پہلے ہی سے موجود تھے۔ کیمرہ مین ایسی تصویر لینا چاہتے تھے کہ اُن کے لب واقعی ہل رہے ہوں۔

اس کے بعد نہرو کی تقریر شروع ہوئی۔ ان کی تقریر کی اثر آفرینی کا میں قائل ہو گیا ان کی تقریر میں نہ تحکم اور غرور تھا نہ عذر و معذرت۔ اس میں دراصل غم و اندوہ کی جھلکیاں تھیں جو کامیابی کے دامن سے چپک گئی تھیں۔ درحقیقت یہ فتح ایسی تھی جس میں محرومی شکست اور ناکامی بھی پوشیدہ تھی۔ غالباً نہرو کی عظیم ترین قوت کا راز اس میں مضمر تھا کہ وہ بلندیوں تک پہنچنے کے باوجود بے لوثی، بے تعصبی اور غیر جانب داری پر گامزن رہے۔ ان کے اندر جو فن کارانہ عالم ہے وہ ہمیشہ نمایاں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس نازک ترین لمحے میں بھی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل ہی گئے۔ "ہم چھوٹے لوگ عظیم مقصد کے حصول کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ چونکہ مقصد عظیم ہے اس لئے اس عظمت کا تھوڑا سا حصہ ہمارے شانوں پر بھی رکھا گیا ہے"۔

اس کے بعد جناح آئے۔ مسلم لیگ میں مناظرہ اور منطقی بحث کے جو ماہرین ہیں اُنھوں نے مجھے بتایا کہ جناح کی تقریر شاہکار ہوگی۔ لیکن تقریر کے اختتام کے بعد کسی نے مجھ سے کہا۔ "یہ وہ زبان ہے جو بازار میں بھی سمجھی جائے گی۔ اس کا مطلب ہے امن اور صلح"۔ مجھے اس تقریر میں کوئی سحر نہ ملا۔ اس موقع پر میرے نزدیک وہ اس معیار سے بھی گر گئے تھے جو ان کی پچھلی تقریروں کا ہوا کرتا تھا۔

تقریر کے ابتدائی حصہ میں اُنھوں نے درپردہ ان حکام پر تنقید کی جنھوں نے اس سے پہلے ان کو غیر سرکاری فرد کی حیثیت سے نشریہ کی سہولتیں بہم نہیں پہنچائی تھیں — "مجھے امید ہے کہ مستقبل میں آپ تک اپنے نظریہ اور خیال کو پہنچانے میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں میسر ہوں گی۔ میری آوازیں براہِ راست آپ کے دلوں تک پہنچیں گی اور اخباروں کے سرد حروف کے مقابلے میں ان آوازوں سے آپ کو حرارت اور گرمی ملے گی"

اس کے بعد انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ۔ "میں محسوس کرتا ہوں کہ وائسرائے نے مختلف طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو کر جاں بازی کا ثبوت دیا ہے ۔ میرے ذہن میں ان کی جاں بازی کا جو تاثر پیدا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے انتہائی غیر جانب داری اور مساوی برتاؤ کا مظاہرہ کیا ہے ۔ اب اس کی ذمہ داری ہم پر ہے کہ ہم ان کے کام کو سہل بنائیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے ۔ ان کے مشن کو کامیاب بنانے میں ان کی مدد کریں تاکہ وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ ہندوستانی عوام کے ہاتھوں میں اختیارات منتقل کر سکیں ۔"

انھوں نے بڑی چابک دستی اور ہوشیاری سے اپنی نیت واضح نہیں کی ۔ البتہ ان کی تقریر سے واضح ہو گیا کہ وہ پلان کو منظور کر چکے ہیں ۔ غالباً ان الفاظ میں پہیلی چھپی ہوئی تھی ۔ "دولتِ عظمیٰ برطانیہ نے جو پلان پیش کیا ہے اس کا انحصار ہم پر ہے، کہ ہم اسے سمجھوتہ کے طور پر منظور کریں یا تصفیہ کے طور پر ۔" نہرو کی تقریر کے آخری الفاظ تھے "جے ہند" اور جناح کے تھے ۔ "پاکستان زندہ باد" آخری الفاظ انھوں نے اس طرح ادا کئے کہ چند سامعین سُن کر چونک پڑے ۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ قائد اعظم نے اپنی پُر عظمت وشان ہواؤں میں شامل کرتے ہوئے اس طرح تلفظ ادا کیا ۔ "پاکستان اِن دی بیگ"!

بلدیو سنگھ سب کے اخیر میں آئے ۔ اس کے باوجود کہ تقسیم ملک سے سکھوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور ان میں جذبات کی تلخیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے بلدیو سنگھ کے الفاظ میں فصاحت اور ہمت تھی ۔ انھوں نے ہندوستان کی دفاعی فوجوں سے تنظیم کے معیار کو اونچا رکھنے کی اپیل کی ۔ جناح کے برخلاف پلان ان کی نظر میں سمجھوتہ نہیں بلکہ تصفیہ ہے ۔

اگرچہ ہندوستان کی تقسیم اور لیڈروں کے معاہدہ کی خبریں ساری دنیا میں پھیل رہی تھیں ۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن چُپ چاپ قصر وائسرائے آئے اور ڈنر کے بعد انھوں نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ میں کل کی پریس کانفرنس کی تفصیلات پر غور کروں ۔ یہ ان کی انڈین اور غیر ملکی نامہ نگاروں کے سامنے پہلی پریس کانفرنس ہو گی ۔ ان کا خیال ہے کہ وہ نوٹس کے بغیر سوالوں کے جواب دیں گے ۔ لیکن مختلف مسائل کی روشنی میں انھوں نے اپنے اسٹاف

کے ساتھ ریہرسل کرنے کا فیصلہ کیا۔

وہسکی اور سوڈے کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں اور ہم اُن سے سوالات کر رہے تھے۔ ان کے جواب سے میں قطعی مطمئن ہوگیا کہ وہ کل کی پریس کانفرنس میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں گے۔ اس اعتماد کے ساتھ میں بستر استراحت پر دراز ہوگیا۔

والسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ۔ ۴ر جون ۱۹۴۷ء

دستور ساز اسمبلی میں ہندوستان اور غیر ممالک کے تقریباً تین سو نمائندے موجود تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے آج سویرے ان نمائندوں سے خطاب کیا۔ اس پریس کانفرنس میں انھوں نے اپنی حس بالغ نظری اور فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس سے پہلے کسی پریس کانفرنس میں ان کی یہ صلاحیت نظر نہ آئی تھی۔ نہ اُن کے ہاتھ میں مختصر یاد داشت تھی۔ نہ وہ بولنے میں جھجکتے اور رُکتے تھے۔ پونے تین گھنٹے تک وہ یکساں ایک ہی انداز میں بولتے رہے۔ ان کی اس تقریر سے سامعین کے دلوں میں پلان سے متعلق جو شبہات پوشیدہ تھے وہ یقیناً دور ہوگئے ہوں گے۔ اس کے بعد تقریباً سو مختلف قسم کے سوالات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ زیادہ تر سوالات ہندوستانی نمایندوں نے کئے اور یہ سوالات اطلاعات حاصل کرنے کے مقصد سے نہیں بلکہ سیاسی پروپیگنڈے کے لئے کئے گئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن کے ٹھیک سامنے اسمے، میویل، جارج ایبل، اسکاٹ۔ وی پی مینن، ورنن اور میں بیٹھے ہوتے تھے۔ صرف دو بار ایسا موقع آیا کہ ماؤنٹ بیٹن کی رہنمائی کے لئے اسٹاف کے رُکن اُن تک گئے۔ زیادہ تر سوالات مفروضہ قسم کے تھے۔ لہٰذا ان کے جوابات بھی اسی طرح دیئے گئے۔ سوالات کی ابتدا ہی میں ان سے پوچھا گیا —

• پچھلے تجربے کی روشنی میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ کونسل نے پلان کو مسترد کردیا تو ایسی صورت میں پاکستان کا کیا حشر ہوگا"۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا۔" یہ قطعی مشروط سوال ہے۔ بالفرض ایسا ہوا تو آپ میرے پاس تشریف لایئے۔ میں بتاؤں گا کہ ایسی صورت میں کیا قدم اُٹھانا چاہیئے۔؟" اس کے بعد یہ سوال کیا گیا۔ لیکن ہمیں ابن

قسم کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا ہے۔" ماؤنٹ بیٹن نے کہا ۔" آپ کو ہوا ہوگا، مجھے تو نہیں ہوا۔ بہر حال ایسا ہوا بھی تو میرے پاس آجائیے۔"

صوبہ سرحد کے استصواب اور ریاستوں کے بارے میں ان سے کئی سوالات کئے گئے۔ ان سوالوں کے جواب بھی ماؤنٹ بیٹن نے مدلل دیئے۔

ایک نامہ نگار نے پوچھا ۔" کیا میں آپ کی توجہ راجہ آف ساراوک کی مثال کی طرف مبذول کرا سکتا ہوں۔ جن کا دعویٰ تھا کہ انھیں عوام کی حمایت حاصل ہے اس کے باوجود وہ تخت سے اتار دیئے گئے! کیا آپ دو مختلف اصولوں پر کاربند نہیں ہیں"؟

چشم زدن میں یہ جواب ملا ۔" یقیناً واقعہ قطعی مختلف ہے۔ انھیں معزول نہیں کیا گیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انھیں معزول کرانے کے لئے عوام کی حمایت حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا مطلب یہ تھا کہ ' مجھے عوام کی حمایت اس معنی میں حاصل ہے کہ میں ان کے مفاد کی خاطر کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہوں، نہ صرف یہ کہ اُنھوں نے ایوان کے دستور ساز سے جو اپنے ڈھانچہ کے اعتبار سے قدیم وضع کا تھا مشورہ کیا بلکہ پارلیمنٹ کے اراکین کو یہ فیصلہ کرنے کے لئے بھیجا گیا کہ آیا سراوک کے عوام چاہتے ہیں کہ راجہ گورنر کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ اور انھوں نے فیصلہ میں کہا کہ عوام یہی چاہتے ہیں۔ اور اس طرح وہ تخت سے دست بردار ہوئے انھیں معزول نہیں کیا گیا۔"

ایک اور سوال کیا گیا ۔" کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دولت عظمیٰ برطانیہ نے راجہ آف سراوک کی دوبارہ تخت نشینی کی پشت پناہی کرنے سے انکار کر دیا تھا؟" ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا ۔" ہرگز نہیں۔ جب میں جنوب مشرقی ایشیا کمان میں تھا۔ میں خود انھیں واپس لے گیا اور اُنھیں تخت نشین کرایا۔"

جب ایک نامہ نگار نے مسلم لیگ کے مطالبہ " خط زمین" کی طرف جس کا کوئی ذکر پلان میں نہیں ہے۔ اُن کی توجہ دلائی تو اُنھوں نے جواب دیا ۔" پلان کے کس پیراگراف کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟" سکھوں کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پورے پلان میں دوسرے مسائل سے کہیں زیادہ سکھوں کے مسائل پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اُن سے حد بندی کمیشن کے دریافت طلب مسائل کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ جب ایک سکھ نامہ نگار نے پوچھا کہ کیا حد بندی کمیشن

میں جائداد کو اصول بنایا جائے گا۔ تو ماؤنٹ بیٹن نے مسکرا کر جواب دیا۔ "دولتِ عظمیٰ برطانیہ شاید ہی زمینداری کی بنیاد پر تقسیم کے تصور کو تسلیم کرے۔ میرا خیال ہے موجودہ حکومت بھی اس خیال سے متفق نہیں ہوگی"۔

کانفرنس ہی میں انھوں نے اس بات کا اشارہ کیا کہ دونوں نئی مملکتوں کو ۱۵ اگست تک اختیارات منتقل کر دیئے جائیں گے۔ درجۂ نوآبادیات کے سوال پر دیوداس گاندھی اور ماؤنٹ بیٹن میں زبردست جھڑپ ہوگئی۔ ماؤنٹ بیٹن اوّل اوّل دیوداس گاندھی کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ لیکن بعد میں وہ تہہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دیوداس گاندھی چاہتے تھے کہ کسی ایک ملک کو انفرادی حیثیت سے مملکت کا درجہ نہ دیا جائے۔ اگر اس کی پیش کش کی گئی تو برطانیہ کو مسترد کر دینا چاہیئے۔ دولت مشترکہ کے رکنیت کا حق صرف انڈیا کو ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس مسئلہ پر دونوں دستور ساز اسمبلیوں کو آخری فیصلہ کرنے کی اجازت دینا دراصل شرانگیزی ہے۔ کیونکہ اگر پاکستان نے دولتِ مشترکہ میں رہنے کی خواہش ظاہر کی اور انڈیا الگ رہا تو پاکستان برطانوی سامراج کا اڈہ بن جائے گا۔

ماؤنٹ بیٹن نے اخیر میں کہا۔ "میرا خیال ہے جتنے سوالات کئے گئے ان میں ایک سوال ایسا بھی ہے جو لوگوں پر واضح نہیں ہو سکا۔ لوگ اب تک لفظ "درجۂ نوآبادیات" پر مشکوک نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ مکمل آزادی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ دولت مشترکہ کے ممبر ممالک اختیاری طور پر مربوط ہیں اور ایک دوسرے سے تعاون، حمایت، اعتماد اور محبت کے طالب ہیں"۔

اس جواب سے دیوداس گاندھی کے دل کو تشفی ہوئی یا نہیں، کہنا مشکل ہے۔ لیکن نامہ نگاروں کے اندر ایک قسم کا جوش و خروش پایا جانے لگا۔ سب نے تحسین و آفریں کے کلمات استعمال کئے۔ اس فضا کو دیکھ کر ولبھ بھائی پٹیل نے جو کرسیٔ صدارت پر متمکن تھے کارروائی کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد میں بعض نامہ نگاروں سے بات چیت کرتا رہا۔ ڈیلی ہیرالڈ کے نامہ نگار آندی میلر نے ماؤنٹ بیٹن کی اس پریس کانفرنس پر نہ صرف حیرت کا اظہار کیا، بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آج تک نہ تو ایسی پریس کانفرنس میں وہ شریک ہوئے اور نہ آئندہ کی توقع ہے۔ ایرک برٹیر نے اسے چابک دستی اور ہوشیاری

سے تعبیر کیا اور باب اسٹمسن نے کہا کہ امریکیوں پر اس کا بہت اثر ہوا ہے۔ وہ ماؤنٹ بیٹن کے کے دلائل سے بے حد خوش ہوئے۔

قصر وائسرائے پہنچنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن کو مزید پتہ چلا کہ کانفرنس میں ویوداس گاندھی نے جن شکوک کا اظہار کیا تھا وہ تو کچھ بھی نہ تھے۔ اب تو ان کے شکوک اور شدید ہو گئے ہیں۔ مہاتما کا رویہ بھی خوش گوار نہ تھا کیونکہ آج شام پرارتھنا کی میٹنگ میں انھوں نے پلان پر کڑی نکتہ چینی کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ گذشتہ شب جب لیڈران نشری تقریر کے لئے پہنچے نہیں تھے۔ یعنی ان کی آمد سے کچھ دیر پہلے انھوں نے کہا تھا کہ لیڈران تنقید سے بچ نہیں سکتے نہرو کو "اپنا بادشاہ کہتے ہوئے انھوں نے فرمایا۔" بادشاہ کے کسی بھی عمل سے ہمارا اثر لینا نہ لینا کوئی ضروری نہیں۔ اگر اس نے ہماری بھلائی اور بہتری کے لئے کوئی قدم اُٹھایا ہے تو اُس کی مدح سرائی ضرور کرنی چاہیے اور اگر اُس نے کچھ نہیں کیا ہے تو اظہارِ خیال کے لئے خاموش نہیں رہنا چاہیے۔"

ماؤنٹ بیٹن نے حتمی طور پر فیصلہ کر لیا کہ گاندھی سے نمٹنے کا وقت آگیا ہے۔ انھیں خطرناک قدم اٹھانے سے روکنا ہے۔ چنانچہ پرارتھنا میٹنگ سے تھوڑی دیر پہلے انھیں قصر وائسرائے میں مدعو کیا گیا۔ گاندھی بہت ہی رنجیدہ اور اُداس سے تھے کیونکہ پلان کا پہلا اثر اُن کے ذہن پر یہ ہوا تھا کہ انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے زندگی بھر جو کچھ بھی کیا اُس پر پانی پھیر دیا گیا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا کہ وہ اس پلان کو ماؤنٹ بیٹن کا نہیں گاندھی کا پلان سمجھیں کیونکہ اس میں پوری دیانت داری کے ساتھ ان ہی کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ یعنی عدم استبداد حقِ خود اختیاری، دولتِ برطانیہ عظمیٰ کی ہندوستان سے جلد از جلد رخصت۔ اس کے علاوہ درجۂ نوآبادیات کے بارے میں اُن کے ہمدردانہ خیالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔

ایک بار اور ماؤنٹ بیٹن کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ آج رات گاندھی نے پرارتھنا کی میٹنگ میں کہا کہ حکومت برطانیہ پر تقسیم ملک کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اس میں وائسرائے کا ہاتھ ذرا بھی نہیں ہے۔ میں بھی تقسیم ملک کا اتنا ہی مخالف ہوں، جتنا کانگریس لیکن جب ہم دونوں یعنی ہندو اور مسلمان اس کے علاوہ اور کسی بات پر متفق الرّائے نہیں ہو سکتے تو پھر وائسرائے کے لئے اس کے علاوہ اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے۔" وائسرائے

نے درحقیقت مصالحت کرانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ یہی پلان ایسا تھا جس کی بنیاد پر معاہدہ ہوسکتا تھا۔ والسرائے ملک کو انتشار اور منافرت کی آگ میں جھونک کر رخصت ہونا نہیں چاہتے تھے۔ گاندھی کے دل و دماغ پر ماؤنٹ بیٹن نے جس سرعت اور برق رفتاری سے فتح پائی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

مجھے ایک تار موصول ہوا جس میں گذشتہ کل کی تاریخ درج تھی۔ جوائس نے رپورٹ دی تھی کہ — "آج سہ پہر وار العوام میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ سامعین نے بڑی خاموشی اور اشتیاق سے وزیر اعظم کا اعلان سنا۔ انڈیا سے جو تجاویز آئیں اور اعلان کا جو ردِ عمل موصول ہوا ہے ان کے پیشِ نظر ہر پارٹی نے اطمینان کی سانس لی۔ مسائل سے جس دلچسپی کا اظہار کیا گیا ہے اور جس یگانگت اور یک جہتی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اس کی مثال اگر کہیں مل سکتی ہے تو بس زمانۂ جنگ کے تاریخی لمحوں میں" اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا کہ بی بی سی نے کس طرح خبروں کو نشر کیا۔ آخری جملہ یہ تھا "ہم لوگوں کے لئے بہجت آفریں دن تھا وہ"

آج شام کے ساڑھے سات بجے ماؤنٹ بیٹن نے اسٹاف کی میٹنگ طلب کی۔ قریب قریب ہر ایک بحران کو دور کرنے کے بعد بھی نہ انھیں سکون ہے نہ ہم لوگوں کو اطمینان۔ کیونکہ ریاستوں کے آسمانوں پر میں سیاہ غبار پھیلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ نواب آف بھوپال چیمبر آف پرنسس کے چانسلر کے عہدہ سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ انھیں کوئی طاقت پھر اس طرف مائل نہیں کر سکتی۔ "تقسیم کے انتظامی اثرات" کی جو دستاویز ہے اس پر نہرو کا ردِ عمل اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ عارضی حکومت کے ڈھانچہ اور وجود کو برقرار رکھنے میں انتہائی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

والسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات۔ ۵ر جون ۱۹۴۷ء

نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار جارج جونس جو سخت علیل ہیں اور آئندہ چند دنوں کے اندر ہندوستان سے رخصت ہونے والے ہیں آج سویرے مجھ سے ملنے آئے۔ انھوں نے کہا۔ کہ

ماؤنٹ بیٹن کے بارے میں میرے جو تاثرات ہیں وہ تین سو الفاظ میں قلم بند کر دوں۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کا آخری فیچر ماؤنٹ بیٹن کی مدح پر ہو ـــــ میں نے دل میں سوچا۔ ماؤنٹ بیٹن اور کُل تین سو الفاظ؟ کام بہت ہی دشوار تھا۔ تاہم میں نے املا کروایا :۔

" شاید ان کے بارے میں میرا عجیب و غریب تاثر یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے اندر کام کرنے کی تخلیقی قوت ہے۔ قوت سے میری مراد وہ قوت ہے جو ماؤنٹ بیٹن سب کے دلوں میں اپنے متعلق سمو دیتے ہیں۔"

اب تک ان کی زندگی میں تین اہم ترین ذمہ داریاں آئی ہیں ـــ چیف آف کمبائنڈ آپریشن سپریم کمانڈر اور وائسرائے۔ اور یہ تینوں ذمہ داریاں ایسے دَور میں اُن کے شانے پر رکھی گئیں جب حالات انتہائی نازک ہو چکے تھے۔ اور اخلاقی قدروں کو زوال آگیا تھا۔

" افتادِ طبع اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اونچی سے اونچی سیاستیں اُن کی کنیز ہیں۔ اُن کا اخلاق اتنا بلند، ان کا کردار اتنا اعلیٰ اور احساس اتنا شدید ہے کہ عظیم سے عظیم تر سیاسی واقعات کی پیچیدگیاں منٹوں میں حل ہو جاتی ہیں۔"

سپریم الائڈ کمانڈر کے عہدہ پر جب تک رہے اُنھیں ان کاموں کی خوب اچھی تربیت ملی۔ اس میں ایک سے زیادہ قوموں کی نصف سیاسی ذمہ داریاں شامل تھیں۔ زمانۂ جنگ کے لئے یہ عجیب و غریب اور قطعی نئی چیز تھی۔ اس حیثیت سے صرف دو ہی شخصیتیں کامیاب رہی ہیں ـــ ماؤنٹ بیٹن اور آئزن ہاور۔ جاپان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے کے بعد سے تقریباً ۱۸ ماہ تک وہ بہت بڑے علاقے کے گورنر یا دوسرے لفظوں میں سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ ان وسیع علاقوں میں نصف درجن ملک شامل تھے اور آبادی تقریباً بارہ کروڑ کی تھی۔ بیک وقت انھیں ان گنت مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ انڈونیشیا اور فرانسیسی انڈو چائنا کا مسئلہ سیام کے صلح نامہ اور برما کی آبادکاری کا مسئلہ اور ملایا میں نظم و نسق کی بحالی کا مسئلہ ساتھ ہی وائسرائے بننے سے پہلے انھیں ان علاقوں میں مشرقی قومیت پرستی کی نفسیات کے مطالعہ کا اچھا موقع بھی ملا۔

ان کا کردار تخیلی نہیں محسوساتی ہے۔ وہ نہ خاموشی کو پسند کرتے ہیں اور نہ تنہائی کو۔ ان کا جوہر اُسی وقت کھلتا ہے جب وہ پبلک میں آتے ہیں۔

" اسٹاف کو وہ اپنے خیالات کا ہم راز سمجھتے ہیں۔ ان میں تنگ نظری یا تعصب برائے نام بھی نہیں۔ اگرچہ اُن کے واضح اور فیصلہ کن نقطۂ نظر سے سب متفق ہوتے ہیں لیکن وہ ہر پہلو

سے اسٹاف میٹنگ میں اس پر بحث وتمحیص کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اُن کے اندر جو غیر معمولی قوتِ ارادی ہے اس کا سرچشمہ ہے ــــ سائنسی تربیت، میکانکی اشیا سے دلچسپی، شاہی خاندان میں جنم، جس نے حرص ولالچ کی بیخ کنی کر دی۔

لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود ان کے اندر ایک نقص ہے ــ اور وہ نقص یہ ہے کہ ادنیٰ اور معمولی باتوں کی تفصیلات میں الجھ جاتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ یہ کتنی حقیر اور معمولی سی بات ہے۔ مزید برآں ثانوی مسائل سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں اور معمولی کامیابی پر اُن کا سر غرور سے اونچا ہو جاتا ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ موجودہ منصب پر وہ چٹان کی طرح ثابت قدم ہیں اور پانچ سال کے طویل عرصہ میں یعنی جب سے میں اُن کے ساتھ ہوں انھوں نے ہمیشہ ان لوگوں کی جو اُن کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں حمایت کی اور ان کی ذمہ داریوں کو محسوس کیا۔ وہ ہمیشہ تازہ دم نظر آتے ہیں خواہ وہ عرشے پر ہوں یا قصرِ وائسرائے میں۔ المختصر وہ اعلیٰ پائے کے جمہوری لیڈر ہیں"۔

ماؤنٹ بیٹن کی پریس کانفرنس پر ہندوستانی اخباروں میں جو تبصرے آئے وہ عام طور پر مخلصانہ اور مبصرانہ ہیں۔ البتہ کبھی کبھی تنقیدی نوٹ بھی نظر آجاتا ہے۔ میں نے جوائس کو مندرجہ ذیل مشورہ دیا۔

"کانفرنس کے بارے میں اسٹیٹسمین کی یہ رپورٹ ہے ــ

ماؤنٹ بیٹن کی تقریر غیر معمولی تھی ــــ اس میں خطابت کا جادو بھی تھا اور منطقی چاشنی بھی۔ یقیناً ان کی تقریر سے جرنلسٹوں کی اکثریت متاثر ہوئی ہوگی۔ خصوصًا اس اعتبار سے بھی کہ وائسرائے نے ہندوستانی مسئلہ کا کتنا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اس رپورٹ کے علاوہ اداریہ میں یہ تبصرہ ہے "شخصیت اور ذہانت کی غیر معمولی فتح۔ اب اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ ساری مخفی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی جو ذہنوں کو معطل کر رہی تھیں۔

"صرف ہندوستان ٹائمز نے نکتہ چینی کی ہے۔ یہ نکتہ چینی دیوداس گاندھی کے اُس پے درپے استفسار کی غماز ہے جو انھوں نے کانفرنس میں کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں ــ 'ہمیں اب بھی اُمید ہے کہ آئندہ چند روز میں یہ واضح کر دیا جائے گا کہ دولتِ مشترکہ کی رکنیت صرف ہندوستان کے لئے مخصوص ہے'، اور انڈین نیوز کرانیکل نے یہ استفسار کیا ہے کہ اگر چھوٹی موٹی ریاستوں میں بٹ جانے کے خطرہ کے پیش نظر صوبہ سرحد کو خود مختار ہونے کا اختیار نہیں

دیا جا سکتا تو ریاستوں کے بارے میں کیا خیال ہے ؟ ہز اکسیلنسی سے کہا گیا ہے کہ وہ مساوی برتاؤ کے حق میں اپنا اثر کام میں لائیں اور والیانِ ریاست کو قومی مفاد کے خلاف قدم اٹھانے سے باز رکھیں "

آج سویرے ماؤنٹ نے لیڈروں سے تیسری بار ملاقات کی۔ اس ملاقات میں "تقسیم ملک کے انتظامی نتائج" پر بحث ہوئی۔ فریقین اس میں اُلجھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ان پر اس کا مطلب واضح نہیں ہوا تھا۔ جناح نے صراحت کرتے ہوئے کہا کہ دونوں مملکتیں ہر اعتبار سے خودمختار اور مساوی درجہ کی مالک ہوں گی ۔ نہرو اس بات پر بضد رہے کہ انڈیا پہلے کی طرح ایک حیثیت کا مالک ہے اور پاکستان ان صوبوں کی رضامندی کا نتیجہ ہے جن کو اپنا رشتہ منقطع کرنے کا حق ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کے کام میں یا خارجی پالیسی کے تواتر میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔ طعن و تشنیع کی اس فضا میں ماؤنٹ بیٹن نے واضح کر دیا کہ ہر متنازعہ فیہ معاملہ میں فریقین کی اس درخواست کو کہ میں ثالث بنوں منظور نہیں کر سکتا۔ دونوں فریق اس بات پر رضامند ہو گئے کہ ایسے ثالث کی خدمات لی جائیں جو دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔

پلان، دو دن پرانا ہو چکا ہے اور اُس کی وجہ سے ملک بھر کی کشیدہ فضا صاف ہو گئی ہے۔ لیکن دہلی میں جو لیڈران موجود ہیں اُن کے دلوں میں بھائی چارہ کا چراغ نہیں جل سکا۔ یہاں کی صورتِ حال اب بھی نازک ہے اور اس حد تک نازک ہے کہ ادنیٰ اور معمولی ترین واقعہ بھی بہت بڑے بحران کا سبب بن سکتا ہے۔

باب ۱۰

اِنتظامیہ پر پڑنے والے نتائج مابعد

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

اتوار ۸ر جون ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کا اصل مسئلہ اب سیاسی نوعیت کا رہ گیا ہے۔ فی الحال عارضی حکومت کی منسوخی کا خطرہ درپیش ہے کیونکہ اس کا ایک حصہ الگ ہو چکا ہے۔ اب جب کہ تقسیم کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں حصوں کو باہم دگر رکھنا ممکن نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کو اس بات کا احساس ہے کہ اگر کوئی بھی فریق اس سے پہلے کہ انگلستان کی پارلیمنٹ ایکٹ کے ذریعہ تقسیم کی تصدیق کرے، مستعفی ہو جاتا ہے۔ تو ۳ر جون کے پلان کی ساری اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی اور خود ان کی پوزیشن مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔

آج اس خطرے سے دوچار ہوتے ہوتے ہم بال بال بچ گئے۔ کابینہ کی میٹنگ میں ہڑبونگ مچ جاتی، اور ہر طرف انتشار پھیل جاتا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے موضوع بحث کا رخ موڑ دیا۔ تنازعہ کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے اعلیٰ درجہ کی تقرریوں کی تجویز پیش کر دی۔ اس پر نہرو نے بعض سفارتی تقرریوں کے لئے ماؤنٹ بیٹن کی رضامندی چاہی۔ کیونکہ ان تقرریوں سے پاکستان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیاقت نے فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ ماسکو میں میں کسی کو سفیر مقرر کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اتفاق کی بات کہ ماسکو ہی کے

لئے سفیر کی تقرری کی منظوری طلب کی گئی تھی اور نامزد نہرو کی بہن مسز پنڈت تھیں۔ ہر طرف شورش انگیزی کی فضا پیدا ہو گئی۔ نہرو نے کہا کہ حکومت کے امور میں مسلم لیگ کی اس مداخلت بے جا کو برداشت کرنے کی بجائے میں چاہتا ہوں کہ رائے شماری کرائی جائے۔ اگر رائے شماری لیگ کی حمایت میں ہوئی تو میں فوراً استعفیٰ دے دوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے تمام ممبروں کو فرداً فرداً خاموش کرایا اور کہا کہ میں اُس وقت تک اس مسئلے پر بات نہیں کروں گا۔ جب تک سارے چہرے جو میرے سامنے ہیں، تبسم کناں نہ ہو جائیں۔ اس کا اثر فوراً ہوا۔ سب کو ہنسی آ گئی اور کھچاؤ آن کی آن میں دور ہو گیا۔ اس ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پلان کی ڈوری کتنی باریک ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی کامیابی کی اُمیدوں کو پامال کر سکتی ہے۔

لیکن دنیا بھر سے پریس کی جو رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں ان کو پڑھ کر اطمینان ہو رہا ہے۔ یہ رپورٹیں بڑی حوصلہ افزا ہیں۔ امریکی ردعمل خصوصاً ولولہ انگیز ہے۔ کل کے واشنگٹن پوسٹ میں والٹر لپ مین کا جو تبصرہ شائع ہوا ہے خوش آئند ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"برطانیہ کامیابی کی آستاں تک پہنچ گیا ہے۔ یقیناً ایسا قدم زوال پذیر انسان نہیں اُٹھا سکتا۔ اس اقدام میں سیاسی تدبر اور غیر معمولی ذہانت کو دخل ہے۔ جو کچھ بھی کیا گیا ہے وہ اتنی خوبصورتی اور نفاست سے تکمیل پذیر ہوا ہے کہ ساری مہذب دنیا میں اس کا احترام کیا جائے گا۔ اٹیلی اور ماؤنٹ بیٹن نے ساری انسانیت کی خدمت کی ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو کام طاقت اور سرمایہ سے انجام نہیں پا سکتا وہ خلوص، عزم اور سکون سے انجام پا لیتا ہے"

ٹائم اور لائف کے نامہ نگار مقیم دہلی رابرٹ نیویل نے مجھ سے کہا کہ ماؤنٹ بیٹن نے پریس کانفرنس میں جس ذہانت کا ثبوت دیا ہے اس کا مقابلہ صرف روزولٹ کے عہد جوانی سے کیا جا سکتا ہے۔

وائسرائے ہاؤس ۔ نئی دہلی

پیر۔ ۹ر جون ۱۹۴۷ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں درجۂ نو آبادیات کی پیچیدگیوں اور خصوصاً اس سوال پر کہ انتقال اختیارات کے بعد قلیل مدت کے لئے ماؤنٹ بیٹن دونوں ملکتوں کے مشترکہ گورنر جنرل رہیں ۔ طویل مباحثہ ہوا ۔ اس خیال کو اس لئے بھی تقویت پہنچی کہ کانگریس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بلا کسی شرط کے یا تو اس حیثیت سے رہیں یا پھر صرف انڈیا کا گورنر جنرل بننا منظور کریں ۔ لیکن جناح نے کہا یقیناً وہ دونوں ملکتوں کے سربراہ کی حیثیت سے یہاں قیام کریں اور عارضی دور کا جائزہ لیں ۔

ماؤنٹ بیٹن نے پہلے پہل یہ سمجھا تھا کہ جناح بھی مشترکہ گورنر جنرل کے حامی ہیں لیکن جب وہ لندن آئے تو اُن پر یہ راز کھُلا کہ جناح دراصل تین گورنر جنرلوں کی حمایت کر رہے تھے ۔ یعنی ایک ایک ہندوستان اور پاکستان کے لئے اور خود ماؤنٹ بیٹن ۔ ان کی حیثیت اعلیٰ ثالث کی بھی ہوگی جو املاک کی تقسیم کریں گے ۔ لیکن حکومت برطانیہ نے اس تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دے کر مسترد کر دیا ۔ ماؤنٹ بیٹن نے بھی اُن سے صاف صاف کہدیا کہ وہ بھی اس بارگراں کو اٹھانے سے مجبور ہیں ۔ لیکن ساتھ ہی مشترکہ گورنر جنرل کے فوائد گناتے گئے کہ پاکستان کے نقطۂ نظر سے یہ پیش کش نہ صرف سودمند ہے بلکہ معقول طریقے پر انتقال اختیارات کی بہترین ضمانت بھی ہے ۔ انھوں نے صاف گوئی سے ہمیں بھی بتایا کہ اگر ایک ہی فریق نے اُن کے قیام پر زور دیا تو وہ رضامند نہیں ہوں گے ۔ جناح اب تک اپنے حتمی ارادے کو ظاہر نہ کرنے میں کامیاب ہیں ۔ بہرحال اگر مشترکہ گورنر جنرل کی حمایت کی گئی تو دفعہ آزادی میں تھوڑی بہت ترمیم کی ضرورت پیش ہوگی اور تین ہفتہ کے اندر اندر ان کا فیصلہ کر لینا ضروری ہوگا ۔

آج امپیریل ہوٹل کی پہلی منزل کے بال روم میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا جلسہ ہوا ۔ کارروائی ختم ہونے کو تھی کہ خاکساروں نے ہوٹل میں ہلہ بول دیا ۔ یہ سوچا سمجھا منصوبہ تھا ۔ خاکسار باغیچے کی طرف سے داخل ہوئے تھے ۔ جب یہ بیلچہ اٹھائے لانج کی سمت جھپٹے تو پرسکون فضا میں گھبراہٹ اور دہشت پھیل گئی ۔ یہ لوگ " جناح کو نکالو " کا

نعرہ بلند کرتے ہوئے بال روم جانے والی نصف سیڑھیاں طے کر چکے تھے کہ مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے ان کو گرفت میں لے لیا اور باہر نکال دیا۔ پولیس طلب کی گئی اور اشک آور گیس استعمال کرکے خلفشار کو روکا گیا۔

امپیریل، نئی دہلی کا اعلیٰ ہوٹل ہے اور اس میں زیادہ تر غیر ملکی نامہ نگار قیام کرتے ہیں۔ یہاں نئی اور سنسنی خیز خبریں جنم لیتی ہیں۔ خاکساروں کا مظاہرہ سنسنی خیز خبروں ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اس خبر سے استفادہ صرف دو غیر ملکی نامہ نگاروں نے کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے اڈیٹر پرسٹن گروور اور والٹ میسن جو اس ہنگامے کے وقت موجود تھے فوراً اپنے اپنے ٹائپ رائٹر کے پاس آئے اور چشم زدن میں یہ خبر تیار کی اور ارسال کرکے دم لیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میں حیران رہ گیا۔ یہ خبریں بھیج بھی چکے تھے اور بہتوں کو اس کی اطلاع تک نہیں ملی تھی۔

جناح برابر مطمئن اور پُرسکون نظر آئے۔ ڈیلی اکسپریس کے سڈنی اسمتھ نے بعد میں ان سے ملاقات کی اور اس ملاقات کی روداد مجھے سناتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جناح کا خیال تھا کہ ان کی جان لینے کی عمداً کوشش کی گئی تھی۔ اس سے پہلے بھی یعنی ۱۹۴۳ء میں جب یہ بمبئی میں تھے ان پر حملہ ہوا تھا اور اُس وقت بھی حملہ آور ایک خاکسار ہی تھا۔

خاکسار دراصل متعصب اور متشدد مسلمانوں کی عسکری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے مقاصد بھی ہندوؤں کی انتہا پسند جماعت راشٹریہ سیوک سنگھ سے ملتے جلتے ہیں۔ سنگھ، ہندو مہا سبھا کی ایک شاخ ہے جس کا مقصد بھی دہشت پھیلانا ہے۔ خاکساروں کی بنیاد ۱۹۳۱ء میں عنایت اللہ مشرقی نے رکھی تھی۔ جب سے اب تک اس جماعت کی سرگرمیاں متشددانہ ہیں۔ ان کا مطالبہ ایسے پاکستان کا ہے جس کا رقبہ کراچی سے کلکتہ ہے۔ یہ جناح کو مسلمانوں کے مفادات کا اتنا ہی بڑا غدار سمجھتے ہیں جتنا ہندو انتہا پسند گاندھی کو ہندومت کے لئے خیال کرتے ہیں۔

قصر والسرائے سے ایک پارٹی شام کو جب ڈنر کے لئے امپیریل گئی تو وہاں کا نظام ہی درہم برہم پایا۔ وسیع و عریض طعام خانہ مذبح میں بدل گیا تھا۔ اس کے "ایر کولر" توڑ دیئے گئے تھے اور فرنیچر کو اچھی طرح نقصان پہنچایا گیا تھا۔ تشدد، متعصب اور انقلاب کے عناصر

متحرک نظر آرہے ہیں اور اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انتشار کو امن و اماں کے خول میں چھپانے کی جو کوشش کی گئی تھی وہ خول کتنا نرم و نازک اور باریک ہے۔ موجودہ نازک فضا میں کسی بھی لیڈر کی جان خطرے سے باہر نہیں ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل۔ ۱۰ر جون ۱۹۴۷ء

مسلم لیگ کونسل نے ایک قرارداد منظور کی ہے جو کانگریس کو مشتعل کرنے کے لئے کافی ہے۔ قرارداد میں کیبنٹ مشن پلان کو ختم کر دیئے جانے پر اطمینان کی سانس لی گئی اور ۳ر جون کے پلان کو از سر نو زیر غور لانے پر زور دیا گیا۔ جناح کو اس بات کا پورا اختیار بھی دیا گیا کہ وہ پلان کے بنیادی اصول کو سمجھوتہ کی شکل میں تسلیم کریں۔

آج کی اسٹاف میٹنگ میں درجۂ نوآبادیات اور دونوں مملکتوں کے لئے مشترکہ گورنر جنرل کا سوال پھر زیر غور آیا۔ جناح نے اس سلسلے میں نہ تو کوئی اشارہ کیا اور نہ کچھ کہا ہے۔ بحث و تمحیص کے دوران میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جون ۱۹۴۸ء کی مدت کے بارے میں نہرو کا ذہن بہت حد تک پراگندہ اور ابتر نظر آرہا ہے۔ حالانکہ نہرو اس مدت سے پہلے ہی نئے دستور کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر دستور کا کام وقت سے پہلے مکمل نہ ہوا تو کانگریس کے وقار کو دھچکا لگنے کا احتمال ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جون ۱۹۴۸ء کی اب کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ میں نے پریس کو پس منظر کے طور پر استعمال کرنے کے لئے جو مواد بھیجا ہے۔ اس میں اس مدت کی غیر اہمیت واضح کر دی ہے۔

میں نے پریس میں حسب ذیل اعلانات ارسال کئے ہیں:۔

(۱) دو روزہ مکمل آرام کے لئے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن شملہ تشریف لے جا رہے ہیں۔

(۲) مہاراجہ کی دعوت پر دونوں ۱۹ر ماہ رواں کو کشمیر روانہ ہوں گے۔

(۳) مونٹگمری عنقریب تشریف لا رہے ہیں۔

"دی رٹریٹ" مشوبرہ، شملہ

ہفتہ ۱۴ر جون ۱۹۴۷ء

جارج نکلس، نے اور میں پانچ بجے صبح شملہ کے لئے روانہ ہوئے تھے تاکہ آفتاب کی گرم شعاعیں پھوٹنے سے پہلے پہلے ہم سفر کا زیادہ سے زیادہ حصہ طے کرلیں۔ صبح کی خنک ہواؤں میں حیاتِ نو کی تازگی اور مٹھاس تھی۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ زیادہ تر لوگ جن میں سردار پٹیل بھی شامل ہیں صبح کے ساڑھے چار بجے ہی بستر کیوں چھوڑ دیتے ہیں اور دن شروع ہونے سے پہلے تک اپنا نصف کام کیوں مکمل کرواتے ہیں۔

چائے کا وقت ہوتے ہوتے ہم "دی رٹریٹ" پہنچ گئے۔ ایک ہفتہ کے لئے دہلی کی تپا اور گلا دینے والی گرمی سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ گذشتہ بار بھی شملہ آیا تھا لیکن آرام نہ کرسکا کیونکہ فرصت ہی نہیں تھی۔ اس بار دل و دماغ کو فرحت بخش فضاؤں میں آرام کرنے کا موقع ملے گا۔ ہمالیہ کی اس بلندی میں جہاں سکوت کا راج ہے اور فون کی گھنٹیاں نہیں بجتی ہیں اس بات کا موقع ملے گا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے اس کا جائزہ لے سکوں اور مستقبل کے بارے میں سوچ سکوں۔ میں نے اس عالمِ سکوت میں والدہ محترمہ کو حسبِ ذیل مکتوب لکھا:-

" ویسے تو ماؤنٹ بیٹن کی کامیابی کے کئی اسباب ہیں۔ لیکن سب میں مقدم ان کی شخصیت ہے۔ عجیب وغریب اور اعلیٰ پایہ کے مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں جذبہ خلوص بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کی قوتِ ارادی کی کوئی مثال نہیں۔ وہ انتہائی نازک حالات میں بھی دل برداشتہ نہیں ہوتے۔ اپریل کے آخری دنوں میں جب فضا تاریک اور غیر یقینی ہوتی جارہی تھی۔ انھوں نے یہ کہہ کر میری ہمتوں کو جگایا ــــ میں خوش قسمت انسانوں کے ساتھ کام کرنا پسند کرتا ہوں، ان کا اشارہ قطعی ماؤنٹ بیٹن کی صلاحیت وقابلیت کی طرف نہیں تھا۔ لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ انھوں نے ہمیشہ ناکامی کی گردن مروڑی اور کامیابی کے گل مشامِ جاں کو کانٹوں سے نکال کر گلے کا ہار بنایا۔

مختلف شخصیتوں کے ساتھ ان کا انداز مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گاندھی، جناح نہرو، اور پٹیل کے اعتماد کو حاصل کرسکے، جو آزادی کی جنگ ضرور لڑ رہے تھے۔ لیکن

نظریات مختلف تھے۔ المختصر ان کا سیاسی ظرف بڑا ہی اعلیٰ ہے۔

"اب تک ہم جن معاہدوں تک پہنچے ہیں اُن کے لئے پٹیل کی اہمیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ وہ قطعی مصالحت پسند نہیں۔ وہ مُنہ پھٹ مشہور ہیں۔ اُن کی کامیابیاں اگرچہ بلند نہیں لیکن کانگریس ہائی کمان میں یہ پہلے شخص ہیں۔ جنھوں نے محسوس کیا کہ اگر جون ۱۹۴۸ء یا اس سے پہلے سیاسی مصالحت تک پہنچنا ہے تو ۲۰ر فروری کا بیان تقسیم ملک کی غمازی کر رہا ہے۔ وہ کبھی پس و پیش اور ٹال مٹول کی پالیسی پر گامزن نہیں رہے۔ ان کے جی میں جو آتا ہے وہی کہدیتے ہیں۔ ان کے اس رویہ سے اکثر اُن کے احباب کی دل آزاری بھی ہوئی ہے۔

"درجۂ نو آبادیات کے فارمولے کی منظوری میں جس کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے اتنی سخت جانفشانی کی پٹیل کی حقیقت پسندی کا زبردست ہاتھ ہے۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ دولتِ مشترکہ کے تصور کو زیادہ سے زیادہ لچک دار بنانے کی ضرورت ہے۔ اس پر غور و خوض کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے برطانوی دولت مشترکہ کے موجودہ علامتی رشتے انڈین یونین پر جس پر کانگریس کا اقتدار ہے قابلِ اطلاق نہیں۔ اس میں ترمیم کرنی پڑے گی۔

"ہم سکھوں کی سرزمین میں ہیں۔ موجودہ فضا شکوک اور کشیدگی سے پُر ہے۔ جون کے اوائل سے "دی ریٹریٹ" میں شب و روز محافظ کا انتظام کردیا گیا ہے تاکہ ہمارے اہلِ خاندان اور مسلمانوں کا تحفظ ہو سکے۔ بلا شبہ ۳ر جون کو نہرو اور جناح کی تقریروں نے امن بحال کرنے میں سحر کا کام کیا ہے۔ خوف و اندیشے دور ہوگئے ہیں اور جس ہولناک قسم کے فرقہ وارانہ فسادات کی توقع کی جارہی تھی وہ دور ہوگئی ہے۔ اور یہ سب دونوں لیڈروں کی تقریروں کا اعجاز ہے۔ لیکن پنجاب میں سکھوں کے اندر بے چینی اور غم و غصہ کی لہر روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ ۳ر جون سے پیدا ہونے والی پیچیدگیاں سکھوں پر ظاہر ہوچکی ہیں۔ اب اُن کا خیال پختہ ہوچکا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کا مطلب سکھوں کی تقسیم ہے اور یہ کہ انھیں مسلمانوں کی ہوس اور ہندوؤں کی موقع پرستی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا گیا ہے۔

"ہندوؤں اور مسلمانوں میں گھرے ہوئے سکھوں کی تعداد تقریبًا دس لاکھ ہے یعنی

پنجاب کی کل آبادی کا بیس فی صد۔ اپنی یک جہتی اور اتحاد کی وجہ سے متحدہ پنجاب میں وہ متوازن طاقت تھے۔ لیکن تقسیم کی وجہ سے اُن کے گلے میں جیسے پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا۔ حد بندی کمیشن کی کوئی شعبدہ بازی بھی پنجاب کی تقسیم کو روک نہیں سکتی۔

"سکھ ازم جس کی بنیاد مذہب اور معاشیات کے پیچیدہ ڈھانچے پر رکھی گئی ہے۔ اس وقت اچھی لیڈر شپ سے محروم ہے۔ بلدیو سنگھ نے جو نہرو کابینہ میں وزیر دفاع ہیں اپنے اعلیٰ کردار اور وسیع النظری کے باعث زبردست شخصیت کے مالک ہیں لیکن نقار خانے میں ان کی آواز طوطی سے زیادہ نہیں۔ مہاراجہ آف پٹیالہ بھی جو اس وقت نواب آف بھوپال کی جگہ والیانِ ریاست کے چیمبرس کے چانسلر ہیں کوئی فیصلہ کن اثر نہیں رکھتے۔ اختیارات ماسٹر تارا سنگھ جیسے وحشی آدمی اور انڈین نیشنل آرمی کے سابق افسروں کے ہاتھوں میں چلے گئے ہیں۔ زہر آلود فضا ہمارے سامنے ہے اور طوفانی ہوا چلنے ہی والی ہے۔"

"دی ریٹریٹ" مشوبرہ

شملہ۔ بدھ ۱۸ جون ۱۹۴۷ء

بی بی سی کے نامہ نگار مقیم دہلی گورڈن موسلے ہمارے ساتھ قیام پذیر ہیں۔۔ سر ولیم ہیلے کی طرف سے ایک تار موصول ہوا ہے جس میں تحریر ہے کہ انتقال اختیارات کی پوری روداد حاصل کرنے کے لئے بی بی سی کی پوری ایک ٹیم ہندوستان روانہ ہونے والی ہے۔ جس میں تین ممتاز مبصرین وائن فورڈ وو گان طاس، اڈورڈ وارڈ اور رچرڈ شارپ بشمول دو فیچر رائٹر فرانسس ڈلن اور لوئی میک نیز اور تین موبائل ریکارڈنگ یونٹ ہیں۔ اس دورے کا عظیم مقصد یہ ہے کہ یہاں سے ایسا مواد جمع کیا جائے جس سے اندازہ ہو سکے کہ ہندوستان میں برطانیہ نے کیا کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

میں نے ماؤنٹ بیٹن کا اور اپنا خیال اُن پر ظاہر کر دیا ہے۔ میں نے انھیں لکھ بھیجا ہے کہ جب مذکورہ ٹیم ہندوستان پہنچ جائے تو ماضی کو کرید نے کی بجائے اُسے موجودہ اور مستقبل کے رجحانات پر زیادہ توجہ دینا چاہیے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر۔ ۲۳ جون سنہ ۱۹۴۷ء

میں تازہ دم ہو کر پھر دہلی کی بھٹی میں پہنچ گیا ہوں۔

گذشتہ دس دن سے ماؤنٹ بیٹن اپنے اسٹاف کے ساتھ پلان کی منظوری کے سلسلے میں کام کرتے رہے۔ اس عرصہ میں جو ترقی ہوئی وہ یہ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے تقسیم ملک کو صاف لفظوں میں تسلیم کر لیا۔ فیصلہ کن لہجے میں گاندھی نے بھی پلان کی حمایت کر دی۔ اس نحیف و ناتواں آدمی کی حمایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس ہائی کمان کے فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والے اراکین بھی مخالفت کی جرأت نہ کر سکے۔ وہ صوبے جو پلان کی وجہ سے براہِ راست متاثر ہوتے ہیں کانگریس نے کافی سوچ بچار کے بعد صوبہ سرحد میں رائے شماری کرانے کی تجویز کو مان لیا ہے اول اول تو ڈاکٹر خان صاحب نے بائیکاٹ کی دھمکی دی تھی لیکن گاندھی کے مشورہ پر مقامی سرخ پوش تحریک پرامن طور پر الگ رہی کیرو چھٹی پر جا رہے ہیں اور رائے شماری ہو رہی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی وہ میرے شملہ جانے سے کچھ پہلے ہی پریس کو دیدی گئی تھی۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے صوبہ کو فوجی حکومت کے سپرد کر دیا اور رائے شماری کے کام کی نگرانی کے لئے کیرو کی جگہ لفٹیننٹ جنرل سر روب لوک ہارٹ جی او سی این سی کو گورنر مقرر کیا ہے انھیں صوبہ سرحد کی سیاست کا بخوبی علم ہے۔

بنگال کے سوال پر جناح کو خصوصًا دشواری پیش آ رہی ہے۔ ایک طرف تو وہ عارضی حکومت کے مرکز میں استحقاق کے طور پر مسلم لیگ کے لئے قلمدانِ وزارت کا مطالبہ کر رہے ہیں دوسری طرف وہ مغربی بنگال کے کانگریسیوں کو عارضی نظم و نسق میں شامل کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔

پنجاب کی دستور ساز اسمبلی نے آج صوبہ کی تقسیم کی آخری منظوری دیدی۔ یہی فیصلہ تین دن پہلے بنگال میں بھی دیا جا چکا ہے۔ اس فیصلے کے بعد سہروردی کے متحدہ بنگال کا خواب ہمیشہ کے لئے خواب بن کر رہ گیا۔ تاریخ کا پہیہ تیزی سے گھوم رہا ہے۔ کانگریس جس نے بہت پہلے لارڈ کرزن کی تحریک تقسیم بنگال کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ آج چالیس

سال کے بعد وہ خود اُسی پالیسی پر عمل پیرا نظر آتی ہے۔

ریاستوں کے بارے میں لیڈروں نے بنیادی فیصلہ کرلیا ہے۔ دہلی میں اسٹیٹس ڈپارٹمنٹ کا قیام عمل میں آئے گا جو مشترکہ مسائل اور مملکتوں سے اپنے آخری تعلقات کے بارے میں غور و خوض کرے گا۔ انتقال اختیارات کے بعد حاکمیت ایسا مسئلہ ہے جو سیاسی اور آئینی مشکلات سے پُر ہے۔ ان مشکلات سے ماؤنٹ بیٹن باخبر ہیں۔ اس سلسلے میں گذشتہ دس دنوں سے وہ لیڈروں، نظام حیدرآباد کے آئینی مشیر اور ان کے خاص دوست والٹر مونکٹن، نواب آف بھوپال اور اُن کے مشیر سر ظفراللہ خاں سے مذاکرات کر رہے ہیں۔ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ کیبنٹ مشن پلان میں جو اچھی باتیں تھیں اُن کا تقسیم ملک میں فقدان ہے۔ تقسیم ملک دراصل فرقہ وارانہ حل ہے اس میں ایک ملک کے لئے دو مضبوط مرکزی حکومتیں بنائی گئی ہیں۔ اس کے پیشِ نظر وہ چند ریاستوں کے لئے درجۂ نوآبادیات کے مطالبوں پر زور دے رہے ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے جب کشمیر کا دورہ کیا تو اُن پر یہ راز منکشف ہو گیا کہ ریاستیں کس بحران سے گذر رہی ہیں۔ وہ اپنا دورہ ختم کرکے آج ہی لوٹے ہیں۔ نہرو اور گاندھی کو کسی حال میں یہ گوارا نہیں کہ مہاراجہ خودمختاری کا اعلان کردیں۔ نہرو خود کشمیر کے برہمن نژاد ہیں اور وہ اپنے دوست شیخ عبداللہ کو مہاراجہ کی قید سے رہا کرانے کے لئے کشمیر کا دورہ کرنا چاہتے ہیں۔ گذشتہ سال جب وہ ریاست کشمیر تشریف لے گئے تھے تو حکومت کشمیر نے انھیں سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا تھا۔ گاندھی چاہتے ہیں کہ وہ خود نہرو کے دورۂ کشمیر کے سلسلے میں راستہ ہموار کریں۔ لیکن مہاراجہ نے واضح لفظوں میں بتا دیا ہے کہ وہ کسی کی بھی بات سننا نہیں چاہتے ماؤنٹ بیٹن نے بھی اس مجوزہ دورے سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ پہلے وہ خود مہاراجہ سے ملاقات کریں گے کیونکہ بہت پہلے مہاراجہ نے انھیں دورۂ کشمیر کی پیش کش کی تھی۔

اور ماؤنٹ بیٹن جب کشمیر گئے تو انھوں نے مہاراجہ کو سیاسی اعتبار سے الگ تھلگ پایا۔ باتیں اُسی وقت ہوتیں جب دونوں کار میں بیٹھے سیر و تفریح کو نکلتے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے ان ہی موقعوں سے فائدہ اٹھایا اور انھوں نے مہاراجہ اور ان کے وزیراعظم پنڈت کاک کو مجبور کیا کہ وہ خودمختاری کا اعلان نہ کریں بلکہ جہاں تک جلد ہوسکے عوام کی رائے معلوم کریں اور ۱۴ راگست تک دو میں سے کسی بھی دستور ساز اسمبلی میں اپنا نمائندہ بھیجنے کا اعلان

کردیں۔ انھوں نے اس بات کی صراحت کرتے ہوئے کہا کہ جس نئے اسٹیٹس ڈپارٹمنٹ کی اساس ڈالی گئی ہے وہ یقین دلاتا ہے کہ اگر کشمیر پاکستان میں شامل ہونا چاہتا ہے تو حکومت ہند اس رویہ کو قطعی معاندانہ نہیں سمجھے گی۔ انھوں نے اس خطرے سے بھی آگاہ کیا کہ اگر اس انتقال اختیارات کی تاریخ تک کشمیر کو کسی ایک مملکت کی بھی حمایت حاصل نہ ہو سکی تو اُس کا یہ عمل خود اُس کے لئے انتہائی نازک ہو جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے پہلے یہ سوچا تھا کہ وہ یہ مشورہ مہاراجہ کو تخلیہ میں دیں گے اور بعد میں یہی مشورہ وزیر اعظم کی موجودگی میں بھی دہرائیں گے تاکہ روداد قلمبند کرلی جائے۔

مہاراجہ نے تجویز پیش کی کہ ملاقات کا انتظام دورے کے آخری دن کیا جائے جس کو ماؤنٹ بیٹن نے منظور کرلیا کیونکہ ان کے خیال میں مہاراجہ کو سوچ بچار کے لئے کافی وقت مل جائے گا اور وہ اس وقت تک کسی فیصلے پر پہنچ سکیں گے لیکن جب ملاقات کا دن آیا تو مہاراجہ نے معذرت نامہ بھیج دیا کہ وہ دردِ شکم میں مبتلا ہیں لہٰذا ملاقات ممکن نہیں۔ معلوم ہوا کہ جب بھی اُنھیں کسی مشکل اور کٹھن موضوع پر مذاکرہ کرنا ہوتا ہے وہ اپنی اس علالت کا حیلہ تراش لیتے ہیں۔

یہ قدرتی امر ہے کہ اس واقعہ سے ماؤنٹ بیٹن کو سخت مایوسی ہوئی۔

آج کی اسٹاف میٹنگ کے ایجنڈے میں ایک دو نہیں گیارہ آئٹم تھے۔ ان آئٹموں میں "اگزیکیٹو کونسل کی تشکیل نو" اور "گورنر جنرل" کے آئٹم بھی شامل تھے۔ جناح دونوں موضوعات کو چیستاں سمجھ رہے ہیں اور اپنا نظریہ ظاہر کرنے کی بجائے انھوں نے کانگریس اور ماؤنٹ بیٹن پر یہ بات چھوڑ رکھی ہے کہ تحریک ادھر ہی سے شروع ہو۔ مسلم لیگ اور کانگریس یعنی یہ دونوں جماعتیں مسائل کی اہمیت اور انتظامیہ کی ضرورت سے اپنے کو بے خبر رکھنا چاہتی ہیں۔

"تقسیم ملک سے انتظامیہ پر پڑنے والے نتائج مابعدی" کی یادداشت لیڈروں کو تین ہفتہ قبل دیدی گئی تھی اور انھوں نے تقسیمِ ملک کی ضروری کمیٹیوں کو قائم کر کے یہ ظاہر کردیا تھا کہ وہ ان ضابطوں کو تسلیم کرتے ہیں جو یادداشت میں مذکور ہیں۔ ورنن نے ان چند آئٹموں کی ایک طویل فہرست مرتب کی تھی جس پر اُن کو فیصلے لینے تھے۔ لیکن آج تک یہ کام ادھورے کا ادھورا ہے۔

سب سے زیادہ بوجھ دو افراد پر مشتمل اسٹیڈنگ کمیٹی پر پڑ رہا ہے جسے تقسیم ملک کی کمیٹی نے ۱۳ر جون کو اپنی پہلی میٹنگ میں بنائی تھی۔ وہ دو افراد جو باضابطہ کانگریس اور مسلم لیگ کی طرف سے نامزد ہو کر آئے ہیں یہ ہیں۔

کابینہ کے سکریٹری ایچ ایم پاٹل اور ملٹری فنانس ڈیپارٹمنٹ کے مشیر مالیات محمد علی۔ دونوں سول سروس کے آدمی ہیں اور ممتاز قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مالک۔ ایچ ایم پاٹل سے میری ملاقات ۱۹۴۳ء میں دہلی میں ہوئی تھی۔ ان دنوں وہ سول سپلائیز ڈپارٹمنٹ میں اکبر حیدری کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ تربیت بڑی اچھی پائی اور اب تو بڑے بڑے بھی اُن کی صلاحیتوں کا لوہا مان گئے ہیں۔ محمد علی تو پاکستان کے لئے ناگزیر ہیں۔ ان کی قابلیت قابلِ رشک ہے۔ کسی بھی ملک کی سول سروس میں محمد علی کے شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔ مقام حسرت ہے کہ پاٹل اور محمد علی دونوں ایک ساتھ کام کر چکے ہیں اور تعلقات بے حد خوش گوار ہیں۔ وضع قطع میں بہت حد تک یکسانیت ہے لیکن شخصیت مختلف ہے۔ پاٹل فطرتاً ہنس مکھ ہیں، محمد علی میں متانت و سنجیدگی ہے۔ دونوں پُرامید ہیں کہ تقسیم ملک کا انتظامیہ جلد از جلد بلکہ ۱۵ر اگست سے پہلے پہلے طے پا جائے گا لیکن اس سلسلے میں انھیں پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ سیاسی تعاون کی ضرورت پڑے گی۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل۔ ۲۴ر جون ۱۹۴۷ء

ویسے تو ۳ر جون کے پلان کی گاندھی نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں حمایت کا اعلان کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی نہیں جانتا کہ عدم تشدد کا یہ آتش فشاں کب لاوا اگلنا شروع کر دے۔

آج سویرے میں نے آل انڈیا ایڈیٹرس کانفرنس کی آئندہ میٹنگ کے بارے میں دیوداس گاندھی سے جس کے وہ چیرمین ہیں ٹیلیفون پر بات کی۔ دوران گفتگو میں انھوں نے میری توجہ رائٹر کی اُس رپورٹ کی طرف جو لندن سے موصول ہوئی ہے مبذول کرائی۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ آزادئ ہند کے وضع قانون کے لئے پارلیمان طریق کار کیا ہوگا۔ یہ محض ایک روایتی رسم ہے جو تمام بلوں کو آئینی جامہ پہناتے وقت دونوں ایوانوں میں انجام دی جاتی ہے۔ اس کے ابتدائی

پیراگراف کے الفاظ یہ ہیں۔ "آیندہ ماہ برطانوی پارلیمنٹ اپنی نصف ساعت کی باضابطہ رسم میں ہندوستان اور پاکستان کے تقریبًا چالیس کروڑ عوام کو درجۂ نو آبادیات سے نوازے گی۔ یہ بل جو دو نئی قوموں کو جنم دے رہا ہے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں پڑھ کر سنایا جائے گا۔"

ویو داس نے کہا کہ دو نئی قوموں کو جنم دینے کی بات سے اُن کے پتا بہت زیادہ اُداس ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ رائٹر کی طرف سے موصولہ اس رپورٹ کو حکومت کی تائید حاصل ہے اور یہ کہ "دو قوموں کی تھیوری" کانگریس کے نظریہ کے منافی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مہاتما اس رپورٹ سے اس حد تک مشتعل ہوئے ہیں کہ انھوں نے پیر کو اپنی پرارتھنا میٹنگ میں خاص پیغام جاری کیا جس میں انھوں نے کہا۔ "آج کے اخباروں میں یہ خبر ہے کہ دو قوموں کے درمیان ہندوستان کی تقسیم پر لندن میں شان دار تقریب منائی جائے گی ـــ یہ وہ دو قومیں ہیں جو کل تک ایک ہی قوم تھیں۔ آخر اس المیہ پر اظہار مسرت کیسا؟ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ ہم جدا ہو رہے ہیں۔ لیکن ہماری یہ جدائی دوستوں اور بھائیوں جیسی ہوگی اور ہم ایک ہی خاندان کے فرد رہیں گے۔ اگر اخباروں کی رپورٹ درست ہے کہ برطانیہ نقاروں کی آواز میں ہمیں دو قوموں میں تقسیم کر رہا ہے تو کیا یہ اُس کا وداعی نشانہ نہ ہوگا؟ مجھے ایسی اُمید تو نہیں۔"

ویو داس نے مجھ پر زور دیا کہ ان حالات سے ماؤنٹ بٹین کو جلد از جلد آگاہ کر دوں۔ اُنھوں نے اُمید ظاہر کی کہ ماؤنٹ بٹین اپنی راہ کو خطرات سے بچانے کے لئے رپورٹ کی تردید کریں گے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے پتا اس رپورٹ سے اس حد تک ناراض اور افسردہ ہوئے ہیں کہ کل وائسرائے کے ساتھ اپنی ملاقات میں اسے شدومد کے ساتھ زیر بحث لائیں گے۔

میں نے ماؤنٹ بٹین کو ساری باتوں سے آگاہ کر دیا۔ اس نوعیت کے نفسیاتی دباؤ کا ردِ عمل اُن پر ہمیشہ صحت مند ہوا کرتا ہے۔ ان کی ابروؤں میں ذرا بھی بل نہیں آیا۔ اس موقع پر مجھے اسمے کی یہ بات یاد آتی ہے کہ وہ روزانہ صبح کو بستر سے اُٹھنے کے بعد دل ہی دل میں یہ دہراتے ہیں۔ "صبر اور توازن"

کل فیلڈ مارشل منٹگمری قصر وائسرائے پہنچ گئے تھے چنانچہ آج رات ان کے اعزاز میں ڈنر پارٹی دی گئی۔ ان سے انٹرویو لئے گئے اور مختلف موضوعات پر باتیں ہوئیں۔

اُن کے دورے کا پروگرام اگرچہ بہت پہلے طے کیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت برمحل اور باموقع ثابت ہوا۔ افواج ہند کی تقسیم کے سلسلے میں جو کام ہوا تھا منٹگمری نے اُس پر اپنا خیال پیش کیا۔ انھوں نے ہندوستان سے برطانوی فوج کے انخلاء کے مسئلے کو حل کرنے میں بھی مدد دی۔ برطانوی افواج کے بارے میں سمجھوتہ ہو گیا ہے طے یہ پایا ہے کہ بحری جہاز بآسانی مل سکیں تو انتقال اختیارات کی تاریخ سے چھ ماہ تک ہندوستان سے ان فوجوں کو منتقل کر دیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال کی منٹگمری نے بھی تائید کی کہ اس مدت میں برطانوی فوج - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - کو کسی مہم میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔

کل منٹگمری کی آمد کے فوراً بعد ہی ماؤنٹ بیٹن اور چیف آف دی امپیریل جنرل اسٹاف کی تصویر لینے کے انتظام کے سلسلے میں مجھے طلب کیا گیا۔ میں تصویر کشی کا انتظام کر ہی رہا تھا کہ وائسرائے کی مطالعہ گاہ کے دریچے کے باہر عجیب وغریب منظر دکھائی دیا — یعنی ایک بیل جو گلستانِ مغل کے لان کی گھاس کاٹ چکا تھا جگالی کرتے کرتے ادھر آ نکلا۔ سب سے پہلے منٹگمری کی نگاہ اُس پر پڑی۔ بولے۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ اس وقت وہ ادھر آ نکلا۔ شاید اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں پھر آیا ہوں۔ اس سے پہلے جب ویول اور اوکنلک کے ساتھ میری یہیں گروپ فوٹو لی گئی تھی اُس وقت ہم تینوں میں سب سے نمایاں شخصیت بیل کی تھی۔

ہم باغ میں کیمرہ مین کی طرف مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ منٹگمری نے کیمروں کو بڑے غور سے دیکھا اور جب ان کیمروں پر ساختہ جرمنی لکھا ہوا نظر آیا تو وہ اُچھل پڑے اور بولے۔ "ان کیمروں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے بہت سارے کیمروں سے یہ اچھے ہیں۔"

آج شام کو ڈنر پارٹی میں ماؤنٹ بیٹن نے منٹگمری کی غیر متوقع تحسین وستائش کی۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ۔ ۲۵ر جون ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کی ۴۷ ویں سال گرہ کا جشن منانے کے لئے آج رات "فیملی" ڈنر پارٹی ہوئی۔ اسٹاف کے چالیس ارکان کو جن میں ان کی بیویاں اور بچے بھی شامل ہیں مدعو کیا گیا تھا۔ اس موقع پر میویل نے ذرا ترش ہوکر گورنر جنرل کے فیصلے کی تاخیر پر غیظ وغضب کا اظہار کیا اور اس تاخیر کا سبب جناح کو قرار دیا۔

سنڈے ٹائمز اور کیمسلی پریس کے نامہ نگار جیسلین ہنسی نے آج سویرے مجھ سے کہا کہ جناح کے سکریٹری خورشید نے پاکستان کی ایک خبر برائے اشاعت دی ہے۔ اس خبر میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان نہیں چاہتا ہے کہ اس کا گورنر جنرل بھی وہی ہو جو ہندوستان کا ہو۔ ماؤنٹ بیٹن آئندہ چند ماہ تک ملک نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ ابھی انھیں بہت سارے کام انجام دینے ہیں۔ بوب اسٹیفن نے بھی مجھ سے کہا کہ خورشید نے ان کو کم وبیش یہی خبر اشاعت کی غرض سے دی ہے لیکن اس اضافے کے ساتھ کہ پاکستان کا گورنر جنرل شاہی خاندان کا ہونا ضروری ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۲۷ر جون ۱۹۴۷ء

اب جب کہ پنجاب اور بنگال نے اپنی اپنی تقسیم کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے نتیجے کے طور پر دونوں صوبوں کا نصف حصہ دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کا کام بھی شروع کر دے گا تقسیم کی کمیٹی جو عارضی حکومت کے کانگریسی اور مسلم لیگی ارکان تک محدود تھی اب تقسیم کی کونسل میں بدل گئی۔ اس کے اختیارات وسیع کر دیئے گئے اور جناح کو بھی شامل کر لیا گیا اب یہی کونسل آخری اور حتمی فیصلوں تک پہنچے گی۔

نئی کونسل کا اجلاس پہلی بار آج ماؤنٹ بیٹن کی صدارت میں شروع ہوا لیکن انھوں نے حسب معمول ثالثی عہدہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اب انھیں کوئی ثالث

بننے پر مجبور بھی نہیں کرے گا۔ کیونکہ جناح کی اس تجویز کو کہ بنگال اور پنجاب کی حد بندی کے پریشان کن مسئلے کو اقوام متحدہ کے حوالہ کر دیا جائے۔ لیکن نہرو نے ان اسباب کی بنا پر مخالفت کی کہ اس طرح مسئلے کے حل میں غیر معمولی تاخیر ہو جائے گی۔ ہر کمیشن میں ریڈکلف کے ساتھ ہائی کورٹ کے چار جج ہوں گے یعنی دو کانگریس کے نامزد اور دو مسلم لیگ کے۔ اس سلسلے میں فیصلہ جو بھی ہوگا اس کی ذمہ داری سراسر ریڈکلف پر عائد ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ماؤنٹ بیٹن ان ایوارڈوں یا آئندہ کسی اور ایوارڈ میں خود کو شامل نہیں کریں گے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۲۸ر جون ۱۹۴۷ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن کی توجہ ڈان کے اس اداریہ کی طرف مبذول کرائی گئی جس میں سلہٹ میں غیر جانب دار رائے شماری کرانے پر شک کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس میں شکایت اس بات کی کی گئی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے ویسی ہی فوجی نگرانی کا سلہٹ میں انتظام نہیں کیا۔ جیسا انتظام صوبہ سرحد کی رائے شماری میں کیا گیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن چونک اٹھے اور بولے — "ارے ہاں! اس نے تو ٹھیک ہی لکھا ہے!" انھوں نے یہ بھی کہا کہ مصروفیات اتنی زیادہ رہیں کہ میں یہ بھی بھول گیا کہ رائے شماری ان کی زیر نگرانی کرائی جا رہی ہے اور بالکل اسی طرح جیسی صوبہ سرحد میں کرائی گئی تھی۔ لیکن ڈان کا حملہ قطعی گمراہ کن ہے کیونکہ سلہٹ کی رائے شماری میں نہ تو بے ضابطگی کو دخل ہے اور نہ دانستہ ایسا کیا گیا ہے۔

میرے شانے پر جو نازک ذمہ داری رکھی گئی وہ یہ تھی کہ میں الطاف حسین سے اس بارے میں گفتگو کروں اور انھیں یقین دلاؤں کہ معاملہ زیر غور ہے۔ الطاف حسین نے اپنے اداریئے کے آخری چند جملوں میں دھمکی بھی دی تھی۔ انھوں نے لکھا تھا۔ "اگر آئندہ اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اطمینان بخش اعلان نہیں کیا گیا تو پھر ہم دو ٹوک باتیں کرنے کے مجاز ہوں گے۔" میں بھی ان کے ساتھ اسی طرح پیش آیا۔ میں نے انھیں جارج ایبل

سے ملنے پر رضامند کیا اور انہیں یہ یقین دلایا کہ وائسرائے اس سلسلے میں جو قدم اٹھانا چاہتے ہیں اس سے انکو آگاہ کرینگے۔

ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ الطاف حسین اپنے ادارے میں جارحانہ رویہ اختیار کر رہے ہیں حالانکہ موجودہ فضا میں انھیں ضبط سے کام لینا چاہئے

آج ماؤنٹ بیٹن کے نام جناح کا جو مکتوب موصول ہوا اس کو پڑھکر اسمے کا ردعمل خلاف معمول شدید تھا۔ انھوں نے کہا۔" اگر بادشاہ معظم مجھے بھی ایسا مکتوب بھیجتے تو میں قبول نہ کرتا۔ اور نہ ہی ایسا مکتوب میں اپنے خادم کو تحریر کر سکتا ہوں۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

پیر، ۳۰؍جون ۱۹۴۷ء

تقسیم کی کونسل مسلح افواج ہند کی تقسیم کے ضابطہ پر کسی تاخیر یا تنازعہ کے بغیر رضامند ہو گئی۔ حیرت انگیز طور پر یہ کام کسی حیل و حجت کے بغیر طے پا گیا اور یہ سب کچھ ماؤنٹ بیٹن کی ساحرانہ شخصیت کا نتیجہ ہے۔

اوکنلک اور اسمے بھی قابل تعریف ہیں کہ انھوں نے ایسا ڈھانچہ بنایا۔ اڑیسہ کے گورنر تریویدی نے جو زمانہ جنگ میں دفاع کے سکریٹری رہ چکے ہیں اور جن کو دفاع کا سب سے زیادہ تجربہ ہے نہرو اور پٹیل کو بھی اعتماد میں لے لیا۔ لیاقت بھی ان کے پرانے دوست ہیں اس لئے ان کا اعتماد بھی حاصل کرنے میں الجھن نہیں ہوئی۔

مسلح افواج کی تقسیم کا بنیادی اصول یہ منظور کیا گیا کہ انڈیا اور پاکستان کے اپنے اپنے علاقوں میں مسلح افواج ہونگی اور ۱۵؍اگست سے یہ دونوں مملکتیں سیاہ و سفید کی مالک ہونگی۔ طرفین نے اس شرط پر خاصہ زور دیا کہ جب تک مکمل عسکری آزادی نہیں ملے گی تصفیہ نہیں ہو سکتا جناح اور لیاقت علی خاں نے یہاں تک کہدیا کہ اپنی مسلح افواج کے بغیر وہ زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں نہیں لیں گے۔

طرفین نے ۱۵؍اگست کے بعد مسلح افواج پر مرکزی انتظامی کنٹرول کی سخت مخالفت کی لیکن اس باب میں ماؤنٹ بیٹن نے مداخلت کی اور کہا کہ جب تک املاک کی تقسیم کا کام مکمل نہیں ہو جاتا ہے اس وقت تک مسلح افواج کا نظم و نسق اوکنلک کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے۔

مختصر یہ کہ مشترکہ دفاعی کونسل کے تحت مسلح افواج ہند کا انتظامی کنٹرول ان کے ہاتھوں میں ہوگا

اور وہ مختصر مدت کے لئے ہندوستان ہی میں رہیں گے۔ اوکنلک کے علاوہ مشترکہ گورنر جنرل یا علیحدہ گورنر جنرل اور دو دفاعی وزرا بھی شامل ہوں گے۔

غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے اوکنلک ۱۵ اگست سے اس وقت تک سپریم کمانڈر کہلائیں گے جب تک ان کا کام مکمل نہ ہو سکے۔ کام کی تکمیل کے لئے آخری تاریخ یکم اپریل ۱۹۴۸ء رکھی گئی ہے لیکن اس مدت میں نظم و نسق کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوگی۔

مسلح افواج ہند کی تقسیم جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس مسئلے کو سیاسی سیاق و سباق سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ شکوک و شبہات اور فرقہ وارانہ تعصبات کے پیش نظر یہ کام انسانی قبضۂ قدرت سے قطعی باہر تھا لیکن یہ کام بھی ماؤنٹ بیٹن کی فراست سے انجام پا گیا۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی

منگل، یکم جولائی ۱۹۴۷ء

۱۵ اگست کے نازک لمحے جوں جوں قریب آرہے ہیں پنجاب کی فضا زہر آلود ہوتی جارہی ہے۔

دہلی سے ایک سکھ رفیوجی نے اوکنلک کو خط تحریر کیا ہے جو زبردست معرکے کی طرف ایک اشارہ ہے اس کو شکایت ہے کہ سکھوں کا ساتواں دستہ اب تک بصرہ میں ایرانی تیل کی حفاظت پر مامور ہے لیکن گذشتہ ایک سال کے اندر ہماری جنم بھومی میں جو المناک واقعات رونما ہوئے ہیں ان سے ہمارے یہ سکھ بھائی بیحد متاثر ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے ہمارے بھائیوں کا اپنے گھروں میں ہونا بہت ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگست کا ڈرامہ کھیلے جانے سے پہلے آپ ان کی جلد از جلد واپسی کے احکامات جاری کردیں گے۔

جنکنس نے رپورٹ دی ہے کہ لاہور اور امرت سر کے حالات تشویشناک حد تک نازک ہوگئے ہیں۔ تشدد کے شعلے جگہ جگہ بھڑک رہے ہیں۔ پولیس یا فوجی مداخلت اس نوع کے واقعات پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہندوستانی شہروں کو نذر آتش کردینا کتنا سہل کام ہوگیا ہے یہ آتش زدگیاں خطرناک رجحانات کا پتہ دے رہی ہیں۔ کھڑکیوں اور چھتوں اور تنگ گلیوں سے دستی بم پھینکنے والوں کو پکڑنا ناممکن کام بن گیا ہے۔

باب ۱۱

کشمکش

واٗسرائے ہاؤس، نئی دہلی
بدھ ۲ جولائی ۱۹۴۷ء

قصرِ وائسرائے کے الگ الگ کمروں میں کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈر بیٹھے نوآبادیاتی بل کے مسودہ پر غور وخوض کر رہے ہیں۔ جناح نے اب تک گورنر جنرل کے عہدے کے متعلق اپنا حتمی فیصلہ صادر نہیں کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک بل کے نشیب وفراز پر اچھی طرح غور نہیں کر لیا جاتا ہے اس وقت تک فیصلے کا اعلان ذرا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں وہ اپنے قریبی احباب سے بھی مشورہ کر لینا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال اب تک یہی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن اگر دونوں نئی مملکتوں کے سربراہ کی حیثیت سے کسی عہدہ پر متمکن رہے تو تقسیم ملک کا کام بحسن وخوبی انجام پا سکتا ہے۔ جناح نے اس بات کو بھی اشارہ کیا کہ انھوں نے اپنے خیرخواہوں اور قریبی احباب کے مجبور کرنے پر ایسا قدم اٹھایا ہے جو سراسر ان کے ضمیر کے خلاف ہے لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہوگی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے وہ دوست احباب کون ہیں کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے احباب اور خیرخواہ انہیں وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کرنے کا مشورہ دیتے آ رہے ہیں۔ ان کے احباب کا خیال ہے کہ اگر وہ وزیراعظم بن جاتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ اختیارات آ جائیں گے وہ ان باتوں سے بھی اچھی طرح آگاہ ہیں کہ املاک کی تقسیم میں انڈیا کو فائدہ پہنچے گا لہٰذا اگر ماؤنٹ بیٹن آٹھ ماہ کے لئے مشترکہ گورنر جنرل ہوتے ہیں تو پاکستان بھی یقیناً نفع بخش پوزیشن میں رہے گا۔

جب ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر یہ پوچھا کہ ان کے اس فیصلے سے نئی مملکت کو کتنا خسارہ اٹھانا پڑے گا تو انھوں نے بھی تسلیم کیا کہ املاک کے مد میں انھیں کئی کروڑ

روپوں کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدہ کے علاوہ اور کوئی عہدہ قبول نہیں کرونگا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ جناح نے ماؤنٹ بیٹن سے درخواست کی کہ وہ انڈیا کا گورنر جنرل ہونا منظور کرلیں کیونکہ اس طرح دونوں مملکتوں کے تعلقات استوار کرنے میں مدد ملے گی۔

صبح کے ساڑھے نو بجے اسمے کی قیام گاہ پر ماونٹ بیٹن کے اسٹاف کا ہنگامی جلسہ ہوا۔ جلسے کا مقصد یہ تھا کہ وائسرائے کو جن نازک حالات سے گذرنا پڑرہا ہے ان پر غور کیا جائے اور کوئی حتمی قدم اٹھانے سے پہلے ہم ان کو اپنے نظریات سے مطلع کردیں۔ جناح آخری لمحہ تک اس مسئلے پر امید و بیم کی فضا پیدا کرتے رہے۔ ہم سب اس بات پر متفق تھے کہ وہ آئینی گورنر جنرل بننے کے بجائے وزیراعظم کے عہدہ کو ترجیح دیں گے بلکہ ہم اس نتیجے پر بھی پہونچ گے تھے کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کو مشترک گورنر جنرل بنتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کے اس عہدہ سے فائدہ اٹھاسکیں۔ لیکن خلاف توقع ماؤنٹ بیٹن کو کانگریس کی طرف سے گورنر جنرل کی کے عہدہ کی پیش کش کی گئی اور جناح نے اپنا انتخاب خود کرلیا۔

کافی غور و خوض کرنے کے بعد اس بات پر ہم سب متفق ہوئے کہ ان حالات کے پیش نظر ماؤنٹ بیٹن کو کانگریس کی غیر مشروط پیش کش قبول کرلینا چاہیئے۔ ہمارے سامنے اب تین راہیں کھلی ہوئی تھیں:-

(۱) جناح سے اس بات پر اتفاق کرنا کہ وہ پاکستان کے گورنر جنرل ہوں اور ماؤنٹ بیٹن صرف انڈیا کے گورنر جنرل بن کر رہیں۔

(۲) جناح سے اس بات پر اتفاق کرنا کہ وہ پاکستان کے گورنر جنرل ہوں اور کانگریس کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ ماونٹ بیٹن کے علاوہ انڈیا کے گورنر جنرل کے لئے کسی اور کو نامزد کیا جائے۔ (۳) ایسے فارمولے کی تشکیل کرنا کہ ماؤنٹ بیٹن دونوں مملکتوں کے مشترک گورنر جنرل ہوں اور پاکستان کو کنٹرول کرنے کے لئے جناح کو مکمل اختیارات دیئے جائیں تاکہ ان کی خواہشات کی بھی تکمیل ہوسکے۔

کل سہ پہر تک ماؤنٹ بیٹن سے ہماری ملاقات نہیں ہوگی۔ اس طرح ہمیں اپنے اپنے خیالات پر غور کرنے کا موقع مل گیا۔ ہم سبھوں نے سوائے ایک کے ان سے درخواست کی کہ ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے مفاد کے پیش نظر انھیں کانگریس کی پیش کش کو منظور کرلینا چاہیئے۔ انھیں ہماری

اتفاق رائے اور اور خلوص سے سخت حیرت ہوئی۔ ان کی حیرت بیجا نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے ہم اس سوال پر متفق نہ تھے۔ لیکن اب جناح کے اس فیصلے سے کہ وہ پاکستان کا گورنر جنرل بننا چاہتے ہیں۔ حالات میں تبدیلی آگئی تھی۔

اس مسئلے پر جب مجھے کچھ کہنا پڑا تو میں نے اپنا وہ نوٹ پڑھ کر سنا دیا جسے میں پہلے سے تیار کر چکا تھا۔ میں نے ان تینوں راہوں کی اشاعت کی پیچیدگیوں پر زور دیا تھا جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ میں نے کہا "سیاست میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ انتقال اختیارات کے ساتھ ہی ساتھ پاکستان برطانوی سامراج کی آخری چوکی رہ جائے گی اور برطانیہ کے خلاف کانگریس کا تعصب جلد از جلد غالب آجائے گا۔ جہاں تک برطانیہ کے وقار کا سوال ہے یہ حیرت انگیز بات ہوگی کہ کانگریس اپنی ستر سال کی سخت جدوجہد کے بعد بھی انگریزوں کو قیام کی دعوت دے رہی ہے۔

اس دعوت نامے سے جدید ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلقات اس حد تک خوشگوار ہوں گے کہ ہم توقع بھی نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی اس الزام کی بھی تردید ہو جائے گی کہ ماؤنٹ بیٹن کانگریس کے ہاتھوں بک گئے ہیں۔ کیونکہ پاکستان اور جناح کو وہ سب کچھ مل گیا جو وہ چاہتے تھے۔ نیز ماؤنٹ بیٹن کا جدید ہندوستان کے سربراہ کی حیثیت سے رہنا اس بات کی سب سے بڑی ضمانت ہے کہ پاکستان کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات دوستانہ اور تعمیری ہوں گے۔

"یہ دلیل کہ جناح چونکہ سیاہ و سفید کے مالک ہوں گے اور ماؤنٹ بیٹن محض آئینی گورنر جنرل لہٰذا ہندوستان پاکستان کے تعلقات میں کوئی حیرت انگیز تبدیلی نہیں آسکتی، غور طلب بات ضرور ہے لیکن پبلسٹی کے لحاظ سے کوئی سنگین مسئلہ نہیں ہے۔ بلاشبہ ماؤنٹ بیٹن اپنے محدود اثرات کے پیش نظر کوئی عظیم کارنامہ انجام نہیں دے سکتے لیکن اس بات کو شدت سے محسوس کیا جائے گا کہ دوسرا کوئی گورنر جنرل ان سے زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نازک دور میں ماؤنٹ بیٹن اور جناح کے تعلقات قریبی اور دوستانہ ہیں۔ اس پیش کش کے خلاف ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن فی الحال وائسرائے ہیں جب وہ صرف ہندوستان کے گورنر جنرل ہوں گے تو درجہ میں فرق آجائے گا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں وہ کیسے؟ ان کے مشن کا عظیم ترین مقصد تو یہ ہے کہ انھیں مستقبل کے لئے راہیں ہموار کرنی ہیں، انھیں ہندستانیوں کے ساتھ ہمارے

تعلقات کے نئے باب کی ابتدا کرنی ہے۔

اگر ماؤنٹ بیٹن ۱۵ اگست کو سارے اختیارات اپنے کسی جانشین کے ہاتھوں سونپ دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہندوستان کو آتش فشاں کے دہانے میں جھونک کر جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی ہر طرف سے اعتراض کی بوچھاڑ شروع ہو جائے گی کہ وہ کام کو ادھورا چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ یا دوسرے لفظوں میں انھوں نے اپنے فرائض جوں توں کر کے انجام دیدیئے۔"

میرے کہنے کا لب لباب یہ تھا کہ مشترک گورنر جنرل کا فارمولا اگرچہ ہر لحاظ سے خاطر خواہ اور مناسب ہے لیکن اگر ماؤنٹ بیٹن صرف انڈیا کے گورنر جنرل بن جاتے ہیں تو نہ صرف برطانیہ بلکہ عالمی پریس بھی اس اقدام کا خیر مقدم کریگا اور اگر وہ ۱۵ اگست کو سرزمین ہند کو الوداع کہہ دیتے ہیں تو ہر طرف سے نکتہ چینی شروع ہو جائے گی۔

وائسرائے کے سامنے اس وقت تمام مسائل میں جو اہم آئینی مسئلہ ہے وہ ہے جناح کا گورنر جنرل ہونا۔ انھیں اس سلسلے میں جلد از جلد کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا ہے۔ مسودہ کے بل پر کانگریس اور مسلم لیگ کے تبصرے موصول ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ان تبصروں پر ماؤنٹ بیٹن کے تبصرے بذریعہ بحری تار لندن بھجوانے ہیں۔ اعتراضات میں گہرائی تو نہیں البتہ طوالت ضرور ہے اگر حکومت برطانیہ اپنے نقطۂ نظر پر اڑی رہتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ بل کی تنسیخ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اندیشہ جو کچھ بھی ہے وہ خارجی ہے۔ آئندہ چند ہفتے واقعی بڑے ہی تشویشناک نظر آ رہے ہیں۔ لیکن سیاست میں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ مشکلیں جتنی زیادہ پڑتی ہیں، پھر مشکل مشکل نہیں رہتی۔ آج سویرے عارضی حکومت کے مستقبل پر رپورٹ پیش کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔" کل رات کرشنا مینن میرے پاس آئے اور فاتحانہ انداز میں بولے۔" میں سمجھتا ہوں کانگریس اب مستعفی نہیں ہوگی۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" میں نے ان سے صرف اتنا کہا۔ "واقعی!"

متفرقات میں کیسل کلب کی تقسیم کا سوال زیر غور آیا۔ کیا ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ ساتھ کلب کو بھی تقسیم کر دیا جائے گا؟ ہمارا یہ آزمائشی دور ہے۔ ملٹری سکریٹری کے دفتر میں اس سلسلہ میں برابر تحقیقات کی جا رہی ہیں کہ ہمارا آئندہ قدم کیا ہوگا۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی
جمعہ ۴ر جولائی ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے آج کانگریس اور مسلم لیگ کے تمام ممبروں کو طلب کیا اور ان سے مستعفی ہو جانے کے لئے کہا۔ یہ قدم دراصل اس بحران کو ختم کرنے کے لئے اٹھایا گیا جو عارضی حکومت کے مستقبل کو پیش آنے والا تھا۔ یہ قدم دو پیچیدہ مسائل کے پیش نظر اٹھایا گیا تھا۔ اول یہ کہ کانگریس پٹیل کی اس شکایت کو بار بار دہرا رہی تھی کہ "اگر تم حکومت نہیں کر سکتے تو حکومت کی زمام ہمارے ہاتھوں میں دیدو"۔ اور دوم یہ کہ جناح پر اس شکایت کا ردعمل خوفناک ہو رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی بھی مسلم لیگی وزیر کو برطرف کیا گیا تو سب کے سب مستعفی ہو جائیں گے جس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ تقسیم کی ساری اسکیم کا وہ بائیکاٹ کرتے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ اگر انھوں نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو نہ صرف امن و امان کو خطرات درپیش ہوں گے بلکہ پاکستان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔

نہرو کانگریس کے اس رویہ سے دل برداشتہ ہیں۔ کانگریس کا یہ مطالبہ کہ جلد از جلد سارے اختیارات اس کو مل جائیں اور وہ اپنے گھر کی مالکہ بن جائے، نہرو کے لئے پریشان کن بن رہا ہے۔ وہ اس سوال پر کئی بار مستعفی ہو جانے کی دھمکی بھی دے چکے ہیں۔ جناح نے اس فارمولا کو مسترد کر دیا تھا کہ سارے قلمدان وزارت مسلم لیگی ممبروں کو سونپ دیئے جائیں۔ ان کے خیال میں مسلم لیگ کے ممبروں کی اس میں بہت بڑی توہین ہے۔ لیکن جب ماؤنٹ بیٹن نے ایک اسکیم کے ذریعہ ان کے احساسات کو مجروح ہونے سے بچانے کی کوشش کی تو جناح نے فوراً اپنا مدعا بدل دیا اور کہا کہ ان کی یہ اسکیم ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت غیر آئینی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سلسلے میں لندن میں تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ جناح اپنی شکایت پر حق بجانب ہیں۔

آج کی اسٹاف میٹنگ میں ہمارے سامنے جو باتیں زیر غور آئیں وہ یہ تھیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن ۱۵ راگست کے بعد صرف ہندوستان کا گورنر جنرل بننا منظور کر لیتے ہیں تو اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ اب تک ہم ان کے ذہن سے غلط فہمیوں کو دور نہیں کر سکے ہیں۔ انھیں اندیشہ اس بات کا ہے کہ چونکہ ان کے ہاتھوں میں اختیارات نہیں ہوں گے اس لئے ان کی موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں انھوں نے خیرسگالی کا

جو جذبہ پیدا کیا ہے وہ آب بخارات بن کر اڑ جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن ذاتی طور پر کوئی قدم اٹھانے سے پہلے بادشاہ اور وزیر اعظم کا مشورہ بھی حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔ انھیں اس بات کا بھی شبہ ہے کہ حکومت برطانیہ کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مشترک گورنر جنرل کے عہدہ کے امکان کو ختم کر کے میں نے اسے دھوکا دیا ہے اور اس کی پوزیشن کو نازک بنا دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے فوراً لندن روانہ ہو جائیں اور جب پارلیمنٹ سے آزادی کا بل، منظور ہو اس وقت وہ وہیں موجود رہیں اور ساتھ ہی اونچی سطح پر یہ معلوم کریں کہ انھیں ہندستان ہی میں قیام کرنا ہے یا واپس آجانا ہے۔ مجھے بھی اسمے کے ہمراہ جانا ہے تاکہ نئے حالات پر جو ردعمل ہو رہا ہے اس کو اور ساتھ ہی پریس کو بھی کنٹرول میں رکھ سکوں۔

لندن، پیر ۷ جولائی ۱۹۴۷ء

ہفتے کی سہ پہر کو ہم نے وائسرائے کے ہوائی جہاز سے پالم کو خدا حافظ کہا اور آج چائے نوشی کے وقت ہم منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ انگلستان کبھی اتنا حسین اور خوبصورت دکھائی نہ دیا جتنا اس سفر میں مجھے نظر آیا۔ ہمارا طیارہ بہت نیچے پرواز کر رہا تھا۔ انگلستان کے مرغزاروں کا سبزہ مجھے اپنی طرف برابر کھینچ رہا تھا۔ اس پرواز میں اسمے بڑے ہشاش بشاش نظر آئے۔ انھوں نے ہمارے لئے جگہ جگہ پریشانیاں بھی اٹھائیں۔ مثلاً ہم کراچی، حبانیا اور مالٹا میں جب اترے تو تینوں مقامات پر انھوں نے ہمارے طعام و قیام کا شاندار انتظام کیا۔

آج بھی شام کو چھ بجتے بجتے اسمے نے ۱۰ ڈوننگ اسٹریٹ میں وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ وزیر اعظم نے گفتگو سے یہ نتیجہ نکالا کہ حالات اعتدال پر آنے کے بجائے اور تشویشناک ہو گئے ہیں اس لئے ہندستان میں ماؤنٹ بیٹن کا مزید قیام بیحد ضروری ہے۔

لندن، منگل ۸ جولائی ۱۹۴۷ء

کل ڈنر کے بعد اسمے ۱۰ ڈوننگ اسٹریٹ گئے اور میٹنگ میں شرکت کی۔ نصف شب تک بحث و مباحثے جاری رہے۔ ماؤنٹ بیٹن کی موجودہ پوزیشن کے پیش نظر اختلافات کی گنجائش تو نکل ہی گئی لیکن اس بات پر سارے وزراء متفق الرائے تھے کہ انھیں ہندستان کی پیش کش قبول کر لینی چاہئے۔ ایٹلی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ماؤنٹ بیٹن کے علاوہ کوئی دوسرا فرائض کو انجام دے ہی نہیں سکتا۔ اسمے ہندوستان سے روانہ ہوتے وقت لیاقت سے تحریری حمایت لے گئے تھے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ مسلم لیگ کے اس رویہ سے بہت خوش ہوئی۔ فی الحال پوزیشن یہ ہے کہ دونوں فریق نے ماؤنٹ بیٹن سے کسی ایک فریق کے ساتھ رہنے کی درخواست کی ہے۔

آج صبح : وزیراعظم نے مندرجہ ذیل حزب مخالف کے لیڈروں سے ملاقات کی :۔

سیلسبری۔ میکملن۔ بٹلر۔ سوئیل اور کلیم ڈیوس۔

اسمے نے ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا۔ لارڈ سموئیل نے اپنا وہی مطمح نظر دہرایا جو انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کے سامنے میرے فلیٹ میں پیش کیا تھا یعنی انکا خیال ہے کہ ایک وائسرائے ہو جو دو گورنر جنرلوں کے کاموں کی نگہبانی اور نگرانی کرے۔ لیکن عام خیال یہ پایا گیا کہ اس مطمح نظر کو زیر عمل لانا کٹھن کام ہے کیونکہ خاصی تاخیر ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ کانگریس اس تجویز کو ٹھکرا بھی سکتی ہے۔ لبرل جماعت متفقہ طور پر ماونٹ بیٹن کو انڈیا کا گورنر جنرل بنا دیکھنا چاہتی ہے اور قدامت پسند جماعت بھی اگرچہ تجویز کی حامی ہے لیکن سرکاری طور پر وہ اس وقت تک کوئی رائے نہیں دے سکتے جب تک چرچل اور ایڈن سے اس بارے میں تبادلۂ خیال نہیں ہو جاتا ہے۔ چرچل ان دنوں چارٹ ول میں آرام کر رہے ہیں اور ایڈن میٹنگ میں شرکت نہ کر سکے تھے۔

ایٹلی نے اسمے سے کہا کہ وہ فوراً چارٹ ول جاکر چرچل سے مل لیں۔ چنانچہ انھوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اسمے کا خیال تھا کہ چرچل سے انٹرویو کٹھن ثابت ہوگا لیکن ان کا یہ اندیشہ فوراً دور ہو گیا۔ چرچل خندہ پیشانی سے پیش آئے اور بولے کہ میرے خیال میں جناح کے اقدام سے پوزیشن میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ انھوں نے اسمے کو وائسرائے کے لئے ایک پیغام املا کروایا اور کہا کہ اسے بذریعہ بحری تار فوراً بھیج دیا جائے۔ پیغام کا لب لباب یہ تھا کہ آئینی گورنر جنرل کو لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اطلاع حاصل کر سکتا ہے اور مشورہ بھی دے سکتا ہے اور یہ کہ اس بنیاد پر ماونٹ بیٹن نئی حکومت کو مدد بھی پہنچا سکتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ماونٹ بیٹن خود اپنی صلاحیت اور فراست سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ انڈیا کے لئے کب تک سودمند اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ چرچل نے خاص طور پر ان کے کردار کی سیاسی قدر وقیمت پر زور دیا اور کہا کہ انہیں فرقہ وارانہ کشیدگی کو دور کرنے ریاستوں کے مفادات کو محفوظ کرنے اور ہندستان اور دول مشترکہ کے درمیان جذبہ و خلوص کے رشتوں کو مضبوط بنانے میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔

اسمے نے اپنے اندر نئی زندگی کا جوش و خروش محسوس کیا اور برق رفتاری سے لندن واپس آکر انھوں نے چرچل کے قدامت پسند دوستوں سے ملاقات کا حال بتایا اور پیغام پڑھ کر سنایا۔ پیغام فوراً دہلی ارسال کر دیا گیا۔ اس اتفاق رائے سے ہر فرد نے سکون سا محسوس کیا۔

لندن۔ جمعہ ۱۱ر جولائی ۱۹۴۷ء

اسے کو قصر بکنگھم طلب کیا گیا اور وہ پھر ۱۰۔ڈوننگ اسٹریٹ آئے۔ اس طرح انھوں نے اپنے مشن کا اہم ترین کام انجام دیدیا۔ ماؤنٹ بیٹن کو یہاں کے خیالات و آراسے بھی مطلع کیا گیا۔ میں نے بھی یہاں جن جن ایڈیٹروں سے ملاقات کی تھی اور ان سے جو تبادلۂ خیال کیا تھا اس کی مکمل روداد ماؤنٹ بیٹن کو بھیجدی۔ میں نے انھیں لکھا:۔

"میں نے یہاں کی فضا سے ہر ایڈیٹر کو مطلع کیا لیکن کسی کو بھی اپنا نقطۂ نظر نہیں بتایا۔ میں شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ آپ انڈیا سے فی الحال رخصت نہ ہوں۔ اگر آپ انڈیا کا گورنر جنرل بننا منظور کر لیتے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہاں کے اخبارات آپ کے اس فیصلے کی حمایت کریں گے۔ فرینک اوون کا خیال ہے کہ جب آپ گذشتہ مارچ کو انڈیا تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے وقار کا درجۂ حرارت ۹۰ تھا لیکن اب ۱۹۰ تک پہنچ گیا ہے۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے برطانوی عوام اس کا خیر مقدم کریں گے۔ لارڈ لسٹن کے خیال میں جناح کے فیصلے کو خود غرضی اور جاہ طلبی پر محمول کیا جائے گا اور برطانوی پریس کی نگاہوں میں ان کا وقار اب وہ نہیں رہے گا جیسا کہ گذشتہ دسمبر میں تھا جب وہ انگلستان تشریف لائے تھے۔ ان دنوں یہاں ان کا وقار انتہائی عروج پر تھا اور ہر شخص نے ان کی شخصیت سے اچھا اثر قبول کیا تھا۔"

"کل انڈین انڈیپنڈنس بل کی دوسری خواندگی ہوئی۔ اس وقت میں بھی حاضر تھا حاضرین کی تعداد اتنی نہیں تھی جتنی توقع کی جارہی تھی۔ وزیر اعظم، قدامت پسند کی طرف سے ہیرولڈ میکملن اور لبرل کی طرف سے ہاپکنس موریس کی تقریریں لاجواب تھیں۔ دونوں ایوان کے نمائندوں نے بیک زبان جس انداز میں آپ کو خراج تحسین پیش کیا وہ قابل شنید تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ چند لمحوں کے لئے بھی یہاں آجائیں اور یہاں کی فضا کی نبض پر ہاتھ رکھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ اس ملک کے عوام کا آپ کو کتنا تعاون حاصل ہے۔

لندن، منگل ۱۵ر جولائی ۱۹۴۷ء

دونوں ایوانوں میں مذاکرہ سے پہلے میں نے کلیمنٹ ڈیوس اور لارڈ سموئیل سے طویل گفتگو کی اور انھیں بتایا کہ مارچ سے واقعات کس تیزی سے بدلتے رہے ہیں۔ آج جب دارالامراء میں بل پر دوسری بار خواندگی ہوئی تو لارڈ سموئیل کی تقریر نے سبھوں کو متاثر کیا۔

وہ لوگ جو ہندستان میں انگریزی راج کو برقرار رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے آج ان ہی زبانوں سے "خدا حافظ" سنا گیا۔ وہ اپنی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے دست بردار ہو رہے تھے۔ سموئیل نے بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہا کہ ہم شکست سے دوچار نہیں ہیں بلکہ میں ہم تکمیل وعدہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے گلیڈ اسٹون کی وہ بات یاد دلائی جب "ملکۂ ہند" کے تصور اور خطاب کی انھوں نے سختی سے مخالفت کی تھی۔ سموئیل نے بل کا ذکر ان یادگار لفظوں میں کیا۔ "تاریخ میں ایسے واقعہ کی کوئی مثال نہیں ملتی —— یہ جنگ اور خونریزی کے بغیر امن و امان کا ایک معاہدہ ہے"۔

لارڈ ہیلی فیکس بھی خراج تحسین پیش کرنے سے نہیں ہچکچائے۔ انھوں نے کہا۔ "وہ امیدیں جو ہم ایک مدت سے اپنے دلوں میں پرورش کر رہے تھے آج دولت برطانیہ ان کی تکمیل کر رہی ہے۔ یہ مسئلہ بیحد پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔ لیکن دولت برطانیہ کے نمائندہ مقیم ہندستان نے اسے بھی اپنی قابل رشک ہمت و شجاعت اور فراست و جودت سے حل کر دیا۔"

سموئیل نے مجھ سے کہا کہ ہیلی فیکس بھی اس پیش کش کی پر زور تائید کر رہے ہیں کہ ماونٹ بیٹن ۱۵ اگست کے بعد ہندستان ہی مقیم رہیں۔ گذشتہ دو سال میں پارلیمنٹ کا جو طرز عمل رہا ہے اور جن نکتہ چینیوں کی خاردار راہوں سے گذرنا پڑا ہے اس کے پیش نظر دونوں ایوانوں سے انڈین انڈیپنڈنس بل کی منظوری ایسا واقعہ ہے جو نہ صرف حیرت انگیز ہے بلکہ ناقابل یقین بھی۔

ماونٹ بیٹن نے نہ صرف ہندستانی پارٹیوں کے نزاعی مسائل سلجھائے بلکہ انھیں قریب تر لانے میں مدد دی۔ لہٰذا ان کی خدمات پر جو خراج پیش کیا گیا وہ ان کا حق تھا لارڈ ونٹرٹن نے جو گلہائے عقیدت پیش کئے وہ معنی خیز ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز بھی ہیں۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ "ولنگٹن کے بعد کسی کے اندر بھی قیادت کی بیک وقت فوجی اور آئینی خوبیاں نہیں پائی گئیں۔ اس کے علاوہ میں نہیں سمجھتا کہ ماونٹ بیٹن کی طرح حکومت یا حزب مخالف کے کسی رکن نے بھی بشمول چرچل اور ایٹلی اتنا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہو۔ ماؤنٹ بیٹن نے دونوں ملکوں کے عوام کی مرضی کے مطابق مسائل کی گتھیوں کو سلجھا کر رکھ دیا۔"

دارالعوام کا مذاکرہ بھی کم دلچسپ نہ تھا۔ اس میں لیبر پارٹی کے عقبی نشست

والے اراکین نے تقسیم کو نہ صرف منظور کیا بلکہ اسے خوش آمدید بھی کہا۔

لندن، جمعرات
۱۷ر جولائی ۱۹۴۷ء

ہندستان واپس جانے سے پہلے میں آج قصر کنگسٹن کے کمرے میں ماونٹ بیٹن کی والدہ ماجدہ سے شرف ملاقات حاصل کرنے گیا۔ ان کا دیدار دراصل عظیم شخصیت کا دیدار حاصل کرنا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے لخت جگر کی اب تک کی کامرانیوں سے بیحد مطمئن اور آسودہ تھیں لیکن ساتھ ہی وہ آنے والے خطرات سے بھی بے خبر نہ تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا نور نظر سیاست دانوں کا شکار بن جائے۔ انھوں نے مجھ سے کہا "تم اس وقت تک مقیم رہو جب تک ہندستانی کردار کو بدلنے کی امید میں تیوسلا نہ بن جاؤ۔ عہد وکٹوریہ کی اس عظیم خاتون سے گفتگو کرنا کتنا فرحت بخش ہے ــــ وہ ملکہ وکٹوریہ کی سگی پوتی جو ٹھہریں۔ لیکن ماضی کے رسم و رواج سے وہ اس حد تک آزاد ہیں کہ سگریٹ ہولڈر کے ذریعہ سگریٹ نوشی میں انھیں خاص لطف ملتا ہے۔

نئے سکریٹری آف اسٹیٹ برائے انڈیا سٹوول نے تشویش کا اظہار کیا کہ اگر ماؤنٹ بیٹن مزید ہندستان میں قیام کرتے ہیں تو ہندستان کے بائیں بازو کے لیڈران اور خصوصاً سوشلسٹ لیڈران مظاہرہ کریں گے۔ یہ بات میں نے اس وقت سنی جب اسمے وزیروں سے گفتگو کر رہے تھے۔ آج شام کو "وو ڈرو و یاٹ" نے دارالعوام میں پٹوردھن سے ملاقات کرائی۔ پٹوردھن سوشلسٹ لیڈر جے پرکاش نرائن کے ہم راز ہیں۔ وہ لندن میں ایکٹ کی منظوری کے سلسلے میں تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ماونٹ بیٹن کو گورنر جنرل کے عہدہ کی پیش کش کانگریس کا دانشمندانہ قدم ہے۔ سوشلسٹوں کو قوی امید ہے کہ ماونٹ بیٹن کی موجودگی والیان ریاست کی انتہاپسندی کو ختم کرنے میں مددیگی اور ہندستان کے ساتھ ضم ہونے کے لیئے دروازہ کھلا رکھا جائے گا میں نے ان سے بڑی تکلفی سے پوچھا کہ کانگریس کی جمہوری قرارداد کے پیش نظر ماؤنٹ بیٹن اگر گورنر جنرل رہے تو ان کا رویّہ کیا ہوگا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ نہرو اس سلسلے میں جو بھی خیال پیش کریں گے سوشلسٹوں کو قبول کرنے سے انکار نہ ہوگا۔ میں نے انھیں یقین دلایا کہ ماؤنٹ بیٹن اپنی قیام کی مدت ختم کرنے کے بعد ایک گھنٹہ بھی زیادہ ہندستان میں رکنا نہیں چاہتے۔

میں یہ تاثر لیکر واپس آیا کہ سوشلسٹ، ماؤنٹ بیٹن یا درجۂ نو آبادیاتی کا سوال اٹھانے کی بجائے اپنی توجہ سراسر ریاستوں میں مبذول کریں گے جہاں کانگریس اور سوشلسٹ یعنی دونوں جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ ووٹ ملنے کی توقع ہے۔ پٹوردھن چاہتے ہیں کہ والسرائے ریاستوں میں جمہوری حقوق کو مضبوط بنانے کی ضرورت کو تسلیم کریں۔ میں نے کہا "بائیں بازو والے لیڈروں کے اندر میں یہ رجحان پاتا ہوں کہ وہ محض اپنی خاطر انقلابی قدم اٹھانا چاہتے ہیں" لیکن پٹوردھن نے کہا "ہم محض انقلاب نہیں چاہتے۔ ہم تو ایسی تبدیلی کو ترجیح دیتے ہیں جو آئینی ہو البتہ جب آئینی طریقے کامیاب نہیں ہوتے تو آخری سہارا انقلابی قدم ہی لیتے ہیں۔

لندن، جمعہ ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء

لندن کا میرا دورہ بروقت اور برمحل ثابت ہوا۔ میں نے متعدد ایڈیٹروں کو ان مسائل سے آگاہ کیا جو ان کے نامہ نگاروں کو انتقال اختیارات کے بعد پیش آئیں گے۔ میں نے انھیں بتایا کہ اگر پاکستانی امور پر دہلی سے اور ہندستانی امور پر کراچی سے تحریریں بھیجی جائیں تو یہ عمل متوازن کیسے ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ایڈیٹروں کو تھوڑا بہت مسئلے کی موجودگی کا علم ہے لیکن بہتیرے برصغیر ہند میں اپنی نمائندگی کو دوگنا کرنا نہیں چاہتے لیکن میرے اس دورے سے ان کو اس مسئلے کی اہمیت کا بخوبی علم ہوگیا۔

بی بی سی نے اپنی تاریخ میں فیچر اور خبروں کا اتنا حوصلہ مندانہ پروگرام کبھی نشر نہیں کیا تھا جتنا ہندستان کے لئے وہاں سے شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے سر ولیم ہیلے سے بھی ملاقات کی اور انھیں ماؤنٹ بیٹن کی اس درخواست سے آگاہ کیا کہ اس دورے کا سارا زور اس بات پر دیا جائے کہ ان دنوں حالات نے کیا رخ اختیار کیا ہے۔ میں نے یہاں کی مشہور و معروف نیوز ریل کمپنیوں سے بھی رابطہ پیدا کیا۔ یہ کمپنیاں بارہ ماہ کے معاہدہ کی روشنی میں اپنے قابل ترین اور تجربہ کار فنکاروں کو ہندستان بھیجیں گے اور انتقال اختیارات کی رسوم کی خبریں دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔

فرانسس ولیم سے بھی میں نے ملاقات کی۔ میرے دل میں ان کی بے پناہ عزت ہے تعلقات عامہ کے مسائل سے ان کو خاصی دلچسپی ہے اور ان پر درک حاصل ہے لیکن مجھے اس بات پر شبہ ہے کہ حکومت شائد ہی تعلقات عامہ کے اتنے اچھے مشیروں کی خدمات

ماؤنٹ بیٹن کو منتقل کر دے گی۔ وڈ رو ویاٹ کے ساتھ بھی میری دلچسپ گفتگو ہوئی۔ ۱۹۴۵ء
کے انتخابات میں لیبر پارٹی کی طرف سے برمنگھم میں ان کو زبردست کامیابی نصیب
ہوئی تھی۔ پارلیمنٹ کے یہ سب سے کم سن رکن ہیں۔ انڈیا ان کا خاص مضمون ہے۔
کیبنٹ مشن کے موقعہ پر یہ کرپس کے پرسنل اسسٹنٹ بن کر انڈیا تشریف لے گئے تھے
اس کے علاوہ جو پارلیمانی وفد مشرق بعید گیا تھا اس میں انھوں نے بھی شرکت کی تھی۔

اس تاریخی دورے کا واقعہ سناتے ہوئے انھوں نے اپنی دوست مسز نیکل کا
دلچسپ واقعہ بیان کیا۔ مسز نیکل بھی لیبر پارٹی کی طرف سے پارلیمنٹ کی رکن ہیں۔
وفد جب گاندھی سے انٹرویو لے رہا تھا تو انھوں نے سوچا کہ "میں چونکہ واحد خاتون
رکن ہوں اس لئے میں ان سے گھریلو طرز کے سوالات کروں گی"۔ چنانچہ انھوں نے
مہاتما سے ان کے بچوں کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے پوچھا "آپ کی بیٹیاں
بھی ہیں؟" مہاتما نے جواب دیا "میری ایک دو نہیں لاکھوں بیٹیاں ہیں۔ کیا تمہیں
اطمینان ہو گیا؟"

"میں تو مطمئن ہو گئی مسٹر گاندھی، لیکن آپ بھی.....؟" اس نے پوچھا۔

ھبابینا

اتوار، ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء

ہندستان واپس چلتے وقت ہم نے میجر بیلی شارٹ کو بھی اپنی ٹیم میں شامل کر لیا کیونکہ
سکھوں پر ان کا اثر کافی ہے۔ کیبنٹ مشن میں ان کو شامل کیا گیا تھا اور گذشتہ دسمبر میں تو یہ بلدیو سنگھ
کے دائیں بازو کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے اگرچہ وائسرائے کے اسٹاف میں ان کی شمولیت
رکن کی حیثیت نہیں ہوئی ہے لیکن یہ اسے کو پنجاب اور خصوصاً سکھوں کے مسائل پر مشورہ
دیا کریں گے۔ شارٹ کی خصوصیات میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہنس مکھ
اور سدا بہار دوست ہیں اور ان کا دل انسانی ہمدردیوں سے مالا مال ہے۔

اس بار بھی پرواز میں غیر ضروری دشواریاں پیش نہیں آئیں۔ اسمے نے مجھ سے کہا۔
ہم سے جو عظیم ترین جرم سرزد ہوا ہے اور جو ہمارے لئے درد سر بن گیا ہے وہ ہے
مسلح افواج کی تقسیم۔ بلاشبہ دونوں مملکتوں کی فوجیں رفتہ رفتہ اپنی پچھلی شاندار روایات
کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گی لیکن اس وقت ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے اور روایتی

شجاعت و ہمت داستانِ کہن سے زیادہ نہیں رہی۔

اسمے نے جو رپورٹ تیار کی ہے اس کے آخری پیراگراف میں انھوں نے آنے والے خطرات کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:۔ "لندن میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ خطرات ٹل گئے۔ لیکن میں اس رجحان سے پریشان سا ہو گیا ہوں۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ ہم اب تک خاردار جھاڑیوں سے نہیں نکلے۔ مثال کے طور پر میں سکھوں کے بارے میں بیحد پریشان ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ پنجاب کی حد بندی کرتے وقت انھیں زیادہ سے زیادہ مراعات ملیں گی۔ تمام ممکنہ احتیاطی تدابیر کر لی گئی ہیں۔ ایک مشترک کمان کے تحت ہندستانی اور پاکستانی فوجوں کا دستہ خاص خاص مقامات پر تعینات کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حالات کی شدت میں فرق نہیں آسکتا۔ کیونکہ دونوں فریق سہمے ہوئے اور خوفزدہ ہیں۔ اور جب لوگوں کے دلوں میں ڈر اور خوف کا بھوت بیٹھ جاتا ہے تو ان سے احمقانہ فعل سرزد ہونے لگتے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک سنگین مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندستانی ریاستوں کو نئے حالات کے سانچے میں کیسے ڈھالا جائے۔ عام طور پر اس بات سے غفلت برتی جا رہی ہے کہ برطانوی ہند کی تیس کروڑ کی آبادی کا نظم و نسق گورنر جنرل کی کونسل کے ہاتھوں میں ہے اور ہندستانی ریاستوں کی گیارہ کروڑ کی آبادی پر خود والیان ریاست حکومت کر رہے ہیں۔ ۱۵ اگست سے پہلے تک وائسرائے برطانوی ہند اور ریاستوں کے درمیان ایک رابطہ کی حیثیت رکھتا تھا لیکن ۱۵ اگست کے بعد جب حالات بالکل مختلف ہو جائیں گے تو نہ وائسرائے ہی رہے گا اور نہ حاکمیت ہی باقی رہے گی ۱۵ اگست سے پہلے تک ماؤنٹ بیٹن اس سلسلے میں کچھ کر سکے تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے سارے برصغیر میں انتشار پھیل جانے کا خطرہ نظر آتا ہے۔"

باب ۱۲

اسنادِ الحاق

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی
منگل ۲۲ر جولائی ۱۹۴۷ء

آج سہ پہر کو ہم پالم ہوائی اڈہ پہنچ گئے۔ پرواز خوشگوار ضرور تھی لیکن تھکن کی وجہ سے ہمارا حال برا ہو گیا۔ لندن میں اتنے سارے واقعات ہمیں اس طرح اپنے شکنجے میں جکڑے رہے کہ یہاں آکر طاقتِ عمل جواب دے چکی۔ ہماری غیر موجودگی میں ماؤنٹ بیٹن کو عظیم ترین بحران سے گذرنا پڑا لیکن وہ اس بحران سے بھی گذر گئے۔ ویسے کشیدگی اب بھی باقی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے عارضی حکومت کی از سر نو تنظیم کی ہے۔ اب ہندستان اور پاکستان کے الگ الگ انتظامیہ کا ڈھانچہ بنایا گیا ہے۔ دونوں کو اپنے اپنے کام سے مطلب ہوگا۔ البتہ مشترک مسائل میں دونوں ایک دوسرے سے مشورہ کریں گے۔ اس پلان سے مسلم لیگ کو اتنا فائدہ پہنچا کہ اس کے ارکان کو مستعفی نہیں ہونا پڑا۔

"قلمدان وزارت کی تقسیم تو" گذشتہ ہفتہ کو ہوئی تھی۔ اس نئے فارمولا پر نہرو اور پٹیل مشکل سے رضامند ہوئے۔ جناح کے سامنے جب ماؤنٹ بیٹن نے تجاویز پیش کیں تو انھوں نے ایک بار پھر یہی کہا کہ میں اس پر اطمینان سے توجہ دوں گا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نہیں مانے اور بولے۔ آپ کے خیالات اور مشورے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ ہی کی تحریک اور ذمہ داری پر اس حکمنامہ کا اجرا ہوا ہے۔"

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے اسٹاف، تمام وزراء اور متعلقہ افسران کے لئے کمال دوراندیشی اور

فراست سے ایک ایسا کلینڈر بنایا تھا جس میں ہر دن اور مہینہ درج تھا اور اس کے نیچے جلی حرفوں میں یہ تحریر تھا۔"انتقال اختیارات کو اب اتنے دن باقی رہ گئے۔" ایچ ایم پاٹل اور محمد علی ابتدائی کام حیرت انگیز طور پر انجام دے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۵ جولائی کی میٹنگ میں ایسے سات آئٹم جو حد درجہ پیچیدہ مشکل اور نزاعی تھے ۲۵ منٹ کے اندر اندر نمٹالئے گئے۔ پارٹیشن کونسل بھی بلاناغہ ہفتہ میں تین بار ملا کرتی ہے۔

آج شام کے سوا سات بجے ماؤنٹ بیٹن سے میں نے ملاقات کی اور ان کو سارے پیغامات دیدئے اور اپنے تاثرات بھی سنا دئے۔ اس وقت وہ بیحد خوش تھے۔ انھوں نے لندن میں ہماری کوششوں کو خوب سراہا۔ وہ ڈنر کے کپڑے تبدیل کر رہے تھے اور میں ان سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ میں نے ان افواہوں کی بھی تفصیل بتائی جو ان کے بارے میں لندن میں سن کر آیا ہوں۔ ان کے بارے میں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ انھیں واشنگٹن میں برطانوی سفارت خانے کے سفیر کے عہدہ کی پیش کش کی گئی ہے۔ لیکن انھوں نے اس افواہ کو سن کر کہا کہ میں بحری زندگی کے علاوہ کوئی پیش کش قبول نہیں کرونگا۔

ماؤنٹ بیٹن اب ریاستوں کے مسئلہ میں الجھ گئے۔ تیسرے جون کے پلان سے قبل انھوں نے جس حیرت انگیز ڈپلومیسی کا ثبوت دیا تھا ایک بار پھر اس پُر خطر راہ سے گذر رہے ہیں اور اسناد الحاق کو منظور کروانے میں کوشاں ہیں۔

تمام ریاستوں میں پیچیدہ مسئلہ حیدرآباد کا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن اس ریاست کا دورہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نظام سے مل کر ہی تمام باتوں کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

وائسرائے ہاؤس، نئی دہلی
جمعرات ۲۴ جولائی ۱۹۴۷ء

دن بھر میں پارٹیشن کونسل کے اہم گوشوارے کو پریس بھیجنے میں مصروف رہا۔ اس میں پنجاب کے تقسیم شدہ علاقوں کے لئے فوجوں کے تعینات کا اعلان کیا گیا ہے چودہ اضلاع میں سے بارہ اضلاع میں فوجوں کا یہ دستہ روانہ کیا جائے گا۔ اس کی کمان میجر جنرل ایس کریں گے۔ میجر جنرل ایس ان دنوں چوتھے ہندستانی ڈویژن کی کمان کر رہے ہیں۔ اسی ڈویژن سے فوجوں کا نیا دستہ تشکیل پائے گا۔ اس دستے میں مجموعی طور پر پچاس ہزار افسران اور سپاہی ہوں گے۔ یہ دستہ ہندو، مسلمان اور سکھ سپاہیوں پر مشتمل ہوگا اور افسران زیادہ تر برطانوی ہوں گے۔ ہندستان کے کسی بھی

علاقے میں نظم و نسق برقرار رکھنے کے لئے اتنی بھاری تعداد میں فوجیں نہیں ہیں جتنی یہاں ہیں۔ جو خطرات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ان کے پیش نظر اس سے زیادہ احتیاطی تدابیر اور کیا کی جاسکتی تھیں۔ ایس چاہتے ہیں کہ ہندستانی اور پاکستانی فوجوں سے ان کے لئے دو اعلیٰ درجہ کے فوجی مشیر مہیا کئے جائیں ایک مشیر سکھ ہو اور ایک مسلمان۔ ۱۵ اگست کے بعد اس علاقہ میں دونوں مملکتوں کی فوجیں ان کے کنٹرول میں آجائیں گی اور وہ دونوں حکومتوں کے سامنے ذمہ دار گردانے جائیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اقلیتوں اور سابق سیاسی مخالف پارٹیوں کو دونوں مملکتوں میں شہری حقوق کی ضمانت دلانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ انھوں نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ دونوں میں سے کسی بھی مملکت میں اور خصوصاً ان علاقوں میں جو حد بندی کمیشن ایوارڈ سے متاثر ہوئے ہیں تشدد کو کسی حال میں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن اپنے اس عمل سے بیحد خوش ہیں اور ان کا خیال ہے کہ گوشوارے کا یہ حصہ گاندھی جناح کی اس اپیل سے بھی زیادہ اہم ہے جو گذشتہ اپریل میں جاری کی گئی تھی۔ یہ گوشوارہ ان کے نقطۂ نظر سے تمام فرقوں کے لئے "آزادی کا منشور" کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس گوشوارے میں غالباً اہم ترین حصہ وہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حد بندی کمیشن جو ایوارڈ بھی دیگا اور جس شکل میں دیگا اس کو مشترکہ طور پر بلاچون و چرا منظور کرلیا جائے گا۔ یہ گوشوارہ دراصل ماؤنٹ بیٹن کی ڈپلومیسی کی شاندار اخلاقی فتح ہے۔

وائسرائے ہاؤس ۔ نئی دھلی

جمعہ ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء

والیان ریاست سے ماؤنٹ بیٹن کی آج پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد نہ تو وائسرائے اور نہ ہی دولت برطانیہ کا کوئی نمائندہ ان سے خطاب کرے گا۔ یہ کوئی رسمی مسرت و بہجت کا مقام نہ تھا بلکہ اپنی نوعیت کی بڑی ہی اہم سیاسی تقریب تھی۔ والیان ریاست واقعات کے دھارے سے شکست خوردہ ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں میں غیر یقینی کے غبار بیٹھ گئے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن بھی ان کو کسی قسم کا سہارا نہیں دے سکتے۔ وہ مجبور ہیں کیونکہ لندن سے انھیں اس بارے میں کوئی ہدایت موصول نہیں ہوئی ہے۔ تیسرے جون کے پلان اور کیبنٹ مشن پلان میں اس کا مختصر سا ذکر ہے۔ اصل انتقال اختیارات تو برطانیہ اور برطانوی ہند کے مابین ہونا ہے۔

کونسل ہاؤس میں ماؤنٹ بیٹن، والیان ریاست اور چانسلر چیمبر آف پرنسس کے لئے سرخ قالین بچھائی گئی تھی۔ سوا چھ فٹ دیو نما انسان مہاراجہ آف پٹیالہ کے بازو میں وی پی مینن بالشتئے نظر آرہے

تھے۔ یہ ساری شخصیتیں ماؤنٹ بیٹن کے استقبال کے لئے صف بستہ کھڑی تھیں۔ وی پی مینن وزارت ریاست کے نامزد سکریٹری کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ ان کا انتخاب پٹیل نے خود کیا تھا اور ماؤنٹ بیٹن نے ان کو اپنا دست راست بنایا تھا۔ والیان ریاست اور ان کے نمائندوں کے علاوہ تقریباً نصف درجن فوٹو گرافر اپنی اپنی جگہ پر کیمرہ لئے منتظر کھڑے تھے۔ مارے گرمی کے سبھوں کا برا حال ہو رہا تھا لیکن لحیم شحیم نوانگر کے جام صاحب پنکھے کے نیچے کھڑے شکوہ سنج تھے کہ پنکھے کی رفتار بہت ہی دھیمی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن جونہی اس باوقار اجتماع سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے کہ فوٹو گرافروں نے حرکت کی۔ تصویریں لینے کے لئے مختصر سی مہلت دی گئی تھی۔ یکایک فلیش بلبوں کی چکاچوند کر دینے والی روشنی چند لمحوں کے لئے آنکھوں کو خیرہ کر گئی لیکن ماؤنٹ بیٹن خاموش اور پر جلال انداز میں کھڑے رہے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر فوٹو گرافر ایک دوسرے سے بازی لیجانا چاہتا تھا۔ سب بیک وقت جھپٹے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مارکس برادرز فلم کا کوئی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہو، چونکہ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر قطعی رازدارانہ تھی اس لئے اس وقت تک ان کے لب نہیں ہلے جب تک سارے فوٹو گرافر چیمبر سے باہر نہ نکل گئے۔

ماؤنٹ بیٹن اپنے یونیفارم میں تھے۔ ان کا جاہ و جلال والیان ریاست کے جاہ و جلال کو مات کر رہا تھا۔ اس بار پھر انھوں نے نطق کے جوہر دکھائے۔ تقریر بے مثال اور لاجواب تھی میں ایک بار پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ان کی خطابت کا جادو برطانوی دارالعوام کے لئے کتنا مناسب ہو سکتا تھا اور وہ پارلیمنٹ کے مباحثوں میں کتنے غضب کے خطیب بن سکتے تھے۔ ان کی غیر معمولی بے تکلفی ہی دراصل ان کی سخن آرائی کی روح ہے۔

انھوں نے اپنی تقریر میں اس بات کو واضح کر دیا کہ مجوزہ اسناد الحاق میں والیان ریاست کو کانگریس کی طرف سے ایسی سیاسی پیش کش کی جا رہی ہے جو دہرائی نہیں جائے گی۔ انھوں نے ذہن نشین کرایا کہ ۱۵ اگست کے بعد وہ دولت برطانیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے ان کی وکالت نہیں کر سکیں گے۔ انھوں نے ان والیان ریاست کو متنبہ بھی کیا جو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کا منصوبہ تیار کر رہے تھے: "اگر اسناد الحاق منظور کر لی جاتی ہیں" ماؤنٹ بیٹن نے کہا: "تو میں سمجھتا ہوں کہ درجہ نوآبادیات کے تحت انھیں دولت برطانیہ کی طرف سے جو خطابات اور اعزازات ملیں گے ان سے پٹیل اور کانگریس کو نہ تو اعتراض ہوگا اور نہ وہ اس میں مداخلت کریں گے۔ ان

کے پیغام کا لب لباب یہ تھا کہ ۔۔ "جس طرح آپ اپنی رعایا کی خوشحالی کی ذمہ داری سے روگردانی نہیں کر سکتے اسی طرح اپنی نوآبادیاتی حکومت سے جو آپ کی ہمسایہ ہے قطع تعلق نہیں کر سکتے۔"

اس اجتماع سے خطاب کرنا جتنا مشکل کام تھا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ یہاں ماؤنٹ بیٹن کو ایسے چرواہوں سے خطاب کرنا پڑا جن کا گلہ گم ہو گیا ہے۔ اس موقعہ پر ایک مرتبہ اور ان کی اخلاقی عظمت بلندی کو چھوتی نظر آئی۔ کیونکہ انھوں نے بڑی کامیابی سے والیان ریاست کے دلوں میں اپنے جوش عمل اور مستقل مزاجی کی شمعیں روشن کیں۔ فضا جو بڑی نازک اور سنگین تھی رفتہ رفتہ ظرافت و لطائف میں بدل گئی۔

اس نازک موقعہ پر ایک مہاراجہ نہ صرف اپنی ریاست بلکہ ہندستان سے باہر گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے میٹنگ میں شرکت کی ضرورت محسوس نہیں کی نیز اپنے دیوان تک کو بھی اس کے لیے تیار نہیں کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے دیوان سے کہا: "یقیناً آپ اپنے حکمراں کے خیالات سے آگاہ ہوں گے۔ لہٰذا ان کی جانب سے آپ فیصلہ لے سکتے ہیں۔" بے بس و مجبور دیوان نے جواب دیا: "میں نہ تو اپنے حکمراں کے خیالات سے آگاہ ہوں نہ ہی بذریعہ بحری تار ان کا جواب حاصل کر سکتا ہوں۔" یہ جواب سن کر ماؤنٹ بیٹن نے مدور شیشہ اٹھایا جو کاغذ دبانے کے کام آتا ہے اور کہا: "میں اس شفاف شیشہ میں دیکھ کر آپ کے حکمراں کا جواب دے سکتا ہوں۔" یہ کہکر وہ تقریباً دس سکنڈ تک ڈرامائی انداز میں خاموش ہو گئے اور چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے بڑی سنجیدگی سے اعلان کیا "ہز ہائی نس کا فرمان ہے کہ آپ اسناد الحاق پر اپنے دستخط ثبت کر دیں۔"

اس مخصوص اجتماع کے احساسات و جذبات کا انھوں نے اتنا صحیح مطالعہ کیا تھا کہ اس فقرے کو سن کر سارے لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

میں قصر والسرائے گیا اور ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ انھوں نے جس ذہانت و فطانت کا ثبوت دیا ہے اس سے سارے والیان ریاست اور ان کے نمائندے متاثر ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی یہ تجویز پیش کی کہ ان کی رازدارانہ تقریر کو از سر نو ترتیب دے کر اخباروں میں شائع کروانا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کام کے لئے میں وی پی مینن کے پاس گیا۔ ماؤنٹ بیٹن یقین دلا چکے تھے کہ میں اور وی پی مینن تقریر کو جس طرح بھی ترتیب دیں گے انھیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ انھوں نے اپنے ان احساسات کا بھی اظہار کیا کہ بہت کم ایسے والیان ریاست یا اُن کے نمائندے اپنے

گرد و پیش کے واقعات سے باخبر ہیں۔ اگر وہ لوگ اسناد الحاق کو قبول نہیں کرتے ہیں تو ان کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے مینن کی صلاحیتوں کو سراہا اور انھیں خراج تحسین پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ میرے دل میں ان کی محبت نقش کر گئی ہے۔ وہ موجودہ دور کے ذہین ترین لوگوں سے ایک ہیں۔ جارج ایبل وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مینن کو اسٹاف میں شامل کرنے پر ماؤنٹ بیٹن کی بلند نگاہی اور ژرف بینی کی تعریف کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ اب تک کی ہماری کامیابی کی ذمہ داری اس ایک شخص کی مرہون منت ہے۔

میں وی پی مینن کے دفتر میں تین گھنٹے رہا اور ہم دونوں نے تقریر کی ترتیب میں خوب محنت کی۔ کام بڑا ہی دقت طلب تھا لیکن آخر کار ہم رات کے ساڑھے نو بجے مستند متن پریس کو بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔ اتنی محنت کے باوجود دو ایک جملوں کے لئے میں بڑا ہی پریشان ہوا اور گھبراتا رہا کہ نہ جانے لندن میں اس کا ردعمل کیا ہو گا۔

ماؤنٹ بیٹن کو ایک اور کامیابی حاصل ہوئی۔ والیان ریاست جو رہنماؤں سے محروم ہیں اور خاندانی و سیاسی تنازعات میں جن کے دن گذر رہے ہیں حالات سے سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن واقعات کی برق رفتاری انھیں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور کر دے گی۔ ماضی میں حالات جیسے بھی رہے ہوں آج کی فضا والیان ریاست سے کچھ اور طلب کر رہی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی ژرف بینی اور ذہانت کو کام میں لاتے ہوئے انھیں زندہ رہنے کا موقع دیا ہے۔ انھیں ہندستان کے سیاسی اقتدار سے کوئی بحث نہیں ہوگی، البتہ ان کا شخصی استحقاق محفوظ رہے گا۔

وائسرائے ہاؤس نئی دہلی

ہفتہ ۲۶ جولائی ۴۷ء

کل رات ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے اعزاز میں جو ڈنر پارٹی دی تھی اس کے بارے میں جارج ایبل سے بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی۔ مہمانوں کی تعداد مختصر سی تھی اور فضا قطعی غیر رسمی تھی۔ جناح کی طویل گفتگو میں مذاق کا کوئی پہلو نہ تھا۔ ماؤنٹ بیٹن فضا کو دلچسپ اور پر مذاق بنانے کے لئے اپنے پاس بیٹھے ہوئے مہمانوں سے مخاطب ہوئے اور جناح نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو اپنی ایک کہانی سنانا شروع کیا۔ جناح ماؤنٹ بیٹن کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے بولے۔ میں سمجھتا ہوں

ماؤنٹ بیٹن اس کو سننا پسند کریں گے۔" وائسرائے چونکہ بادشاہ کا نمائندہ ہوتا ہے اس لئے یہ رسم بن چکی ہے کہ وہ مہمانوں کو ڈائننگ روم لے جائے اور پھر وہاں سے خود ہی سبھوں کو لیکر باہر آئے لیکن اس ڈنر پارٹی میں ایسا نہیں ہوا۔ ڈنر ختم ہونے کے فوراً بعد جناح اور مس جناح ماؤنٹ بیٹن ور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ ساتھ نکل آئے۔

جارج نے کہا کہ جب ہم ڈنر سے فارغ ہوئے تو انھوں نے جناح سے شکایت کی کہ مغربی پاکستان کے حد بندی علاقوں میں جن لوگوں کی تقرری ہوئی ہے وہ نااہل ہیں۔ اس کے جواب میں جناح نے صرف اتنا کہا کہ میں اپنے آدمیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ جارج نے کہا۔ "لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ جیسی لیاقت و ذہانت رکھنے والا شخص ہر جگہ نہیں مل سکتا۔" یہ سن کر جناح کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جارج کا خیال ہے کہ سکھوں کے بارے میں جناح کا رویہ خطرناک حد تک ناقص ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار ۲۷ر جولائی ۱۹۴۷ء

ایک بار پھر ماؤنٹ بیٹن نے مجھے اس وقت طلب کیا جب وہ عالم پریشانی میں گھر گئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اس وقت جو چیز خوش کن نظر آ رہی ہے وہ کسی وقت بھی بڑی آسانی سے مختلف صورت اختیار کر سکتی ہے۔ وہ لارڈ کیلرن کو جوان کی دعوت پر رنگون سے تشریف لائے ہیں مشرقی بنگال کے گورنر کے عہدہ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ کیونکہ جناح چاہتے ہیں کہ پاکستان کے اس بازو میں ایسا گورنر ہو جس کی انتظامی صلاحیتیں بے مثال ہوں۔ دونوں اس مسئلے پر گفتگو میں مصروف ہیں۔ کیلرن نے پوچھا۔ "کیا مشرقی بنگال میں دارجلنگ کی شمولیت کا بھی کوئی امکان ہے؟ اور اگر یہ ممکن نہیں تو کیا موسم گرما میں آسام کے کسی بھی پہاڑی علاقے میں میرے قیام کا انتظام کیا جا سکتا ہے؟ میں چھیاسٹھ سال کا ہو چکا ہوں۔ چند چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ لہٰذا میں ڈھاکہ کی گرمیوں کی تاب نہیں لا سکوں گا۔ اس کے علاوہ ڈھاکہ میں گورنر کی جو قیام گاہ ہے اس میں الّو بول رہے ہیں۔" ماؤنٹ بیٹن نے ان باتوں پر غور کرنے کا وعدہ کر لیا۔

اس سلسلے میں دلچسپ لطیفہ یہ ہوا کہ ماؤنٹ بیٹن جب آسام کے وزیر اعلیٰ بار دولی سے ملے تو انھوں نے دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ ان سے یہ سوال کیا کہ کیا ڈھاکہ میں بھی بالائی زمین ہے۔ اس کے جواب میں بار دولی نے کہا کہ گیارہ سو فٹ کے اس علاقے میں بالائی زمین کہیں نہیں ہے۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن

نے دارجلنگ کے بارے میں یہ سوال کیا کہ کیا ایوارڈ نے اسے انڈیا میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے یا پاکستان میں؟ بارڈولی نے جواب دیا "ہندستان میں اس کی شمولیت طے شدہ بات ہے۔" یہ سنکر ماؤنٹ بیٹن نے شیلانگ اور ہل ٹریکٹس کے بارے میں چند سوالات کئے

لیکن بارڈولی کو ان سوالوں سے غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ وہ فوراً گاندھی کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے چہرے سے ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ دارجلنگ، شیلانگ اور ہل ٹریکٹس کو پاکستان میں شامل کرنے کی سازش کام کر رہی ہے۔ گاندھی جی نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ انھوں نے صرف اتنا کہا کہ ماؤنٹ بیٹن اس سازش میں فریق نہیں بن سکتے۔ بارڈولی کو گاندھی جی کی باتوں سے تشفی نہیں ہوئی تو وہ پٹیل کے پاس پہنچے۔ پٹیل کو اس انکشاف سے سخت حیرت ہوئی اور وہ بیحد پریشان ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وی پی مینن فوراً آج سویرے ماؤنٹ بیٹن کی خوابگاہ آئے۔ خوف اور وحشت کے مارے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن نے مینن کو سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ کل وہ کانگرسی لیڈروں سے مل کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیں گے۔ اس واقعہ کی نزاکت کے بارے میں انھوں نے کہا کہ اگر وی پی مینن سے ان کے تعلقات قریبی نہ ہوتے اور مینن اصل واقعہ معلوم کرنے کے لئے ان کی خوابگاہ میں نہ آجاتے تو یہ معمولی سی غلط فہمی بڑی آسانی سے بہت بڑے بحران میں بدل سکتی تھی۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۲۸ر جولائی ۱۹۴۷ء

آج شب کو پچاس سے زاید والیان ریاست اور ریاستوں کے نمائندوں کے لئے قصر وائسرائے میں شاندار استقبالیہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت والیان ریاست کے چہروں پر غم واندوہ کے نقوش ابھرے ہوئے نظر آئے۔ جب سبھوں کو ایک ساتھ کسی بپتا کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو پھر ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں۔ ایک دیوان نے کسی کو دیکھ کر یہ فقرہ چست کیا "آپ تو بیرنگ خط کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔"

وہ والیان ریاست جنھوں نے اسناد الحاق پر دستخط کرنے یا نہ کرنے کا اب تک ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے اس وقت ان کے اے۔ ڈی۔ سی یکے بعد دیگرے ماؤنٹ بیٹن سے دوستانہ گفتگو میں مصروف ہیں۔ لیکن انھوں نے سبھوں کو مینن کے حوالے کر دیا اور مینن انھیں پٹیل کے پاس لے گئے۔ اس موقعہ

پرتین مہاراجے بھی نصف دائرے میں بیٹھے اس طریق کار کو بغور دیکھ رہے تھے۔
ایک والئی ریاست کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا۔" میں کل اسناد الحاق پر دستخط کر رہا ہوں۔ میرے لئے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں" ایک اور والئی ریاست نے دوسرے والئی ریاست سے پوچھا" آپ کی ریاست کا کیا حال ہے؟" نوجوان والئی ریاست نے جواب دیا" میری ریاست کے ایک مقام پر (اس نے جگہ کا بھی نام لیا) حالات اچھے نہیں ہیں لیکن تصفیہ جلد ہو جانے کی امید ہے۔" معمر والئی ریاست نے کہا۔" میری ریاست کا تو ایسا کوئی علاقہ نہیں جہاں کے حالات تشویشناک نہ ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ حالات اعتدال پر آئیں۔"

وائسرائے ہاؤس۔نئی دہلی

بدھ ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن علی الصباح کلکتہ روانہ ہو گئے۔ وہاں کے حالات نازک ہو چکے ہیں اور انھیں ان حالات کا جلد از جلد مشاہدہ کرنا ہے۔ گذشتہ شب انھوں نے فون سے مجھ سے فرمایا کہ میں پریس کے ہلکے پھلکے مسائل سے نمٹ لوں۔ ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان ہی مسائل کے حل پر انتقال اختیارات کا دارومدار ہے۔ ماؤنٹ بیٹن پیچیدہ اور اہم مسائل سے تو کبھی نہیں گھبرائے لیکن چھوٹے چھوٹے مسائل سے پریشان ہو جاتے ہیں۔
ماؤنٹ بیٹن کی روانگی کلکتہ سے مجھے جو تھوڑی فرصت ملی میں گاندھی سے ملنے چلا گیا۔ بھنگی کالونی میں ٹھیک دوپہر کے وقت پہنچ گیا تھا۔ گذشتہ مئی میں جب پہلی بار راجکماری امرت کور سے میری ملاقات ہوئی تھی جب ہی سے وہ کوشاں تھیں کہ میں گاندھی سے ملوں۔ دہلی میں بھنگی کالونی کا انتخاب گاندھی کا بلاشبہ زبردست علامتی احترام ہے۔ لیکن اس تپسیا میں انتظامی مسائل بھی پوشیدہ ہیں جیسا کہ ایک بار سروجنی نائیڈو نے بھنگی کالونی کے بارے میں کہا تھا۔" صرف باپو ہی اس افلاس زدہ علاقے میں اپنے قیام کی قدروقیمت سمجھتے تھے۔!"
دو گندے قسم کے سنتریوں نے میرا نام پوچھا اس کے بعد ایک سکریٹری میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اشارہ سے ایک طرف جانے کے لئے کہا۔ لیکن اس کے باوجود میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کدھر جاؤں یہاں تک کہ دوسرا اسکریٹری میرے پاس آیا اور مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ اس کمرے میں گاندھی کام بھی کرتے ہیں اور آرام بھی کرتے ہیں۔

اس وقت وہ آرام فرما رہے تھے۔ ہم مصروف گفتگو تھے کہ دو سکریٹری چپ چاپ آئے اور تربیت یافتہ ملازم کی طرح میرے ساتھ پیش آئے۔

میں کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ گاندھی نے مسکراتے ہوئے کہا "میں اٹھ نہیں سکتا۔ یوں ہی لیٹا رہوں گا۔" مجھے ایک کرسی پیش کی گئی لیکن غیر ارادی طور پر میں ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے انھیں سترہ سال پہلے کی بات یاد دلائی جب پہلی بار میں ان سے ویسٹ منسٹر اسکول میں ملا تھا۔ اس وقت میں کم سن تھا۔ وہ غیر متوقع طور ہمارے اسکول میں تقریر کرنے آئے تھے اور ہم سارے بچے ان سے مل کر بیحد متاثر ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ساری تصویریں آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہیں لیکن دھندلی دھندلی۔ میں نے انھیں یہ بھی یاد دلایا کہ دو دن بعد لارڈ ہیلی فیکس بھی ہمارے اسکول میں تقریر کرنے تشریف لائے تھے۔

گاندھی نے کہا "میں ان دنوں لارڈ ہیلی فیکس سے بہت قریب تھا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہ لیجئے کہ اب میں ان سے قریب نہیں ہوں۔"

میں نے ان سے کہا کہ چند روز پہلے لندن سے واپس آیا ہوں۔ میرے دوران قیام ہی میں انڈین انڈپنڈنس بل کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظوری مل گئی تھی۔ اس موقعہ پر جو مذکرات ہوئے تھے ان کی تین نقلیں میں نے گاندھی کو پیش کیں تاکہ وہ خصوصاً اس حصے کو پڑھ کر خوش ہو جائیں جہاں لارڈ سموئیل نے دارالامرا میں ان کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔ گاندھی نے اس حصے کو پڑھا اور بولے کہ میں ان کے ریمارک سے بہت خوش ہوا۔ کسی زمانے میں گاندھی اور سموئیل کے درمیان خط و کتابت بھی ہوا کرتی تھی اور جب کبھی مباحثہ ہوتا اور سموئیل غلطی پر ہوتے تو اعتراف کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اس بارے میں گاندھی نے کہا کہ ایک انسان کے اندر یہ علامت بہت اچھی ہے۔

ایکٹ کی وجہ سے جو حالات پیدا ہو رہے تھے اس سلسلے میں گاندھی نے کہا کہ برطانوی تسلط ختم ہو جانے کے بعد اب کانگریسی لیڈروں پر بھاری ذمہ داریاں آگئی ہیں ان پر پوری ایک مملکت کا بار ہے۔ دونوں مملکتوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ انھوں نے تقسیم ملک کو ضرر رساں گردانا لیکن ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ اس برائی میں سے اچھائی کا سورج طلوع ہو سکتا ہے بشرطیکہ دونوں مملکتیں ایک دوسرے کے ساتھ مساوی برتاؤ کریں میں نے کہا کہ صرف ہندستان کا مستقبل ہی خطرے میں نہیں ہے بلکہ

سارا ایشیا اس خطرے سے دوچار ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک خصوصاً ہندستان کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں اور چین کی خانہ جنگی نے تو ہندستان کے اثر کو اور زیادہ مضبوط بنادیا ہے۔ انھوں نے مجھ سے حرف بہ حرف اتفاق کیا۔ وہ بولے "ساری دنیا کی نگاہیں ہماری طرف ہیں۔ بلکہ ہندستان ان دنوں خوردبین کے قبضۂ قدرت میں ہے۔"

جب میں نے پریس کے بارے میں اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہندستانی اخباروں کو عالمی سطح پر سوچنا چاہئے اور ہندستانی صحافیوں کو سمندر پار جاکر جدید تجربے کرنا چاہئے تو انھوں نے مجھ سے اتفاق ضرور کیا لیکن گفتگو کا رخ ایک دم دوسری طرف موڑتے ہوئے کہا "ہندستانیوں کے اندر ایک خطرناک رجحان یہ پیدا ہورہا ہے کہ وہ اپنی نجات اور بچاؤ کے لئے دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ دواؤں اور ڈاکٹروں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں میں ایسے ایک انگریز کو نہیں جانتا کہ وہ علاج معالجے کے لئے ہندستان آیا ہو لیکن یہ خبریں برابر سننے میں آتی ہیں کہ فلاں فلاں ہندستانی فلاں مشہور و معروف یورپی سرجن سے رجوع کرنے غیر ممالک جارہے ہیں۔ یہ بات دل لگتی نہیں ہے کہ ہندستان ہندستانیوں ہی کے لئے مرگھٹ بنے۔ ڈاکٹر انصاری جیسے ہمارے یہاں بھی مشہور و ممتاز معالج ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ رک گئے پھر از راہ تفنن بولے۔ "ڈاکٹر انصاری کے ہاتھوں میں شباب کا کرشمہ ہے۔ وہ ایک بڈھے کو بھی اپنے کرشمۂ علاج سے تیس۳۰ سال کا گبرو جوان بنادیتے ہیں تاکہ اس کا حرم بھرا رہے!"

ان کی ساری باتوں کا حاصل یہ تھا کہ اب جبکہ ہندستان سیاسی آزادی حاصل کرچکا ہے تمام ہندستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے اپنے ملک پر ناز کریں اور اس پر اعتماد رکھیں۔ انھیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ کل تک ملک کی آسائشیں اور املاک غیروں کے قبضۂ قدرت میں تھیں لیکن اب ان پر اختیار ان ہی کا ہے۔ آزادی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھیں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

میں نے ان کے ساتھ پون گھنٹہ گذارا۔ اس عرصے میں مہاتما کے ہونٹوں سے جو الفاظ بھی ادا ہوتے دو خاتون سکریٹری فوراً نوٹ کرلیتں ان کے دیگر معتقدین غیر محسوسانہ طریقے پر آتے اور چلے جاتے۔ راجکماری ان کے دائیں طرف شروع سے اخیر تک بیٹھی رہیں لیکن بہت کم ان کے لب کھلے۔ ان کا خوف خدام پر اتنا طاری تھا جتنا پوپ کا سامعین پر طاری رہتا ہے ان کی گفتگو میں نزاکت و لطافت ایسی ہی پائی جیسی ۱۹۳۶ء میں لائڈ جارج میں میں نے پائی تھی۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ یکم اگست ۱۹۴۷ء

آج قصر وائسرائے میں جن چند سربرآوردہ اور ممتاز والیان ریاست کو مدعو کیا گیا تھا مجھے اس کی تفصیل بتائی گئی۔ یہ والیان ریاست اسناد الحاق سے متعلق کوئی فیصلہ کن قدم نہیں اٹھا سکے۔ کسی نے اثبات میں سر ہلا دیا، کسی نے نفی میں۔ پٹیالہ اور بیکانیر کے مہاراجے نفی والی لابی میں جا کر بیٹھ گئے اور وہاں سے قہقہوں کا شور بلند کیا۔

حیدرآباد اور کشمیر کے علاوہ جن کے مسائل مخصوص نوعیت کے ہیں دوسری ریاستوں پر ماؤنٹ بیٹن کے مشورے کا خوشگوار ردعمل ہوا۔ صرف دو یا تین والیان ریاست اس خیال میں ہیں کہ الحاق کی مخالفت میں ان کو فائدہ پہنچے گا۔ ماؤنٹ بیٹن کے دوست یعنی نواب آف بھوپال اس گروپ کے لیڈر ہیں اور اندور کے مہاراجہ ان کی حمایت کر رہے ہیں۔ نواب آف بھوپال کے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ اگر انہیں موقع ملا تو پاکستان کی اعلیٰ سیاست میں اہم کردار ادا کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے جب وہ جناح کے قریب ترین مشیروں میں رہ چکے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ ان کی ریاست میں اکثریت ہندوؤں کی ہے اور وہ ہندستان کے قلب میں واقع ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار۔ ۳ اگست ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن ان والیان ریاست سے نمٹنے کے لئے اپنی ذہانت و فطانت کے سارے جوہر استعمال کرنے والے ہیں جن کے لئے الحاق ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ لیکن جوں جوں یوم آزادی قریب آ رہا ہے ان کی مصروفیات بڑھتی جا رہی ہیں۔ چنانچہ ان کا حکم ہے کہ میں مہاراج رانا آف دھولپور سے رابطہ رکھوں جو ان کے اس زمانے کے دوست ہیں جب ۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلس انڈیا تشریف لائے تھے۔

ان سے دوران گفتگو میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ عالم ہیں لیکن نظریہ پرستی اور تارک الدنیا پیران کا عقیدہ ہے۔ وہ زمین پر بادشاہوں کو خدا کا خلیفہ سمجھتے ہیں اور اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں۔ راج اور رعایا کے ساتھ ان کے تعلقات تصوفانہ ہیں۔ اختیارات شاہی میں ان کے خیالات

بلند و بالا ضرور ہیں لیکن ظاہر و باطن میں ان کے اندر ذرا طمطراق نہیں۔ قد میں چھوٹے ہیں اور گاندھی جی سے زیادہ لمبے نہیں مگر اپنی گلابی رنگ کی پگڑی میں وہ مفکر و محقق نظر آتے ہیں۔

تکلم میں دھیماپن ہے لیکن جذبات سے پُر۔ برطانیہ کے ساتھ اپنا معاہدہ انھوں نے جذبات آفرین لہجے میں سنایا لہجے میں جھلاہٹ یا غصہ نہیں، قناعت اور استغنا ہے عقیدہٗ قضاو قدر پر ان کا ایمان ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندستان کی نئی مملکت پنپ نہیں سکتی۔ برطانیہ کے ساتھ ان کا معاہدہٗ حاکمیت ۱۷۹۵ء میں ہوا تھا۔ یہ کتنا المیہ ہے کہ اتنا مخلص اور حساس انسان اس مسئلے میں الجھ گیا ہے۔ آزادی کا بھوطارض ان کے لئے بڑی سرعت سے گھوم رہا ہے۔ اگر وہ با اصول اور ایماندار نہ ہوتے تو اختیارات کے زینے سے فوراً اتر جاتے۔

انتقال اختیارات کے دن جوں جوں قریب آرہے ہیں ماؤنٹ بیٹن اور ان کے اسٹاف کے شانوں پر ذمہ داریوں کا بار بڑھتا جا رہا ہے۔ تعلقات عامہ اور پریس کے مسائل سے میں خود دوچار ہوں۔ اطلاعات کے مرکزی دفتر کو مصروف رکھنے میں مجھے بہت سے فیصلے لینے ہیں۔ کراچی اور دھلی میں رسوم کی ادائیگی کے لئے منصوبہ تیار کرنا ہے۔ جناح نے ۱۳ اگست کو کراچی میں ماؤنٹ بیٹن کے حق میں تقدم کے سلسلے میں تشکلات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ان پر واضح کر دیا گیا ہے کہ ہزاکسلنسی کا دورہ وائسرائے کی حیثیت سے ہوگا لہٰذا دستور ساز اسمبلی کے جلسۂ خصوصی میں جناح کے بعد بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

میرے دیگر کاموں میں ایک کام یہ بھی ہے کہ دونوں مملکتوں کے لئے بادشاہ کے پیغامات کا مسودہ تیار کروں۔ ماؤنٹ بیٹن کسی یادداشت کے بغیر تقریر کرنا پسند کریں گے لیکن ہم انھیں مجبور کر رہے ہیں ایسے تاریخی اور رسمی موقعہ پر جبکہ عالمی پریس اور ریڈیو ان کے ایک ایک لفظ کے لئے منتظر رہیں گے کسی یادداشت کے بغیر تقریر کرنا مناسب نہیں۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دھلی

پیر ۴؍ اگست ۱۹۴۷ء

دہلی میں یوم آزادی کے موقع پر جو انتظامات کئے جارہے ہیں میں نے وہ منصوبہ دیکھا لیکن میرے خیال میں انتظامات میں برطانوی جاہ و جلال کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ میں دہلی کے کمشنر مسٹر خورشید سے ملا اور ان ہی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ پرانی دہلی کے روشن آرا کلب میں میونسپلٹی کی طرف سے تقریباً پانچ ہزار بچوں کو پارٹی دینے کا انتظام کیا گیا ہے یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی کیونکہ ماؤنٹ بیٹن اس فضا سے خوب لطف اندوز ہوں گے۔ اس قسم کے نشاط انگیز لمحوں میں ہندستانی اپنی بے پناہ مسرتوں کا اظہار بچوں کا منہ میٹھا کر کے کرتے آئے ہیں۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دھلی
منگل ۵ اگست ۱۹۴۷ء

آج کی پارٹیشن کونسل اور مشترکہ دفاعی کونسل کے جلسوں کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے پٹیل، جناح اور لیاقت سے ملاقات کی۔ وہ ان سیاست دانوں سے ایک ایسے آفیسر کا تعارف کرانا چاہتے تھے جسے جنکنس نے بھیجا تھا۔ اس آفیسر نے گرفتار شدہ افراد کے مختلف بیانات کو دہرایا۔ ان بیانات سے سکھ لیڈروں کی پوزیشن نازک ہو گئی کیونکہ آئندہ ہفتہ کراچی میں یوم آزادی کی تقریبات کے موقع پر جناح کو قتل کر دینے کی سازش کا انکشاف کیا گیا تھا۔ جناح اور لیاقت نے تارا سنگھ اور دیگر سکھ لیڈروں کی گرفتاری کا فوراً مطالبہ پیش کیا لیکن پٹیل نے اس مطالبہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ قدم اٹھایا گیا تو بحران پیدا ہو جائے گا۔

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ میں گرفتاریوں کا حکم صادر کر سکتا ہوں بشرطیکہ حکام متعلقہ اس کو غیر دانشمندانہ اقدام نہیں۔ چنانچہ انھوں نے فوراً جنکنس کو اطلاع دی کہ وہ مشرقی اور مغربی پنجاب کے نامزد گورنروں یعنی ترویدی اور سر فرانسس موڈی سے مشورہ کریں کہ کیا ۱۵ اگست سے پہلے تارا سنگھ اور اُن کے تُند مزاج رفقاء کو گرفتار کرنا مناسب ہو گا۔

جنکنس کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کے خیالات بڑے اچھے ہیں کیونکہ انھوں نے زہریلی فضا میں بھی پنجاب کے حالات کو بگڑنے نہ دیا ان کی فراست اور ژرف بینی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دھلی
منگل ۷ اگست ۱۹۴۷ء

آج نہایت ہی لطیف اور ظریفانہ لمحوں سے گذرا ہوں۔ وائسرائے کے اسٹاف کی ۶۸ ویں میٹنگ اس طرح شروع ہوئی:۔ آئٹم ۱ جوتش۔ وائسرائے نے کہا کہ کچھ دیر پہلے صوبۂ وسط کے نامزد گورنر مسٹر منگل داس پکواسا سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے کہا کہ ۱۳ اگست کی بجائے ۱۴ اگست کو صوبہ کا نظم و نسق سر فریڈرک بورن سے وہ اپنے ہاتھوں میں لیں تاکہ بورن ۱۵ اگست کو مشرقی بنگال کے گورنر کا عہدہ سنبھال سکیں۔ لیکن مسٹر منگل داس پکواسا نے کہا کہ علم جوتش کے لحاظ سے اس تبدیلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس کے جواب میں وائسرائے نے کہا کہ میرے اسٹاف میں اعلیٰ سطح کا ایسا ایک بھی مشیر نہیں جو علم جوتش پر مشورہ دے سکے۔ بہرحال جلد ہی اس کا تدارک کر دیا جائے گا۔ انھوں نے اس طرح اعلان کیا:۔

"پریس اطاشی کو وائسرائے جوتشی کا بھی اعزازی عہدہ سونپ رہے ہیں۔"

اسٹاف میٹنگ کے بعد پٹیل کی طرف سے دی گئی پارٹی میں منگل داس پکواسا سے بحیثیت

جو تشی ملا۔ "نے" کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ غیر رسمی تقریب تھی۔ پکواسا اور ہمارے علاوہ ایک امریکی مہمان مسٹر ڈال بھی موجود تھے۔ پٹیل کے پرائیویٹ سکریٹری شنکر جو آکسفورڈ میں میرے ہمعصر رہ چکے ہیں اور پٹیل کی صاحبزادی مانی بن نے دعوت کا سارا انتظام کیا تھا۔ پٹیل کی رہائش گاہ وزیر اعظم نہرو کے بازو میں ہے۔ نہرو اور پٹیل کا مقابلہ اس لحاظ سے بیحد ضروری ہے کیونکہ انتقال اختیارات کے بعد دونوں اہم کردار ادا کریں گے۔ پٹیل دھوتی میں یوں نظر آتے ہیں جیسے قدیم روما کا کوئی شہنشاہ اپنے چغے میں ہو۔ اس کے علاوہ اس شخص میں بلاشبہ رومن کی بہت ساری خصوصیات ہیں ۔۔۔ مثلاً انتظامی صلاحیتیں، جلد از جلد کسی حتمی فیصلے پر پہنچ جانا اور کردار کا استحکام۔ لیکن ان کو نہرو جیسی عالمگیر شہرت حاصل نہیں وہ ملکی سیاست میں دانستہ خود کو محبوس کر چکے ہیں۔ مگر انھیں وسیع تر اختیارات حاصل ہیں۔ سرکاری اطلاعات، داخلی تحفظ، پولیس اور ہندستانی ریاستوں پر ان کا مکمل کنٹرول ہے۔ تخلیق پاکستان سے ہندستان کی آبادی میں جو فرق پڑا ہے وہ ان کے الحاق کی پالیسی سے نہ صرف پوری ہو جائے گی بلکہ کچھ اور اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ساری ریاستوں کی آبادی نو کروڑ افراد پر مشتمل ہے جو پاکستان کی آبادی سے کچھ زیادہ ہی ہے کسی بھی حکومت میں ایک شخص کے ہاتھوں میں بیک وقت اتنے سارے اختیارات نہیں ہیں۔

فرصت کے اوقات میں پٹیل ہنس مکھ اور کریم النفس نظر آتے ہیں۔ لندن میں آزادی ہند کا جو بل منظور کیا گیا ہے انھوں نے اس کی روداد سے دلچسپی ظاہر کی۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ تقریر بازی پسند کرتے ہیں اس پر انھوں نے قہقہہ بلند کیا۔ مانی بن بھی ہنس پڑیں اور بولیں کہ میرے پتا گجراتی زبان کے زبردست مقرر ہیں۔ مانی بن معمولی سی کھادی کی ساری پہنے ہوئے تھیں اور کمر سے چابیوں کا گچھا لٹک رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ان کو گھریلو زندگی سے خاصی دلچسپی ہے۔

ہندستان کے تقریباً سارے لیڈروں پر یا تو ان کی بیوی، یا بہن یا بیٹی کا کافی اثر پایا جاتا ہے۔ جب میں ہندستان آیا تھا تو نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ہندستانی خواتین کو اپنے ملک کے مسائل سے قطعی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا مس فاطمہ جناح، مسز وجے لکشمی پنڈت، بیگم لیاقت علیخاں اور مسز کرپلانی کی شخصیتیں مردوں سے کم نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مانی بن کی طرح گھر کی چہار دیواری کے اندر قانع نہیں رہ سکتی لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ مانی بن کو اپنے پتا سے جو والہانہ

محبت ہے ویسی شاید ہی کسی اور کو ہو۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن مانی بن سے بحد متاثر ہیں کیونکہ سوشل کاموں میں ان کا رابطہ ہندستانی خواتین سے بہت زیادہ ہے۔ یہ خواتین نہ صرف اپنی صلاحیتوں میں ممتاز درجہ رکھتی ہیں بلکہ وہ غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکنے میں پیش پیش ہیں۔ آزادیٔ ہند کا اہم پہلو خواتین ہند کی بھی آزادی ہے۔ اس وقت لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی رہبری آزادی کی اس لگن کو اور تقویت پہنچا رہی ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۸ راگست ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن سے درخواستیں کی گئیں کہ وہ امریکہ کے لئے تقریر نشر کردیں بلکہ انھیں دورۂ امریکہ تک کی دعوت دی گئی لیکن گوناگوں مصروفیات کے پیش نظر تمام درخواستوں کو مسترد کرنا پڑا۔ لیکن وی جے ڈے کی دوسری سالگرہ کے موقع پر جو امریکہ کے طول و عرض میں منائی جانے والی ہے تقریر نشر کرنے کے لئے رضامند ہو گئے۔ اس موقع پر اقوام متحدہ کے تقریباً سارے لیڈروں کی ریکارڈ کی ہوئی آوازیں نشر کی جائیں گی۔ اگرچہ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کی مدت کل تین منٹ ہے لیکن اس کے باوجود میرا دل بلیوں اچھل رہا ہے۔ انھوں نے مجھے تقریر کا مسودہ تیار کرنے کے لئے کہا تھا، سو میں نے تیار کیا اور انھیں پسند بھی آیا۔

یہ پیغام ۱۵ اگست کو انھوں نے اپنی خوابگاہ سے نشر کیا جو آل انڈیا ریڈیو سے ہوتے ہوئے بی بی سی کی راہ امریکہ میں سنا گیا۔ انھوں نے کہا تھا "آج سے دو سال پہلے کی بات ہے میں پوٹسڈم کانفرنس سے واپس آیا تھا اور ۱۰ ڈوننگ اسٹریٹ میں وزیراعظم کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ جاپانیوں کے ہتھیار ڈال دینے کی اطلاع سنی گئی۔ میں دہلی میں ہوں جہاں سے میں آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ یہاں ہم آج ایسے واقعہ کا جشن منا رہے ہیں جو دنیا کے مستقبل کے لئے کسی طرح بھی غیر اہم نہیں ہے۔ یعنی آج ہندستان کا یوم آزادی ہے۔ معاہدۂ اوقیانوس میں ہم برطانیہ اور امریکہ کے لوگوں نے عوام کے حق خود اختیاری اور قوموں کی آزادی کے لئے جنگ کا حلف اٹھایا تھا۔ تلخ تجربات ہمیں بتاتے ہیں کہ جنگ پر فتح پانا سہل کام ہے لیکن جنگ کے مقصد کو حاصل کرنا آسان نہیں۔ لہٰذا ہمیں آج ۱۵ اگست کو یعنی وی۔ جے ڈے کو ذہن نشین رکھنا چاہئے صرف اس لئے نہیں کہ جشن فتح منانا ہے بلکہ تکمیل وعدہ بھی کرنی ہے۔"

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی
ہفتہ ۹ اگست ۱۹۴۷ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں پنجاب کے بحران پر جم کر مذاکرہ ہوا۔ جنکنس کی اس رپورٹ کے علاوہ کہ حدبندی علاقہ کی فضا بیحد نازک ہوگئی ہے اور مزید ہوائی اور بری فوجوں کی کمک کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے ماؤنٹ بیٹن کے سامنے تعلقات عامہ کا اہم مسئلہ بھی کھڑا ہوگیا ہے جس کا تعلق براہ راست اعتمادِ نفس اور نظم و نسق سے ہے۔

یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ ریڈ کلیف پنجاب حدبندی کمیشن کا ایوارڈ آج شام تک وائسرائے کے حوالے کر دیں گے۔ ریڈ کلیف سے نہ ہندو خوش تھے اور نہ مسلمان۔ اس لئے جب بھی کوئی مشورہ کرنا ہوتا وہ اپنی ذات سے کرتے لیکن ایوارڈ کی اشاعت کی ذمہ داری وائسرائے پر ڈال دی گئی۔ ماؤنٹ بیٹن کی ابتدا ہی سے یہ ہدایت تھی کہ ان کا اسٹاف ریڈ کلیف سے کسی نوعیت کا بھی ربط پیدا نہ کرے۔ اس لئے ہمیں قطعی علم نہیں کہ حدبندی کمیشن کے ایوارڈ میں انھیں کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

اشاعت کے بارے میں مختلف خیالات پیش کئے گئے۔ جہاں تک انتظامی امور کا تعلق ہے یہ رائے پیش کی گئی کہ اگر جلد از جلد ایوارڈ کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس سے جنکنس کو فائدہ پہنچے گا اور انتقال اختیارات سے کچھ پہلے ہی اثر زدہ علاقوں میں فوجوں کی نقل و حرکت شروع کر دی جائے گی۔ ایک خیال یہ بھی پیش کیا گیا کہ ایوارڈ بہر حال ہنگامے کا پیش خیمہ ثابت ہوگا لہٰذا اس کی اشاعت ۱۴ اگست ہی کو کی جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا" اگر اس مسئلے میں میری رائے پوچھی جائے تو میں کہونگا کہ یوم آزادی تک اس کو التوا میں رکھا جائے کیونکہ نفسیاتی لحاظ سے دونوں مملکتوں کے اندر اس کی وجہ سے غم و اندوہ کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی وجہ سے بھی یوم آزادی کی مسرتیں غم و اندوہ میں بدل جائیں۔"

ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال سے میں نہ صرف اتفاق کرتا ہوں بلکہ میں تو یہاں تک کہونگا اگر یوم آزادی کے موقع پر ریڈ کلف ایوارڈ کو پیش کیا گیا تو ہندو، مسلم اور سکھوں کی آزادی کے لئے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس پر پانی پھر جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن اپنی خوشی و مسرت کو مجبوس کرنا نہیں چاہتے

آج کی میٹنگ میں ہم آخری فیصلہ تک نہیں پہنچ سکے۔ البتہ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ کمیشن کا اعلان ایوان وائسرائے سے کمیونکے کی صورت میں کرنے کی بجائے غیر معمولی گزٹ میں کر دیا جائے۔

جنکس نے ۱۵ اگست سے قبل سکھ لیڈروں کی گرفتاری کی تجویز کو سختی سے مسترد کر دیا۔ انھوں نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا ہے کہ مودی اور تریویدی سے تجویز پر بالتفصیل بات چیت ہوئی سب اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی گرفتاریوں سے نازک صورت حال اور خطرناک ہو جائے گی۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ ۱۴ اگست کو یعنی جس دن جناح پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے وہ ان کے ساتھ سرکاری جلوس میں شرکت کریں گے کیونکہ انھیں جنکس، مودی اور تریویدی کے فیصلے سے اتفاق ہے۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی
پیر ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء

آج خدا حافظ کہنے کی رات تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے جارج ایبل کو نائٹ ہوڈ کا خطاب عطا کیا۔ انھوں نے اسکاٹ اور پیٹر کو بھی علی الترتیب سی۔ آئی۔ ای اور او بی۔ ای کے خطابات سے نوازا۔ انڈین سول سروس کے ارکان اور ایرک میویل ۱۵ اگست کو ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے جن میں دی پی مینن بھی شامل ہیں ہماری ٹیم بہت مضبوط تھی اور اس ٹیم نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ جارج ایبل مرکزی شخصیت تھے۔ انھوں نے حالات پر جس فراست و دانائی سے قابو پایا وہ ان ہی کا حصہ تھا لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ وہ کانگریس پروپیگنڈا کا شکار رہے۔ انھوں نے ٹیم میں ایک فرد کی حیثیت سے میری صلاحیتوں کی جو تعریف کی ہے میں اس کا بے حد ممنون ہوں۔ انھوں نے پریس اطاشی کے عہدہ کی اہمیت کو سراہا اور اظہار افسوس کیا کہ شملہ کانفرنس میں اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اس کے بعد انھوں نے ویول اور ماؤنٹ بیٹن کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ دونوں کی عظمت میں کسی کو کلام نہیں لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

وائسرائے ہاؤس۔ نئی دہلی
منگل ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء

پہلی وارننگ کو تین دن گذر گئے ہیں اور ایوارڈ تا ہنوز تیار نہیں ہوا ہے۔ آج سہ پہر کو ہماری جو سترھویں اور غالباً آخری اسٹاف میٹنگ ہوئی اس میں ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے اور جون کرسٹی سے کہا کہ ہم دونوں ریڈکلف سے مل کر معلوم کریں کہ آخر ایوارڈ وائسرائے کے ہاتھوں میں کب تک آ جائے گا۔ چنانچہ ہم دونوں فوراً ان کی قیام گاہ کیمبولر ہاؤس پہنچے۔ اس وقت وہ ڈنر کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ پنجاب اور بنگال کے ایوارڈ تو تیار ہیں لیکن سلہٹ کا ایوارڈ ہنوز تیار نہیں ہوا ہے۔ وہاں سے ہم فوراً وائسرائے ہاؤس آ گئے اور ماؤنٹ بیٹن کو حالات سے آگاہ کر دیا ——— یہ سن کر انھوں نے اطمینان کی سانس لی۔

باب ۱۳

یومِ آزادی

گورنمنٹ ہاؤس۔ کراچی
۱۳ اگست ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن آج سویرے کراچی پہنچ گئے۔ وہ یہاں متحدہ برطانوی ہند کے وائسرائے کی حیثیت سے آخری سرکاری فرائض انجام دیں گے۔ وہ اپنے ساتھ نئی مملکت پاکستان کے لئے جبکہ اس کا پرچم ستارہ و ہلال ہوا کے دوش پر لہرائے گا اپنی اور برطانیہ کی طرف سے پیغامات تہنیت بھی لائے ہیں۔ ہم اپنے طیارے سے اترے ہی تھے کہ سندھ کے منتخب گورنر ہدایت اللہ نے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو خوش آمدید کہا۔ یہاں بھی حسب دستور فوٹو گرافر اپنے کیمروں کے ساتھ تیار کھڑے تھے جب وہ گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے تو جناح کے ملٹری سکریٹری کرنل برنی نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا "مجھے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ کل کی سرکاری تقریبات میں جناح پر بم سے حملہ کیا جائے گا۔ لہٰذا اس شرانگیز منصوبہ کے پیش نظر اس بات پر غور و خوض کیا جا رہا ہے کہ آیا جلوس کی رسم کو منقطع کر دیا جائے یا پھر جن سڑکوں پر سے جلوس کو گذرنا ہے ان کی بجائے دوسری سڑکوں کا انتخاب کیا جائے۔" کرنل برنی نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ بھی بتایا کہ جناح نے اس کا فیصلہ ماؤنٹ بیٹن پر چھوڑ دیا ہے لیکن ماؤنٹ بیٹن نے فوراً جواب دیا کہ پہلے سے جو انتظامات کر لئے گئے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔

جناح اور مس جناح ہال کے باہر ماؤنٹ بیٹن کے لئے چشم براہ تھے۔ ہال کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سامنے ہالی ووڈ کا فلم سٹ ہو۔ چاروں طرف روشنیوں کے فوارہ سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ ایک طرف جھاڑ فانوس بھی لٹک رہے تھے۔ حکومت پاکستان کے انفارمیشن

آفیسر کرنل مجید ملک سے میں نے پیلس ہوٹل میں ملاقات کی۔ وہیں چند اور غیر ملکی صحافیوں سے بھی ملاقات ہو گئی۔ یہ صحافی کراچی کی اب تک کی کارروائیوں سے خوش نہ تھے۔ بعض صحافیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ جناح نے ہوائی اڈے پر ماؤنٹ بیٹن کا بہ نفس نفیس خیر مقدم نہ کر کے ان کی توہین کی ہے لیکن فوراً میں نے یہ کہہ کر ان کے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی کہ ماؤنٹ بیٹن کی زبان سے تو میں نے یہ شکایت نہیں سنی۔

میرے استفسارات پر کرنل ملک نے مجھے واضح طور پر بتایا کہ آج شب کے جشن کے موقع پر جناح پہلے سے تیار کی ہوئی کوئی تقریر بغرض اشاعت دینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ میں نے بھی ماؤنٹ بیٹن کو ایسا ہی مشورہ دیا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ جناح جشن کے اختتام کے بعد تمام پاکستانی اور غیر پاکستانی معزز مہمانوں کے سامنے آئے اور انھوں نے پہلے سے تیار کی ہوئی تقریر کو دیکھ کر پڑھنا شروع کیا۔ تقریر سیاسی نوعیت کی تھی اور اہم بھی کیونکہ اس میں پاکستان اور برطانیہ کے آئندہ تعلقات پر زور دیا گیا تھا اور پاکستان کی تخلیق میں ماؤنٹ بیٹن کی کوششوں کو سراہا گیا تھا۔

ممکن ہے ماؤنٹ بیٹن اس زورِ خطابت سے خوف کھا گئے ہوں لیکن میں نے ان کے چہرے پر گھبراہٹ اور سراسیمگی کے آثار ذرا بھی نہ دیکھے بلکہ جب وہ کھڑے ہوئے تو ان کے لبوں سے تکلم کا چشمہ پھوٹ پڑا۔

یہی ایک ایسی پریشان کن گھڑی نہ تھی جب ماؤنٹ بیٹن اسے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ سہہ نہ گئے ہوں۔ ڈنر سے تقریباً سوا گھنٹے پیشتر جناح کے نئے اے۔ ڈی۔ سی لفٹننٹ احسان نے دیکھا کہ تین ممتاز و معزز مہمان تشریف نہیں لائے اور سامنے کی تینوں کرسیاں خالی پڑی ہیں۔ چنانچہ برنی اور اے۔ ڈی۔ سی نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ یا تو ان تینوں کرسیوں کو پُر کرایا جائے یا نشست کا انتظام از سرِ نو ہو۔ چنانچہ آخیر میں کرسیوں کو از سرِ نو ترتیب دینا ہی طے پایا۔ ماؤنٹ بیٹن اور جناح کو اس مسئلے سے فوراً مطلع کیا گیا۔ ادھر سیٹیں ترتیب دی جانے لگیں اور ادھر دونوں باتوں میں مصروف رہے۔ اس کام میں مکمل نصف گھنٹہ ضائع ہوا۔

ڈنر کے بعد ہم استقبالیہ میں شامل ہو گئے۔ مشروبات کے علاوہ ہلکی ہلکی موسیقی کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ سارے مہمان خوب محظوظ ہوئے لیکن جناح کو میں نے بالکل الگ تھلگ پایا۔ جس کی وجہ سے اس تاریخی لمحے میں اداسی پھیل گئی۔ وہ اچکن اور پائجامے میں ملبوس تھے اور چاندی جیسے بال چمک رہے تھے۔ انھوں نے چند ہی مہمانوں کو اپنے تکلم سے نوازا۔ میں اس بات کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ شخص جس کو اتنی عظیم الشان سیاسی فتح نصیب ہوئی ہو اور جو اتنی بڑی قوم کا خالق ہو

اپنے پیروکاروں کے ہجوم میں یکہ وتنہا نظر آئے گا۔ انھیں اس طرح تنہا پاکر میں ان کے قریب گیا اور کچھ دیر تک ان کے ساتھ محو تکلم رہا۔ مبارکباد دینے کے لئے میں مناسب وموزوں الفاظ کی تلاش میں تھا لیکن ان کو مختلف قسم کے خیالات میں غلطاں دیکھ کر الفاظ ذہن کے پردے کے پیچھے ہی رہ گئے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ کراچی
اور
گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
جمعرات جمعہ ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

گورنمنٹ ہاؤس کراچی میں رہائش محدود تھی چنانچہ آج کی رسوم میں شرکت کے لئے جو اہم شخصیتیں تشریف لائی تھیں ان کی رہائش کے انتظام میں ہر آنی کو خوب دوڑ بھاگ کرنی پڑی۔

آج سویرے دستور ساز اسمبلی میں، جو رسوم انجام دی جانے والی تھیں ان میں شرکت کے لئے ہم علی الصباح بستر سے اٹھ گئے۔ جناح اور ماؤنٹ بیٹن کی تشریف آوری سے نصف ساعت قبل ہی میں پہنچ گیا۔ ایسے موقعہ پر جو چہل پہل اور مسرت وانبساط نظر آنی چاہئے وہ مفقود تھی۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پارلیمنٹ کا سالانہ اجلاس ہونے والا ہے۔ البتہ اسمبلی کی سامنے والی زمین پر جو نصف دائرہ نما چمبر ہے اس کی ایک ایک انچ پُر ہو گئی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ کا استقبال اسی جوش وخروش سے کیا گیا جس تزک واحتشام سے جناح اور مس جناح کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ جناح اور ماؤنٹ کی تقریریں اپنی اثر آفرینی کے لحاظ سے بے مثال تھیں۔ جناح تقریر ختم کر کے بیٹھے ہی تھے کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے ازراہ محبت وشفقت مس جناح کا ہاتھ دبایا۔

اگر ایک طرف جناح کی شخصیت میں سرد مہری ہے تو دوسری طرف اس میں جاذبیت اور کشش بھی ہے۔ قیادت کا احساس ان کے دل ودماغ پر حاوی ہے۔ گورنر جنرلی کے عہدے کے لئے اپنا نام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سب سے پہلا قدم انھوں نے یہ اٹھایا کہ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے حصہ دوم کی بجائے گوشوارہ نمبر ۹ کے تحت زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کر لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں آمرانہ اختیارات آگئے جو آج تک کسی آئینی گورنر جنرل کو جو شاہ انگلستان کی نمائندگی کر رہا ہو نہیں ملے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے شہنشاہ، کنٹربری کے اسقف اعظم، اسپیکر اور وزیر اعظم کی ساری صفات ایک قائد اعظم میں مرکوز ہو گئی ہیں۔

کارروائی ایک گھنٹہ کے اندر اندر ختم ہوگئی۔ جناح اور ماؤنٹ بیٹن کا جلوس ایک ساتھ بڑے طمطراق کے ساتھ نکلا۔ پاکستان کے خوش پوش ملاحوں اور خوش و خرم بچوں کے علاوہ عوام بہت کم نظر آئے۔ جونہی دو عظیم شخصیتوں کی پروقار سواری گورنمنٹ ہاؤس کے پھاٹک میں داخل ہوئی جناح نے ماؤنٹ بیٹن کے گھٹنے پر اپنا ہاتھ رکھا اور جذبات آگیں لہجے میں بولے "خدا کا شکر ہے۔ میں آپ کو زندہ و سلامت واپس لے آیا۔" دوپہر ہوتے ہوتے معزز مہمان سبھوں کو خدا حافظ کہنے آئے۔ مس جناح لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے بغلگیر ہوئیں اور جناح نے شدت جذبات سے بے اختیار ہو کر ماؤنٹ بیٹن کو اپنی اٹوٹ اور دائمی دوستی کا یقین دلایا۔

ہم پنجاب کے حد بندی علاقے سے گذرے تو سینکڑوں میل تک ہماری آنکھوں نے چاروں طرف بلند ہوتے ہوئے آگ کے شعلے دیکھے۔

ہوائی اڈے پہنچے کے فوراً بعد مجھے اشاعتی کاموں میں مصروف ہو جانا پڑا۔ فوٹوگرافروں اور کیمرہ مینوں کی ریہرسل کرانی ہے، وزارت اطلاعات کو مشورہ دینا ہے، ہینڈ آوٹس تقسیم کرنے ہیں، تقریباً ایکسو بیس ہندستانی اور غیر ملکی نامہ نگاروں کو دعوت نامے بھیجنے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آخری لمحے تک ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ساتھ ان کا عملہ بھی کام میں مصروف رہا۔

آدھی رات کے قدموں کی چاپ نزدیک تر آتی گئی۔ وائسرائے کی طرف سے سکریٹری آف اسٹیٹ کو آخری تار روانہ کیا اور اس کے بعد —— اس کے بعد صرف میں اور ماؤنٹ بیٹن اکیلے رہ گئے۔

اور جب آدھی رات کے دل کی دھڑکن سنائی دی میں نے ماؤنٹ بیٹن کو ڈسک کے قریب خاموش بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے ان کو مختلف کیفیتوں میں دیکھا ہے لیکن آج رات ان کے چہرے سے عجیب کیفیت نمایاں تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ تھے حالانکہ آج اس ڈرامائی لمحے میں جبکہ ان کی کامیابیاں اوج ثریا تک پہنچ گئی تھیں انہیں شاد و خرم ہونا چاہیئے تھا آہستہ آہستہ اور بڑی خاموشی سے انھوں نے آنکھوں سے مطالعہ کرنے کی عینک اتاری اور ان صندوقوں کو کھولا جن میں مراسلات رکھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ میں کمرے کی صفائی کرنے میں ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ کمرے کے باہر خدام موجود تھے لیکن انھوں نے کسی کو بلایا اور نہ میں نے۔ جب سارے کاغذات ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے گئے اور ڈسک صاف ہوگیا تو خدام کو اندر بلایا گیا۔ ان سے فرنیچر درست کرنے کے لئے کہا گیا تاکہ ان نامہ نگاروں کی نشست کے لئے جگہ بنائی جا سکے جن کو مدعو کیا گیا ہے۔

وہ نامہ نگار جو دستور ساز اسمبلی کی رسوم میں شرکت کے لئے موجود تھے آہستہ آہستہ چھٹنے لگے۔

انھوں نے اطلاع دی کہ سڑکوں پر لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے جس کی وجہ سے پرشاد اور نہرو کی آمدیں غیر معمولی تاخیر ہوگی۔ بہرحال اسمبلی کی کارروائیاں موثر اور دلنشیں ثابت ہوئیں۔ نہرو نے اپنی خطابت اور شیریں بیانی کے جواہر آشکارا کرتے ہوئے کہا۔" مدت ہوئی ہم نے تقدیر کی بازی لگائی تھی — اب وہ وقت آگیا ہے جس کا ہمیں انتظار تھا۔ اب ہم ایفائے وعدہ کریں گے۔ آدھی رات کی اس گہری خاموشی میں جبکہ ساری کائنات نیند کی آغوش میں ہے ہندستان حیات نو اور پیکر حریت سے سجا ہوا بیدار ہوگا۔"

پرشاد اور نہرو، ہجوم کے ہنگاموں سے بچتے بچاتے خستہ حال لیکن شاداں و فرحاں آخرکار پہنچ گئے۔ محبت، خلوص اور وارفتگی کی فضا نے تکلفات و آداب کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ اخباروں کے نامہ نگار کمرے کی طرف جھپٹے اور فوٹوگرافرز مدور میز کے اوپر کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ نہرو کی منظوری کے بعد پریس کے نامہ نگاروں کو یہاں آنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن ان کے چہرے بشرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سب کچھ بھول گئے ہوں۔ اس بھول بھلیاں اور انتشار میں نہ نہرو کی سمجھ میں کچھ آرہا تھا اور نہ پرشاد کی —— یکایک ماونٹ بیٹن اور پرشاد ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو گئے اور نہرو دونوں کے درمیان کرسی پر اس طرح بیٹھے رہے جیسے وہ آدھے بیٹھے ہوں اور آدھے کھڑے ہوں۔ پرشاد رسمی طور پر ماونٹ بیٹن کو گورنر جنرل بنائے جانے کی منظوری کا اعلان کرنا چاہتے تھے مگر وہ الفاظ ہی بھول گئے۔ نہرو فوراً آڑے آئے۔ انھوں نے کہا کہ دستور ساز اسمبلی نے ابھی ابھی فیصلہ کیا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کو گورنر جنرل کے عہدہ کی پیش کش کی جائے۔ اس پیغام پر انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" یہ عزت افزائی میرے لئے قابل فخر ہے۔ میں آپ کے مشورے کی آئینی لحاظ سے تعمیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

اس کے بعد نہرو نے ان کی طرف ایک لفافہ پیش کرتے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ کہا ——
"نئی کابینہ کا قلمدان وزارت خدمت عالی میں پیش کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟ دس منٹ کے اندر اندر یہ رسوم ختم ہوگئیں۔

ایک بار پھر میں ماونٹ بیٹن کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ میں نے اس لفافے کی طرف اشارہ کیا اور انھوں نے بے چینی سے اسے کھولا لیکن لفافہ خالی تھا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء

آج کا دن معروف ترین بھی تھا اور یادگار بھی شاید میری زندگی میں ایسی گھڑی پھر نہ آئے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے بگل بجا اور سکوت کی زنجیریں ایک جھٹکے سے پاش پاش ہوگئیں۔ اس صدائے بہجت آفریں کے ساتھ ساتھ آزاد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل دربار ہال میں تشریف لائے تھے۔ ٹھیک یہی رسم اس وقت بھی انجام دی گئی تھی جب ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ البتہ ایک تبدیلی یہ نظر آئی کہ ڈاکٹر کانیا ہندستانی چیف جسٹس نے گورنر جنرل سے حلف وفاداری اٹھایا اور وزارت داخلہ کے ہندستانی سکریٹری نے نئی مملکت کے وزیروں کے حلف وفاداری کی رسم انجام دی۔ ایک بار پھر بیش قیمت سرخ مخمل کے شامیانوں میں ستارے جگمگانے لگے اور ان کی ہلکی ہلکی روشنی کی لہریں طلائی تخت شاہی پر آہستہ آہستہ تبسم کناں ہوگئیں۔ قالینیں جگ مگ کرنے لگیں اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی آرائش جمال کی وجہ سے فضا میں اور چار چاند لگ گئے۔

ادھر ماونٹ بیٹن اور لیڈی ماونٹ بیٹن تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور فوٹو گرافروں کے فلیش بلبوں کی روشنیاں فضا کو منور کرنے لگیں۔ اس کی وجہ سے افسردگی اور پریشانی کی ہلکی سی لہر دوڑی لیکن نہ تو ماؤنٹ بیٹن کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہوا اور نہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن ہی دل گرفتہ ہوئیں۔ رسم کے اختتام کے بعد دربار ہال کے عظیم کاسنی رنگ کے پھاٹک کھول دیئے گئے اور یہ آواز سنائی دی ـــ "جانا، گانا، مانا"۔ اس کی جگہ کبھی God save the King کا کورس سننے میں آتا تھا۔ پرانی شراب کا دور ختم ہوگیا تھا۔ اب نئی شراب کی محفل آراستہ ہوئی ہے۔

چند لمحوں کے بعد ممتاز اور معزز مہمان کونسل ہاؤس میں آگئے۔ ابھی ماونٹ بیٹن اور لیڈی ماونٹ بیٹن کی سواری وائسرائے ہاؤس (اب گورنمنٹ ہاؤس) کے پھاٹک، سے نکل کر گورنمنٹ سکریٹریٹ کی بلڈنگس کی طرف آئی تھی کہ وہ ہجوم میں گم ہوگئے اور ان کا لینڈو یکبارگی معلق ہوگیا۔ ہر طرف قہقہوں کے فوارے چھوٹنے لگے۔

جب تماشائیوں کا ہجوم بڑھتا گیا میں فوراً گورنمنٹ ہاؤس سے نکل کر کونسل ہاؤس میں آگیا چند منٹ کے بعد ہی چاروں طرف سر ہی سر دکھائی دینے لگے اور "جے ہند" کے نعروں سے فضا گونجنے لگی۔ کونسل ہاؤس ایک چھوٹا سا قلعہ بن گیا جسے محاصرہ کرلیا گیا ہو۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ ہجوم میں اس طرح گھر گئے تھے کہ ان کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر تک

حالات ناگفتہ بہ رہے۔ سوا لاکھ عوام کا ہجوم عمارت کے اندر گھسنا چاہتا تھا۔ حالات قابو سے باہر ہو گئے تو چیمبر سے نہرو اور دیگر سرکاری لیڈروں کو طلب کیا گیا ان کی آمد کے بعد تو فضا میں اور گرمی پیدا ہو گئی لیکن عوام کو جو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے مصافحہ کرنے کی آرزو میں جمع ہوئے تھے منتشر کیا گیا۔

دنیا کے تمام ملکوں سے مبارک باد کے جو پیغامات آئے تھے پرشاد نے ان سب کو پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ لیکن صدر ٹرومین کا پیغام پڑھنا وہ بھول گئے۔ امریکی سفیر ڈاکٹر گریڈی نے بلند آواز سے ٹوکا تو انھیں اپنی غلطی محسوس ہوئی۔

اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن اسمبلی سے مخاطب ہوئے۔ انھوں نے اپنی تقریر کا آغاز شاہ انگلستان کے پیغام سے کیا۔ حاضرین نے اس پیغام کو سن کر خوب داد دی۔ اس کے بعد انھوں نے تقریر شروع کی۔ ان کی یہ تقریر اس سے پہلے کی تمام تقریروں سے زیادہ موثر اور دلنشیں تھی۔ ہر طرف سے نعرہ ہائے تحسین بلند کئے گئے اور تالیاں بجائی گئیں۔ نہرو اور پٹیل کی قیادت کی خوب تعریف کی گئی لیکن جب انھوں نے گاندھی کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تو بہت دیر تک تالیوں سے فضا گونجتی رہی۔

ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت اس وقت شاندار اور شاہانہ نظر آ رہی تھی لیکن ساتھ ہی وہ پُر تکلف نہ تھے۔ ایک ہندستانی نے ان کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا ۔ "خلوص اور دردمندی میں ان کی کوئی مثال نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سب پر غالب آ گئے" نفسیاتی لحاظ سے ان کا یہ اعلان کر دینا مناسب تھا کہ اپریل میں ان کے فرائض ختم ہوتے ہی وہ ہندستان کو خدا حافظ کہدیں گے۔ انھوں نے سامعین کو اس بات سے بھی قائل کر دیا کہ دولت مشترکہ میں شرکت کے لئے ہندستان پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔ ہندستانی اس بارے میں بڑی آزادی سے جو قدم چاہیں اٹھا سکتے ہیں۔ ان کی تقریر کے اختتام پر بہتوں نے مجھ سے اس تقریر کے بارے میں اظہار مسرت کیا۔"

پرشاد کی تقریر بیحد طویل تھی۔ پہلے انھوں نے ہندی میں تقریر کی اس کے بعد انگریزی میں۔ لیکن دونوں بار ان کی تقریر سنائی نہ دی۔ کانگریس کے پرانے لیڈروں میں پرشاد فعل و قول کے لحاظ سے اعتدال پسند ہیں۔ دراصل آج کی تقریر میں ان کی روح شامل تھی۔ انھوں نے کہا ۔ "اگرچہ ہماری یہ کامیابی کامرانی اپنی قربانیوں اور اذیتوں کا نتیجہ ہے لیکن عالمی واقعات و حالات کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ نیز ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ برطانوی قوم نے ہمیں آزادی دیکر اپنی تاریخی روایات اور جمہوری عزائم کی تکمیل کی ہے" ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ کو اس قوم کے نمائندے ہونے پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا ۔ "ہندستان پر برطانیہ کے اقتدار کی آج آخری ہچکی تھی لیکن آج سے برطانیہ کے ساتھ ہمارا رشتہ

مساوات، خیر سگالی اور باہمی مفاد کی بنیاد پر مستحکم ہو رہا ہے۔"

تقریروں کے بعد کونسل ہاؤس کی عمارت پر قومی پرچم لہرایا گیا اور اکتیس توپوں کی سلامی دی گئی۔ اس رسم کی انجام دہی کے بعد ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ کی سواری واپس گورنمنٹ ہاؤس گئی لیکن راستے بھر جے ہند، ماؤنٹ بیٹن کی جے اور پنڈت، ماؤنٹ بیٹن کے نعروں سے فضا گونجتی رہی۔

لنچ کے بعد ہماری کاریں روشن آرا باغ کی طرف چل پڑیں جہاں ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن پانچ ہزار اسکولوں کے بچوں کے ساتھ شدت کی گرمی میں لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس باغ میں مختلف ہندستانی تماشوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ ان تماشوں کو دیکھ کر طبیعت خوش بھی ہوتی تھی اور دل و دماغ میں خوف بھی طاری ہو جاتا تھا۔ مثلاً ایک فقیر کو دیکھا جو سچ مچ سانپ کے سر کو اپنے دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ پامیلا ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھیں مگر وہ اپنے والدین کے ساتھ کھڑی رہیں۔

ہندستان کی قدیم رسم کی پابندی کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماونٹ بیٹن نے بچوں میں مٹھائیاں تقسیم کیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے اس مظاہرے سے ہندستانیوں کے دلوں میں ان کی محبت کے نقوش اور گہرے ہو جائیں گے۔ خیر سگالی اور خلوص کا یہ جذبہ کسی حال میں مٹ نہیں سکتا۔ گورنمنٹ ہاؤس واپس آ کر ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے پرنسس پارک میں جنگ میں ہلاک ہونے والے جانبازوں کی یادگار کے قریب پرچم لہرانے کی رسم دیکھی۔ جب ہم یہاں پہنچے تو ہم نے خوش و خرم افسروں کو اپنے ٹکٹ دکھائے جنھوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ہمارا خیر مقدم کیا اس رسم کی منصوبہ بندی اس خیال کے تحت کی گئی تھی کہ تقریباً تیس ہزار لوگوں کا یہاں اجتماع ہو گا لیکن مجمع تین لاکھ کا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف انتشار ہی انتشار نظر آیا۔ جتنی کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا لوگ ان پر قابض ہو گئے تھے۔ میں نے ایک ایک کرسی پر چھ چھ آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ گویا تل دھرنے تک کی جگہ نہ تھی۔

عہدہ، نسل، جنس اور فرقہ کے اس گرداب عظیم میں سارے لوگ ایک صف میں شامل ہو گئے تھے۔ ہر شخص ڈائس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ دراصل یہ ہجوم وسیع و عریض سمندر کی طرح نظر آ رہا تھا۔ نہرو بڑی مشکل سے مرکزی پلیٹ فارم کی طرف پہنچے۔ جب انھوں نے پامیلا ماؤنٹ بیٹن کو ہجوم کے بیچ میں دیکھا تو وہ فوراً ادھر بھاگے۔ لوگوں کو ٹھوکریں ماریں اور ایک کی ٹوپی سر سے اتار کر دوسرے کی سر میں ڈال دی۔ ایک بدحواس اے۔ ڈی۔ سی نے دل میں سوچا کہ کسی لمحہ بھی بھگدڑ مچ سکتی ہے اور

فساد برپا ہو سکتا ہے۔ ہر طرف قہقہوں اور ظرافت سے فضا زعفران زار بن رہی تھی۔

میں جس جگہ کھڑا تھا وہاں ایک جوانمرد نے بائسکل کی سواری کرنی چاہی۔ اس کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہجوم میں یہ پھنس کر رہ جائے گا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ نہ وہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ اپنی سائکل سے اتر ہی سکتا تھا۔ نے 'مرجوری بروکمین اور پامیلا نکلس اینڈ اور ڈالس کے درمیان میں پھنس گئے تھے۔ لوگوں نے ان کو دیکھ کر چلانا شروع کیا ـــ" ارے بھئی میم صاحب کو راستہ دو" تمہے بڑی مشکل سے بی بی سی ریکارڈنگ وین تک پہنچے یہاں ونفورڈ وگھان طاس بیرونی نشریات میں مصروف تھے۔ بعد میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ اب تک اتنا عظیم الشان ہجوم انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یکایک ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی۔ جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے میں نے دیکھا کہ آگے آگے سفید ملبوسات میں ایک اے۔ ڈی سی ہے اور اس کے پیچھے گورنر جنرل کا باڈی گارڈ، پھر گورنر جنرل کی گاڑی اور مزید باڈی گارڈ۔ بڑی مشکل سے ماؤنٹ بیٹن کی گاڑی پرچم کشائی کے مقام سے پچیس گز پیچھے تک آکر رک گئی۔ میں نے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو گاڑی میں استادہ دیکھا۔ نہرو نے عوام سے جگہ دینے کی درخواست کی مگر بے سود۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے وہیں سے سلامی لی۔

جونہی پرچم ہوا میں لہرایا ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی اور آسمان میں دھنک دکھائی دیا۔ پرچم کے سفید اور سبز رنگ میں دھنک کا رنگ بچ رہا تھا۔ اگر ہالی ووڈ کی طرف سے ایسا رنگ بھرا جاتا تو ہم مبالغہ آرائی کی شکایت کرتے۔ پرچم کشائی کے اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن کی شرکت نے دوستی کے رشتہ کو اور مستحکم بنا دیا۔ نہرو ہجوم کی وجہ سے اپنی کار میں داخل نہ ہو سکے تو ماؤنٹ بیٹن نے انھیں کھینچ کر اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ گاڑی میں بارہ افراد سوار تھے۔ چار عورتوں، ایک بچہ اور ایک پریس فوٹوگرافر کو بھی ماؤنٹ بیٹن نے اپنی گاڑی میں جگہ دیدی ورنہ یہ گاڑی کے پہیئے کے نیچے آگئے ہوتے۔

آج کے تاریخی دن کا آخری آئٹم تھا ـــ گورنمنٹ ہاؤس میں سرکاری ضیافت۔ اس میں کابینہ کے بیشتر اراکین، سفرا، فوجی اور غیر فوجی لیڈر بھی شریک تھے۔ دو ایک والیان ریاست تشریف نہیں لائے تھے کیونکہ وہ نئی حکومت کے اراکین کے دوش بدوش بیٹھنا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ نہرو اور ماؤنٹ بیٹن نے فی البدیہہ تقریریں کیں۔

نہرو نے کہا۔ " حاضرین نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ اس عظیم دن کو مناتے میں دہلی کے عوام نے

کس جوش و خروش کا ثبوت دیا ہے۔ ایسے ہی مناظر ہندستان کے دیگر علاقوں میں بھی نظر آئے ہوں گے۔ قوموں کے رشتے کو مستحکم بنانے میں سیاست اور معاشیات کا بلاشبہ اہم مقام ہے۔ لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہندستان کے عوام کیساتھ پیش آنے میں نفسیاتی اور جذباتی عناصر بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ جو لوگ یہاں اپنے دفتروں میں بیٹھ کر صرف سیاسی مسائل اور معاشی منصوبہ بندی میں منہمک رہتے ہیں دراصل وہ قوم کی نبض نہیں پہچان سکتے۔ اس بارے میں مختلف نظریات پیش کیے جاسکتے ہیں کہ برطانیہ کے ساتھ ہندستان کے پرانے تعلقات کے باوجود زیادہ فائدے حاصل نہیں کیے جاسکے یا کیا جاسکے لیکن یہ خیال غلطی پر مبنی ہے کہ عوام جو آزاد ہونے کی کوشش کرتے ہیں ان پر عظیم طاقت کی حکمرانی ضروری ہے اب جبکہ ہندستان آزاد ہوچکا ہے عوام نے نہ صرف اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا بلکہ برطانیہ کے ساتھ ان کے رویہ میں بھی تبدیلی آگئی ہے۔"

ماؤنٹ بیٹن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نہرو نے کہا "انھوں نے ابتدا ہی سے دیکھا ہے کہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی پالیسی کو قابل عمل بنانے کے لئے نفسیاتی پہنچ کتنی ضروری ہے۔ مستقبل میں ہندستان اور برطانیہ کے تعلقات جو شکل بھی اختیار کریں نیا قدم اٹھایا جاچکا ہے مجھے یقین ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ دونوں ملکوں کی دوستی پائیدار ثابت ہوگی۔"

ماؤنٹ بیٹن نے جواباً کہا — "میرے پیش رؤں کی یہ بدبختی رہی کہ وہ غیر متحرک سائکل پر بیٹھے رہے جس میں توازن برقرار رکھنا مشکل کام ہے۔ لیکن مجھ سے کہا گیا کہ میں پیڈل مارتا جاؤں اور کام کرتا ہوں۔ چنانچہ میں رکے بغیر آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک نقطہ ایسا بھی آیا کہ بالکل اپنی حکومت کو واپس کررہا ہوں جس نے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔"

میں فیروز گاندھی یعنی نہرو کے داماد جو نیشنل ہیرالڈ (لکھنؤ) کے مینجنگ ڈائرکٹر ہیں، کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا کہ خواہ ہندستان دولت مشترکہ میں رہے یا نہ رہے بنیادی چیز یہ ہے کہ ہمارے عوام کے درمیان دوستی کا رشتہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا جائے۔

رات کے سوا نو بجے تقریباً تین ہزار مہمان اوپری منزل میں آگئے اور فرداً فرداً سبھوں کو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے سامنے پیش کیا گیا —— سارے کمرے مہمانوں کے لئے کھول دیئے گئے تھے۔ اس وقت گلستان مغل کا حسن سفید روشنیوں میں اور نکھر آیا تھا۔ ہوا میں خنکی اور خوشبو سماگئی تھی اور اس کی رفتار بھی سبک تھی۔ صبح تک خوشیوں اور مسرتوں کے جام چھلکتے رہے اور قہقہوں کے پھول جھڑتے رہے۔ تکلفات کے سارے پردے ایک ایک کرکے اٹھ گئے تھے۔

ـــــ مجلس زندگی کا ایسا خوشگوار منظر کبھی نظر نہیں آیا۔

ماؤنٹ بیٹن کی تقریر پر اخباروں میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن کے ایم منشی کا تبصرہ مجھے سب سے زیادہ پسند آیا۔ انھوں نے لکھا تھا:ـــــ

"برطانیۂ عظمیٰ کے علاوہ تاریخ میں کسی حکومت نے بھی ایسی شانِ دلربائی سے آزادی نہیں دی ہوگی اور یہ ہندستان ہی ہے جس نے اس حسن و خوبی سے اس قرض کو قبول کیا۔"

باب ۱۸

اِقتدار کی جنگ

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
ہفتہ ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء

آج علی الصباح لال قلعہ پر قومی پرچم لہرایا گیا اور نہرو نے تقریباً پانچ لاکھ عوام کے سامنے تقریر کی۔ لوگوں کا ہجوم لال قلعہ سے عالیشان اور پر جلال جامع مسجد تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن صبح کی مسرتیں اور خوشیاں دوپہر ہوتے ہوتے افسردگی میں بدل گئیں۔ لیڈروں کے تابناک چہرے حسرتناک بن گئے۔ کیونکہ ماؤنٹ بیٹن نے ان کے سامنے ریڈکلف ایوارڈ پیش کیا تھا! اس کا مطالعہ کرنے اور اس پر غور کرنے کے لئے دو گھنٹے دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہاؤس کے کونسل چیمبر میں رسمی میٹنگ طلب کی جانے والی تھی۔ لیاقت بھی موجود تھے۔ جناح بڑی مشکل سے لیاقت کے اس دورے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ اس کا سہرا ماونٹ بیٹن کے سر رہا۔ کراچی ہی میں انھوں نے جناح کو ہموار کیا تھا۔ آج لیاقت دھلی میں وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے تشریف رکھتے تھے۔ میں بھی اس اداس اور مغموم فضا میں موجود تھا۔ ہر شخص کی زبان پر بے انصافی کی شکایتیں تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن کی فراست و ذہانت کا جوہر یہاں بھی کھلا۔ انھوں نے صاف صاف لفظوں میں کہا کہ "ریڈکلف نے جو فیصلہ صادر کیا ہے اس سے ہر پارٹی کا مطمئن ہونا غیر ممکن ہے سبھوں کی ناخوشی اس بات کی دلیل ہے کہ ایوارڈ منصفانہ ہے۔"

مشرقی پنجاب میں گورداسپور کی شمولیت سے لیاقت نے دکھ کا اظہار کیا اور مشرقی پاکستان

میں چاٹگام کے پہاڑی علاقوں کی شمولیت پر پٹیل سخت ناراض ہوئے لیکن بلدیو سنگھ خاموش، اُداس اور گنگ بیٹھے رہے۔ کسی لیڈر نے بھی نکتہ چینی کی جرأت نہ کی کیونکہ پہلے ہی وہ ایوارڈ کو کسی شکل میں بھی منظور کر لینے کا حلف اٹھا چکے تھے۔

ہم یہاں جمع تھے اور تقسیم شدہ صوبوں سے وحشتناک خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ اس موقع پر بیباک اور سخت قیادت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پنجاب میں عوام ملکی نظم و نسق کو اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں۔ جنکسن نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ پانچ دریاؤں کی سرزمین میں دہشت و بربریت کا دور دورہ ہے اور جانشینی کی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ او کننلک کی رپورٹ بھی خطرناک ہے۔ انھوں نے بھی نازک حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور سرحدی فوجوں میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کلکتہ میں بھی حالات کم خطرناک نہیں ہیں۔ مقابلتاً فضا خاموش ہے لیکن تشدد کے اکا دکا واقعات سننے میں آجاتے ہیں۔ گاندھی ان دنوں وہیں مقیم ہیں اور فضا کو خوشگوار بنانے میں کوشاں ہیں۔ جشن آزادی سے پہلے ہی دہلی چھوڑ چکے تھے کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ جشن آزادی کی خوشیوں میں شرکت سے کہیں ضروری مشرقی ہند میں ان کا قیام ہے۔ ۱۳ اگست کو انھوں نے متحدہ بنگال کے آخری وزیر اعلیٰ شہید سہروردی کو اپنے ساتھ مسلمان علاقے کے چھوٹے سے مکان میں قیام کرنے پر آمادہ کیا تاکہ وہ بھی ان کے گیان دھیان میں شریک ہوں۔ اس رات ہندو نوجوانوں نے مکان پر پتھراؤ کیا۔ گاندھی نے کل کا جشن آزادی برت رکھ کر منایا۔

پنجاب میں نازک صورت حال کے پیش نظر نہرو اور لیاقت نے فوراً انبالہ اور امرت سر جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہیں موجود رہ کر وہ کوئی حتمی قدم اٹھا سکیں۔

آج رات میں اس فوٹو گرافر کے پاس گیا جس کی جان کسی طرح بچ گئی تھی۔ اس کا تعلق بائیں بازو کے ایک اخبار سے ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ فرط مسرت سے اٹھ بیٹھا اور مصافحہ کرتے ہوئے بولا "دو سو سال کے بعد آخر کار برطانیہ آج ہندستان کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ بمبئی
اتوار ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء

انتقال اختیارات کے بعد برطانوی فوجوں کا پہلا دستہ ہندستان کو خیرباد کہہ رہا تھا چنانچہ اس دستہ کو الوداع کہنے کے لئے گورنر جنرل کی ایک پارٹی بمبئی روانہ ہو گئی۔ میں بھی ساتھ تھا۔ بمبئی پہنچتے پہنچتے موسم یکایک خراب ہو گیا

دوران پریڈ اور تقریر میں بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ ماؤنٹ بیٹن خاکی لباس میں تھے۔ انھوں نے دستہ سے خطاب کیا۔ تقریر مختصر تھی لیکن فضا اداس۔ موسلا دھار بارش سے ماؤنٹ بیٹن کی آتش بیانی میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ اس موقعہ کے لئے وہ نہرو سے بھی الوداعی پیغام لے آئے تھے۔ جنرل کری آپا پیغام پڑھ کر سنا رہے تھے اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس پیغام میں جذبات وحسیات کے کتنے شعلے پرورش پا رہے ہیں۔

کارروائی ختم ہوئی تو ہم گورنمنٹ ہاؤس واپس آ گئے۔ آج تاج ہوٹل میں بمبئی کے گورنر اور کارپوریشن کی طرف سے ہمیں استقبالیہ بھی دیا جانے والا تھا۔ اس کی پبلسٹی نہیں کی گئی تھی لہٰذا ہوٹل تک کاروں کا جلوس مشتاق نگاہوں کے علاوہ کسی کو اپنی طرف مائل نہ کر سکا۔ لیکن جب ہوٹل کے اندر گئے تو "تشنہ ٹیلی گراف" بڑی سرعت سے کام میں مصروف ہو گیا۔

ہم ہوٹل سے نکلنے ہی والے تھے کہ باہر تقریباً پچاس ہزار لوگوں کا ہجوم نئے گورنر جنرل کو مبارک دینے کے لئے جمع ہو گیا۔ ان کے چہروں کی بشاشت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ تاج سے پانچ میل ادھر یعنی گورنمنٹ ہاؤس تک صرف سر نظر آ رہے تھے ہم یہ فاصلہ اپنی کاروں سے ایک گھنٹہ میں طے کر سکے۔ بمبئی کی پولیس کا اندازہ ہے کہ مالا بار ہل میں جو ہجوم تھا اس کی تعداد کم و بیش سات لاکھ ہو گی۔

میں پانچویں کار میں بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ واٹسن اور سائمنگٹن بھی تھے۔ ہم نے لوگوں کو ماؤنٹ بیٹن سے مصافحہ کرنے کے لئے جھپٹتے دیکھا۔ پولیس ہجوم کو ہٹانے میں مصروف تھی مگر بے سود۔ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ساتھ عوام نے ہمارا بھی خیر مقدم کیا۔ انھوں نے ہم سے "جے ہند" کا نعرہ لگوایا اور وہ "انگلینڈ کی جے" کا نعرہ لگاتے رہے۔

ہم نے جو کچھ دیکھا وہ ذہنوں میں نقش کالحجر بن کر رہ گیا ہے۔ برطانیہ کے خلاف پورے ایک جگ تک غم وغصہ کی جو چنگاریاں فضا میں لپکتی رہی تھیں وہ آج فرط مسرت میں بجھتی ہوئی نظر آئیں۔ عوام نے تعلقات کو محسوس کر چکے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے دوستی کی فضا کو ہموار کرنے میں کم ہاتھ نہیں بٹایا ہے۔ ان کی دوستی کا یہی وہ جذبہ ہے کہ عوام کے دلوں میں وہ گھر کر گئے ہیں۔

ہم گورنمنٹ ہاؤس آتے آتے محسوس کر رہے تھے کہ جو کچھ ہماری نگاہوں نے دیکھا اور دلوں نے محسوس کیا وہ محض ایک شخص کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو حسب ذیل تحریریں بھیجیں۔

"ہم انتقال اختیارات کے ساتھ ساتھ کشیدگی اور بُعد کو دور ہوتے دیکھا ہمیں اس تبدیلی کا پہلے سے یقین تھا لیکن ہم نہیں جانتے تھے کہ کایا پلٹ اتنی جلدی اور اس قدر بے پناہ ہو گی۔ اس لمحے کو میں فراموش

نہیں کر سکتا۔ کتنا عظیم لمحہ تھا وہ۔ یہ مقام افسوس نہیں بلکہ فخر و مباہات اور دوستی و یگانگت کا وقت ہے۔ دوستی اور خلوص کا جذبہ ہم نے ان صدہا چہروں میں پایا ہے جن کے پاس ہمیں دینے کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

آج رات الوداعی رقص اور ڈنر کا انتظام کیا گیا اس میں وہ سابق گورنر بھی ہوں گے جو کل "ایمپریس آف اسکاٹ لینڈ" سے ہندستان کو خدا حافظ کہہ رہے ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس جو سمندر کے بالائی حصہ پر واقع ہے بدر کامل کی دودھیائی روشنی میں ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے پریوں کا کوئی طلائی محل ہو۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ بمبئی

پیر ۱۸ راگست ۱۹۴۷ء

آج سویرے ماؤنٹ بیٹن دہلی روانہ ہو گئے۔ لیکن لیڈی ماؤنٹ بیٹن رک گئیں کیونکہ ان کو دیگر پروگراموں میں شرکت کرنا ہے۔ وہ ان نادار، قلاش اور محتاج ہندستانیوں کی تاریک گلیوں میں بھی گئیں جہاں گندگیاں عام ہیں عوام میں ان کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ موسلا دھار بارش میں وہ گھنٹوں کیچڑ اور گندگی سے بے پروا ہو کر شکستہ مکانوں میں گئیں۔ انھوں نے بمبئی جیسے خوبصورت اور حسین شہر میں ایسی گندگی کے خلاف آواز اٹھائی اور شہر کے رؤسا سے اپیل کی کہ وہ عروس البلاد کی پیشانی سے یہ دھبہ دور کرنے کی کوشش کریں۔

مجھے بھی بمبئی میں قیام کرنا پڑا کیونکہ میرے اعزاز میں جو اشیم الوا اور ان کی بیگم نے کمال جود و سخا سے ضیافت کا انتظام کیا تھا۔ الوا "فورم" کے مدیر ہیں جو "ٹائم" اور "نیوز ریویو" کے اسٹائل میں بمبئی سے شائع ہوتا ہے۔ انھوں نے آہ سرد کھینچتے ہوئے کہا "ٹوٹنہام کے کانٹوں سے ماونٹ بیٹن کے خوشرنگ پھولوں تک کتنی آرزوؤں کی چخیں ہیں۔" سر ٹوٹنہام ہوم ڈپارٹمنٹ کے ایڈیشنل سکریٹری تھے۔ ۱۹۴۲ء میں کانگریس کی سول نافرمانی کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے لارڈ لنلتھگو کا ہاتھ بٹایا تھا۔

مجھ سے ان کے اس فقرے کا جواب بن نہ پڑا۔ میں نے اپنی مختصر تقریر میں صرف اپنے فرائض کی نوعیت بتائی۔ میں نے کہا کہ میں ماؤنٹ بیٹن کی پالیسی کا محض ایک آلہ ہوں تاکہ ہر وقت زیادہ سے زیادہ اطلاعات بہم پہنچاتا رہوں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اخباروں میں جو بے بنیاد اور غلط قسم کی خبریں شائع ہوتی ہیں یا جو قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں اس کی وجہ بغض و فساد یا نفرت نہیں کہ بلکہ صحیح اور اصل اطلاعات کی کمی ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
بدھ ۲۰ اگست ۱۹۴۷ء

بمبئی کے گندے اور تاریک محلوں کے مشاہدے کے علاوہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن صحت، تعلیم اور فلاح و بہبود کے اداروں کا دورہ بھی ختم کر چکی ہیں۔ تین دن کے مختصر دوران قیام میں انھوں نے سات ہسپتالوں، شفاخانوں اور مطبعوں کی، فلاح و بہبود کی چار کمیٹیوں، تین کالجوں، ایک ریمانڈ ہوم اور خواتین کے ایک ہسپتال کا معائنہ کیا۔ وہ جہاں بھی گئیں عوام نے ان کا خیر مقدم کیا۔ بمبئی کے عوام ان کی شخصیت سے بیحد متاثر ہوئے ہیں۔

موسم انتہائی خراب ہونے کی وجہ سے ہماری پرواز میں چند گھنٹوں کی تاخیر ہو گئی۔ ہم بمبئی سے دہلی سہ پہر تک پہنچ سکے۔ یہاں آنے کے بعد حالات ایک دم سے بدلے ہوئے نظر آئے نہرو اور لیاقت انبالہ سے امرت سر روانہ ہو گئے تھے یہاں پہنچ کر دونوں نے امن بحال کرنے کی اپیل کی۔ نہرو نے تقریر بھی نشر کی جس میں انھوں نے کہا کہ پنجاب کی دونوں حکومتیں انڈیا اور پاکستان کی مملکتوں کے تعاون سے "خوفناک حالات" سے نمٹنے کا تہیہ کر چکی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا "ہندستان فرقہ وارانہ ملک نہیں جمہوری ملک ہے جہاں ہر شہری کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ حکومت ان حقوق کے تحفظ میں جی جان کی بازی لگا دے گی۔" رفیوجیوں کا مسئلہ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اطلاع کے بموجب رفیوجی کیمپوں کے گندے ماحول میں اب تک تقریباً دو لاکھ رفیوجیوں کا قافلہ آ چکا ہے۔ کسی وقت بھی کالرا کے پھوٹ پڑنے کا خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے۔

چینی سفارت خانہ کے ڈاکٹر لیوہ نے آج رات ہمیں ڈنر پر مدعو کیا۔ پامیلا ماؤنٹ بیٹن معزز مہمان کی حیثیت سے شریک ہوئیں۔ ہز اکسلنسی نے خود اپنے ہاتھوں سے مرغن و لذیذ غذائیں تیار کی تھیں۔ سبھوں نے سیر ہو کر کھایا۔ شرابوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا تاکہ ہمارے خوف و اندیشے ان کے جرعوں میں دھل جائیں۔ کھانا ہضم بھی نہ ہو سکا تھا کہ فوٹو گرافر اپنے کیمروں سمیت حاضر ہو گئے۔ یہ تصویریں اخباروں کے لئے بلکہ سفیر کے البم کے لئے لی گئی تھیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
۲۲ اگست ۱۹۴۷ء

آج کی لنچ پارٹی میں میں بھی شریک ہوا۔ پاکستان کے ہائی کمشنر زاہد حسین کے علاوہ چار اور مہمان مدعو

تھے۔ زاہد حسین خوفزدہ اور کمزور دل انسان ہیں۔ انھیں دھلی میں اپنی زندگی ہر وقت خطرے میں نظر آتی ہے۔ بمبئی کے وزیر اعلیٰ مسٹر کھیر بھی تھے۔ ان سے گفتگو کر کے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی نئی حکومت میں آہنی انسان ثابت ہوں گے۔

میں نئے وزیر خزانہ شانمو کھم چیٹی کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کی گفتگو میں اعتماد ہے لیکن ان کے اندر سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی ہے۔ موضوع گفتگو یکایک بدل گیا اور حلف اٹھائے جانے کی رسم کی بات چل پڑی چیٹی نے کہا ـــ ہندستان میں سوگند کو اہم بات سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تین شکلیں ہیں ـــ ایک گائے کی دم" دوسری کافور کا شعلہ اور تیسری بچوں کے سر۔" اقتصادی حالت اور اسٹرلنگ بیلنس کا موضوع بھی زیر بحث آیا چیٹی کو اس بات کا دکھ ہے کہ آزادی کی وجہ سے برطانیہ اور ہندستان میں اسٹرلنگ کا معاہدہ متاثر نہیں ہوا۔

ماؤنٹ بیٹن نے اقتصادی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں نہرو اور پٹیل کو طویل خط لکھا ہے۔ مثلاً انھوں نے اپنے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ اگر گاندھی کی تجویز راشن بندی اور خوراک، وغیرہ پر سے کنٹرول اٹھا لینے کی تجویز کو مان لیا گیا تو معاشیات کا سارا ڈھانچہ ہی کمزور ہو جائے گا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
ہفتہ ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء

لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے بی بی سی براڈکاسٹ کے لئے میں اور بوب اسٹمنس ان کے ساتھ مل کر سخت محنت کر رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ پروپیگنڈا پر کاری ضرب لگانے کے لئے یہ اچھا موقع ہاتھ آیا ہے ریڈیو کے لئے ان کی آواز جادو کا اثر رکھتی ہے۔ انھوں نے بڑے اطمینان سے تقریر نشر کی۔ انھوں نے ہندستان کے غیر معروف جانبازوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک مسلمان ڈاکٹر کی مثال پیش کی جس نے "اپنی دھلی کی پریکٹس کو خدا حافظ کہہ کر مشرقی پنجاب کے گڑگاؤں میں شفاخانہ کھولا تھا ـــ گڑگاؤں جہاں فرقہ پرستی کے لرزہ خیز مظالم توڑے گئے ہیں ـــ وہاں اس مسلمان ڈاکٹر نے گرد و غبار اور شدت گرمی سے بے پروا ہو کر ہفتوں ہندوؤں اور مسلمانوں کی زندگیوں کو بچانے کے لئے جد و جہد کی۔" انھوں نے اپنی تقریر کا اختتام جے پور کے مینار کے اس کتبہ سے کیا جس میں یہ تحریر ہے ـــ "فہم و ادراک، اعتقاد و ایمان، عقل و بینش، وعدہ و قول، عمل و جرات، تسلیم و رضا اور زندہ دلی ـــ ہندستان کی عظمت ان اوصاف میں مضمر ہے۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
پیر۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء

آج صبح کو مشترکہ دفاعی کونسل کے سیشن میں پنجاب کی سرحدی فوجی طاقت کا مستقبل زیرِ بحث آیا تو ماؤنٹ بیٹن انتہائی الجھن میں مبتلا ہو گئے۔ دونوں مملکتیں سرحدی فوجی طاقت کو توڑ کر از سرِ نو منظم کرنا چاہتی تھیں تاکہ دونوں کا اپنا اپنا کمانڈر ان چیف ہو۔ ماؤنٹ بیٹن میٹنگ میں شرکت کرنے سے قبل یہ سوچ چکے تھے کہ اوکنلک اور ریس کو یہ تجویز منظور نہ ہوگی چنانچہ انھوں نے گفتگو کا آغاز کچھ اس انداز سے کیا کہ یہ سوال زیرِ بحث نہ آسکے لیکن پاکستان وزیرِ خزانہ اور میٹنگ کے نمائندے چندریگر نے اس سوال کو چھیڑ دیا۔ ماؤنٹ بیٹن اب خاموش نہ رہ سکے چنانچہ انھوں نے کہا کہ فوج کے اخلاق کو بلند رکھنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ سارے لیڈروں کی طرف سے خراجِ تحسین ملے لیکن اگر آپ یہ نہیں کرنا چاہتے تو پھر ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے یعنی اسے ہٹا لیا جائے جس کا نتیجہ خوں ریزی ہوگا اور اس کی سراسر ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوگی جو فوج کو ہٹانے کا اقدام کرے گا۔ دورانِ گفتگو میں ایک بار تو قہقہہ بلند ہوا جب ماؤنٹ بیٹن نے پدرانہ انداز میں چندریگر کو اس طرح ڈانٹ پلائی ــ " میں سوچ نہیں سکتا کہ اگر تمہارا گورنر جنرل تمہاری یہ طرزِ گفتگو سن لے تو وہ کیا کہے گا۔"

سرحدی فوجی طاقت پر کمیونکے کی اشاعت کے لئے میٹنگ نے مجھے اختیار دیدیا تھا۔ ورنن اور مجھ سے مسودہ تیار کرنے کے لئے کہا گیا تاکہ اس وقت سبھوں کی منظوری لے لی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی ہم ہارڈنگ ایونیو جاتے جہاں پاکستان ہائی کمشنر کی رہائش گاہ ہے اور کبھی نہرو کی سکریٹریٹ کا رخ کرتے۔ سہ پہر اس طرح گذر گئی۔ چندریگر اس دفعہ کو شامل کرانے پر مصر تھے کہ اگر سرحدی فوج نے آئندہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کی تو اس کے خلاف سخت قدم اٹھایا جائے گا۔ لیکن ہم ذرا سخت جملے کو نرم کرنے کی کوشش میں تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ سرحدی فوج "بہ استثنائے چند اچھا کام انجام دے رہی ہے۔" بہرکیف جن جن جملوں سے اشتعال انگیزی ٹپکتی تھی انھیں حذف کر دیا گیا اور اس طرح میٹنگ برخاست ہوئی۔ ان ساری باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر دونوں حکومتیں چاہتی ہیں کہ انتشار کو روکا جائے تو فوجوں کی طرف سے ان کے رویے میں تبدیلی پیدا کرنا ہوگی۔

ہم نہرو کے آفس کے سامنے بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے اور ساتھ ہی ایک معمولی اہل کار کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اہل کار پیپر ویٹ کو لٹو کی طرح گھماتا، ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی تو سوالات کے جواب دیتا،

پرانے لفافوں کو دیکھتا اور اِدھر اُدھر دوڑتا پھیلا گیا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں ـــ وزیراعظم کے دفتر میں یا کہیں اور۔

گورنمنٹ ہاؤس واپس آئے تو ماؤنٹ بیٹن نے مجھے مونکٹن کا ٹیلیگرام دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ وہ نظام کے آئینی مشیر کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے ہیں اگرچہ اب بھی ہز اکزالٹڈ ہائنس کا اعتماد انھیں حاصل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ ان کا قیام گورنمنٹ ہاؤس میں نہیں ہوگا کیونکہ اس کا غلط مطلب لیا جا سکتا ہے۔ یہ اطلاع ماؤنٹ بیٹن کے لئے حادثہ جانکاہ سے کم نہ تھی۔ انھوں نے آہ سرد کھینچتے ہوئے "سارا کیا دھرا برباد"!

انتقال اختیارات کے بعد نظام اور حکومت ہند کے تعلقات کیا ہوں گے اس دشوار مسئلے پر جولائی سے گفت وشنید ہو رہی ہے اور اس ساری گفتگو میں مونکٹن کا اثر کافی ہے کیونکہ نظام کے وفد کے وہ ایک رکن ہیں۔ ۱۵ اگست تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو ماونٹ بیٹن نے نظام کو آزادی کے دن سے مزید دو ماہ کی مہلت دی تاکہ اس دوران میں وہ ہندستان کے ساتھ حیدرآباد کا الحاق کر لیں۔ انھوں نے یہ بھی واضح کر دیا کردیا کہ اگرچہ وہ دولت برطانیہ کے نمائندہ نہیں رہے لیکن ہندستان کی طرف سے انھیں گفت وشنید کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ وی پی مینن سے مشورہ کرنے کے بعد وہ نظام کو اس بات کا یقین دلائیں گے کہ موجودہ حالات میں حیدرآباد کے فیصلۂ الحاق نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندستان اس عمل کو معاندانہ اقدام سے تعبیر کرے۔

حیدرآباد کے وفد کے ساتھ آج گفت وشنید ہونے والی تھی۔ مونکٹن کا تار موصول ہوتے ہی ماؤنٹ بیٹن نے وی پی مینن کو طلب کیا اور ان سے اس مسئلہ پر گفتگو شروع کر دی میں اور وزن سرحدی فوج کے کیونکے کے سلسلے میں وہاں سے رخصت ہو گئے۔ لیکن جب واپس آئے تو حالات معمول پر آ گئے تھے نظام نے ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک تار بھیجا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ مونکٹن کو استعفیٰ واپس لینے پر مجبور کریں۔ نظام نے اقرار کیا کہ اگر اس نازک وقت میں مونکٹن واپس جاتے ہیں تو ان کی جگہ پر تقرری کا مسئلہ دشوار بن جائے گا۔

مونکٹن نے ماؤنٹ بیٹن سے اپنے استعفیٰ کی وجہ یہ بیان کی کہ حیدرآباد کے اخبارات ان کے خلاف کیچڑ اچھال رہے ہیں اور یہ کہ اس میں اتحاد المسلمین کا ہاتھ ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وزیراعظم نواب آف چھتاری اور آئینی امور کے وزیر بھی اس وجہ سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ لیکن نظام نے چھتاری کا استعفیٰ منظور کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مونکٹن نے کہا کہ وہ اس شرط پر اپنا استعفیٰ واپس لیں گے اگر اتحاد المسلمین بھی

اپنے سابقہ بیانات واپس لے لیتی ہے۔ مونکٹن نے ماؤنٹ بیٹن کو مشورہ دیا کہ اگر اسنادِ الحاق میں تھوڑی سی ترمیم کردی گئی اور اس کو تھوڑا اور نرم کردیا گیا تو نظام کو منظور کرنے میں پس و پیش نہ ہوگا۔
آج یہ اطلاع بھی موصول ہوئی کہ بھوپال نے اسنادِ الحاق پر دستخط کردیئے۔ اس اطلاع پر ماؤنٹ بیٹن نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ آج بھی اتنا ہی ہیجان خیز ہے جتنا ۱۵ر اگست سے قبل تھا۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
بدھ ۲۷ر اگست ۱۹۴۷ء

آج سویرے ماؤنٹ بیٹن کی خوابگاہ میں میں نے اور وی پی مینن نے ان سے پنجاب کی حدبندی فوج پر گفتگو کی۔ اس سلسلے میں ہندستان ٹائمز اور انڈین نیوز کرانیکل نے جو سخت قسم کے حملے کئے ہیں وہ بھی زیرِ بحث آئے۔ وی پی مینن نے کہا کہ دونوں ملکوں میں یہ عام خیالات پائے جاتے ہیں کہ متعلقہ علاقوں میں فوج پر زیادہ سے زیادہ براہِ راست ان ہی کا کنٹرول ہو۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ حدبندی فوج بلاشبہ مسئلے کا بہترین عسکری جواب ہے لیکن وہ شکایت کا ازالہ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس کے بعد پریس کا مسئلہ زیرِ غور آیا۔ وی پی مینن کا خیال ہے کہ دھلی کے پریس کے خلاف سخت قدم نہیں اٹھانا چاہئے کیونکہ سارے صوبائی اخبارات کا رویہ اس مسئلے پر جارحانہ ہے۔ ہندستان ٹائمز نے آج کے شمارہ میں ریس پر براہِ راست حملہ کیا تھا اور قابلِ اعتراض کارٹون چھاپا گیا تھا۔ اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماؤنٹ بیٹن، دیوداس گاندھی اور ساہنی سے ملاقات کرنے پر رضامند ہوگئے میں نے سہ پہر کو ملاقات کا انتظام کیا
دیوداس اور ساہنی ٹھیک چار بجے پہنچ گئے۔ ماؤنٹ بیٹن دونوں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے پیش آئے انھوں نے دونوں ایڈیٹروں سے درخواست کی کہ وہ ملیٹری کے خلاف تبصرہ کرنا بند کردیں کیونکہ ادھر سے کوئی جواب نہیں ملنے کا۔ "اگر فوج کے لوگ آپ لوگوں کے تبصروں کا جواب دینا شروع کردیں تو فضا میکسیکو جیسی ہوجائے گی جہاں کے ایڈیٹروں کو اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے۔" اس مثال کے بعد انھوں نے فلسطین میں جنرل بارکر کا ایک واقعہ سنایا۔ پریس نے جنرل کے چال چلن پر نکتہ چینی کی تھی۔ لیکن پارلیمنٹ میں اس نکتہ چینی کا جواب سکریٹری آف اسٹیٹ برائے جنگ اور وزیر کو دینا پڑا۔
اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے پنجاب کے حالات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا۔

گیانی کرتار سنگھ اور تارا سنگھ نے ۳ جون سے پہلے دھمکی دی تھی کہ سکھ عنقریب مظاہرہ کریں گے سو آج وہ پوری ہو گئی۔ حالات کنٹرول سے باہر ہو گئے ہیں۔" ایسے وقت میں جب کہ مشرقی پنجاب سے تمام مسلمانوں کا انخلا ہو رہا ہے۔ پولیس کی تعداد ایکا ایکی سات ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے حد بندی فوج کی تفصیلات اور پریس کی صلاحیت جو برما محاذ پر ظاہر ہوئی تفصیل سے بتائی (ٹائمس آف انڈیا کے ایڈیٹر انڈین نیوز کرانیکل) نے کہا کہ جب وہ حد بندی علاقے سے گذرے تو ان کے دل کو دھچکا پہنچا۔ دیو داس نے پریس کے خلاف حملے اور کارٹون کی مدافعت نہیں کی

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
جمعرات ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء

ہندستان کی وزیر صحت راجکماری امرت کور اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن فرقہ وارانہ فسادات کے گڑھ سے ابھی ابھی واپس آئیں۔ انھوں نے بارہ رفیوجی مراکز اور کیمپوں، سات ہسپتالوں اور دیگر طبی یونٹوں کا دورہ کیا ہے۔ مشرقی اور مغربی پنجاب کے گورنروں اور دیگر اعلیٰ افسروں سے بات چیت بھی کی۔ ایسے عالم میں جبکہ فسادات کے شعلے چاروں طرف بھڑک رہے ہیں ان علاقوں کا دورہ کرنا معمولی بات نہیں ہے۔

راجکماری عیسائی ہیں اور گاندھی کی قریبی پیروکار۔ ان کا احساس بہت شدید ہے۔ ابھی قلمدانِ وزارت سنبھالے ہوئے ۲۴ گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کو خوفناک فضا سے گذرنا پڑا۔ انسانیت آگ اور خون میں سسک رہی تھی۔ اور مرد و عورت ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں بے خانماں ہو رہے تھے۔ میری ان سے پہلی ملاقات شملہ میں یکم مئی کو ہوئی تھی اور ان ہی کا کرم تھا کہ میں گاندھی سے شرف ملاقات حاصل کر سکا

میرے سامنے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا سفر نامہ ہے اور میں موریل واٹسن سے باتیں کر رہا ہوں۔ ان کے چہرے سے اضمحلال ٹپک رہا ہے اور انھوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کو یاد کر کے اب بھی ان کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔ ۲۶ اگست منگل کے روز لیڈی ماؤنٹ بیٹن امرتسر اور جالندھر میں تھیں۔ دونوں شہر قبرستان معلوم ہوتے تھے۔ دن بھر کی خستگی و ماندگی کے بعد جب ذرا آرام کا وقت آیا کہ سیالکوٹ سے غیر مسلم رفیوجیوں کی لاری پر وحشیانہ حملہ کرنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن الٹے پاؤں وکٹوریہ میموریل ہسپتال روانہ ہو گئیں۔ یہاں انھوں نے زخمیوں کو دیکھا۔ بیتیروں کے چہرے تک مسخ ہو چکے تھے۔ رات کے ساڑھے دس بجے وہ ماسٹر تارا سنگھ سے ملیں۔ ان کا سارا جسم غم و غصے سے کانپ رہا تھا۔ دوسرے دن سویرے لاہور روانہ ہو گئیں اور سورج نکلنے سے پہلے ہی انھوں نے مسلم رفیوجی کیمپ اور ٹریننگ اسکول کا دورہ کیا۔ راولپنڈی روانہ ہونے سے پہلے وہ دو اور کیمپوں اور ہسپتالوں میں گئیں۔ راولپنڈی میں ذمہ دار افسران

انھوں نے باتیں کیں۔ یہاں سے پھر سیالکوٹ اور گجرانوالہ آئیں۔

اس سفرنامے سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ کتنا شدید ہے۔ دونوں طرف کے فسادات کی انھوں نے جو رپورٹیں پیش کی ہیں۔ وہ بیحد پریشان کن ہیں۔ سارے پناہ گزین خلجان میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ پنجاب کی حد بندی فوج پر کسی کو ذرا بھی اعتماد نہیں رہا۔

"دی رٹریٹ" شوبڑا شملہ
ہفتہ ۳۰ر اگست ۱۹۴۷ء

مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ کی صدارت کرنے ماؤنٹ بیٹن کل ہی لاہور روانہ ہو گئے تھے۔ وہاں جناح کو دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ وہ بھی ایک رکن کی حیثیت سے شرکت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ طویل مذاکرہ کے بعد حد بندی فوج کو ختم کردینے کا فیصلہ ہوا۔ ریس کی خدمات کو بہت کم لوگوں نے سراہا حالانکہ انھوں نے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر کام کیا تھا۔ دونوں مملکتوں کی حکومتوں اور پریس کے عدم تعاون کی وجہ سے حد بندی فوج اور اس کے کمانڈر کی پوزیشن بیحد نازک ہو گئی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ فرقہ وارانہ تعصب کا زہر فوجی تنظیم میں بھی سرایت کر گیا۔ اب جبکہ پنجاب کی حد بندی فوج اور مشترکہ دفاعی کونسل کی بالادستی باقی نہیں رہی ماؤنٹ بیٹن بھی اپنی آخری ذمہ داریوں سے سے سبکدوش ہو گئے۔ حکومت کے روزمرہ کے کاموں میں ان کے مشورے کی ضرورت نہیں رہی تھی اس لئے انھوں نے شملہ آکر کم از کم دس دنوں کے لئے آرام کرنے کا قصد کیا۔ ایک بار پھر ان کا اسٹاف شملہ کی پہاڑیوں پر آ گیا۔ اسمے کشمیر روانہ ہو گئے۔ جاتے وقت ماؤنٹ بیٹن نے ان سے کہا کہ وہ مہاراجہ سے ضرور ملیں اور ان سے کہیں کہ وہ مزید پس و پیش کرنے کی بجائے دو میں سے کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کرلیں تاکہ کشمیر کی خطرناک فضا خوشگوار ہو سکے۔

گورنر جنرل لاج شملہ
جمعرات ۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء

ہم نے یہاں ایک ہفتہ سے کچھ زیادہ عرصہ قیام کیا۔ لیکن اس عرصے میں حکومت ہند اور اس کے افسروں کے درمیان اور دوسری طرف غیر ملکی نامہ نگاروں کے درمیان جس قضیئے کی تشویشناک خبریں

موصول ہو رہی تھیں میں ان سے باخبر رہا۔ جھگڑا نہرو کی ایک تقریر سے شروع ہوا تھا جس میں ایک نامعلوم نامہ نگار کی رپورٹ کے بموجب پریس پر حملہ کیا گیا تھا۔ متعدد نامہ نگاروں نے شکایت کی کہ ان کے خلاف نہ صرف الزام عائد کیا جا رہا ہے بلکہ انھیں دھمکی بھی دی جا رہی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے آج سہ پہر کو ہمیں بتایا کہ وی پی مینن نے فون کے ذریعہ انھیں پٹیل کا یہ پیغام دیا ہے کہ وہ فوراً دہلی روانہ ہو جائیں۔ مینن نے یہ بھی کہا کہ نہرو، پٹیل اور سارے ذمہ دار وزرا کا یہ خیال ہے کہ حالات اتنے خراب ہو گئے ہیں کہ ان کی موجودگی ہی سے سنبھل سکیں گے۔

جارج نکولس اور میں نے اپنے خاندانوں کے تحفظ کے انتظامات کیے کیونکہ ہم انھیں یہیں چھوڑ کر دہلی روانہ ہو رہے ہیں۔ سپاہی ہاتھوں میں لالٹینیں لئے راستہ دکھانے گئے یہاں تک کہ ہم گورنر جنرل لاج پہنچ گئے۔ آج کی رات یہیں گذارنی ہے۔ کل تڑکے شملہ کو خدا حافظ کہہ دیں گے۔

باب ۱۵

ہنگامی حالت

گورنمنٹ ہاؤس، نئی دہلی
ہفتہ ۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

ہم سہ پہر تک گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئے۔ وی پی مینن بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے پٹیل کا پیغام دیا جس میں انھوں نے امید ظاہر کی تھی کہ ماؤنٹ بیٹن ذرا بھی تاخیر کیے بغیر حالات پر قابو پالیں گے۔ نہرو بھی نازک صورت حال پر قابو پانے کے لئے کمربستہ ہو گئے تھے۔ آزادی کی خوشی وخرمی کے ٹھیک تین ہفتے بعد جدید ہندوستان کے وزیراعظم اور نائب وزیراعظم کا یہ فیصلہ کہ حالات پر قابو پانے کے لئے ماؤنٹ بیٹن کو شملہ سے دہلی طلب کیا جائے اس سے ان کے کردار اور قیادت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس فیصلے سے انھوں نے ثابت کر دیا کہ اعلیٰ سطح کے انتظامی امور میں ماؤنٹ بیٹن کا تجربہ وسیع ہے اور یہ کہ کلی طور پر ان سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔

دو تین گھنٹے تک ماؤنٹ بیٹن حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے ہنگامی کمیٹی کی تجویز پیش کی۔ نہرو اور پٹیل نے تجویز سے اتفاق کیا اور ماؤنٹ بیٹن ان کے اصرار کرنے پر کمیٹی کا چیرمین بننے کے لئے تیار ہو گئے۔ پنجاب میں فرقہ وارانہ خوف وہراس سے فضا گمبھیر ہو گئی ہے اور قتل وغارت گری اور پناہ گزینوں کی نقل وحرکت کا یہ عالم ہے کہ مخالف فوجوں کی جھڑپ سے بھی ایسے حالات کبھی پیدا نہیں ہوئے۔ تاریخ کے صفحات ترک وطن کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اس المیہ میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ لوگوں کو استحصال کا موقعہ ہاتھ آجاتا

ہے۔ آج بھی کم و بیش فضا میں ایسے ہی گرد و غبار چھائے ہوئے ہیں۔

دہلی اس بھونچال کا مرکز بن گئی ہے ـــ اور اس طرح صوبائی بحران قومی بحران میں بدل گیا ہے۔ اس لحاظ سے پنجاب کا انقلاب عظیم پاکستان کے مقابلے میں ہندستان کے لئے کہیں زیادہ شدید ہے کیونکہ پاکستان کا دارالحکومت کراچی ہے جو فسادات کی زہریلی فضا سے محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ جناح نے بروقت اپنے طور پر لوگوں سے نشری تقریر میں اپیل کی ہے کہ وہ امن و امان بحال کرنے اور نئی مملکت کی تعمیر میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کریں۔ حد بندی ایوارڈ اگر غیر منصفانہ، ناقابلِ فہم اور گمراہ کن ہے تو ہونے دیجئے۔ مسلمانوں نے اس کو تسلیم کرنے کی قسم کھائی تھی۔ نئی مملکت کو بیک جنبش قلم حاصل کیا گیا ہے۔ یاد رکھئے وہ شمشیر کی ایک ضرب سے چھن نہ جائے۔

یہ فراموش کر دینا آسان ہے کہ شمال میں دہلی کدھر واقع ہے۔ لیکن یہ کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے کہ دہلی ہندستان کا پایہ تخت ہے۔ لیکن اب، تقسیم ملک کے بعد پایہ تخت کی تبدیلی کی آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ بالقصد پایہ تخت کی تبدیلی الگ چیز ہے اور حصول آزادی کے ایک ماہ کے اندر حکومت کی طرف سے جبریہ انخلا دوسری بات ہے۔ بلاشبہ یہ سوال بڑا ہی ٹیڑھا ہے کیونکہ تقریباً پانچ لاکھ پناہ گزین شہر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ شہر میں پہلے ہی پناہ گزینوں کا سیلاب امنڈ آیا ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف حکومت کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے بلکہ مختلف قسم کے امراض بھی پھیل رہے ہیں۔

آج سہ پہر کو کابینہ کی ہنگامی کمیٹی کا جو اجلاس ہونے والا ہے اس کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے اپنے اسٹاف سے بالتفصیل مذاکرہ کیا۔ اسمے کو کشمیر سے واپس بلایا جا رہا ہے۔ میری چند تجاویز تھیں جو میں نے پیش کیں۔ مثلاً میری یہ تجویز تھی کہ جلد از جلد پاکستان کے ساتھ مل کر پبلسٹی کا رابطہ قائم کیا جائے۔ کمیٹی کو کونسل آف اسٹیٹ کا درجہ دینے کی تجویز پیش کی۔ میرا ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ تعلقات عامہ کی ذیلی کمیٹی کی تشکیل ہو جس میں وزارت اطلاعات کا ایک رکن، کمانڈر انچیف کا اسٹاف اور راقم الحروف شامل ہو۔ سنسر شپ کو ختم کر دیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن بھی سنسر شپ کے خطرے سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ انھوں نے میری تجویز کو پسند کیا۔ کونسل آف اسٹیٹ کے خیال پر سنجیدگی سے بحث نہیں ہوئی البتہ تعلقات عامہ کی ذیلی کمیٹی کی تشکیل کو منظور کر لیا گیا۔ مجھے فوراً طلب کیا گیا میں وزارت اطلاعات کے رکن اور کمانڈر ان چیف کے اسٹاف کو کمیٹی میں شامل کر لوں۔

ماؤنٹ بیٹن نے ہنگامی کمیٹی کو روزانہ کی اسٹاف میٹنگ میں تبدیل کر دینے کا خیال ظاہر کیا جس میں حکومت کے ہر شعبہ کا ایک ایک ترجمان ہو اور جس کو سوالات کرنے اور جوابات دینے کا حق حاصل ہو۔ ایک بار پھر ماؤنٹ بیٹن نے "مذاکرے کی اہمیت" پر یقین و اعتقاد کا اظہار کیا کیونکہ ان کے خیال میں پیچیدگیاں مذاکرے ہی سے دور کی جا سکتی ہیں۔ انھوں نے کابینہ اور خود کو روزمرہ کے فسادات اور پناہ گزینوں کی نقل و حرکت سے باخبر رکھنے کے لئے کمرے میں ایک نقشہ کا انتظام کیا۔ انھوں نے ریس کو اس کام کے لئے تیار کیا کیونکہ حد بندی فوج کی کمان گذشتہ ہفتہ ختم کر دی گئی تھی۔ گورنمنٹ ہاؤس کے اندر جو مختصر سا ملیٹری ایمرجنسی اسٹاف کام کرے گا اس کے سربراہ ریس ہوں گے اور پامیلا ان کی پرسنل اسسٹنٹ ہوں گی۔ پامیلا پہلے ہی سوشل خدمات انجام دے کر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

ہنگامی کمیٹی کا پہلا جلسہ شام کے پانچ بجے گورنمنٹ ہاؤس کے کونسل چیمبر میں ہوا اور کارروائیاں دو گھنٹہ تک جاری رہیں۔ نہرو نے کارروائی کا آغاز ماؤنٹ بیٹن سے مخاطب ہو کر کہا "آپ جو بھی مشورہ دیں گے میں بسروچشم قبول کروں گا بشرطیکہ آپ کرسی صدارت سنبھالیں۔" اور ماؤنٹ بیٹن نے دوسری شرط پیش کرتے ہوئے کہا "مجھے منظور ہے لیکن امید کرتا ہوں کہ آج کی کارروائی کو بغرض اشاعت پریس نہیں بھیجا جائے گا۔"

یہ بات طے پا چکی ہے کہ کمیٹی میں کابینہ کے صرف اہم وزراء، کمانڈران چیف، نمائندہ سپریم کمانڈر، دہلی کے چیف کمشنر، چیف آف پولیس، شہری پرواز کے ڈائرکٹر جنرل، طب اور ریلوے کے نمائندے شریک ہوں گے۔ ضرورت پڑی تو اور لوگوں کو بھی کوآپٹ کیا جائے گا۔ مستقل ممبر کی حیثیت سے نہرو اور پٹیل کے ساتھ کام کرنے والوں میں بلدیو سنگھ (دفاع) متھائی (ریلوے) اور نیوگی (رفیوجی) ہوں گے۔ ابتدائی جلسہ میں کل پندرہ افراد نے شرکت کی۔

ہر ممبر کا چہرہ اداس، مضمحل اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ نہرو خود بجھے بجھے سے تھے۔ آزادی کا پہلا مہینہ ان کی زندگی کا رمق نچوڑ چکا تھا۔ پٹیل کی خشمگیں آنکھوں سے افسردگی ٹپک رہی تھی لیکن ماؤنٹ بیٹن نہ سراسیمہ تھے اور نہ مایوس۔ ان کا اعتماد پہلے سے زیادہ مستحکم اور استوار تھا۔ ان کے ارادوں میں پختگی تھی۔

کمیٹی کا دستور منظور ہوتے ہی ہم اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ وزارت آبادکاری

اب تک تشکیل نہیں پائی تھی کیبنٹ کل صبح تک اس شخص کا نام جاننا چاہتی ہے جس کو وزارت آبادکاری کا سکریٹری مقرر کیا جائے گا۔ اسے کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ہنگامی کمیٹی اور حکومت پاکستان کے درمیان رابطہ کی حیثیت سے کام کریں۔ تعلقات عامہ کی جو نئی کمیٹی بنی ہے اسے ہدایت دی گئی کہ فرقہ وارانہ حالات پر دہلی کے اخبارات جو رپورٹیں شائع کرتے ہیں وہ زبان کے لحاظ سے اشتعال انگیز ہوتی ہیں لہذا ان رپورٹوں کو نرم بنانے کے لئے وہ اخبارات کو مجبور کرے۔

مارشل لا کے نفاذ پر بالتفصیل بات چیت ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن کم از کم پنجاب میں اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں لیکن نفاذ صرف اس صورت میں ممکن ہے بشرطیکہ چاروں حکومتیں تعاون کرنے کا وعدہ کریں۔ چونکہ یہ اقدام ناقابل عمل معلوم ہو رہا تھا اس لئے مشرقی پنجاب میں موجودہ ایکٹ کو ذرا اور سخت بنانے کے لئے کمیٹی سے درخواست کی گئی۔ بارہ آئٹموں پر اتفاق رائے سے فیصلہ ہو گیا۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی زیر نگرانی ریلیف کمیٹی بنائی گئی، رائل ایر فورس اور مواصلات پر کنٹرول کر لیا گیا۔ خزانوں پر قبضہ کیا گیا اور جیپ گاڑیاں فروخت کر دی گئیں۔ فضا سے پرچیاں پھینکنے کا بھی فیصلہ ہوا۔ سارے ممبران بے جان اور بیدم ہو کر جلسہ سے اٹھے۔

کل کی میٹنگ میں مشرقی پنجاب کے گورنر ترپویدی، وزیر اعلیٰ گوپی چند بھارگوا اور وزیر داخلہ سورن سنگھ شرکت کر رہے ہیں۔ کلکتہ سے گاندھی کے "معجزہ" کی خبریں موصول ہوئیں سہروردی کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ کچھ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ انھیں وہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کا انھوں نے تصور کیا تھا۔ چھرا گھونپنے کے اکا دکا واقعات اب بھی سننے میں آ رہے ہیں۔ چنانچہ پیر سے انھوں نے برت رکھنا شروع کیا اور اعلان کیا کہ جب تک شہر کے حالات معمول پر نہیں آ جاتے وہ اپنا برت نہیں توڑیں گے۔ جمعرات کو ہر فرقہ کے لیڈر کی اس یقین دہانی پر کہ عوام مہاتما کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں سے بغض و عناد کے غبار دھل گئے ہیں انھوں نے برت توڑ دیا۔ انھوں نے پرارتھنا کے جو کئی جلسے کئے تھے ان میں سے ایک جلسہ کے اختتام پر تو ہزاروں کی تعداد میں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے فرط محبت میں بغلگیر ہوئے۔ اخباروں کے نامہ نگاروں کا بیان ہے کہ میل ملاپ کا ایسا موثر نظارہ انھوں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ جو کام چار ڈویژن فوج سے نہیں ہو سکتا تھا وہ جذبۂ محبت نے کر دکھایا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء

دن کے گیارہ بجے ہماری میٹنگ شروع ہوئی لیکن ترلوچن ترپاٹھی اور مشرقی پنجاب کے وزراء وقت پر نہ پہونچ سکے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں دہلی کی فضا تشویشناک حد تک بگڑ گئی ہے۔ متعدد دل ہلا دینے والے واقعات رونما ہوئے ہیں مثلاً سرکاری ملازموں کو ان کے علاقوں میں ہلاک کیا گیا اور رفیوجیوں کا سیلاب بدستور امنڈتا آرہا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سارے اسلحہ پر پابندی عائد کرنے کا سوال اٹھایا۔ ان میں سکھوں کا کرپان بھی شامل ہے۔ پٹیل کو اعتراض ہوا کہ اگر کرپان پر پابندی کی جاتی ہے تو بہت ساری مشکلات درپیش ہونگی کیونکہ سالہا سال سے حکومت اسے مذہبی ہتھیار تسلیم کرتی آئی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے پٹیل کے اس اعتراض پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ سکھوں کو کرپان لیکر چلنے کا جو غیر قانونی حق دیا گیا ہے وہ فی الحال ملک کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے میں حارج ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ انسانوں کے قتل کو کس طرح روکا جاسکتا ہے؟ کرپان پر پابندی عائد کرکے یا سکھوں کے مذہبی جذبات کا تحفظ کرکے؟

ماؤنٹ بیٹن نے کہا "اگر ہم دہلی کی سڑکوں میں نکل جائیں تو ہمارا سر قلم کردیا جائے گا۔" انہوں نے کانسٹبل کی کمک کا مطالبہ کیا۔ نہرو رضامند ہوگئے مگر پٹیل نے تذبذب سے کام لیا۔ ترلوچن ترپاٹھی ایک بجکر دس منٹ پر تشریف لائے۔ آتے ہی انھوں نے پرجوش تقریر کرڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت ان کے سامنے رفیوجیوں کے انخلاء کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ ہنگامی کمیٹی ان کے نزدیک عدالتی تحقیقات سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

مشرقی پنجاب کے اراکین دیر سے تشریف لائے تھے اس لئے ہم چھ بجے شام کو پھر اکٹھا ہوئے نہرو اور پٹیل سکھوں کے مسئلہ پر متفق الرائے نظر آئے۔ دونوں نے تمام ہتھیاروں پر پابندی عائد کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا۔ پٹیل نے اعلان کیا "میں دہلی کو دوسرا لاہور نہیں بننے دوں گا۔" نہرو نے بھی کہا "میں فیصلہ کرچکا ہوں کہ کرپان چھین لئے جائیں۔ جیپ بھی سڑکوں پر دوڑائی نہ جائیں۔ کیونکہ نہرو کے خیال میں یہی چیزیں شرانگیزی کا سرچشمہ ہیں۔

موصولہ اطلاعات مظہر ہیں کہ دہلی کے حالات بڑی تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ ولنگڈن ہوائی مستقر پر بھی ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ سکھوں نے آسٹریلیا کے ہائی کمشنر اور امریکی سفیر کو بھی دھمکیاں دی ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے جلسہ میں کہا کہ اگر انڈیا غیر ملکی سفارت خانے کو غنڈہ گردی سے نہ بچا سکا تو اس کے پچھلے وقار پر پانی پھر جائے گا۔

اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے اپنا ذاتی حفاظتی دستہ گیریسن کمانڈر کے حوالہ کر دیا تاکہ ضلع گڑگاواں کی زہریلی فضا شہر تک نہ پھیل سکے

گورنمنٹ ہاؤس ۔ نئی دہلی

پیر ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے کمرے میں جس نقشے کا انتظام کیا تھا اس پر کام شروع ہو گیا اس نقشے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ پنجاب کے دونوں حصوں میں فسادات کہاں کہاں ہو رہے ہیں اور پناہ گزین کہاں کہاں سے چلے آ رہے ہیں۔ نقشہ پر کل رات بھر کام ہوتا رہا۔ ان علاقوں میں نشانات لگائے جاتے رہے جہاں کے حالات ابتر اور تشویشناک ہیں۔ آج سویرے جب کارروائی شروع ہوئی تو عجیب وغریب حادثہ رونما ہوا لفٹیننٹ کرنل جو نقشہ دیکھ کر حالات بتانے والے تھے یکایک بیہوش ہو کر گر پڑے۔ غالباً زیادہ کام کرنے کی وجہ سے وہ سنبھل نہ سکے۔

دوپہر کو میں ریلیف اور ویلفیر کی متحدہ کونسل میں شریک ہوا۔ اس کونسل کی یہ پہلی میٹنگ تھی۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے صدارت کی۔ انھوں نے رضا کاروں کی اس انجمن کا کام بڑی ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ گورنمنٹ ہاؤس میں آج پندرہ اداروں نے نمائندگی کی تھی —— یہ سب کچھ لیڈی ماؤنٹ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

شام کو نظام کے وزیر اعلیٰ نواب آف چھتاری سے طویل گفتگو ہوئی۔ مونکٹن اور نواب چھتاری گورنمنٹ ہاؤس میں قیام پذیر ہیں۔ دونوں آج ماؤنٹ بیٹن سے مل چکے ہیں۔ دہلی میں جو ہنگامی صورت حال ہے اس کے مقابلے میں حیدرآباد کا مسئلہ پس منظر میں پڑ گیا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ ایسے موقع پر الحاق کی گفتگو کی جائے تو شاید کوئی نتیجہ نکل سکے۔ نظام مونکٹن کو بہر صورت حیدرآباد میں رکھنا چاہتے ہیں چنانچہ پچھلے دنوں ان کی طرف سے ایک فرمان جاری ہوا ہے جس کی زبان بیحد سخت ہے۔ فرمان میں وفد کے ممبروں پر حملے کی مذمت کی ہے کیونکہ اس سے ریاست کا مفاد خطرے

میں پڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کو خط تحریر کیا جس میں مونکٹن پر اعتماد ظاہر کیا گیا ہے اور اتحاد المسلمین کی سرگرمیوں اور خصوصاً اس کے صدر قاسم رضوی کو برا بھلا کہا ہے۔

ایک طرف تو نظام اپنے رویہ میں تبدیلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف کانگریس کے خفیہ دستہ نے پتہ چلایا ہے کہ حکومت نظام چیکوسلواکیہ سے اسلحہ کی خریداری کی بات چیت کر رہی ہے تاکہ اس کی علیحدہ بالادستی مستحکم ہو سکے۔ چھتاری اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ایسا قدم اٹھایا گیا تو حیدر آباد اور انڈیا دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہوگا۔ چنانچہ آج کی میٹنگ میں اس بحران کو دور کرنے کے سلسلے میں بالتفصیل گفتگو ہوئی۔ فیصلہ یہ ٹھہرا کہ خلیج کو پاٹنے کے لئے مونکٹن اور چھتاری ایک بار پھر حیدر آباد واپس جائیں۔

میں نے اپنی خوابگاہ سے غیر شعوری طور پر پرانی دھلی کی طرف نگاہ کی۔ میری آنکھوں نے مختلف مقامات پر شعلوں کو بلند ہوتے ہوئے دیکھا ــــ اور کانوں سے سائرن اور ہوائی جہاز کی آوازیں سنیں۔ برطانیہ کے ایک اخبار میں فسادات سے متعلق یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ دھلی کی سڑکوں پر تقریباً پانچ لاکھ آدمی دست بدست جنگ میں مصروف ہیں۔ اس اخبار نے انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور لوٹ مار اور آتشزدگی کی بے بنیاد خبریں شائع کی ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے حقیقت حال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
منگل ۹ ستمبر ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے آج گاندھی سے ملاقات کی۔ وہ آج ہی کلکتہ سے دھلی واپس آئے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن سے انھوں نے اقرار کیا کہ گورنمنٹ ہاؤس کے بارے میں ان کا جو خیال تھا اب اس میں تبدیلی آگئی ہے۔ پہلے وہ گورنمنٹ ہاؤس کو پرائے اور جھوٹے اقتدار کی علامت سمجھتے تھے لیکن اب انھیں خوشی اس بات کی ہے کہ وہ غیر یقین کے بحر ناپیدا کنار میں یقین کا ایک جزیرہ بن کر ابھرا ہے۔ وہ اس بات سے بھی پُرامید ہیں کہ ہنگامی کمیٹی اور اس کا عملہ جو ہنگامہ اور شوروغوغا سے الگ تھلگ ہو کر کام کر رہا ہے مرکزی حکومت کو خطرات سے نجات دلا کر رہے گا۔

آج سویرے ہنگامی کمیٹی کے جلسے میں پشاور اور صوبہ سرحد کے دیگر علاقوں سے آمدہ شدہ تشویشناک رپورٹیں پیش کی گئیں۔ ان حالات میں ایسے بھی نازک لمحات آئے ہیں جب محسوس کیا گیا ہے کہ یہ دو نئی قومیں تباہی کے غار میں خود کو گھسیٹے لئے جا رہی ہیں اس بات پر کوئی ٹھنڈے دل سے غور نہیں

کرتا کہ فرقہ وارانہ تعصب کا اگر یہی عالم رہا تو یہ خودکشی کے مترادف ہوگا۔

ڈنر کے بعد گورنمنٹ ہاؤس کے پرائیوٹ سینما میں داخل ہوگیا۔ یہی ایسی جگہ ہے جہاں تھوڑی دیر کے لئے دل و دماغ کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن بھی اکثر اپنی ذہنی و قلبی پریشانی کو دور کرنے کے لئے یہیں پناہ لیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد مارٹن جیلیٹ کے ساتھ میں نے تھوڑی دیر ہوا خوری کی اور پھر ان ہی کے ساتھ دہلی کے ہسپتالوں کا معائنہ کرنے کے لئے نکل گیا۔ غالباً موجودہ فرقہ وارانہ بربریت و شیطنت کی سب سے زیادہ دہشتناک تصویر جو میں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ مشہور ضرب المثل "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" پر ہر شخص عمل پیرا ہے۔ جس کے بازو میں کس بل ہے وہ کمزوروں کو گاجر مولی کی طرح موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔ اس طاقت کا استعمال ہسپتالوں اور رفیوجی ٹرینوں میں بآسانی کیا جارہا ہے۔

ہم پرانی دہلی کے وکٹوریہ زنانہ ہسپتال گئے۔ ہم نے گورنمنٹ ہاؤس کی پرانی اور گندی سی گاڑی لی۔ اس کے آگے پیچھے جھنڈیاں لگادیں تاکہ گاڑی کی اہمیت ظاہر ہوسکے۔ اس کا ڈرائیور ایک سکھ تھا۔ ڈرائیور کے بازو میں ماؤنٹ بیٹن کے پرسنل سیکورٹی افسر الڈر بیٹھ گئے۔ ہسپتال میں جب ایک نرس نے یہ یقین دلادیا کہ دن کے وقت کوئی واقعہ عمل میں نہیں آتا اور گورکھا سپاہی کی موجودگی سے مریض رات کو اطمینان کی نیند سوتے ہیں تو ہم نے پہاڑ گنج علاقے سے ہوتے ہوئے گورنمنٹ ہاؤس واپس جانے کا فیصلہ کیا۔

چاروں طرف قبرستان جیسا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سڑکیں سنسان نظر آرہی تھیں۔ ہم نئی دہلی کے ڈھلواں کی طرف بڑھ رہے ہی تھے کہ کسی نے ہماری طرف فائر کیا۔ اس وقت ہماری گاڑی تیس میل کی رفتار سے جارہی تھی۔ اتنے میں شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر مزید گولیاں دندنائیں۔ ہم نے گولیوں کی بوچھاڑ سے بچنے کی کوشش کی مگر مارٹن اس کا نشانہ بن ہی گئے۔ ان کی دائیں کنپٹی سے خون بہنے لگا۔ لیکن الڈر چیخ کر ہجوم سے کہہ رہے تھے۔ "بندکرو، بندکرو۔"

گاڑی زور سے مڑی اور چشم زدن میں پل سے ٹکراگئی لیکن ہم بچ گئے۔ گاڑی کی رفتار کم ہوتے ہوتے اتنی کم ہوئی کہ وہ رک گئی۔ اور تب میں نے دیکھا کہ الڈر نے ہمیں کمال ہوشیاری سے بچایا ہے کیونکہ سکھ ڈرائیور گولی کا نشانہ بن کر دوسری دنیا کو سدھار گیا تھا۔

اس قسم کے ہنگامی حالات میں انسان کے خیالات مکان و زماں کے چکر سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ متضاد نوعیت کے احساسات میرے ذہن کو روندنے لگے۔ اگر میں اپنی قسمت پر ناز کروں کہ

مجھے نئی زندگی ملی تو مجھے ڈرائیور کی خاموش موت کا ممنون ہونا چاہئے۔ میں مارٹن کے لئے زیادہ پریشان تھا کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ موت کے چنگل میں ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہم سب سوائے ڈرائیور کے صحیح و سلامت واپس آگئے۔ خدانخواستہ اگر گاڑی ایک دم سے خراب ہو جاتی تو دن کے ایک بجے ہم دہلی کے فساد زدہ علاقے میں بوٹائی اور ڈنر جیکٹ میں ملبوس لاوارث بن کر کہاں جاتے۔

ہم بےحد پریشان تھے کہ نئی دہلی اسٹیشن کی سمت سے فوج کی ایک لاری ہماری طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ کافی حیل و حجت کے بعد وہ فوجی ہمیں براہ ولنگڈن ہسپتال گورنمنٹ ہاؤس لیجانے پر رضامند ہوئے۔ مارٹن کو ہم نے ہسپتال میں داخل کیا۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے سے وہ کمزور ہو گئے تھے۔ اتفاق کی بات کہ ماؤنٹ بیٹن کے سرجن اندلی ٹیلر نظر آگئے۔ انھوں نے مارٹن کو پہلی طبی امداد پہنچائی۔ جب ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے سر کا زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے تو میں گورنمنٹ ہاؤس واپس آگیا۔ اس وقت مجھے وسکی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں ماؤنٹ بیٹن کی خوابگاہ میں گیا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ میں نے انھیں مارٹن کا حال سنایا۔ لیکن مجھ پر خفا ہونے کے بجائے انھوں نے مجھے زندہ بچ کر آجانے کی مبارکباد دی۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج سے سات سال پہلے یعنی ۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کو ٹھیک ایک بجے ویسٹ منسٹر کی نچلی منزل کے سامنے پانچ سو پونڈ کا بم پھٹا تھا۔ میں اسی منزل میں مقیم تھا۔ میں نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ سنایا تو انھوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "۹ ستمبر ۱۹۵۴ء آئے تو مجھے آگاہ کر دینا تاکہ میں اس وقت تم سے دور رہوں۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
جمعرات ۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء

وی پی مینن نے ہنگامی کمیٹی کی میٹنگ سے پہلے مجھے بتایا کہ دہلی کے حالات معمول پر آرہے ہیں اور سکھوں نے پٹیل کی درخواست مان لی ہے۔ لیکن ہنگامی کمیٹی کے جلسہ میں میں نے پٹیل کو قطعی مختلف آدمی پایا کیونکہ کرپان کے مسئلے پر وہ پس و پیش کر رہے تھے۔ اس موضوع پر پٹیل اور نہرو یعنی حکومت کے دو آہنی انسانوں کے درمیان جھڑپ ہو گئی۔ نہرو نے کہا ــــ "قتل و غارت گری کو مذہب کا نام لیکر حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا۔" پٹیل نے جواب دیا۔ "ہاں یہ مناسب نہیں ہے لیکن حکومت پر تمام مذاہب کا احترام فرض ہے۔"

دارالحکومت کے بحران کو دور کرنے کے لئے دہلی میں ہنگامی کمیٹی قائم کر دی گئی ہے

وزراء اعظم کا بار بار ملنا نہایت ضروری ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر مسلم مہاجرین کو بحفاظت پاکستان نہیں پہنچایا گیا تو حکومت کا وقار خطرے میں پڑ جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن کی دلیل سے اتفاق کرتے ہوئے نہرو جانے کے لئے رضامند ہو گئے۔ یہ بھی طے پایا کہ ای تا تئر بھی ان کے ہمراہ جائیں گے۔

نہرو نے دہلی میں میری کارگزاری کی بیحد تعریف کی۔ انھوں نے کہا کہ میں اس نازک وقت میں جو کچھ کر رہا ہوں اس سے ان کو تقویت مل رہی ہے۔ شملہ سے واپس آنے کے بعد اب تک میں حالات کا بھرپور جائزہ نہیں لے سکا ہوں لیکن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی دارالحکومت اور خود ملک کو مکمل انتشار سے بچا لے جائے گی۔

ہنگامی کمیٹی کی تشکیل کو کل ایک ہفتہ ہوا ہے اس قلیل عرصے میں افراتفری اور انتشار کے خلاف جوابی اقدام میں حیرت انگیز کامیابی ہو گئی ہے۔ شہر میں جتنی قسم کی بھی گاڑیاں تھیں وہ سب ہزاروں ہزار رفیوجیوں کو دہلی لانے کے لئے صوبوں اور ریاستوں میں بھیجدی گئیں۔ مسلمان پناہ گزینوں کو بھی ٹرینوں کے ذریعہ پاکستان بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ ان کے لئے محافظ دستے تیار کئے گئے۔ رضاکاروں اور کانسٹبلوں کو طلب کیا گیا۔ چھوڑی ہوئی زمینوں سے فصل کٹوائی گئی۔ ٹرینوں کے ذریعہ سفر کرنے والے مسافروں کی تلاشی لیجانے لگی۔ اگر کسی مسافر کے قبضہ سے کسی قسم کا بھی ہتھیار نکلتا تو اسے ٹرین کے فوجی یا پولیس محافظ سزائیں دیتے۔

اتوار کی چھٹیوں سمیت جملہ چھٹیاں بھی ختم کر دی گئیں۔ ان چھٹیوں میں کم از کم دو اخباروں کی اشاعت کا انتظام کیا گیا۔ آل انڈیا ریڈیو سے شب و روز خبریں نشر کی جانے لگیں۔ سرکاری ملازمین کو ان کے گھروں سے لانے اور لیجانے کا بندوبست کیا گیا۔ ہسپتالوں کے لیے محافظ دیئے گئے۔ سڑکوں پر سے لاشوں کو اٹھانے اور ان کفن دفن کا کام شروع کیا گیا۔ خوراک کی نقل و حرکت، صوبوں کے لئے روزانہ سرکاری بلیٹنوں کی نشر و اشاعت، کالرا کے لئے ٹیکے دینے کا کام ــــــ غرضیکہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جہاں کام نہیں ہو رہا تھا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
ہفتہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء

نہرو کی پریس کانفرنس بیحد کامیاب رہی لیکن ان کی تقریر ذرا طویل تھی۔ میں نے جو نقطے انھیں بتائے تھے وہ سب انھوں نے استعمال کئے لیکن زور خطابت نہ تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شکستہ پا اور پسپا ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود نہرو کی شخصیت ہی اتنی پرکشش ہے کہ ان کی تقریر سے سامعین کے دل گرما جاتے ہیں۔ وہ انسانیت اور تہذیب کا واسطہ دیتے ہیں۔ فرقہ پرستی کے اس ہنگامے اور خون خرابے میں جبکہ ایک شخص دوسرے شخص کے خلاف سازش میں مبتلا ہے اور عوام کے ذہنوں میں جنون اور پاگل پن کے کالے ناگ کلبلا رہے ہیں نہرو کی آواز میں رحم وکرم اور فہم وادراک شامل ہے۔ مارچ اور اگست کے درمیان جبکہ انتقال اختیارات کی بات چیت ہو رہی تھی وہ اکثر اوقات مشتعل ہو جایا کرتے تھے لیکن اب انھوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے اوپر قابو پالیا ہے اور آج اس عظیم ترین بحران میں وہ تند خو ضرور ہیں لیکن اس اضطراب میں بھی سکون پایا جاتا ہے۔ اس دور میں اتنا روشن خیال انسان کا ملنا مشکل ہے۔

گورنر جنرل کی کانفرنس سے جو ہنگامی کمیٹی کی ایک خصوصیت ہے سارے ہندستانی بیحد متاثر ہیں۔ وائن ہر آئٹم کا طویل نوٹ تیار کرتے ہیں اور کمیٹی کے سارے فیصلوں کو تحریر میں لاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ تین اسٹینو گرافروں کو ساری کارروائیوں اور فیصلوں کا شستہ اور صاف زبان میں املا کرواتے ہیں۔ یہی چیزیں پھر دوسری میٹنگ میں پڑھکر سنائی جاتی ہیں۔ غرضیکہ ہندستان کی بیل گاڑی کی سست رفتاری پیچھے رہ گئی ہے اور موٹر کی برق رفتاری ہمیں آگے لئے جا رہی ہے۔

باب ۱۶

جوناگڑھ کی پرچھائیں

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
اتوار ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن نے اسٹاف کا جو جلسہ طلب کیا اس میں پرانا قلعہ کی صورت حال زیر بحث آئی۔ مسلم محلوں اور گھروں میں فوجی دستے بھیجنے کا پٹیل نے ارادہ کرلیا ہے ــ وہ ان کے ہتھیاروں اور اسلحہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ماونٹ بیٹن نے اس اقدام کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح قتل و غارت گری کے مجنونانہ خیال کو اور ہوا مل سکتی ہے۔ انھوں نے کہا ــ "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسے اقدام پر سنجیدگی سے غور کیوں کیا گیا۔"

صبح دس بجے ہنگامی کونسل کی میٹنگ میں پٹیل نے دہلی کے مکانوں سے بم پھینکے جانے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے خلاف فوری کارروائی کی جائے۔ جنرل لوک ہارٹ نے جو پندرہ اگست سے کمانڈر ان چیف کے عہدہ پر متمکن ہیں کہا کہ اگر میں اس مخصوص کام پر فوجوں کو لگادوں تو تین دن کے اندر اندر پورے دہلی شہر کو قابو میں کرسکتا ہوں۔

ماونٹ بیٹن سے میری طویل گفتگو ہوئی۔ حسب معمول ان کا موڈ خوشگوار تھا۔ برطانوی فوجوں کو وہ ہندستان سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ان

فوجوں نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ ہم بیدست و پا اور مجبور ہو کر خاموش تماشائی کی حیثیت سے اس افراتفری کی تاب نہیں لا سکے۔ ماؤنٹ بیٹن تین ہفتہ کے اندر اندر ہنگامی کمیٹی سے سبکدوش ہو کر نہرو کے شانے پر اس کی ذمہ داریاں رکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ "میں ممنون ہوں کہ ہر فرد نے مجھے ۱۵ اگست کے بعد انڈیا میں قیام کرنے کا مشورہ دیا۔"

اسمے کراچی سے واپس آ گئے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کو دوروں کی روداد سنانے سے پہلے وہ مجھسے ملے۔ انھوں نے کہا کہ جناح کو حکومت ہند پر ذرا بھی اعتماد نہیں رہا۔ وہ ہندستان سے پاکستان کے سفارتی تعلقات منقطع کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن میں آڑے آیا۔ میں کراچی میں ۴۸ گھنٹے مقیم رہا۔ اور گیارہ گھنٹے صرف جناح کے ساتھ گذارے۔ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۵ اگست کے بعد سے گورنمنٹ ہاؤس میں پہلا مہمان میں ہی تھا۔ جناح کو مجھ پر اعتماد ہے کیونکہ انھوں نے بڑی ہی بے تکلفی سے کہا کہ میں جب چاہوں، ان سے ملنے کے لئے آ سکتا ہوں۔" اسمے نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر کہا کہ "جناح کانگریس سے سخت بیزار نظر آتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں ان کانگریسیوں کے جذبہ نفرت کو سمجھ نہیں سکا۔ لیکن اب اس کے خلاف قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔ دوسرا چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ لیکن میں نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ حکومت ہند فسادات کی آگ کو بجھانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ کانگریسی مخلص ہیں اور اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ میری ان باتوں کا جناح پر خوب اثر ہوا اور میرا دورہ صحیح بروقت ثابت ہوا۔

آج شام کو دھلی میں برق و باراں سے فسادات کی شدت میں تو کمی آ گئی لیکن رفیوجی کیمپوں کے حالات ابتر ہو گئے رفیوجیوں کے مصائب میں اضافہ ہو گیا۔ بجلیاں بار بار چمک کر ان کے دلوں کو اور دھڑکا جاتی تھیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
پیر ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء

اسمے کے دورۂ کراچی سے جو فضا پیدا ہوئی تھی اس پر صبح کی اسٹاف میٹنگ میں تبصرہ کیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ کم از کم ہندوؤں اور مسلمانوں پر ان کے متعلقہ ملکوں میں کنٹرول کر لیا گیا ہے لیکن سکھوں پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ حتیٰ کہ خود ان کے لیڈر ان کی سرگرمیوں سے خائف نظر آتے ہیں۔ وی پی مینن کا کہنا ہے کہ فی الحال ہندستان اور پاکستان کے درمیان خوشگوار

حالات کا پیدا ہونا ممکن نہیں ___ کیونکہ جناح جس انداز سے سوچ رہے ہیں اس کے پیش نظر امید کی ادنیٰ سی کرن بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ماؤنٹ بیٹن نے سکھوں کا منشا دریافت کیا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا وہ اپنی ایک علٰحدہ حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں؟ وی پی مینن نے نفی میں جواب دیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں سکھ سیاسی حیثیت سے پسپا ہو چکے ہیں اور اب ان کی نیت میں جذبۂ انتقام پوشیدہ ہے۔ مینن کے ایک صاحبزادے تین سکھوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں جن کے خاندان کا پتہ تک نہیں چلا۔ اب ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک سکھ کے بدلے دو مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ مینن نے کہا کہ تارا سنگھ اس فضا میں خوفزدہ نظر آتے ہیں۔

کل کے مقابلے میں آج کی ہنگامی کمیٹی کی میٹنگ بہتر فضا میں ہوئی لیکن اس جلسے میں بھی تنفرقات پر کافی وقت صرف ہوگیا۔ موسم خراب ہونے کی وجہ سے تریویدی اور مشرقی پنجاب کے نمائندے شریک نہ ہو سکے۔ نہرو نے دورۂ لاہور کی رپورٹ پیش کی۔ انھوں نے کہا "میں اور لیاقت اس اہم فیصلہ پر پہنچے ہیں کہ سرحد پار کرنے سے پہلے رفیوجیوں کی تلاشی نہ لی جائے۔ لیکن میٹنگ ختم ہونے کے فوراً بعد لیاقت نے یہ بہتان لگایا کہ حکومت ہند ان وعدوں پر کاربند نہیں ہے جو اس نے کئے تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ آج ہم پاکستان میں چاروں طرف ان طاقتوں سے گھرے ہوئے ہیں جو ہمیں تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔"

گذشتہ دس دنوں سے ہم پنجاب کے ہیجان خیز واقعات اور دہلی کے طوفان میں منہمک ہیں اور اب ایسے مقام سے ایک نیا بحران سر اٹھاتا نظر آرہا ہے جس کی قطعی توقع نہیں تھی۔ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ جوناگڑھ جو ۱۵ اگست کو نہ تو ہندستان میں شامل ہوا تھا اور نہ پاکستان میں اب پاکستان سے الحاق کرنے کی سوچ رہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اختیارات کے پہلے اور بعد واقعات کا ایسا ریلا آیا کہ جوناگڑھ کی طرف کسی نے توجہ تک نہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد اور کشمیر کی طرح یہ ریاست بھی پٹیل کی مٹھی سے باہر ہے۔

جوناگڑھ بذات خود ایسا لحاف ہے جس پر مختلف رنگوں سے کام کیا گیا ہے۔ اس کا رقبہ تین ہزار تین سو مربع میل تک پھیلا ہوا ہے اور ساتھ لاکھ کی آبادی میں بیاسی فیصد ہندو بستے ہیں لیکن اس کا حکمراں مسلمان ہے۔ اس کے چاروں طرف وہ ریاستیں ہیں جو ہندستان سے الحاق کر چکی ہیں۔ نواب اپنے آٹھ سو کتوں کی نگہداشت میں مصروف رہتے ہیں اور ہر کتے کے لئے ایک نوکر مقرر ہے۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ انھوں نے اپنے دو کتوں کی باقاعدہ شادی کرائی اور اس

تقریب میں نہ صرف تین لاکھ روپے خرچ کرڈالے بلکہ اس واقعہ کو یادگار بنانے کے لئے ریاست میں تعطیل کا اعلان بھی کردیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جونا گڈھ کے الحاق کے بارے میں جو انتشار پایا جارہا ہے اس کے اسباب کیا ہیں؟ ۲۵ جولائی کو والیان ریاست اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان جو ملاقات ہوئی تھی اس موقع پر جونا گڈھ کے دیوان نے متعدد سوالات کئے تھے لیکن کسی ایک سوال سے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا اشارہ نہیں ملا۔ بلکہ انھوں نے تو ماؤنٹ بیٹن سے یہاں تک کہدیا تھا کہ وہ والئی ریاست سے انڈیا کے ساتھ الحاق کرنے کی سفارش کریں گے۔ لیکن انتقال اختیارات سے کل پانچ دن قبل یعنی ۱۰ اگست کو ریاست میں یکایک انقلاب رونما ہوا۔ سندھی مسلمان حکومت پر قابض ہوگئے۔ شاہ نواز بھٹو کو ریاست کا دیوان بنادیا گیا اور نواب اپنے ہی محل کے اندر قیدی بن گئے

اس بات کو تسلیم کیا جاچکا تھا کہ والیان ریاست اپنی مرضی سے کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کرسکتے ہیں لیکن اس الحاق کے لئے ۱۵ اگست آخری تاریخ مقرر کردی گئی تھی جیسا کہ والیان ریاست سے ماؤنٹ بیٹن کی اہم اور ضروری اپیل مجریہ ۲۵ جولائی سے ظاہر ہے۔ الحاق کرتے وقت والیانِ ریاست سے دو اہم باتوں کو بھی سامنے رکھنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اوّل ریاستوں کی جغرافیائی حالت جس کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اور دوئم ریاستوں میں فرقہ وارانہ بنیاد پر رعایا کی اکثریت۔ اگرچہ جونا گڑھ ساحلی علاقہ ہے اور وہاں ایک بندرگاہ بھی ہے جو کراچی سے براہ راست مل جاتی ہے اس کے باوجود اگر ریاست نے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الحاق کے سلسلے میں جو پالیسی مرتب کی گئی ہے اس کو نہ صرف چیلنج کیا گیا ہے بلکہ اس کے بھیانک نتایج کاٹھیاوار کی دیگر ریاستوں پر بھی ظاہر ہوں گے اور حیدرآباد کے ساتھ الحاق کی جو گفت وشنید ہورہی ہے وہ بھی اثر انداز ہوگی۔ جونا گڑھ کو ۱۵ اگست تک ہندستان میں شامل نہ کرکے جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس کو جناح بھانپ چکے تھے اور اب وہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حکومت ہند نے اس سلسلے میں پاکستان سے دوبار اس کے ارادے معلوم کئے لیکن کراچی سے تاہنوز کوئی جواب نہیں ملا۔

جونا گڑھ کی صورت حال پر ماؤنٹ بیٹن اسمے اور وی پی مینن سے تبادلہ خیال کررہے ہیں۔ انھوں نے جلسہ میں شرکت کے لئے مجھے بھی طلب کیا۔ وی پی مینن ذہنی طور پر خلفشار میں مبتلا ہیں

اور اسی خلفشار کا نتیجہ ہے کہ وہ ماؤنٹ بیٹن پر جوناگڑھ میں بری اور بحری فوجوں کی شقیں کرنے کے زور ڈال رہے ہیں۔ نہ جانے ان کو یہ اطلاع کہاں سے مل گئی ہے کہ پاکستان جوناگڑھ کو مالی اور فوجی امداد دینے کے لئے تیار ہے۔

شام کو مِس اسمے کی قیام پر گیا۔ وہ جوناگڑھ کے علاوہ دوسرے مسائل سے بھی پریشان دکھائی دئے۔ انھوں نے اس اطلاع کو بازیچۂ اطفال سے منسوب کیا کہ پاکستان جوناگڑھ کو آٹھ کروڑ روپے بطور قرض دے رہا ہے اور تقریباً ۲۵ ہزار فوج کا ایک دستہ اس کی بندرگاہ میں بھیج رہا ہے۔ اسمے کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ پاکستان کے وسائل خود محدود ہیں وہ ایسا قدم کیسے اٹھا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں پریس کا ردعمل معلوم کروں اور کمیونکے کا مسودہ تیار کروں ـــــ دونوں کام بجد اہم ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

ہمیں اطلاع موصول ہوئی ہے کہ پاکستان سے جوناگڑھ کے الحاق کی منظوری مہر بند لفافے میں کراچی ارسال کر دی گئی ہے لیکن سرکاری طور پر اس کی تصدیق ہونا باقی ہے۔ آج بھی ماؤنٹ بیٹن نے اسمے اور وی پی مینن کے ساتھ جوناگڑھ کے موضوع پر بات چیت کی۔ اس میٹنگ میں میں بھی موجود تھا۔ جوناگڑھ کی جنگی اہمیت اور جناح کی شاطرانہ چال پر اسمے نے بالتفصیل گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ جناح کو ریاست سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ عسکری لحاظ سے وہ ان پر بارِ گراں ثابت ہوگی۔ کوئی شخص بھی نہیں سوچ سکتا اس الگ تھلگ مسلم ریاست پر جناح کی نیت قبضہ کرنے کی ہے کیونکہ اب بھی انڈیا میں تقریباً چار کروڑ مسلمان رہ گئے ہیں۔ اسمے کے خیال میں جناح کی یہ محض ایک چال ہے اور وہ انڈیا کو دام میں لانا چاہتے ہیں۔ ویسے کاغذ پر جوناگڑھ کے معاملے میں انڈیا کا کیس مضبوط ہے لیکن اس سلسلے میں پریس کا ردعمل امید افزا نہیں ہے۔ چنانچہ پریس کے ردعمل کی روشنی میں میں نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ دلائل معقول اور مناسب ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اس موقعہ پر عسکری شقیں کی گئیں تو غیر ملکی پریس اس سوال کو کوئی اور رنگ دیکر ضرور پیش کریں گے۔ ایسے کسی بھی اقدام کو بھی سراہا گیا یا اس کی حمایت کی گئی تو اسے جارحانہ حملہ سمجھا جائے گا کیونکہ غیر ملکی پریس دونوں مملکتوں کی جنگی پالیسی سے دلچسپی کا خوب اظہار کر رہے ہیں۔ میں نے تعلقات عامہ کا نقطۂ نظر بھی واضح کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو اس معاملے میں جارحانہ اقدام کرنے کی بجائے گفت و شنید کے ذریعہ مسائل کا حل نکالنا چاہئے۔

پنجاب کے معاملے میں ہند و پاکستان کے تعلقات پر نہرو نے لیاقت کی شعلہ بیانی کا جچا تلا اور قابل تحسین جواب بھیج دیا ہے۔ انھوں نے جواب میں کہا ہے کہ ہندستان کے لیڈروں نے تقسیم ملک کو عملی جامہ پہنانے کی مخالفت کی تھی لیکن جب تقسیم عمل میں آ ہی چکی ہے تو حکومت اُن ذمہ داریوں کو نظرانداز نہیں کر سکتی جو اس اقدام سے ہمارے شانوں پر آ گئی ہیں۔ ہم اُن ذمہ داریوں کو پوری ایمانداری سے نباہ رہے ہیں نہرو نے دونوں مملکتوں کی سرحد پر فرائض کی فروگذاشتوں پر بھی اظہار خیال کیا جواب میں انھوں نے تحریر کیا کہ ان کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کو میں اور میرے ساتھی نہ صرف اچھا نہیں سمجھتے بلکہ ہم کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ فرائض پوری دیانتداری اور ایمانداری سے انجام دیے جائیں

آج کی ہنگامی میٹنگ میں طے پایا کہ اب سے کمیٹی کا جلسہ ہر دوسرے دن ہوا کرے۔ دھلی کے پناہ گزینوں پر آج اہم بات چیت ہوئی۔ مسلم رفیوجی کمیٹی کے چیرمین ڈاکٹر ذاکر حسین نے صورت حال کی تشویشناک رپورٹ پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ جیسے بھی ہو رفیوجی کیمپوں میں رفیوجیوں کے مزید ریلے کو روکا جائے۔ کیونکہ وبائیں پھوٹ پڑی ہیں اور مشکلات سنگین ہوتی جا رہی ہیں اس وقت پرانے قلعہ میں رفیوجیوں کی تعداد پندرہ ہزار ہے اور سولہ ہزار رفیوجیوں کو ہمایوں کے مقبرے میں منتقل کیا جا چکا ہے لیکن دس ہزار مزید آ گئے۔

جب تک یہ میٹنگ ہوتی رہی کانگریس کے پرانے لیڈر مولانا آزاد حسب معمول خاموش اور بے حس بیٹھے کارڈینل ریچلیو کی طرح صرف خلا میں گھورتے رہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی

بدھ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۷ء

جوناگڈھ کے سوال پر آج سہ پہر کو کابینہ کی میٹنگ سے ماؤنٹ بیٹن نے نہرو اور پٹیل سے ملاقات کی۔ انھوں نے اپنی عقل و فراست سے کام لے کر یہ طے کر لیا تھا کہ وہ ایسا کوئی فیصلہ نہیں ہونے دیں گے جس سے دنیا کی نظر میں ہندستان کی ذرا سی بھی غلطی ظاہر ہو یا یہ مطلب نکالا جائے کہ ہندستان پاکستان کے خلاف اعلان جنگ کر رہا ہے۔ انھوں نے اسمے کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ ہندستان کو جال میں پھانسنے کے لئے کیا گیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جناح ممکن ہے دنیا پر یہ ظاہر کریں کہ پاکستان جیسے چھوٹے اور کمزور ملک پر ہندستان جیسی بڑی طاقت

حملہ آور رہونا چاہتی ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ریاست میں رائے شماری کرائی جائے تاکہ عوام کے رجحان کا پتہ بھی چل جائے اور اس کے الحاق کرانے کے عزائم کمزور پڑ جائیں۔

نہرو کو ماؤنٹ بیٹن نے فوراً اپنا ہمخیال بنا لیا لیکن پٹیل کو آمادہ کرنے میں انھیں دشواری پیش آئی ــ کیونکہ جوناگڑھ کے مسئلے سے ان کے جذبات میں اُبال آگیا ہے بلکہ الحاق کی ساری پالیسی متاثر ہوتی نظر آرہی ہے۔ خدا خدا کرکے دیر سویر وہ بھی ماؤنٹ بیٹن کے دلائل کے آگے جھک گئے۔ خصوصاً اسمے نے جناح کی جس چال کا ذکر کیا تھا اس سے انھوں نے اتفاق کیا۔ اس کے بعد دونوں سیدھے کابینہ کی میٹنگ میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ کابینہ میں طے پایا کہ جوناگڑھ کے چاروں طرف ہندستانی اور ملحق ریاستوں کی مقامی فوجوں کو بھیجدیا جائے لیکن وہ قبضہ نہ کریں اور ساتھ ہی وی پی مینن ریاست جاکر نواب اور دیوان سے ملیں اور ان پر پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کی پیچیدگیاں واضح کردیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
جمعرات ۸ ار ستمبر ۱۹۴۷ء

ہندستان کی شہرۂ آفاق شاعرہ اور مشہور خاتون سیاست داں سروجنی نائیڈو کا لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے نام بڑا ہی حسین اور خوبصورت مکتوب موصول ہوا ہے۔ انتقالِ اختیارات سے پہلے عام طور پر قیاس آرائی کی جارہی تھی کہ دیکھئے نئی حکومت میں کانگریس کی اس عظیم شخصیت کو کیا مقام دیا جاتا ہے ــ اور جب وہ وقت آیا تو انھیں صوبۂ متحدہ کی گورنری کی پیش کش کی گئی۔ انھوں نے اس پیش کش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اس عہدے کی اہمیت عنقریب ظاہر ہونے والی ہے ــ کیونکہ شمالی ہندستان میں فسادات کی آگ کے جو شعلے بلند ہورہے ہیں ان کی لپٹیں اس صوبہ کے امن وامان کو بھی تہس نہس کرسکتی ہیں۔ لہٰذا وہاں ضرورت ایسے گورنر کی محسوس کی گئی جس کی مقناطیسی شخصیت ڈھال کا کام کرسکے۔

مکتوب یوں شروع ہوتا ہے:۔

گورنمنٹ ہاؤس

لکھنؤ

۱۰؍ستمبر ۱۹۴۷ء

بنام لیڈی گورنر جنرل

منجانب ناچیز گورنر

تسلیمات!

آپ جس خلوص محبت اور جذبۂ دروں سے بے لوث خدمات انجام دے رہی ہیں اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔ میں درحقیقت آپ کی سراپا ممنون احسان ہوں۔ آپ سے پہلے کسی خاتون کو بھی عوام سے رابطہ پیدا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ آپ دور کھڑی ہو کر اپنا دست شفقت نہیں پھیلاتیں بلکہ آپ ان سے بہت قریب ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ہندستان کے آخری وائسرائے کی رفیق حیات بے بس اور افلاس زدہ ہندستان کے عوام کے دلوں میں محبت و خلوص کا ایسا نقش ثبت کر رہی ہیں جو ان مٹ ثابت ہوگا۔ خود گورنر جنرل نہ صرف عظیم مدبر ہیں بلکہ ایسے عظیم انسان بھی ہیں جن کے فکر و خیال کی بلندی، اقتدار کی عظمت اور عزائم کی پختگی کو کوئی نہ پاسکا۔ میں نے اس ماہ کی ہر تاریخ کو آپ کو راکھی بندھن کا تحفہ بھیجا۔ یہ وہ تحفہ ہے جو اس تاریخ کو ہندستان کی جھونپڑیوں اور محلوں سے عورتیں ان مردوں کو بھیجتی ہیں جن کا احترام ان کے دلوں میں ہوتا ہے اور جن کو وہ اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتی ہیں۔ کسی زمانے میں راجپوت مہارانیاں بھی مغل شہنشاہوں کو اس مخصوص ماہ کی پورنماشی میں یہی راکھی بندھن بڑے چاؤ اور محبت سے بھیجا کرتی تھیں یہ اس سنہرے دنوں کی بات ہے جب فرقہ وارانہ جماعتوں کا وجود بھی نہ تھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس صوبہ میں میرا قیام کب تک رہے گا۔ لیکن جب تک میں ہوں گی میری یہ کوشش ہوگی کہ میں کوئی اچھا کام کر سکوں — میں دوستی اور محبت کا سندیسہ لے کر یہاں آئی ہوں۔ وہ مرد و زن جو مدت سے ایک دوسرے کے دشمن تھے اب وہ بے یقینی کے لمحوں کو خدا حافظ کہہ کر روزانہ میرے سائبان کے نیچے دوستانہ فضا میں ہنستے، مسکراتے اور باتیں کرتے ہیں — شاید آپ کو یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری جیرا اگاہوں

میں شیر اور بھیڑیے ایک ساتھ بڑے سکون اور اطمینان سے لیٹے نظر آتے ہیں۔ ہم جتنی بھی بھلائی کر سکیں ہمیں کرنا چاہیے۔ براؤننگ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ "نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی" اس ایمان و ایقان پر قربان جایئے!

میری محبت قبول فرمایئے!

آپ کی عزیز دوست
سروجنی نائیڈو

گورنمنٹ ہاؤس ۔ نئی دھلی

جمعہ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء

ان دنوں لیاقت حکومت ہند کے مہمان ہیں۔ نئے انتظام کے تحت یہ طے پایا ہے کہ معزز سرکاری مہمان گورنر جنرل کے ساتھ قیام فرما سکتے ہیں۔ سہ پہر کو میں نے بی ایل شرما اور ان کے نائب کے ہمراہ کرنل مجید ملک سے ملاقات کی۔ مشرقی اور مغربی پنجاب میں اخباروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچانے کے متعلق ہم نے بات چیت کی۔ لیکن اس ملاقات میں اس بات کا ذرا بھی اشارہ نہ ملا کہ لیاقت نے آج رات ڈنر کے بعد گورنمنٹ ہاؤس میں غیر ملکی نامہ نگاروں کو مدعو کیا ہے۔ ڈنر کے بعد لیاقت کے کمرے میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو شراب کا جام پیش کیا گیا تھا جس پر انھیں سخت تعجب ہوا۔ انھوں نے مجھ سے اس پیش کش کی وجہ پوچھی لیکن میں بتا نہ سکا۔ اتنے میں بی ایل شرما کا فون آیا۔ انھوں نے لیاقت کی "پریس کانفرنس" کی تفصیلات مانگیں۔ ان کی گفتگو سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

ماؤنٹ بیٹن اپنے مہمانوں کے ہمراہ ڈنر میں جانے ہی والے تھے کہ مجھے اہم پیغام ملا۔ شرما جو بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہے تھے بولے کہ میٹنگ میں صرف غیر ملکی نامہ نگار مدعو ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انڈین پریس اس بات کو خوب ہوا دیں گے اور عوام کو بتائیں گے کہ گورنمنٹ ہاؤس کو پاکستان کے وزیر اعظم نے اپنے پروپیگنڈا کا اڈہ بنایا ہے۔" اس آخری لمحے میں ہندوستانی پریس کے نمائندوں کا انتخاب کرنا اور انھیں بھی مدعو کرنا ان گنت پریشانیوں کا سبب بن سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس طرف سبھوں کی توجہ مبذول کرائی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں صورت حال پریشان بن چکی ہے اور غلط فہمیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ میں نے ان پریشانیوں سے

نجات حاصل کرنے کا ایک حل نکالا۔ میں نے کہا کہ لیاقت سے بے پناہ مصروفیتوں کا بہانہ بنا کر پارٹی کو منقطع کرنے کی درخواست کی جائے۔

مذکورہ پیغام پر غور و خوض کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن اور نہرو سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو سے کہا۔" میں ڈنر کے موقع پر لیاقت سے نبٹ لونگا بشرطیکہ آپ یہ یقین دلائیں کہ آپ اس سیشن کو مشترکہ سیشن کی شکل دیں گے اور اس کی کارروائی تحریر میں نہیں آئے گی۔ میں صدارت کا فرض بھی قبول کرنے کو تیار ہوں۔" میٹنگ نصف ساعت تاخیر سے شروع ہونا طے پایا۔ اس اثنا میں میں ہندستانی نامہ نگاروں کی فہرست دیکھنے لگا۔ نہرو کو یہ منصوبہ اتنا پسند آیا کہ ان کے چہرے کی افسردگی مسکراہٹ میں بدل گئی۔

کانفرنس حیرت انگیز طور پر کامیاب ثابت ہوئی۔ اگرچہ میں اس کی تفصیلات نہیں بتا سکتا لیکن وہ نامہ نگار جو دونوں مملکتوں کے درمیان دوستی اور صلح کی بات چیت میں مایوس ہو چکے تھے ان کے دلوں میں امید کی کرنیں چمکنے لگیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔" دونوں وزرار اعظم ایک دوسرے سے قریب آ گئے کیونکہ دونوں کے مسائل مشترک ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی مدد ذاتی مفاد کے پیش نظر کرتے ہیں۔ دونوں کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ جب تک وہ اپنے مسائل اور مصائب پر قابو نہیں پا لیتے ہیں آمریت کا خطرہ دور نہیں ہوتا۔ یہ خطرہ دونوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔"

نہرو نے کہا کہ گذشتہ چند ماہ میں باوجودیکہ بہت ساری ترقیاں ہم نے کی ہیں لیکن اقتصادی و معاشی مسئلہ جوں کا توں ہے۔ انھوں نے کہا۔" دوسرے مصائب آئیں گے اور ہم اُن پر قابو پاتے جائیں گے لیکن اقتصادی مسئلہ کا حل ہمیں بہر نوع نکالنا ہے ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ہمارے کانوں میں جنگ کی جو گھن گرج سنائی دے رہی ہے وہ سراسر بے سروپا، مہمل اور لغو ہے۔ کیونکہ جنگ کا آتش فشاں اگر پھٹ پڑا تو اقبال مندی اور بہبودی کے خواب، خواب پریشاں ثابت ہوں گے اور پوری ایک نسل کو ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔"

لیاقت نے بھی اپنے جذبات و احساسات کی واضح تصویر کھینچتے ہوئے کہا۔" جنگ کی باتیں کرنا واقعی مہمل اور لغو ہے۔ اگر جنگ کا دھماکہ ہوا تو نہ صرف دونوں ملکوں میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی بلکہ یہ جنگ ایک اور عالمی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ کوئی اس

کی تباہ کاریوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ پاکستان دنیا کی تمام قوموں خصوصاً ہندستان کے ساتھ امن چاہتا ہے۔ ہم بہرکیف ایک ہی برصغیر کے دو حصے ہیں لہذا ہم ہندستان کے خلاف جنگی باتیں کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار باب ٹرمبل نے نہرو سے پوچھا کہ نفسیاتی مسئلہ کا حل کیسے نکالا جا سکتا ہے؟ نہرو نے جواب دیا۔" سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ خوف و ہراس کو دور کیا جائے۔ اس پر قابو پا لیا گیا تو ہم دوسرے مسائل کو بھی حل کر سکتے ہیں اور اس طرح زندگی پرسکون انداز سے کٹ سکتی ہے۔" نہرو سے یہ بھی پوچھا گیا کہ وہ اس بات سے مطمئن ہیں کہ انھیں اپنی پالیسی کو روبکار لانے میں حکومت پر کنٹرول حاصل ہے اور برطانیہ ہندستان کی ہر ممکن مدد کر رہا ہے؟ کیا دونوں وزرار اعظم کو اطمینان ہے کہ ان کی حکومتیں حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ کو کام میں لا رہی ہیں؟ نہرو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔" ہندستان میں جو کچھ ہو رہا ہے میں اس سے ذرا بھی خوش نہیں۔ میری یہ بے اطمینانی گذشتہ تیس سال سے میرے دل کے اندر پرورش پا رہی ہے۔ بلاشبہ ہیں حالات کا مقابلہ جیسے بھی ہو کرنا چاہئے۔ کچھ تو نفسیاتی لحاظ سے اور کچھ طاقت کے ذریعہ۔ ان دنوں جو کچھ ہو رہا ہے وہ وسیع تر معنی میں ایک معاشرتی انقلاب ہے جو نچلے متوسط طبقوں میں برپا ہے۔ یہ وہ طبقے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ہٹلر سے تعاون کیا تھا۔ معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو عجیب و غریب عناصر سر اٹھاتے ہیں۔ کبھی یہ فسطائی یا فسطائیت کی طرف بھی جھک جاتے ہیں یہ طبقہ حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو کچھ ہماری آنکھوں نے دیکھا اس میں فرقہ پرستی کا زہر بھرا ہوا تھا لیکن اب یہ رجحان ختم ہو کر ایک نیا رجحان ہمارے سامنے آیا۔ یعنی اب ایک سکھ دوسرے سکھ کی دوکان لوٹ رہا ہے، ایک ہندو دوسرے ہندو کی جائداد چھین رہا ہے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے درپے آزار ہے۔ یہ رجحان خطرناک ضرور ہے لیکن ہم اس کے خلاف طاقت استعمال کر کے اس پر قابو پا سکتے ہیں۔"

لیاقت نے اس نظریہ سے اتفاق کیا۔ لیکن ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا۔" مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ مسلم لیگ کے نوجوان عناصر فسادات کو ہوا دے رہے ہیں۔ ہم لیگ کے اندر ڈسپلن بحال کرنے کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں۔" ایک سوال

کے جواب میں کہا کہ موجودہ انتشار و خلفشار سے نبٹنے کے لئے دونوں مملکتیں غیر ملکی سرمائے اور فنی امداد کو قبول کریں گی نہرو نے کہا ــ "یقیناً ہم اپنے ترقیاتی کاموں کے لئے غیر ملکی سرمائے اور فنی امداد کا خیر مقدم کریں گے لیکن اگر اس میں ان کا اپنا مفاد پوشیدہ ہے تو ہم اس کا خیر مقدم نہیں کر سکتے ــ" لیاقت نے بھی نہرو سے اتفاق کیا۔

کانفرنس سے ہر شخص یہ جذبہ لیکر گیا کہ دونوں وزرائے اعظم نے نفرت و عداوت کے جذبات کو بالائے طاق رکھ کر تعمیری کاموں سے گہری دلچسپی لی۔ دونوں نے اعتدال پسندی کا بھی ثبوت دیا کیونکہ دونوں نے مغربی خیالات کی جرعہ کشی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے ذہنوں میں فرقہ پرستی کا زہر بھرا ہوا نہیں ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

پہاڑ گنج میں گولی چلنے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس سلسلے میں تحقیقاتی عدالت بیٹھی اور شہادتیں لی گئیں۔ دراصل اس مدراسی دستہ نے ہمیں گولی کا نشانہ بنایا تھا جو آج سویرے جنوبی ہند سے دہلی پہنچا تھا۔ اس دستہ کو یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ دہلی میں نظم و نسق بحال کرنے کے لیے جو قدم بھی مناسب ہو اٹھایا جائے ــ اور ان ہدایات کا پہلا نشانہ ہم ہی بنائے گئے۔ لیکن عدالتی تحقیقات سے یہ پتہ چلا کہ قصور اس دستے کا نہ تھا۔ گاڑی کو بیس گز کے فاصلہ سے گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا اور تابڑ توڑ چھ گولیاں چلائی گئی تھیں۔ اس سلسلے میں اخباروں میں جو رپورٹیں چھپیں ان پر ہمیں اختیار نہ تھا۔ لندن سے پیٹر اسکاٹ نے لکھا کہ وزیر اعظم ایٹلی کو اس واقعہ سے سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ انھیں اندیشہ ہے کہ کہیں فسادات گوروں کے خلاف منتقل نہ ہو جائیں۔

ماؤنٹ بیٹن کو ذرا بھی سکون میسر نہیں ــ وہ ان دنوں بیک وقت تین چار بحرانوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ پنجاب اور جوناگڑھ کے مسائل تو پریشان کن ہیں ہی اب والٹر مونکٹن بھی حیدرآباد سے وفد کے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس تشریف لے آئے۔ اتحاد المسلمین پارٹی نے ایک بار پھر مونکٹن کو برطرف کرنے کے لئے نظام پر زور ڈالا ــ لیکن جب مونکٹن نے انگلستان واپس جانے کا سچ مچ فیصلہ کر لیا تو اتحاد المسلمین پارٹی اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئی اور اس کے ارکان اب انھیں رک جانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن اب بھی پُر امید ہیں کہ سارا کام

بحسن وخوبی انجام پاجائے گا۔ انھیں دو ماہ کی جو توسیع ملی تھی اب کل تین ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔

اب کی میٹنگ میں وی پی مینن نے بھی شرکت کی۔ حیدرآبادی وفد نے یہ کہا کہ نظام الحاق اور تلازم کے درمیان فرق کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ وفد نے کہا کہ الحاق کی صورت میں خون وخرابہ کا امکان ہے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن اور مینن نے یقین دلایا کہ یہ اندیشہ بے بنیاد ہے کیونکہ اگر ریاست میں گڑبڑ پھیلائی گئی تو اس سے نمٹنے کے لئے حکومت ہند کے سارے وسائل حکمران ریاست کو بہم پہنچائے جاسکتے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ دا اکتوبر تک معاہدہ نہ ہوا تو انتشار کا پیدا ہونا یقینی بات ہے ـــــ ہندستان اور حیدرآباد دونوں اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

مونکٹن نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا ــ "حیدرآباد کسی حال میں بالادست ریاست بن کر نہیں رہ سکتا۔ بشرطیکہ گفت وشنید میں رخنہ پیدا نہیں ہوا تو مجھے یقین ہے کہ نظام مجھ سے ریاست میں مزید قیام کرنے پر اصرار کریں گے لیکن اس کا فیصلہ میں اسی صورت میں کرسکونگا جب مجھے مصالحت کی امید نظر آئے گی"۔

نظام متلون مزاج ہیں۔ ان کی پالیسی بے اصولی کا شکار ہے۔

باب ۱۷

کارواں در کارواں

صبح سوا سات بجے گورنر جنرل کا ڈکوٹا پالم ہوائی اڈہ سے اڑا۔ سولہ افراد پر مشتمل ایک پارٹی کو مشرقی اور مغربی پنجاب کے درمیان ترک وطن کرنے والوں کے عظیم قافلے کی حرماں نصیبی کا مشاہدہ کرنا تھا۔ یہ لٹے لٹائے قافلے چار سو میل تک پھیلے ہوئے تھے۔ گورنمنٹ ہاؤس کی پارٹی میں ماؤنٹ بیٹن، اسمے، ورنن اور میں شامل تھا اور سرکاری شاہدین میں نہرو، پٹیل، نیوگی، راجکماری امرت کور، جنرل لوک ہارٹ، ایچ ایم پاٹل اور شنکر تھے۔ مشہور لبرل لیڈر پنڈت کنزرو کو بھی حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا مگر وہ وقت پر نہ پہنچ سکے لہذا ہمارا طیارہ ان کے بغیر ہی پرواز کرے گا۔ پنڈت کنزرو نے حکومت کی رفیوجی پالیسی پر سخت حملے کئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت نے اب تک ان کے تحفظ اور نگہداشت کے لئے مناسب قدم نہیں اٹھایا ہے ہمارا طیارہ تقریباً دو سو فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا اور ہم اہم مقامات کا بہت قریب سے مشاہدہ کر رہے تھے۔

پہلے ہم فیروز پور اور قصور کی شمال مغرب کی سمت روانہ ہوئے جہاں ہم نے جالندھر اور لدھیانہ کے مسلمانوں کے پھیلے ہوئے قافلوں کو دیکھا اور پھر غیر مسلموں کے کارواں کا مشاہدہ کیا جو دریائے راوی کے ادھر بلوکی پل پر سے گذر رہا تھا۔ ہم کلانور گئے جس کے چاروں طرف غیر مسلم آباد تھے لیکن وہاں ہم نے کشیدگی یا انتشار کی کوئی علامت نہ دیکھی صرف چند افراد ہمیں دیکھ کر ہاتھ ہلا ہلا کر ہمارا خیر مقدم کر رہے تھے۔ پھر ہم حصار کی طرف بڑھے۔ یہ ریل اور سڑک کا بہت بڑا جنکشن ہے۔ یہاں بھی ہم نے امن و امان کی فضا دیکھی۔

لیکن ہمارا طیارہ جب بھٹنڈا کے اوپر سے گذرا تو پہلی بار ہماری آنکھوں نے ہولناک مناظر دیکھے

دو ٹرینیں جن میں مسافر کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے اسٹیشن پر رکی ہوئی تھیں۔ ہم نے پناہ گزینوں میں بھگدڑ مچتے ہوئے دیکھا۔ ڈبے کے اندر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اس لئے وہ چھتوں کے اوپر پناہ لے رہے تھے۔ عجیب انتشار کا عالم تھا۔ فیروز پور میں بھی کم و بیش ایسا ہی دلخراش منظر دکھائی دیا۔ اور جب دریائے راوی کی پرسکون لہروں کے اوپر سے ہم گذرے تو وہ دردناک سماں نظر آیا جس کو حیطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ دنیا کی تاریخ میں پناہ گزینوں کا اتنا بڑا کارواں مایوس و نامراد اور شکستہ پا شاید ہی اپنے وطن، اپنے پیارے وطن سے نکلا ہو۔ ہم خاموش تماشائی لبوں پر مہر سکوت لگائے ہوئے ان حرماں نصیبوں کو دیکھتے رہے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ اپنے بچے کھچے سامان کو لیکر اس سے پہلے بھی کسی مصائب میں گھر کر گھروں کو خیرباد کہتے رہے ہیں لیکن حالات معمول پر آنے کے بعد وہ پھر ان ہی گھروں میں لوٹ آئے۔ آج کی بھیانک تصویر قطعی مختلف ہے۔ آج ترک وطن کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے بھی تجاوز کر گئی ہے ـــــ اور وہ پھر کبھی واپس نہ آنے کے لئے چل پڑے ہیں۔

فیروز پور اور بلوکی پل کے درمیان بھی کئی قافلے نظر آئے جو دریائے راوی کے پار پھیلے ہوئے تھے۔ ہم نے پچاس میل تک پرواز کیا اور ہر جگہ آلام و مصائب میں گھرے ہوئے انسانوں کے قافلے دکھائی دیئے۔ ان قافلوں کا سلسلۂ لامتناہی ٹوٹتا نظر نہ آتا تھا ـــــ ایک قافلہ گزرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ بیل گاڑیوں کی قطاریں بھی عجیب دردناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ بلوکی پل پر جہاں اصلی سرحد شروع ہوتی ہے پناہ گزینوں کا اتنا بڑا ہجوم تھا جیسے وہ کوئی شہر ہو۔ اس پل پر پہنچتے پہنچتے ان کے قدم سست ہو گئے تھے۔ سڑک کے کنارے کچھ خاندان اپنے مویشی لیکر جا رہے تھے۔ یہ مویشی ہی ان کے لئے سب کچھ تھے ـــــ دولت کہئے جائداد کہئے یا زندگی کہئے ـــــ لیکن کیا یہ لوگ پل پر سے اپنے مویشیوں کو لیجا سکیں گے۔ وہاں ویسے ہی کھوا چھل رہا تھا اور انسانوں کا ہجوم سیلاب کی شکل میں امنڈ آیا تھا۔

جب ہمارا طیارہ ہندوستان کی طرف مڑا تو ہم نے مسلمان مہاجرین کے اترے ہوئے اور افکار سے بوجھل چہرے دیکھے۔ یہ مہاجرین آہستہ آہستہ لائل پور۔ لاہور روڈ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ آسائش، سکون، مال و متاع، گھر بار۔ وہ خالی ہاتھ تھے وہ دریائے بیاس کی طرف آئے۔ مہاجرین کا کارواں اتنا لمبا اور پھیلا ہوا تھا کہ اس کے ایک

سمت سے دوسری سمت تک گذرنے کے لئے ہمارے طیارے کو سوا گھنٹہ لگا اور وہ بھی اس صورت میں کہ طیارہ ایک سو اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر رہا تھا۔۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قافلے کا سلسلہ ۴۵ میل تک چلا گیا تھا۔

اتوار کو جو کانفرنس ہوئی اس میں نہرو اور لیاقت نے مکمل تبادلۂ آبادی کی مخالفت کی تھی لیکن واقعات انتقال آبادی کی حمایت میں اس طرح اور اس تیزی سے نمودار ہوئے کہ انہیں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ آج ہماری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی تصویر کھینچنا میرے بس کی بات نہیں۔ پناہ گزینوں کے جو قافلے ہم نے دیکھے ان کی تعداد پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ ایک جگہ تو ہم نے سکھ اور مسلمان پناہ گزینوں کو شانہ بشانہ مخالف سمتوں میں بڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ منظر بڑا ہی اور فرسا اور دردناک تھا۔۔۔۔ وہ پاس پاس مخالف سمتوں میں جا رہے تھے لیکن آپس میں متصادم نہ ہوئے۔ ان کے ہونٹ جیسے سل گئے تھے اور آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی

پیر ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء

آج ہنگامی کمیٹی کی جو میٹنگ ہوئی اس میں کابینہ کے وزراء نے رفیوجی ٹرینوں کو منزل تک لیجانے اور لانے کے لئے محافظ دستوں کے انتظام پر زور دیا۔ گذشتہ چند گھنٹوں کے اندر رفیوجی ٹرینوں پر شدید اور خطرناک حملوں کی اطلاعیں موصول ہو چکی ہیں۔ جالندھر اور دریائے بیاس کے پل پر دو ٹرینوں پر حملے کیے گئے جن میں مسلمان پناہ گزیں سفر کر رہے تھے اور لاہور کے علاقے میں غیر مسلم پناہ گزینوں سے بھری دو ٹرینوں کو حملہ کا نشانہ بنایا گیا۔ اس حیوانیت اور شیطنت کے خلاف اقدام کرنے کی اہم ضرورت محسوس کیگئی۔

دہلی کے قیام کے دوران میں لیاقت نے ایک ایسی ٹرین کا ذکر کیا تھا جس میں دو ہزار مسافر رہے تھے لیکن منزل تک پہنچتے پہنچتے ان کی تعداد صرف سات سو ہو گئی تھی۔۔۔۔ ایک اور ٹرین کا بھی انھوں نے ذکر کیا جس میں تین دنوں تک پانی کا ذرا بھی انتظام نہ تھا۔ ٹرین کے حادثے کی خوفناک اور دلخراش داستانیں دہرائی جا رہی ہیں جن سے فتنہ پردازی کو اور تقویت پہنچ رہی ہے۔ افواہوں ہی سے تو نفرت کا زہر پھیلتا ہے۔

ایک حوصلہ افزا چیز یہ دیکھنے میں آئی کہ بدنظمی اور انتشار کا مقابلہ کرنے کے لئے مشرقی پنجاب اور یوپی کی حکومتیں متحد ہو گئی ہیں۔ جن گاؤں یا دیہاتوں میں مار دھاڑ یا آتشزدگی کی وارداتیں ہوتی ہیں

وہاں اجتماعی جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے اور اس کی رقمیں چاہے جتنی بھی ہوں ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر وصول کر لی جاتی ہیں۔ اب اس سوال پر سنجیدگی سے غور کیا جا رہا ہے کہ کیا رات کو چلنے والی ٹرینوں کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے؟ اگر نہیں تو ان ٹرینوں کی حفاظت کے لئے بھاری فوجی دستے کی ضرورت پیش آئے گی۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ جب ایک ٹرین پر حملہ کیا گیا تو متعدد افسران اور تقریباً ساٹھ اور افراد نے مفسدوں سے دست بدست جنگ کی۔

مذاکرہ جاری تھا کہ ماؤنٹ بیٹن نے ایک تجویز پیش کی۔ تجویز یہ تھی کہ نظم و نسق قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ترک وطن کرنے والوں کو جلد از جلد بلا لیا جائے۔ انھوں نے اس سوال پر بھی تفصیلی بحث کی کہ پناہ گزینوں کی نقل و حرکت کے بعد کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ اگر ان مسائل کو جلد از جلد حل نہ کیا گیا تو سارے ہندستان میں فرقہ پرستی کی آگ بھڑک جائے گی اور تب اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ ہمیں ان کے لئے منصوبے تیار کرنے ہیں — منصوبہ محض ایک دو دن یا ہفتہ دو ہفتہ کے لئے نہیں — منصوبہ غیر معین مدت تک کے لئے تیار کیا جانا چاہئے۔ مثلاً پناہ گزینوں کو کہاں آباد کیا جائے؟ آبادی کس طرح کی ہو؟ کیا ایسی آبادی جس میں چور بازاریوں، مفسدوں یا خون چوسنے والوں کی اکثریت ہو؟ اس سلسلے میں عظیم ترین انتظامی مسائل سامنے آتے ہیں۔ چند دنوں کے اندر اندر پچاس میل لمبا کارواں سرحد پار کر کے یہاں آ جائے گا۔ یہ پناہ گزیں پنجاب کے ہرے بھرے گاؤں اور سونا اگلنے والی زمین کو خیرباد کہہ کر آ رہے ہیں۔ پھر اپنی جنت ارضی میں واپس نہیں جائیں گے —— ان کا یہ نیا وطن محض ان کو جسمانی حفاظت پہنچا سکتا ہے —— محض جسمانی حفاظت!

متھائی نے کہا کہ ہمارے سامنے دو اہم مسائل ہیں۔ اول یہ کہ ان پناہ گزینوں کو کہاں آباد کیا جائے اور آئندہ چھ ہفتوں کے لئے ان کے کھلانے کا کیا انتظام ہو۔ ان کے خیال میں طویل المیعاد منصوبہ مقابلتاً آسان ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ فصل کی آئندہ کٹائی کے لئے کیا انتظامات کئے گئے ہیں؟ نیوگی نے کہا — "متعدد پناہ گزیں کھڑی فصل کو دیکھ کر کھیتوں میں گھس گئے ہیں اور اس کی کٹائی کر رہے ہیں۔ میں اجتماعی کھیتی باڑی کی ایک اسکیم بنا رہا ہوں۔" لیکن ماؤنٹ بیٹن نے متنبہ کرتے ہوئے کہا — "کل ہم نے تقریباً دو لاکھ پناہ گزینوں کو نقل و حرکت کرتے دیکھا تھا لہٰذا ان کے لئے خوراک کا فوری کوئی انتظام کرنا ہوگا۔ اجتماعی کھیتی باڑی کا سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے۔" پٹیل نے کہا — "مشرقی پنجاب میں تین ماہ کی خوراک موجود ہے لیکن اس کی تقسیم کا سوال ذرا پریشان کن ہے۔"

اس طویل مذاکرے کے دوران میں اسمے نے میرے کان میں آہستہ سے کہا — "ان سارے

مسائل کا حل کابینہ کی کمیٹی میں سوچا جائے تو بہتر ہے۔" لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن ہی اپنی ذہانت اور بصیرت کو کام میں لاکر ان مسائل کا حل نکال لیں گے۔

دی ٹائمز کے نامہ نگار مقیم دہلی موریسن اور ایرک بریسٹر آج گورنمنٹ ہاؤس آ گئے۔ جھنڈاری اور مونکٹن بھی وہیں مقیم ہیں۔ اتفاق کی بات میں ابھی ابھی موریسن کا مضمون پڑھ رہا تھا جو گذشتہ جمعہ کو ٹائمز میں شائع ہوا ہے۔ انہوں نے پنجاب کے المیہ پر بحد معلوماتی مضمون لکھا ہے۔ ان کے خیال میں فسادات ہند کو جنگ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ یورپی تاریخ میں ایسے فسادات کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ یورپ کے ان لوگوں کے سامنے ان فسادات کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی جنھوں نے ہندستان کو نہیں دیکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔" بس یوں سمجھئے کہ ہندستان میں لوگوں کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے اور سبھوں پر ہسٹریا جیسی کیفیت طاری ہے اور ہسٹریا کے جراثیم جو لوگ اپنے ساتھ ساتھ لئے گھوم رہے ہیں وہ پناہ گزیں کہلاتے ہیں۔ ذہنی توازن کو بگاڑنے اور فسادات کو ہوا دینے کے لئے غیر ذمہ دار سیاست داں اور صحافی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ عناصر بھی اس کام میں پیش پیش ہیں جن کو طوائف الملوکی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے نظم ونسق قائم رکھنے کے آلات بگڑ چکے ہیں۔ مرض کی ابتدائی علامتیں یکساں نہیں۔ ان علامتوں کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا دونوں فرقوں کی تعداد برابر ہے یا ایک فرقہ کا پلہ دوسرے سے بھاری ہے۔ پہلی حالت میں ہر فرقہ نفسیاتی خوف وہراس کا شکار ہے ۔۔۔ یعنی اس بات کا خوف کہ بس اب حملہ ہوا تب حملہ ہوا اور دوسری حالت میں اکثریت نفسیاتی انتقام میں مبتلا ہو جاتی ہے بلکہ خوف اور انتقام کے ملے جلے جذبات اس کو بھڑکاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس سے وحشیانہ فعل سرزد ہو جاتا ہے۔

" آخر ان امراض کے اسباب کیا ہیں؟ مغرب کی پارلیمانی جمہوریت کی کامیابی چند بنیادی حالات پر منحصر ہے اور یہ حالات ہندستان میں سرے سے معدوم ہیں۔ ایشیا کے ان تمام ممالک میں جہاں آبادی یکساں نہیں اور جہاں پارلیمانی طرز کی جمہوریت باہر سے لاد دی گئی ہے وہاں اختلافات پروگراموں اور پالیسیوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ نسل اور مذہب کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں۔ اور ان اختلافات کو رفتہ رفتہ تیز کر دیا جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔

" اس مرض کی دیگر علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ہر فریق دوسرے فریق کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ غیر ممالک کے مبصرین ان حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں حیرت

ہوتی ہے کہ "ذمہ داری" اور "الزام" کے سوالات بے محل اور غیر متعلق ہیں۔ یا تو ساری متعلقہ پارٹیاں ذمہ دار ہیں یا پھر انسانی امور میں ایسے طوفانی عناصر پائے جاتے ہیں جن پر کنٹرول ممکن نہیں"۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
منگل ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء

آج جناح نے دولت مشترکہ سے ہندستان کے ساتھ پاکستان کے قضیوں میں مداخلت کرنے کی اپیل کی ہے۔ نہرو نے اس سلسلے میں مدبرانہ اور معتدل جواب بھیجدیا ہے۔ جناح نے اب تک جتنے بھی اہم فیصلے کئے ہیں۔ وہ برمحل اور بروقت ثابت ہوئے۔ اس بار بھی جناح کا فیصلہ اس معنی میں اہمیت رکھتا ہے کہ غیر ملکی نامہ نگاروں کی طرف سے جو اطلاعیں موصول ہو رہی ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان میں برطانیہ کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے ہیں۔ مثلاً پاکستانی اخبار ہندستان کی طرح برطانیہ پر یہ الزام عائد کر رہے ہیں کہ ان فسادات کی ذمہ داری برٹش بنیا اتحاد پر ہے اس کے علاوہ اخباروں نے ماؤنٹ بیٹن پر بھی ذاتی حملے کئے ہیں۔ مثلاً اخباروں کا کہنا ہے کہ چونکہ ماؤنٹ بیٹن کو دونوں ملکوں کی بیک وقت گورنر جنرلی نہیں ملی اس لئے وہ اداس اور مضمحل ہیں اور پاکستان سے ان کو ہمدردی نہیں۔ اس قسم کے خیالات چند لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اگر معاملہ دولت مشترکہ میں گیا تو پیچیدگیوں کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ اس طرح اگر ہندستان نے بھی جوناگڑھ کے معاملے میں یہی چال چلی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خطرے کو خود دعوت دی ہے۔ ابھی ابھی جام صاحب نوانگر نے نزاعی پریس کانفرنس میں ہر قسم کی مدافعت کا سوال اٹھایا ہے۔

امرتسر کی فضا اب تک تشویشناک ہے۔ ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی ہے اور ٹرینوں پر حملے جاری ہیں۔ امرتسر سے گذرنے والی تمام ٹرین سروسوں کو منقطع کرانے کا جو فیصلہ کل کیا گیا تھا اس پر آج اونچی سطح پر بات چیت ہوئی۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن سے مشورہ کرنے کے بعد تصدیق کردی کہ فیصلہ بدستور زیر عمل رہے گا۔ امرتسر سے ٹیلیفون کا سلسلہ دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن سکھوں کے دو لیڈروں تارا سنگھ اور اودھم سنگھ نے امن قائم کرنے کی جو مشترکہ اپیل شائع کی ہے اس کا متن میں نے کسی طرح ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کی

جانب سے حاصل کر لیا۔ اگر حکومت اس "اپیل" کے حصول میں زیادہ تندہی نہ دکھاتی تو پھر تاخیر کا امکان تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو دونوں نے اس اپیل کو جلد از جلد شائع کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ عورتوں اور بچوں پر بزدلانہ حملہ کی مذمت کرتے ہوئے دونوں لیڈروں نے نڈر اور بے خوف ہو کر یہ بھی کہا ــــ "ہم مسلمانوں کے ساتھ دوستی نہیں چاہتے اور نہ ہم کبھی ان کے دوست بن سکتے ہیں۔ ضرورت پڑی تو ہم دوبارہ لڑیں گے ــــ یعنی اس بار کی لڑائی بھیانک ہوگی ــــ ایک فرد دوسرے فرد کے گلے میں چھری بھیر دیگا۔"

جن لوگوں نے سکھوں کی نفسیات کا مطالعہ نہیں کیا ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس عجیب وغریب اپیل کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ دونوں لیڈروں کو سکھوں کی مذہبی سیاست میں اہم درجہ حاصل ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ سکھ کنٹرول سے باہر ہو چکے ہیں۔ سکھوں کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ فوراً جتھا بنا لیتے ہیں اور انھیں مقامی قیادت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی ان کی طاقت اور کمزوری کی علامت ہے۔ ان دنوں ان کی سیاست میں بدنظمی اور سازش کو دخل ہے اور بقول شارٹ کے تارا سنگھ، اودھم سنگھ اور گیانی کرتار سنگھ کی جگہ وہ نوجوان لیڈر لے رہے ہیں جو انڈین نیشنل آرمی کے سابق افسران ہیں۔

سکھ لیڈر ہندوؤں کو بھی اپنا بھائی نہیں سمجھتے اور تارا سنگھ پنجاب کی دونوں حکومتوں سے بدظن نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تقسیم ملک سے سکھوں کو نہ صرف اقتصادی نقصان پہنچا ہے بلکہ ان کی سیاسی مرکزیت بھی ختم ہو گئی ہے۔

سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے بلی شارٹ شب و روز کوشاں ہیں۔ اسی مقصد کو پانے کے لئے لاہور میں کل میٹنگ ہو رہی ہے جس میں تارا سنگھ کی شرکت کی بھی توقع کی جا رہی ہے۔ اگر موقع ملا تو اسمتھ ثالث کا فرض انجام دیں گے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۲۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء

آج کی ہنگامی کمیٹی میں رفیوجیوں کی نقل وحرکت پر عام مذاکرہ ہوا۔ چیٹی نے کہا کہ سب سے پہلے دہلی کو رفیوجیوں سے پاک صاف کیا جائے ــــ نیز ان کے مزید داخلے کو روکا جائے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ دہلی میں جو غیر دہلوی مسلمان اور غیر مسلم رفیوجی

گھس آئے ہیں ان کو یہاں سے جانے پر مجبور کیا جائے۔ نہرو نے مشرقی پنجاب کے نئے دارالخلافہ کے قیام پر زور دیا کیونکہ ان کے خیال میں رفیوجیوں کی بھاری تعداد واپس جانے کا ارادہ کر چکی ہے۔ پٹیل بولے کہ ٹرینوں کو دوبارہ چلنے دیا جائے اور کیمپوں سے رفیوجیوں کا انخلاء کرایا جائے کیونکہ یہ کیمپ بے اطمینانی کا گڑھ ہیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں ٹرینوں کو ازسرِنو چلانے سے کہیں زیادہ اہم کام یہ ہے کہ رفیوجیوں کی نقل وحرکت جاری رکھی جائے۔ انھوں نے کہا کہ لاقانونیت اپنے عروج کو پہنچ گئی ہے۔ قاتلوں پر مقدمہ چلانے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ سراغرسانی کا سارا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ آخر ان غلطیوں کے تدارک کے لیے کیا اقدام کئے گئے ہیں؟

برطانوی افسران کے ساتھ جو برتاؤ کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں تشویشناک اطلاعیں موصول ہو رہی ہیں۔ فسادات کی آگ بجھانے میں یہ افسران جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں لیکن ان کو نہ تو فوجی امداد ملتی ہے اور نہ انھیں شہری تعاون حاصل ہے۔ افسران کے اندر عام طور پر یہ جذبہ پایا جا رہا ہے کہ ان کی کوششوں کو سراہا نہیں جاتا اور نہ انھیں بنیادی سہولتیں میسر ہیں۔ مثلاً ان کی ڈاک کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے ــــ ماؤنٹ بیٹن اور اسمے نہرو اور جناح پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک بیان جاری کر دیں۔ جناح نے کہا کہ ۱۳ اگست کو کراچی کی دعوت استقبالیہ والی تقریر میں ان کی خدمات کا جن لفظوں میں اعتراف کیا گیا ہے وہ کافی ہے۔

آزاد لیسنڈ لیڈر ریذیڈنٹ کنٹرو کے ایک بیان سے مسئلہ اور سنگین بن گیا ہے مثلاً انھوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اگر برطانوی افسرانِ غیر جانب داری دکھاتے تو مشرقی پنجاب کی فضا معمول پر آجاتی۔ انھوں نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ اگست کے اختتام پر شیخوپورہ میں قتل وغارت گری کی جو بھیانک وارداتیں ہوئی ہیں ان کی ذمہ داری سراسر ایک برطانوی افسر پر ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے فوراً نہرو کو فون پر بتایا کہ برطانوی افسران کے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ توہین آمیز بھی ہیں۔ اگر ان کی تردید نہ کی گئی تو ہندستانی فوج میں ان کی پوزیشن نازک ہو کر رہ جائے گی۔ نہرو نے اس سلسلے میں فوراً ایک بیان جاری کرنے کا وعدہ کیا۔ گاندھی کے خیال میں مناسب طریقہ یہ ہو گا کہ کنٹرو خود عوام کے سامنے اپنے الزامات کو واپس لے لیں۔ لیکن اسمے ان تجویزوں سے مطمئن نہیں ہوئے۔ انھوں نے نہرو کو ایک بیان جاری کرنے پر آمادہ کیا جس میں وہ بتائیں کہ

شیخوپورہ میں جو کچھ ہوا ہے اس میں برطانوی افسروں کا ہاتھ ذرا بھی نہیں ہے۔ ان سارے واقعات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ خیرسگالی کتنا نازک پودا ہے لیکن نہرو اس کی آبیاری کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
جمعہ ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کے پلان کے مطابق ہنگامی کمیٹی کا کام رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ اب یہ فیصلہ ٹھہرا کہ اس کی نشست ہفتہ میں صرف دو بار یعنی منگل اور جمعہ کو ہوا کرے۔ کمیٹی نے دھلی کے سارے رفیوجیوں کو رجسٹریشن کرا لینے کا حکم صادر کر دیا ہے۔ دھلی میں اب تک کشیدگی پائی جا رہی ہے کیونکہ جب بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ہندو مسلم بھائی چارہ کی اپیل کی جاتی ہے شرپسند عناصر فوراً اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ نہرو نے کہا۔ "مجھے ہندوستانی عوام کی نفسیات کا بخوبی علم ہے۔ سب سے پہلے ان لیڈروں کو گرفتار کرنا ہے جو فضا کو سنگین بنا رہے ہیں۔" دھلی پولیس کے چیف نے کہا کہ شرپسند عناصر میں غنڈے شامل نہیں ہیں بلکہ کلرک، ڈاکٹر اور سرکاری افسران پیش پیش ہیں۔ نہرو نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں علم ہے کہ احکامات صادر کئے جا رہے ہیں آخر یہ احکامات کون صادر کر رہا ہے؟" نہرو نے عوام سے ذمہ داریاں سنبھالنے کی اپیل کی کیونکہ پولیس حالات کا مقابلہ تنہا نہیں کر سکتی۔

آج گاندھی نے پرارتھنا کی میٹنگ میں ایسی بات کہدی ہے جس کی وجہ سے حالات اور سنگین ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ "اگر پاکستان اپنی غلطیوں کو تسلیم نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہے تو ہندوستان اعلان جنگ کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔" اس فقرے سے جذبات برانگیختہ ہو گئے ہیں اور کل دنیا کے اخبارات میں اس کو خوب اچھالا جائے گا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
ہفتہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء

کاروا نامی ایک شخص نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے جس میں آل انڈیا ریڈیو سننے والوں کی مشکلات بیان کی گئی ہیں۔ مکتوب میں کہا گیا ہے کہ پرارتھنا میٹنگ میں گاندھی کی

تقریر کی جو ریکارڈنگ ہوتی ہے وہ آل انڈیا ریڈیو سے صاف نہیں سنائی دیتی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سوال کو گاندھی کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور انھوں نے اس کی ذمہ داری میرے شانے پر ڈال دی کہ میں تفصیل سے اس موضوع پر ان سے بات کروں۔

میں جس وقت ان کے کمرہ میں پہنچا وہ یادداشت تیار کرنے میں مصروف نظر آئے انھوں نے مجھے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا لیکن جب انھوں نے دیکھا تو انھیں زور کی کھانسی آئی اور بولے ۔" میں تمہارا خیر مقدم اس طرح کرتا ہوں ۔" انھوں نے چند لمحوں کے بعد پھر کہا۔" ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ میں اسٹوڈیو سے تقریر نشر کروں البتہ پچھلی میٹنگ میں انھوں نے صرف کاردا کا مکتوب میرے حوالہ کیا تھا۔"

میں نے کہا۔" پرارتھنائی میٹنگ میں آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ ریڈیو سے صاف نہیں سنائی نہیں دیتا۔ سامعین آپ کا ایک ایک لفظ سمجھنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں کبھی کبھی تو پانچ منٹ تک کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے ان سے یہ نہیں کہا کہ ان کی آواز بہت ہی دھیمی اور رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ میں نے بہر حال ان پر زور دیا کہ اگر وہ اسٹوڈیو سے اپنی تقریر نشر کریں تو رائے عامہ کو ہموار کرنے میں زبردست کامیابی ہوگی۔

اول اول گاندھی کا ردعمل میرے اس خیال کے برعکس ہوا۔ مثلاً انھوں نے کہا۔" اگر میں سامنے کاغذ رکھ کر اسٹوڈیو سے تقریر نشر کروں تو اس سے تصنع ظاہر ہوگا۔ میں تو عوام کے سامنے تقریر کرنے کا عادی ہوں ۔۔۔ ان کی تعداد پانچ ہو یا پانچ لاکھ ۔" میں نے انھیں بتایا کہ اسٹوڈیو جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی بلکہ یہیں سے وہ تقریر نشر کر سکتے ہیں بالکل اس طرح جیسے وہ اپنے احباب سے باتیں کر رہے ہوں۔ انھوں نے ایک اور اعتراض کیا کہ تقریر بہر حال پہلے سے تیار کر لینی ہوگی جو ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ تو عوام سے بے ساختہ اور بے تکلف باتیں کرنے کے عادی ہیں۔ میں نے جواب دیا۔" وقت کا تعین کرنے کے لئے تقریریں پہلے سے لکھ لی جاتی ہیں لیکن آپ کے ساتھ یہ پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ آپ جتنی دیر تک چاہیں اپنے تاثرات بیان کر سکتے ہیں۔" وہ بولے ۔" میں آل انڈیا ریڈیو کی عمارت کی طرف سے گذرا ہوں لیکن اسٹوڈیو کے اندر کبھی نہیں گیا۔ کیا تم مجھ سے ایک تقریر نشر کروانا چاہتے ہو؟" میں نے جواب دیا۔" میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا لیکن اگر آپ وقتاً فوقتاً عوام سے مخاطب ہوں تو مجھے امید ہے کہ رائے عامہ پر اس کا گہرا اثر ہوگا۔" انھوں نے کہا۔" آج تک میرے ذہن میں ریڈیو

سے تقریر نشر کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ بہر کیف میں دو تین دن ذرا اس پر غور کر لوں۔ میں اس وقت کوئی کام شروع کرتا ہوں جب ہر زاویہ سے اس پر غور و خوض کر لیتا ہوں۔"

اس کے بعد دوسرے مسائل پر انھوں نے بات چیت شروع کر دی۔ انھوں نے کہا کہ دھلی اور پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بیحد تشویشناک ہے۔ انھوں نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ کلکتہ میں انھوں نے سہروردی کے ساتھ ملکر فرقہ پرستی کے زہر کو ختم کرنے کے لئے جو قدم اٹھایا تھا وہ ناکام ثابت ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے تفصیل سے اپنے اور سہروردی کے کارناموں کو دہرایا۔ انھوں نے کہا سہروردی نے بڑی جرارت اور تحمل کا ثبوت دیا ہے۔ میرے آشرم میں آکر انھوں نے اپنی آسائشیں بھلادیں۔ وہ تن آسانی کے قائل تھے مگر یہاں ان کو نئی زندگی کا تجربہ کرنا پڑا۔ مسلم اقلیت سے انھوں نے کلکتہ میں امن و امان بحالی کرانے کی قسم کھائی تھی اور اس قسم پر وہ پابندی سے عمل کرتے رہے۔ انھوں نے تکمیل وعدہ کے لئے اذیتیں برداشت کیں اور خطرے مول لئے۔"

میں نے کہا کہ کلکتہ اور دھلی کے واقعات مختلف نوعیت کے ہیں۔ آپ کلکتہ اس وقت پہنچ گئے تھے جب بحران شروع ہو رہا تھا لیکن دھلی آپ اس وقت تشریف لائے جب حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ لیکن انھوں نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا۔ انھوں نے کہا "جب میں نے اور سہروردی نے کام شروع کیا فسادات کی آگ چاروں طرف پھیل چکی تھی۔" میں نے کہا "کلکتہ کی فضا آپ کے اثرات کو قبول کرنے کے لئے موافق تھی لیکن دہلی کی فضا قطعی مختلف ہے۔" گاندھی جی نے فرقہ دارانہ حالات کو قابو میں لانے کے لئے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا "جب تک ان حالات پر قابو نہیں پایا جاتا ہے اس وقت تک کوئی مسلمان ہندستان میں اور کوئی سکھ یا ہندو پاکستان میں خود کو محفوظ نہیں سمجھے گا۔"

اختتام گفتگو پر راجکماری امرت کور اور میرا بین (مس سلیڈ) کمرے میں داخل ہوئیں۔ ایک نوجوان لڑکی پہلے ہی سے موجود تھی جو آخیر وقت تک ہماری گفتگو نوٹ کرتی گئی۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی

اتوار ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء

گاندھی نے اپنی پرارتھنا میٹنگ میں پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے کی جو دھمکی دی تھی اور

جس کی وجہ سے فضا میں انتشار پھیل گیا تھا اس کا ذکر ہماری گفتگو میں نہیں آیا اور نہ میں نے اس کی وجہ سے ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے۔ گذشتہ رات انھوں نے پھر ہندستان اور پاکستان کے تعلقات کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کے آثار نظر آئیں تو بجائے اس کے کہ اس آگ کو ہوا دی جائے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ "ہندستان جانتا ہے اور دنیا کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں ہر ممکن طریقہ سے ایسی جنگ کے شعلوں کو بجھا کر دم لونگا جن کے اندر ایک بھائی دوسرے بھائی کو جھونک دے۔" یہ تھی گاندھی کی آواز۔ وہ جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ان کی طبیعت اور فطرت کے قطعی منافی ہے۔

دولت مشترکہ کے دفتر روابط کے مستقل انڈر سکریٹری سر آرچی بالڈ کارٹر گورنمنٹ ہاؤس میں مقیم ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اسمے ان کے ہمراہ لندن جائیں اور انتقال اختیارات کے بعد کے حالات کی رپورٹ پیش کریں۔ ماؤنٹ بیٹن بھی اس دورے کو بہت اہم خیال کرتے ہیں۔

برطانوی نامہ نگار مقیم دہلی اور ہندستان کی نئی حکومت کے درمیان تعلقات اور زیادہ ناخوشگوار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان ناخوشگوار تعلقات کو ختم کرنے کے لیے جمعہ کو گورنمنٹ ہاؤس میں میٹنگ ہوئی تھی جس میں نہرو اور پٹیل کے علاوہ برطانوی نامہ نگار بھی موجود تھے۔ میٹنگ کی صدارت ماؤنٹ بیٹن نے کی تھی۔ فریقین نے اس مسئلے پر کھل کر باتیں کیں اور اس طرح شکوک و شبہات کی زہریلی فضا بہت حد تک خوشگوار فضا میں بدل گئی۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن ہندستانی عوام کے لیے فلاح و بہبود کا جو کام کر رہی ہیں اُس میں اس کو حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ ریلیف اور ریلیفر کی جو یونائٹڈ کونسل بنائی گئی تھی اس نے بھی حوصلہ افزا خدمات انجام دی ہیں اور یہ سب کچھ لیڈی ماؤنٹ بیٹن ہی کی جدوجہد کا نتیجہ سمجھیے۔ اس کونسل نے رفیوجی مراکز، ہسپتالوں، طبی امداد کی چوکیوں ٹیکہ دینے کے مرکزوں اور دیگر ویلفیر انجمنوں کے ساتھ بھی اشترک کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کونسل کی معرفت خوراک و پوشاک، طبی امداد، تعلیم و تفریح وغیرہ کی سہولتیں بھی بہم پہنچائی گئیں۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے فلاح و بہبود کے کام کے سلسلے میں ہندستان کے مختلف علاقوں کا جو دور دراز دورہ کیا ہے اس کی وجہ سے رفیوجی اور ویلفیر انجمنوں کے رضاکار بہت متاثر ہوئے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس ۔ نئی دہلی

پیر ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء

جوناگڈھ اور پنجاب کے مسائل میں آج ماؤنٹ بیٹن الجھے رہے ۔ خصوصاً جوناگڈھ شطرنج کا خطرناک کھیل نظر آرہا ہے ۔ لیاقت کے قیام دہلی کے دوران میں اسمے نے ان سے جوناگڈھ کے سوال پر جو بات چیت کی تھی اس سے انھوں نے اندازہ لگایا تھا کہ لیاقت جوناگڈھ کو کشمیر کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں ۔ ان ہی دنوں لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن سے بھی یہ کہا تھا ــــ "ٹھیک ہے ۔ ہندستان اگر جارحانہ اقدام کرنا چاہتا ہے تو کرنے دیجئے ــ پھر دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے ۔"

دس دن پہلے دی پی مینن جوناگڈھ کی ریاست کے دورے پر گئے ہوئے تھے لیکن اس دورے کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا ۔ انھوں نے دیوان سے ملاقات کی مگر نواب سے نہ مل سکے کیونکہ دیوان کے بقول وہ بستر علالت پر پڑے ہوئے تھے ۔ البتہ چھوٹی سی ریاست منگرول کے شیخ نے مینن کی موجودگی سے فائدہ اٹھایا ۔ وہ مینن سے ریاست کی حدود کے آس پاس ملے اور ہندستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کی منظوری دیدی لیکن ادھر مینن دہلی واپس آئے اور ادھر شیخ نے منگرول پہنچ کر الحاق کی منظوری پر خط تنسیخ کھینچ دیا ۔ ۲۲ تاریخ کو حکومت ہند نے فیصلہ کیا کہ جن حالات کے تحت نامنظوری کا مراسلہ بھیجا گیا ہے اس پر کوئی توجہ نہ دی جائے تو بہتر ہے ۔

یہ حالات پٹیل کو مشتعل کرنے کے لئے کافی تھے ۔ دوسری طرف جوناگڈھ نے بابار یاباد پر فوج کشی کردی تھی اور ہندستان نے اب تک اس کے خلاف قدم نہیں اٹھایا تھا ۔ پٹیل نے جوابی اقدام کرنے پر زور دیا ۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہندستان جوناگڈھ کے خلاف فوجی کارروائی نہیں کرنا چاہتا ہے تو وہ مستعفی ہو جائیں گے ۔ جس طرح نہرو کشمیر کو اپنا دل اور روح سمجھتے ہیں اسی طرح جوناگڈھ کو پٹیل بھی اپنی جنم بھومی کا ایک حصہ گردانتے ہیں ــــ اس جذبے کو صوبہ پرستی کا نام دیا جاسکتا ہے لیکن بحیثیت ایک قوم کے ہندستان کا تصور زندگی اور روح سے بھی زیادہ عظیم اور قیمتی ہے ۔

ماؤنٹ بیٹن نے کل نہرو کو جو مکتوب ارسال کیا تھا اس میں انھوں نے فوجی تیاری

اور اس پر عمل درآمد کرنے کا فرق ظاہر کیا تھا۔ انھوں نے تحریر کیا تھا کہ دو مملکتوں کے درمیان اگر براہ راست جھڑپ ہوتی ہے تو اس طرح نہ صرف اخلاقی برتری پر حرف آتا ہے بلکہ دونوں کی بقا بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے اس مشورہ کو قبول کرلیا۔ اس کے علاوہ تینوں چیف آف اسٹاف نے بھی ماؤنٹ بیٹن کے خیال سے اتفاق کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پٹیل آپے سے باہر ہوگئے۔

خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور خلفشار کو دور کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے قیام کا مشورہ دیا۔ ان کے ذہن میں دفاعی کمیٹی کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ تین ذیلی کمیٹیاں بھی بنائی جائیں جیسے چیف آف اسٹاف کمیٹی، مشترکہ سراغرساں کمیٹی اور مشترکہ منصوبہ بندی کمیٹی۔ انھوں نے کہا کہ اگر تینوں سروسوں میں سے کسی ایک کو کمانڈران چیف آف اسٹاف کا دگنا عہدہ سونپ دیا جاتا ہے تو اس طرح ہندستان اہم کام انجام دے سکے گا۔ نہرو اور پٹیل نے اس خیال سے اتفاق کیا۔ اسمے پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ فوراً اس کا مسودہ تیار کریں اور کل کی میٹنگ میں پیش کریں۔

جوناگڑھ کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے درمیانی راستہ اختیار کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ فوجی اضافہ و استحکام ریاست کے ان ہی علاقوں کے آس پاس جاری رکھا جائے جو متنازعہ فیہ نہیں ہیں نیز وہ اس بات کی بھی وضاحت چاہتے ہیں کہ جن جن ریاستوں میں الحاق کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے ان ریاستوں کے عوام جس رائے کا بھی اظہار کریں گے ہندستان اس کا احترام کرے گا۔

آج تریویدی اور ان کی حکومت کے نمائندوں کے ساتھ طویل مذاکرہ ہوا۔ انتقال اختیارات کے بعد جونہی مشرقی پنجاب کے انتظامی مسائل کا موضوع زیر بحث آیا وہاں کی گورنری کے لئے فوراً تریویدی ہی پر نگاہ انتخاب پڑی ان کے علاوہ حکومت مشرقی پنجاب کی اہم شخصیتوں میں وزیر اعلیٰ ڈاکٹر بھارگوا اور سورن سنگھ وزیر داخلہ ہیں۔ تریویدی کو شروع ہی سے اتفاق رائے کے ساتھ اختیارات خصوصی سونپے گئے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ انھوں نے جو کچھ مطالبہ کیا وہ سب مل گیا بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر ابتدا ہی سے حکومت کے انتظامی مسائل میں ان کی رہبری نہ ہوتی تو مشرقی پنجاب کے حالات اور دگرگوں ہو جاتے۔

انھوں نے آج سویرے کی میٹنگ میں چند اہم اور بڑے سوالات اٹھائے۔ انھوں نے یہ سوال اٹھایا کہ آنے والے موسم سرما میں کم از کم پانچ لاکھ پناہ گزینوں کے لئے پناہ گاہیں چاہیئں لہذا کیا دیہات کے اسکولوں اور دیگر عمارتوں کو پناہ گاہوں کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ انھوں نے مشرقی پنجاب کے نئے دارالحکومت کی تعمیر کا بھی سوال اٹھایا تاکہ لاکھوں مجبوروں اور بے کسوں کو آباد کیا جاسکے۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے دارالحکومت کے لئے زمین کا انتخاب کرلیا جائے۔ اس کے بعد تریویدی نے ان نہروں کی حفاظت کی بات کی جو ہندستان اور پاکستان کی سرحد سے گذرتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ۱۵ اگست کے بعد سے ان نہروں پر ایک معاہدہ کے ذریعہ کنٹرول کیا جارہا ہے لیکن معاہدہ پر سختی سے عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا پاکستانی فوج پر نہیں؟ جنرل لوک ہارٹ نے کہا کہ پاکستانی فوج کو مشرقی پنجاب کی طرف سے ہر وقت حملہ کا خطرہ ہے اس لئے وہ چوکس ہے۔ تریویدی نے مغربی پنجاب سے بھی ایسے ہی حملے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح بھی ہو اعتماد کی فضا بحال کی جائے اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ مغربی پنجاب کے گورنر مودی، دونوں صوبوں کے وزرا اعلیٰ اور ایریا کمانڈروں کی ہفتہ میں دو بار میٹنگ ہوا کرے۔

اس کے بعد ٹرین کا موضوع زیر بحث آیا۔ فی الحال لدھیانہ اور امرتسر کے درمیان حالات تشویشناک ہیں۔ چند سکھ رجواڑے تریویدی کی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مثلاً کپورتھلہ نے حکومت مشرقی پنجاب کو پہلے سے متنبہ کئے بغیر رفیوجیوں کی بھاری تعداد اپنی ریاست سے اس صوبے کی طرف منتقل کردی اس طرح فرید کوٹ سے بھی مسلمانوں کو بڑی بیدردی اور سفاکی سے نکال دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار پناہ گزیں بھوک پیاس کا شکار ہو کر چل بسے۔

آج کے لنچ کے وقت تریویدی نے ہم سے کہا کہ سکھ اور مسلمان شانہ بشانہ مخالف سمتوں سے گزر رہے ہیں اور دونوں اپنی اپنی حکومتوں کے خلاف بڑی بیدردی سے تنقیدیں کر رہے ہیں! میں حکومت مشرقی پنجاب کے ایک افسر مسٹر تھاپڑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے فسادات میں ہلاک ہونے والوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ فسادات میں ہلاک ہونے والوں اور زخمیوں کی تعداد پوری آبادی میں ایک فیصد سے زائد ہوگی۔ اگر ہم دو فیصد بھی رکھتے ہیں اور پورے پنجاب کو فساد زدہ صوبہ خیال کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے پھر بھی مسٹر چرچل کے یہ اعداد شمار کہ گزشتہ چھ ہفتوں میں تقریباً پانچ لاکھ یا تو ہلاک ہوئے، یا زخمی ہوئے یا گم ہو گئے مسٹر تھاپڑ کے اعداد وشمار سے دوگنا زیادہ ہیں۔

آج رات ڈنر کے بعد مسٹر تریویدی نے مجھے اپنے کمرے میں شراب نوشی کی دعوت دی۔ میں ان کے

ساتھ نصف شب تک رہا۔ اس درمیان میں انھوں نے پنجاب کے بحران پر اپنے تاثرات بیان کیے ویسے ذہنی و جسمانی لحاظ سے وہ بےحد تھک گئے تھے اس کے باوجود میں نے انھیں مستعد پایا۔ چرچل کی طرح یہ بھی مستقل سگار نوشی میں مبتلا رہتے ہیں۔ انھوں نے پنجاب کے بحران پر حسب ذیل نکات بیان کئے

"فسادات دراصل مارچ ۱۹۴۷ء میں راولپنڈی اور ملتان میں شروع ہوئے تھے اور جب ہی ترک وطن کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا ۔۔۔ فسادات کے شعلے سرد ہونے کی بجائے پھیلتے گئے یہاں تک کہ انتقال اختیارات کے بعد حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور ہر طرف جوالا مکھی پھٹنے لگی۔ لاہور قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ ۱۴ اگست کو شہر کا ایک فیصد حصہ آگ کی نظر ہوا تھا لیکن ۱۵ اگست کو یعنی صرف ایک دن کے بعد بارہ فیصد حصہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ یہاں سے فسادات کی آندھی امرت سر پہنچی۔ ان حالات میں شملہ انتظامی امور کا مرکز نہ رہ سکا۔ چنانچہ میں نے جالندھر منتقل ہو جانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہاں سے حالات پر زیادہ آسانی سے قابو پایا جا سکتا تھا۔ میری پہلی پالیسی یہ تھی کہ عام انخلاء کو روکا جائے۔ لہٰذا اسی مقصد کے پیش نظر میں ۱۵ سے ۱۹ اگست تک تمام علاقوں کا دورہ کرتا رہا۔ ۲۰ اگست کو کسی حد تک حالات پر قابو پالیا گیا تھا۔ اس کے بعد مغربی پنجاب کے شیخوپورہ میں قتل عام شروع ہو گیا ۔۔۔ یہاں مرنے والوں کے اعداد و شمار مختلف بتائے گئے ہیں۔ گورنر موڈی نے تین سو بتایا لیکن فوج کی رپورٹ کے بموجب سات اور آٹھ سو کے درمیان لوگ ہلاک ہوئے۔ اس کا شدید ردعمل امرت سر میں ہوا۔ اس ردعمل کے بعد میں نے محسوس کیا کہ انتقال آبادی ناگزیر ہے۔ اسی روز سے میں اپنی اس پالیسی پر عمل پیرا ہوں اور میں نے اپنے وزیروں کو بھی اس پر عمل درآمد کرنے کا مشورہ دیا ہے۔"

گورنمنٹ ہاؤس نئی دہلی
منگل ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

آج وزیر اعظم، نائب وزیر اعظم، وزیر دفاع، وزیر خزانہ اور وزیر قلمدان وزارت کے بغیر اہم میٹنگ ہوئی۔ دہلی کے صفدر جنگ ہسپتال پر بزدلانہ اور سنگدلانہ حملہ کی اطلاع سے ہنگامی کمیٹی کے جلسہ کی فضا اداس اور گمبھیر بن گئی تھی یہ حملہ تین مقامی دیہاتوں کے ایک جتھے نے کیا تھا جس کی وجہ سے شہر میں ایک بار پھر قتل و غارت گری اور لوٹ مار مچ گئی۔ وزیر صحت راجکماری امرت کور کے شانے پر زبردست بار آ پڑا ہے انھیں اس المیہ کی

اطلاع سے روحانی صدمہ پہنچا۔ جب انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کو تفصیلات بتائیں تو وہ چونک پڑے اور بولے کہ وزیر اعظم نے امن اور شانتی کے لئے جو کچھ بھی کیا ہے اس پر پانی پھیر دیا گیا۔

لیکن نہرو کا خیال ہے کہ حالات میں ایک طرح سے تغیر واقع ہوا ہے اور وہ یہ کہ "حوض قاضی میں میں نے ۲۵ ہزار کے مجمع میں جو تقریر کی تھی اس میں مسلمان بھی گھومتے پھرتے نظر آئے۔ اس جلسے کا بلا شبہ نمایاں اثر ہوا۔ میرا خیال ہے کہ دہلی میں چند شورہ پشتوں کے علاوہ اکثریت امن اور شانتی چاہتی ہے"

دہلی، مشرقی پنجاب اور شمالی ہند میں حالات نقطۂ عروج تک پہنچنے کے بعد اب اعتدال پر آ رہے ہیں۔ ہم روزانہ صبح کو نقشہ کے کمرے میں جا کر یہ دیکھتے ہیں کہ کہیں لکھنؤ اور کانپور جیسے علاقوں سے قتل و غارت گری کی اطلاع تو نہیں موصول ہوئی۔ لیکن صوبائی حکومتیں مرکز سے حالات پر قابو پانے کے لئے برابر تعاون کر رہی ہیں۔ البتہ قتل و غارت گری اور مار دھاڑ سے قحط پڑنے اور وبائیں پھوٹ پڑنے کا جو اندیشہ تھا وہ اندیشہ ہی ثابت ہوا۔ رضا کاروں نے سرحد کی دونوں طرف غذا اور صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھا تھا۔ پناہ گزینوں کو کالرا کے انجکشن دیئے گئے۔ ہندستان نے پاکستان کو ہیضہ کی دوائیاں بھی بھیجیں ــــ فرقہ پرستی کی تاریکی میں بھی بخشش و عطا کی شعاع نظر آجاتی ہے۔

باب ۱۸

لندن کا سفر

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دھلی
بدھ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء

ہم دو دنوں کے اندر لندن روانہ ہو رہے ہیں۔ اس اثنا میں پس منظر کے طور پر استعمال کیجانے والی اطلاعات جمع کر رہا ہوں تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ میں موجودہ حالات و کوائف اور خیالات کے رجحانات سے لاعلم نہیں ہوں۔ آج سویرے پٹیل کے پرائیوٹ سکریٹری شنکر سے اورنگ زیب روڈ پر معلوماتی بات چیت ہوئی۔ باوجودیکہ گذشتہ ہفتہ گورنمنٹ ہاؤس میں غیر ملکی نامہ نگاروں کے سوال پر عارضی تصفیہ ہو گیا تھا لیکن سردار پٹیل اور ان کے حلقہ کے لوگ اب بھی برطانوی پریس کے خلاف دلوں میں بغض لئے بیٹھے ہیں۔ شنکر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا برطانوی اخبارات کانگریس کے احسان کا بدلہ اسی طرح چکانا چاہتے ہیں؟ ان اخباروں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ کانگریس کے لیڈروں نے درجۂ نوآبادیات قبول کر کے خطروں کو دعوت دی تھی۔ میں نے شنکر سے کہا "تاریخ سردار پٹیل کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انھوں نے انتقال اختیارات کے سلسلے میں اور خصوصاً تقسیم ملک، درجۂ نوآبادیات اور والیان ریاست کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے جس تدبر اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔" میں اپنے ذہن میں یہ اثر لیکر واپس آیا کہ سردار پٹیل درجۂ نوآبادیات کے فوری فوائد سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ یہ بات ماننی پڑے گی کہ پٹیل نے خارجی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ خارجی امور کے مرد میدان صرف نہرو ہی ہو سکتے ہیں۔

شنکر نے مجھ سے کہا تھا کہ امرت سر میں سردار کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ انھوں نے سکھ لیڈروں کے سامنے بے مثال تقریر کرتے ہوئے انھیں اعتدال پسند بننے کا مشورہ دیا تھا۔ ان کی تقریر کا ان لیڈروں پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اعتدال پسند بننے پر تیار ہو گئے۔

آج دفاعی کونسل کی جو مشترکہ میٹنگ ہو رہی ہے اس میں شرکت کے لئے لیاقت دہلی آ گئے ہیں پنچ پارٹی میں لیاقت اور نہرو کے علاوہ میں اور ورتن بھی موجود تھے ــــ لیکن فضا میں کھچاؤ باقی تھا۔ لیاقت اور نہرو کے درمیان انبالہ سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کے سوال پر بحث شروع ہو گئی۔ ہم نے اس موضوع کو بدلنے کی بارہا کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ان ساری ناخوشگوار باتوں کا پس منظر یہ تھا کہ حکومت پاکستان نے دریائے راوی پر بلوکی پل کو بند کر دیا تھا کونسل کی میٹنگ میں پٹیل نے لیاقت سے پل کھول دینے پر درخواست کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اخیر میں ماؤنٹ بیٹن نے اپنے طور پر درخواست کی اور اس طرح لیاقت اپنے سابقہ فیصلے کو بدلنے پر مجبور ہوئے۔

ماؤنٹ بیٹن چاہتے تھے کہ دونوں وزرا اعظم میں سے کوئی بھی جونا گڈھ کے مسئلے کو چھیڑے تو مزید گفتگو ہو لیکن انھیں مشکل پیش آ رہی تھی۔ لیاقت کے رویہ سے یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ پہل کرنا نہیں چاہتے۔ ان کا خیال تھا۔" میں اس مسئلے کو کیوں چھیڑوں ؟ ہم سے تو کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ ہندستان اس مسئلے سے پریشان ہے تو پھر وہ کیوں خاموش ہے ؟" نہرو اس لئے اس سوال کو اٹھانا نہیں چاہتے تھے کہ لوگ ان کے اس اقدام کو کمزوری پر محمول کریں گے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے آخر کار لیاقت سے اس سوال کو پیش کرا کر ہی دم لیا۔ منگرول اور بابریاواڑ پر کافی جھگڑے ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کا خیال ہے کہ دونوں ریاستوں پر ہندستان کا حق ہے اور حاکمیت کے خاتمے پر دونوں کو ہندستان کے ساتھ الحاق کر لینا چاہیئے۔ اس اثنا میں ایک تار موصول ہوا جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ جونا گڈھ کی فوجیں منگرول میں داخل ہو گئی ہیں لیکن نہرو اس وقت تک جوابی اقدام کرنے کے خلاف تھے جب تک دونوں کی آئینی پوزیشن واضح نہ ہو جائے۔ لیاقت اس سوال پر مصالحت پسند نظر آئے لیکن انھوں نے جونا گڈھ کے اس اقدام پر کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتا ہے کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال ہے کہ والی ریاست کو کسی کے ساتھ بھی الحاق کرنے کا اختیار کلی حاصل ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات ۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء

چند روز پہلے ڈیلی ٹیلیگراف میں یہ سنسنی خیز رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ اوکنلک نے کراچی کے حالیہ دورے میں کہا تھا "اگر پنجاب اور سکھ ریاستوں کے سکھوں کو غیر مسلح کر دیا جائے تو دونوں طرف رفیوجیوں کی آمد ورفت پرامن طریقے سے ہو سکتی ہے۔" پٹیل خصوصاً اس رپورٹ کو پڑھ کر چراغ پا ہو گئے اور انھوں نے فوراً اس کی پیچیدگیوں پر ماؤنٹ بیٹن سے مشورہ کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے میں اپنی پہلی فرصت میں اوکنلک سے مل کر رپورٹ کی صداقت پر بات کرونگا۔ پٹیل نے ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال سے اتفاق کیا۔

میں آج سہ پہر کو سپریم کمانڈر کی رہائش گاہ گیا۔ وہاں ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ اوکنلک نے رپورٹ کو بڑے غور سے پڑھا اور فوراً اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے اس رپورٹ کی تردید کی۔ انھوں نے کہا کہ جو کچھ میری ذات سے منسوب کیا گیا ہے وہ میں نے نہ تو جناح کے ساتھ اپنی طویل گفتگو میں کہا ہے اور نہ کسی اور سے۔ ڈیلی ٹیلیگراف کے نامہ نگار سے تو میری ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے حتیٰ کہ میں اس کو جانتا بھی نہیں۔ پریس کی سنسنی خیزی پر چند جملے کسنے کے بعد انھوں نے مجھے باغ میں کافی پینے کی دعوت دی اور کہا کہ میں اس کی تردید میں مسودہ تیار کروں۔ اس کام میں مجھے چند منٹ لگے۔

سپریم کمانڈر کی حیثیت سے اوکنلک کی پوزیشن روز بروز نازک ہوتی جاری ہے۔ حالانکہ انڈین آرمی کی تقسیم کے سلسلے میں انھوں نے جس تجربہ اور تدبر کا ثبوت دیا ہے اسکی مثال نہیں ملتی لیکن ان دنوں ایسی علامتیں نظر آرہی ہیں کہ ان سے کوئی خوش نہیں۔ ان کے کاموں میں رخنہ ڈالا جارہا ہے اور مختلف حلقوں سے ان پر تنقیدیں کی جا رہی ہیں جس طرح پنجاب کی حدبندی دستے کے کام کرنا ممکن بنایا گیا تھا اسی طرح آج ان کے ہر کام کے خلاف قدم اٹھایا جارہا ہے۔ پنجاب کے تشویشناک حالات کے پیش نظر اوکنلک اور ان کے عملہ نے قابل تحسین خدمات انجام دی ہیں۔ آج ان کو ایک ایسے فرض کی تکمیل کی صدارت کے لئے طلب کیا گیا ہے جو بیحد تکلیف دہ ہے — یعنی آج وہ افواج ہند کو فرقہ وارانہ

خطوط پر تقسیم کرنے کا فرض انجام دے رہے ہیں ـــــ وہ افواج جو برطانیہ کے زیر کمان اپنی اطاعت کے جوہر دکھا چکی ہیں اور جو ہمیشہ فرقہ پرستی کے تعصبات سے الگ تھلگ رہی ہیں۔

کراچی جمعہ ۳ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

کل گاندھی کی ۷۸ ویں سالگرہ تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کی ہدایات پر آج پہلی دفعہ سرکاری طور پر ان کو "مہاتما گاندھی" کے نام سے یاد کیا گیا۔ لنچ کے بعد لندن کے دورہ کا پہلا سفر شروع ہوا۔ کراچی تک ہمارے ساتھ سہروردی نے بھی سفر کیا ـــــ شروع سے آخیر تک ان کی زبان چلتی رہی۔ ایک لمحے کے بھی وہ خاموش نہیں بیٹھے۔ ہمارے ساتھ اسمے کی بڑی صاحبزادی سوسن بھی ہیں۔ وہ لندن میں رہ جائیں گی کیونکہ ان کے سارے اعزہ وہیں ہیں۔ مجھے ان سے جدا ہوتے ہوئے روحانی تکلیف ہو رہی ہے کیونکہ اب تک وہ میری سکریٹری کے فرائض انجام دیتی چلی آئی ہیں۔ اور انھوں نے ہر معاملے میں میری دستگیری کی ہے خصوصاً قصر وائسرائے اور پریس کے درمیان جذبہ خیرسگالی پیدا کرنے میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔

کراچی پہنچتے ہی اسمے شب باشی کے لئے جناح کے پاس چلے گئے اور ہمیں ہوائی مستقر ہی میں رک جانا پڑا۔ کراچی میں رہائش کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔ سفارتی نمائندے پیلس ہوٹل کو اپنی اقامت گاہ بنا چکے ہیں۔ آج شام کو اسی خوبصورت ہوٹل میں شاندار ڈنر کھایا۔ اس سے پہلے ایشیا کے کسی ملک میں بھی آج تک اتنا شاندار ڈنر میں نے نہیں کھایا تھا۔

کراچی ہوائی مستقر۔ ہبّانیا
ہفتہ ۴ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

سر آرچی بالڈ کارٹر بھی شریک سفر ہو گئے ہیں۔ صبح کے ناشتہ کے بعد ہم ہبّانیا روانہ ہو گئے۔ ایک بار پھر ہمارا طیارہ ایران سے گذر رہا ہے۔ شدت کی گرمی ہے اور نیچے جیسے لاوے پگھلتے نظر آرہے ہیں۔ جناح کو ایک بار پھر میں غیظ و غضب کے عالم میں پایا ـــ اب ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے۔ کہ ہندستانی لیڈروں کا اصل مقصد پاکستان کو ابتدا ہی میں تباہ و برباد کر دینا ہے، کہ گاندھی نے تقسیم کو کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ دھرم کا لبادہ اوڑھ کر وہ

برابر ہندو مت کا زہر پھیلاتے رہے، اور نہرو بظاہر معتدل ہونے کے باوجود درحقیقت اپنے گھر کے اندر مالک و مختار نہیں ہیں۔ وہ پٹیل کو اصل ڈکٹیٹر سمجھتے ہیں جو ہندو مہا سبھا سے گٹھ جوڑ کر کے کانگریس کی بنیادیں ہلا دیں گے۔ جناح ان دنوں گوشۂ تنہائی میں زندگی گذار رہے ہیں۔ وہ اپنے دوست احباب اور پیروکاروں سے الگ تھلگ ہیں اور باہر کی دنیا سے بھی۔

لندن بدھ ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پیر کو ہم لندن پہنچے اور جب سے اب تک گوناگوں مصروفیات میں گھرا ہوا ہوں۔ پچھلی بار جولائی میں جب میں لندن آیا تھا تو اس وقت مصروفیتیں آج جیسی نہیں تھیں۔ مجھ کو اس بات کا اندازہ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ انتقال اختیارات کے بعد سے یہاں دونوں مملکتوں کے مسائل پر گہری تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ابھی ابھی ورلڈ پریس نیوز نے میرا انٹرویو لیا ہے جس میں میں نے بتایا کہ ہم نے کس طرح حالات کا مقابلہ کیا۔ میں نے زیادہ سے زیادہ خبروں کو شریک اشاعت کرنے کی تجاویز بھی پیش کیں اور ان مسائل کی طرف بھی اشارہ کیا جو نامہ نگاروں کو پیش آتے ہیں۔ فرانسس ولیم کے لئے ہندستان کے حالات پر میں نے پریس رپورٹ بھی تیار کی ہے۔ اس رپورٹ میں میں نے ان تمام مشکلات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے ہم دوچار ہیں۔ ان دنوں ہندستان اور برطانیہ کے تعلقات نازک دور سے گذر رہے ہیں لہٰذا ان سارے تعصبات اور تنگ نظریوں کو ختم کرنا ہے جو تعلقات کو کشیدہ بنانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ خوشگوار فضا اور دوستانہ تعلقات کا انحصار بہت حد تک دونوں ملکوں کے پریس پر ہے۔

میں نے رپورٹ میں تحریر کیا ہے ـــــ

۔ حکومت ہند کو اس بات کی سب سے بڑی شکایت ہے کہ نوے فیصد غیر ملکی نامہ نگاروں نے دنیا کو غیر متوازن قسم کی رپورٹیں بہم پہنچائی ہیں اور ان رپورٹوں کی بنیاد یا تو دہلی یا پھر مشرقی پنجاب کے فسادات پر رکھی گئی ہے۔ دوسری طرف ان نامہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کی موجودگی حکومت ہند کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور ان کے مسائل پر غور نہیں کیا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ۱۵ اگست سے حکومت نے کوئی رابطہ نہیں رکھا اور احتجاج کرنے کے باوجود حکومت

کو پریس کی آزادی پر ایمان نہیں ہے۔

لندن ہفتہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

آج میں نے ماؤنٹ بیٹن کو اپنی رپورٹ بھیجدی۔ میں نے رپورٹ میں سب سے پہلے ماؤنٹ بیٹن کو ان کے پہلے نواسے کی ولادت باسعادت پر مبارکبادی کا پیغام دیا اور امید ظاہر کی کہ نومولود کی نشوونما خالص ماؤنٹ بیٹن کی امتیازی شان کے ساتھ ہو۔ میں نے رپورٹ میں لکھا کہ:۔

- کلیمنٹ ڈیوس کے ساتھ میں نے لنچ کھایا۔ انھوں نے ۱۵ر اگست کے سیاسی تصفیہ کو معجزہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس تصفیہ سے ساری دنیا میں ہمارا وقار بلند ہوگیا ہے لیکن پنجاب کے فسادات ہمارے ابتدائی کاموں میں رخنہ ثابت ہوئے۔ انھوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ ہندستان میں ہماری سامراجیت' کے خلاف روس اور امریکہ نے جو پروپگنڈا شروع کر رکھا تھا اب انہیں مایوسی ہوگی اور وہ آئندہ کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہندستان کے بارے میں چرچل کا نقطۂ نظر ہمیشہ قابل ملامت رہا ہے۔ ہم اگر ہندستان پر مزید کچھ مدت تک حکمرانی کرتے تو ہمارا یہ اقدام برطانوی اور پوری دنیا کی آراء کے خلاف ہوتا۔ علاوہ بریں ہمارا یہ قدم خود ہمارے لئے باعث پریشانی ہوتا کیونکہ برطانیہ کے خلاف رائے عامہ شدید ہو چکی تھی اور فرقہ پرستی کا اژدہا خود ہمیں نگل لیتا۔

- فرینک اووِن نے اس نقطۂ خیال سے اتفاق کیا۔ انھوں نے کہا کہ چرچل کا رویہ قطعی حقیقت پسندانہ نہیں ہے کیونکہ اگر ہم ہندستان میں مزید مدت تک کے لئے زبردستی رہ جاتے تو ہمیں روسیوں کی طرح سارے قوم پرست لیڈروں کو گولی کا نشانہ بنانا پڑتا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ فسادات پر اداریے لکھ کر میں سیاسی اہمیت حاصل کرنے کے ہمیشہ خلاف رہا ہوں بلکہ میں تو دست بدعا ہوں کہ دونوں نئی حکومتیں ترقی کرتی جائیں۔

- اپنے قیام کے ایک ہفتہ کے بعد میرے تاثرات بالکل واضح ہیں یعنی ہنگامی کمیٹی کی روداد کو مشتہر نہ کرکے ہم نے دانشمندانہ قدم اٹھایا ہے۔ چرچل کے نقطۂ نظر سے کسی کو اتفاق نہیں ہے لیکن یہاں پر ہر ذمہ دار فرد دونوں حکومتوں کی ذمہ داریوں اور غیر ذمہ داریوں

کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس ضمن میں جوناگڑھ اور حیدر آباد کی یہاں کیا اہمیت ہے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

لندن۔ ہفتہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پندرہ دنوں کے مختصر قیام میں تقریباً پچاس شخصیتوں سے میں نے ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کے علاوہ دو پریس کانفرنسوں میں حصہ لیا۔ ایک انڈیا ہاؤس میں ہندوستانی نامہ نگاروں کے ساتھ جو یہاں مقیم ہیں اور دوسری دارالعوام کے لابی نامہ نگاروں کے ساتھ جس کی صدارت فرانسس ویلیم نے کی تھی۔ سر اسٹافورڈ کرپس سے بھی میں نے بات چیت کی اور نوئل بیکر اور پیٹرک گورڈن والکر سے بھی ملا۔

حال ہی میں کابینہ کی تبدیلی سے حکومت میں کرپس کا وقار اونچا ہو گیا ہے اور ان کو کافی اختیارات بھی مل گئے ہیں۔ یعنی ان کو ملک کی اقتصادیات کا منتظم بنا دیا گیا ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی کرپس سے ملے اور ان کے اخلاق اور شیریں بیانی سے متاثر نہ ہو۔ اگر وہ ناصح بنتے ہیں تو یہ ان کا قصور نہیں ہے۔ وہ ایسے مرتبہ پر فائز ہیں کہ وہ ایسا بننے پر مجبور ہیں۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۶ء میں ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ گفت و شنید کرنے میں ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اگر وہ ذرا بھی فہم و ادراک سے کام لیتے تو کامیابی یقیناً ان کے قدم چومتی۔

نوئل بیکر اور پیٹرک گورڈن والکر جو علی الترتیب روابط دولت مشترکہ کے سکریٹری اور انڈر سکریٹری ہیں اس نئے محکمہ کو جدید خیالات سے ہم آہنگ کرنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں۔ یہ نیا محکمہ دراصل قدیم انڈیا آفس اور نوآبادیاتی آفس کا امتزاج ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے دونوں نے ازسرنو کام شروع کیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھیں اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ نوئل بیکر کو بین الاقوامی تعلقات کا گہرا علم ہے اور گورڈن والکر کو تاریخ پر قدرت حاصل ہے۔

لندن، بدھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء

ہم ہفتہ کو دہلی روانہ ہو رہے ہیں لیکن روانگی سے قبل ہی میں نے اپنی حسب ذیل

آخری رپورٹ ماؤنٹ بیٹن کو بھیج دی۔

ایک طرف تو فلیٹ اسٹریٹ کانگریس کی نئی تبدیلی سے مطمئن نہیں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ پاکستان انڈیا کے مقابلے میں برطانیہ سے زیادہ قریب ہے اور دوسری طرف اس کو جناح کے مقاصد اور ان کی نیتوں پر شبہ ہے۔ نہرو کا وقار بڑھ رہا ہے خصوصاً سرکاری حلقوں میں ان کے بارے میں اچھے خیالات پائے جاتے ہیں لیکن پٹیل کو اب بھی یہاں کوئی نہیں جانتا۔

"کرپس، نوئل بیکر اور گورڈن والکر سے ملاقاتوں کے دوران میں مجھ سے ہائی کمیشن کی تنظیم کے بارے میں سوال کیا گیا۔ میں نے ذاتی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب تک آپ ہندستان کے گورنر جنرل ہیں اس وقت تک تو اس کی اہمیت زیادہ نظر نہیں آتی لیکن آپ کے چلے جانے کے بعد اس کی اہمیت راتوں رات بڑھ جائے گی۔ میں نے ہائی کمیشن کا مقصد اولیٰ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح آپ نے اپنے طور پر ہندستان سے خوشگوار تعلقات قائم کر رکھے ہیں اسی طرح اس کے ذریعہ خوشگوار تعلقات قائم کئے جانے چاہئیں۔ کرپس نے کہا کہ اگر اس سلسلے میں کل کوئی قدم اٹھانا ہے تو کیوں نہ آج ہی اٹھایا جائے۔ انھوں نے یہ بھی امید ظاہر کی کہ جب آپ شاہی رسم شادی میں شرکت کی غرض سے لندن تشریف لائیں گے تو اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار بھی کریں گے۔

"انھوں نے ہندستان میں بائیں بازو کی مقبولیت پر بھی سوال کیا۔ میں نے بتایا کہ اس جماعت کو فرقہ پرستی کے خلاف براہ راست تحریک چلانے پر عارضی طور پر منھ کی کھانی پڑی ہے کیونکہ جناح کی فتح و کامرانی سے ہندو مہاسبھا جیسی فرقہ پرست جماعت کو سر اٹھانے کا خوب موقعہ ہاتھ آگیا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ اگر سرکاری مبصرین نئی مملکتوں کے بارے میں خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کرنا چاہیں تو انہیں کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ میں نے جواب دیا کہ دولت عظمیٰ برطانیہ کی طرف سے دونوں مملکتوں کے بارے میں جس خیال کا بھی اظہار ہو اس میں توازن ضرور ہونا چاہئے۔

"مجھ سے کئی بار درجہ نوآبادیات کی کامیابی کے امکانات پر سوال کیا گیا۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ مسئلہ اب تک کشمکش و پیچ میں پڑا ہوا ہے۔ پٹیل کی اہمیت پر بھی سوال کیا گیا تو میں نے جواب دیا کہ انھوں نے تقسیم ملک، درجۂ نوآبادیات اور ریاستوں

کے الحاق پر جو اہم فیصلے کئے ہیں ان سے ان کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ انھیں کانگریس اور اس مستقبل سے پیار ہے لیکن اب چونکہ آزادی کے بعد سے کانگریس کا مطمح نظر برطانیہ کی طرف سے بدل گیا ہے اس لئے اس بات کے آثار پائے جاتے ہیں کہ وہ کسی وقت بھی اس سے اپنا قدیم ناطہ توڑ دیں گے کیونکہ ان پر مہاسبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے اثرات غالب ہیں۔ کرپس کا خیال ہے کہ نہرو اور پٹیل کے تعلقات حسب معمول کشیدہ ہیں۔

" نوئل بیکر اس اطلاع کا بےچینی سے انتظار کر رہے ہیں کہ آپ ہندستان میں مزید قیام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے جبکہ موسم بہار میں ہندستان کو خدا حافظ کہدینے کا اعلان کردیا ہے اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ اب اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نکل بھی سکتی ہے البتہ حکومت ہند نے اب تک فیصلہ نہیں کیا ہے وہ اس مسئلے کو جب تک ممکن ہو سکے التوا میں رکھنا چاہتی ہے۔

لندن جمعرات ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

اسمے چاہتے ہیں کہ میں مانچسٹر گارجین کے ایڈیٹر مقیم لندن جون بیون سے ملوں اور پندرہ دن پہلے اخبار مذکور میں "یاد ماضی" کے عنوان سے جو اداریہ شائع ہوا ہے اس پر بات کروں اس اداریہ میں ماؤنٹ بیٹن کی پالیسی پر اس بیدردی سے تنقید کی گئی ہے کہ آج تک اس جیسے اخبار میں ایسا اداریہ میں نے نہیں پڑھا۔ اداریہ میں کہا گیا ہے کہ انتقال اختیارات میں جلد بازی سے کام لیا گیا ہے تاکہ ذمہ داریوں سے جلد از جلد چھٹکارا مل جائے۔ تہمت لگائی گئی ہے کہ ۳ر جون کو اعلانِ تقسیم کے ساتھ ساتھ ہندستان اور پاکستان کے درمیان مشترکہ طریق کار کے لئے کوئی موثر قدم کیوں نہیں اٹھایا گیا۔ برطانوی فوج کی مدد سے پنجاب حدبندی دستہ کو مضبوط بنانے کی پیش کش کیوں نہیں گئی؟ دراصل یہ سب کچھ ایک جوا تھا جو کھیلا گیا اور اتنی جلدی اس لئے کھیلا گیا تاکہ برطانیہ کے خلاف غم وغصہ کی جو شدید لہر آئی ہوئی ہے وہ آن کی آن میں ختم ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ اس جوا میں بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔"

اسمے نے ساری نکتہ چینیوں کا دندان شکن جواب دیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر انتقال اختیارات کی منصوبہ بندی رفتہ رفتہ بھی کی جاتی تو پنجاب کے حالات سے مفر نہ تھا۔ جب قتل و غارت گری اور بربریت و وحشت کا بازار گرم ہوتا ہے تو مہذب سے مہذب انسان

کے ذہن میں بھی غلط تصورات جڑ پکڑ لیتے ہیں۔ انھوں نے چرچل کے تصور عصبیت" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ عصبیت ان کے بقول باعث جنگ نہیں ہے بلکہ اس سے زمانۂ جنگ میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ دراصل یہ عصبیت کمزوروں پر ستم گروں کے ظلم وستم کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ" مارچ ۱۹۴۶ء میں ہندستان الیسا بحری بیڑہ تھا جو بیچ سمندر میں آتشزدگی کی نذر ہوگیا اور اسلحہ کام نہ آئے۔ قبل اس کے کہ آگ کی لپٹیں اسلحہ کو پھونک دیتیں ہمارا فرض اولین آگ پر قابو پانا تھا۔ چنانچہ ہندستان اور پاکستان کو خود مختاریت دیتے وقت ہم نے جو کچھ کیا وہی مناسب تھا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔"

کراچی۔ نئی دہلی

پیر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن کے خصوصی طیارہ میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی تھی اس لئے ہم ہفتہ کو لنکاسٹر کے ذریعہ نورتھ ہالٹ سے روانہ ہوئے اور کل شام کو ہابانیا پہنچ گئے۔ آج صبح سویرے ہمارا سفر پھر شروع ہوا۔ ایران سے بلوچستان اور پھر کراچی پہنچتے پہنچتے گیارہ گھنٹے صرف ہوگئے۔ بڑا ہی تھکا دینے والا سفر تھا یہ۔ ماؤنٹ بیٹن کے خصوصی طیارہ یارک میں ہمیں جو آرام ملا تھا اس میں مطلق نہ ملا۔ جناح کے پرائیوٹ سکریٹری بل برنی ہم سے ملنے ہوائی مستقر آئے۔ ہم یہاں تھوڑی دیر تک مشروبات سے لطف اندوز ہوتے رہے اس کے بعد دہلی کا سفر شروع ہوا۔

برنی کے بقول جناح کا خیال ہے کہ ۱۵ر اگست سے حالات میں نمایاں تغیر واقع ہوا ہے۔ وہ اپنے ملٹری سکریٹری اور اے۔ ڈی۔ سی کو کم سے کم آرام و اطمینان کی سانس لینے دیتے ہیں۔ برنی نے یہ بھی کہا کہ پچھلے دنوں جناح پر حملہ کرنے کی ناکام کوشش بھی کی گئی۔ دو آدمیوں نے منھ پر نقاب ڈالے اور ٹوپیاں پہنے جن پر چاند تارا کا نشان تھا گورنمنٹ ہاؤس کے اندر گھسنے کی کوشش کی تھی۔ سنتریوں نے انھیں روکا تو دونوں ریوالور نکال کر

خشم آگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے —— "اپنا راستہ لو"۔ اس کے بعد دونوں نے ایک سنتری کو زخمی کر دیا لیکن اس نے سیٹی بجا ہی دی۔

باب ۱۹

کشمیر کی پیچیدہ صورتِ حال

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
منگل ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء

دہلی میں جو ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا کراچی میں ہمیں اس کا ادنیٰ سا بھی اشارہ نہ ملا۔ رات کے ایک بجے ہم پالم ہوائی مستقر میں تھے۔ پریشان اور خستہ حال ورنن نے کشادہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور ساتھ ہی یہ خبر وحشت اثر بھی سنائی کہ پیر کی صبح سے ہندوستانی فوج کشمیر میں بذریعہ طیارہ اتاری جا رہی ہے۔ میں اتنا تھک گیا تھا کہ صبح کے پونے تین بجے بستر پر دراز ہو گیا لیکن ٹھیک سے آنکھ بھی نہ لگی تھی کہ پیٹیے ریس داخل ہوئے اور مجھے ماؤنٹ بیٹن کا یہ پیغام دیا کہ میں ان سے فوراً ملوں کیونکہ وہ مجھے کشمیر کی صورت حال سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ حالات اس حد تک تشویشناک صورت اختیار کر چکے ہیں کہ قبائلیوں کے حملے کو روکنے کے لئے تین سو تین آدمیوں پر مشتمل سکھوں کا پہلا دستہ کشمیر روانہ کیا گیا ہے۔ اور یہ دستہ سری نگر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں جلد از جلد پریس سے رابطہ پیدا کروں لیکن پھر انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ میں خاص خاص باتوں سے کماحقہ آگاہ نہیں ہوں اس لئے پہلے ان کا گہرا مطالعہ شروع کر دوں۔ مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ ستمبر کے اوائل میں پاکستان

اور کشمیر کے تعلقات کچھ خراب ہو گئے تھے۔ اور کشمیر نے یہ الزام عائد کیا تھا کہ پاکستان نہ صرف کشمیر کی سرحد پر اکا دکا حملہ کر رہا ہے بلکہ اس نے اس کی اہم اشیا کی سپلائی بھی روک دی ہے۔ پاکستان نے بھی اس الزام کے جواب میں اپنی شکایتیں پیش کیں۔

انتقال اختیارات اور الحاق کے مقررہ وقت سے تین روز قبل حکومت کشمیر نے ہندستان اور پاکستان کے ساتھ معاہدہ قائم کیا تھا چنانچہ اس معاہدہ کے بعد حکومت ہند کشمیر کو الحاق کرنے کے سوال پر مجبور کرنے سے پرہیز کرتی رہی۔ اس کے علاوہ وزارت ریاست نے بھی پٹیل کی ہدایت پر کوئی قدم نہیں اٹھایا جس کا نتیجہ غالباً یہ نکالا گیا کہ اگر کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرتا ہے تو حکومت ہند اس کے خلاف احتجاج نہیں کریگی۔ یہ ساری باتیں تو اپنی جگہ پر ہیں لیکن موجودہ سنگین فضا کی تمام تر ذمہ داری مہاراجہ کی تذبذب اور پس وپیش والی پالیسی پر عائد ہوتی ہے اگر وہ بروقت کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتے تو اس بحران سے نجات مل سکتی تھی۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ تاخیر و تعویق اور لیت ولعل والی پالیسی مہلک اور مضرت رساں ثابت ہوتی ہے لیکن کتنا مضحکہ خیز خیال ہے کہ مہاراجہ اپنی اسی پالیسی کو نظام کی طرح مدبرانہ اور دانشمندانہ سمجھتے آئے ہیں۔

آج عسکری اور سیاسی لحاظ سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ بیحد سنگین ہیں اور ماؤنٹ بیٹن اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس موقعہ پر ان کا مشورہ ہی سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے بھی پنجاب اور جوناگڈھ کے معاملے میں انھوں نے اپنی حکومت کو خطرناک گڑھوں سے نکالنے میں دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس وقت ہنگامی حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ جلد از جلد کوئی فیصلہ کرلینا ہے ــــ ماؤنٹ بیٹن ایک بار پھر آزمائش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے مجھے بتایا کہ گذشتہ جمعہ (۲۴ اکتوبر) کو سیام کے وزیر خارجہ کے اعزاز میں بوفے دیا جا رہا تھا۔ اس موقعہ پر نہرو نے کشمیر کی سنگین صورت حال پر تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ قبائلیوں کو فوجی گاڑیوں میں بٹھا کر راولپنڈی روڈ لایا جا رہا ہے۔ ریاست کی فوج کا کہیں نام ونشان نہیں ہے اور ہر لمحہ حالات ابتر ہوتے

جا رہے ہیں۔ دوسرے دن یعنی ۲۵ کو ماؤنٹ بیٹن نے دفاعی کمیٹی میں شرکت کی۔ اسی میٹنگ میں جنرل لوک ہارٹ نے ایک ٹیلیگرام پڑھ کر سنایا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ پاکستان فوج کے ہیڈ کوارٹر سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ تقریباً پانچ ہزار قبائلی مظفرآباد اور ڈومل پر قابض ہو گئے ہیں۔ نیز قبائلیوں کی بھاری تعداد پیش قدمی کر رہی ہے۔ اطلاعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قبائلی سری نگر سے صرف پینتیس میل پیچھے رہ گئے ہیں۔

حکومت کشمیر نے پہلے ہی حکومتِ ہند سے امداد طلب کی تھی لہٰذا دفاعی کمیٹی نے فوراً اسلحہ اور گولہ بارود بھیجنے کا فیصلہ کیا، تاکہ سری نگر کی مقامی آبادی ان اسلحہ سے اپنی مدافعت کرنے کے قابل بن سکے۔ اس کے بعد فوجی کمک بھیجنے کے سوال پر غور کیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب تک کشمیر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی پیش کش نہیں کرتا ہے اُس وقت تک وہاں فوج نہ بھیجی جائے کیونکہ یہ اقدام خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ الحاق محض عارضی ہوگا۔ کیونکہ حالات اعتدال پر آنے کے بعد استصواب کرانا ضروری ہے۔ ۲۵ تاریخ کو اس پر کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکا، البتہ یہ طے پایا کہ وی پی مینن فوراً سری نگر پہنچ کر صحیح حالات معلوم کریں۔

دوسرے دن وی پی مینن جو اطلاع اپنے ساتھ لے کر آئے وہ بے حد پریشان کُن تھی۔ انھوں نے بتایا کہ بحران کی وجہ سے مہاراجہ پر غشی کا عالم طاری ہے اور وہ خود کو بے دست وپا اور مجبور محسوس کر رہے ہیں۔ لیکن اُن کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ اگر ہندوستان نے مدد نہ کی تو ریاست ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس کے بعد مینن ہی کے مشورہ پر مہاراجہ اپنی بیوی اور لڑکے کے ساتھ سری نگر سے رخصت ہو گئے۔ کیونکہ مینن نے اُن سے کہا تھا کہ ایسے عالم میں جب کہ قبائلی بارہ مولا تک آگئے ہیں۔ دارالحکومت میں ان کا قیام خطرے سے خالی نہیں ہے۔ مہاراجہ نے الحاق نامہ پر دستخط بھی کر دیئے۔ اور مینن نے اس الحاق نامہ کو دفاعی کمیٹی کی میٹنگ میں پیش کیا۔

ریاست کی عسکری طاقت کے بارے میں وی پی مینن نے کہا کہ گھوڑ سواروں کا چھوٹا سا دستہ سری نگر پہنچا ہے جو قبائلیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس حوصلہ فرسا صورتِ حال کی روشنی میں کابینہ نے مہاراجہ کے الحاق نامہ کو منظور کر لینا طے کر لیا۔ ساتھ ہی اس کا

بھی فیصلہ کیا گیا کہ دوسرے دن صبح سویرے پیادہ فوج کا ایک دستہ بذریعہ طیارہ روانہ کیا جائے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے اقدام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ۔"جب میں جون میں کشمیر گیا تھا اُس وقت اور اُس کے بعد بھی مہاراجہ پر یہ بات اچھی طرح روشن کردی تھی کہ کسی مملکت کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرنے سے پہلے استصواب، الیکشن یا جلسۂ عام یا جس طرح بھی ممکن ہو عوام کی رائے ضرور معلوم کرلی جائے، یعنی یہ کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ۔ لیکن مہاراجہ نے میرے مشورہ پر عمل نہیں کیا۔ اور اب جب کہ گذشتہ ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر حالات خراب سے خراب تر ہوگئے تو انھوں نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی رضا مندی دیدی۔ لیکن یہ الحاق محض عارضی ہے ۔ عوام کی رائے بہرحال لینی ہے۔" اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے کشمیر میں ہندوستانی فوج بھیجنے کے سوال پر اپنا خیال پیش کرتے ہوئے کہا ۔" میں سمجھتا ہوں کہ کسی غیر جانب دار ریاست میں فوجیں اُتارنا انتہائی احمقانہ قدم ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور اگر ہم نے ایسا کیا تو پاکستان بھی ایسا اقدام کرنے میں حق بجانب ہوگا جس کا نتیجہ خوں ریزی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ فوجیں اُتارنے سے پہلے حکومت کشمیر نہ صرف ہم سے الحاق کی درخواست کرے بلکہ اس میں یہ وضاحت بھی ہو کہ جوں ہی حالات اعتدال پر آجائیں گے فوراً عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔" ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال سے سب نے اتفاق کیا۔

الحاق کے فوراً بعد مہاراجہ نے شیخ محمد عبداللہ کو قید سے رہائی کا حکم دے دیا۔ شیخ عبداللہ ریاست کی سب سے بڑی اور مضبوط سیاسی پارٹی نیشنل کانفرنس کے لیڈر ہیں۔ الحاق کی قانونی حیثیت پر شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ جوناگڑھ کے سوال پر جناح نے یہی موقف اختیار کیا تھا۔

ہر کام بڑی تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو نے مجھے طلب کیا۔ اُس وقت اس بات پر غور و خوض کیا جانے والا تھا کہ حکومت نے اب تک انتظامی امور میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے۔ آج نہرو کے اُترے اور تھکے ہوئے چہرے کو دیکھکر مجھے

سخت تشویش ہوئی۔ وہ بیمار نظر آرہے تھے۔

اسٹیٹسمین کا اداریہ پڑھ کر ماؤنٹ بیٹن پریشان ہوگئے۔ اداریہ میں کشمیر میں ہندوستانی فوج کشی کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ میں اخبار کے ایڈیٹر اسٹیفنس کے ساتھ ان کی ملاقات کا انتظام کروں۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہی اسٹیفنس تشریف لے آئے اور ماؤنٹ بیٹن نے اُن سے کہا۔ "جعل سازی اور جھانسے کی بنیاد پر قوم کی تعمیر نہیں ہوتی۔ جناح ایبٹ آباد میں بیٹھ کر کشمیر کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں لیکن ان کو مایوسی ہوگی۔ پہلے انھوں نے جوناگڑھ کو للکارا پھر حیدرآباد وفد پر دباؤ ڈالا۔ لیکن کشمیر پر ہندوستان کی فوج کشی قطعی مختلف حیثیت رکھتی ہے۔ شروع ہی سے الحاق کے سلسلے میں اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ اگر ہندوستانی فوج سری نگر نہیں بھیجی جاتی تو قبائلی قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیتے اور سری نگر کے سینکڑوں برطانوی باشندوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ مہاراجہ نے الحاق کرکے جو قدم اٹھایا ہے وہ قطعی آئینی ہے۔"

گفتگو ختم کرتے ہوئے اُنھوں نے اسٹیفنس سے کہا کہ اوکنلک کی مداخلت کی وجہ سے جناح کشمیر کے بحران پر ماؤنٹ بیٹن اور نہرو سے بات کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ چنانچہ دونوں کل لاہور روانہ ہو جائیں گے۔ یہ قدم یقیناً حوصلہ مندانہ اور خوش آئند ہے۔

آج دفاعی کمیٹی کی کارروائی کے دوران میں اوکنلک نے لاہور سے ماؤنٹ بیٹن کو فون کیا اور بتایا کہ میں نے جناح کو رضامند کر لیا ہے کہ گذشتہ شب اُنھوں نے کشمیر میں پاکستانی فوج روانہ کرنے کا جو حکم صادر کیا تھا اُسے وہ منسوخ کر دیں۔ حکومت مغربی پاکستان کے ملٹری سکریٹری کی معرفت یہ حکم نامہ ایکٹنگ پاکستان کمانڈر انچیف جنرل گریسی کے پاس پہنچ گیا تھا لیکن جنرل گریسی نے جواب دیا کہ سپریم کمانڈر کی منظوری کے بغیر وہ خود کوئی ہدایت نامہ جاری نہیں کر سکتے۔ چنانچہ گریسی کی درخواست پر اوکنلک بذریعہ طیارہ لاہور روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے جناح پر واضح کیا کہ اب جب کہ کشمیر ہندوستان سے الحاق کر چکا ہے اس لیے حکومت ہند کو مہاراجہ کی درخواست پر کشمیر میں فوج کشی کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

ادکنلک کی موجودگی ہی میں جناح نے حکم نامہ منسوخ کر کے ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کو لاہور آنے کی دعوت دیدی۔ لیکن ورنن نے مجھے آکر بتایا کہ سارا منصوبہ خاک میں مل گیا کیونکہ نہرو اپنی علالت کی وجہ سے لاہور نہیں جا سکے۔

فلم کی نمائش کے بعد ماؤنٹ بیٹن سے میں، رونی اور ورنن ملے اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرے کئے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ہمیں بتایا کہ آج کی دفاعی کمیٹی کی میٹنگ میں دورہ لاہور پر ہم نے خاصا زور دیا تھا۔ لیکن دوپہر کی کابینہ میٹنگ میں نہرو کی حالت غیر ہوگئی۔ چاروں طرف سے اُن پر حملے کئے گئے اور اُنھیں لاہور کا دورہ منسوخ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ اپنی قیام گاہ پہنچے اُن کے چہرے کا رنگ زرد ہو چکا تھا اور آتے ہی وہ بستر پر دراز ہو گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ ان کی علالت سیاسی نوعیت کی نہیں ہے۔ وہ واقعی علیل ہیں۔ چنانچہ انھوں نے میرے کہنے پر جناح کو اپنی علالت کی اطلاع بھجوائی اور درخواست کی کہ فی الحال ملاقات ملتوی کردی جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کل سویرے میں جناح کو خود ٹیلیفون سے نہرو کی علالت کا حال بتاؤں گا اور اُن سے دہلی آنے کی درخواست کروں گا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

نہرو سے ملنے ماؤنٹ بیٹن صبح سویرے اُن کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ پٹیل بھی موجود تھے۔ تینوں نے لاہور جانے کے سلسلے میں اپنا اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے تنہا جانے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "میرے ذہن میں اپنی عظمت یا اپنے وقار کا کوئی خیال نہیں۔ میں تنہا جاتے ہوئے ہتک محسوس نہیں کرتا۔ دونوں ملکوں کو تباہی سے بچانے کے لئے اپنی عظمت تک کو قربان کر سکتا ہوں۔" پٹیل نے اس دورے ہی کی سرے سے مخالفت کی۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ لیاقت علالت کی وجہ سے یہاں نہیں آسکتے۔ اس کے علاوہ مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ بہرحال اس ہفتہ ہونی ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے اگر میں اور نہرو لاہور جاتے ہیں تو اس طرح ہمارے جذبہ

دوستی و خیر سگالی کا مظاہرہ بھی ہو جاتا ہے۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن گورنمنٹ ہاؤس واپس آگئے اور یہاں سے انھوں نے جناح کو فون کے ذریعہ اپنی آمد کی اطلاع دی۔ جناح بہت خوش ہوئے۔ اس کے پانچ منٹ کے بعد ہی ڈون کیمبل نے مجھ سے بذریعہ فون اس بات کی تصدیق کی کہ کیا ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے ٹیلیفون پر کچھ دیر پہلے بات کی تھی۔

ماؤنٹ بیٹن آج نوے منٹ تک گاندھی سے ہم کلام رہے۔ کل کی پرارتھنا میٹنگ میں مہاتما نے کشمیر کے موضوع پر چرچل کی خطابت اختیار کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا — نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انسان صرف کرنے یا مرنے پر تیار ہے۔ اگر ہندوستانی فوج کا چھوٹا سا دستہ روئے زمین سے نیست و نابود بھی ہو جائے تو میں آنسو کا ایک قطرہ تک نہیں بہاؤں گا — میں اس المیہ پر بھی ماتم نہیں کروں گا اگر شیخ عبداللہ اور اس کے مسلمان، ہندو اور سکھ احباب بھی کشمیر کی مدافعت کرتے کرتے موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں۔ ہندوستان کے بقیہ علاقوں کے لئے اس سے شاندار روایت کی نیو پڑے گی۔ اس شجاعانہ اور دلیرانہ مدافعت کا اثر پورے برصغیر پر پڑے گا اور تب ہر شخص کو یقین آئے گا کہ ہندو، مسلمان اور سکھ کبھی ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔"

موصولہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ فوج کی حالت تشویش ناک ہے۔ پیر کو دستہ کا جو کمانڈنگ افیسر بذریعہ طیارہ سری نگر پہنچا تھا اُسے ہلاک کر دیا گیا ہے اور سری نگر کے مغرب میں ساڑھے چار میل اُدھر گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کشمیر کے اس بحران کا اثر حیدر آباد پر بھی پڑا ہے۔ ہندوستان کی طرف سے کشمیر کے الحاق کی منظوری کو ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرے تھے کہ نظام کے اس وفد کو بڑے ہی ڈرامائی انداز سے روک لیا گیا جو ہندوستان کے ساتھ "معاہدۂ قائمہ" پر دستخط کرنے دہلی روانہ ہو رہا تھا۔ اب تک ہمیں حالات کا اچھی طرح علم نہیں ہے۔ ہم بے چینی سے اہم اطلاع کا انتظار کر رہے ہیں لیکن یہ واضح ہو گیا ہے کہ نظام اتحاد المسلمین کے انتہا پسندوں کے زیر اثر ہیں۔

لندن سے میں جس نزلے کا مریض بن کر آیا تھا۔ اب اس کا خطرناک ردِ عمل نظر آرہا ہے۔ دن بھر میں بستر پر لیٹا رہا۔ اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہندوستانی

امور سے میری دلچسپی آہستہ آہستہ روبہ انحطاط ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔نئی دہلی

جمعرات۔۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

میرا دوسرا دن بھی بستر علالت پر گذرا۔ پیٹ رلیس ڈنز کے بعد مجھ سے ملنے آئے اور تازہ اطلاعوں سے مجھے باخبر کیا۔ انھوں نے کہا۔"کشمیر کی صورت حال ابتر ہو چکی ہے۔ لیکن قبائلی، سابق انڈین نیشنل آرمی کی قیادت سے ذرا چوکنے نظر آتے ہیں ورنہ وہ اب تک سری نگر پر قابض ہو گئے ہوتے۔

دفاعی کمیٹی کی میٹنگ میں آخرکار یہ طے پا گیا کہ مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ میں شرکت کے لئے نہرو لاہور تشریف لے جائیں گے۔ لیکن چونکہ نہرو کے معالج کا خیال ہے کہ وہ لاہور کا سفر کرنے کے قابل نہیں اس لئے بعد میں ماؤنٹ بیٹن ہی پر ذمہ داری رکھی گئی۔ اس اثنا میں جناح نے کشمیر کے الحاق پر ایک بیان دیا جو نہرو کے لئے بے حد پریشان کن ثابت ہوا۔ انھوں نے کہا کہ "الحاق کی بنیاد چونکہ فریب اور تشدد پر رکھی گئی ہے اس لئے پاکستان اس کو تسلیم نہیں کرتا۔" انھوں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ کشمیری فوج نے پہلے ریاست کے مسلمانوں پر حملے کئے اور پھر سرحد پر واقع پاکستانی دیہاتوں پر بھی حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پٹھان مشتعل ہو گئے۔ وغیرہ

واقعات کے ان تیز رو دھاروں میں جوناگڑھ کی چنگاریاں سرد ضرور پڑ گئیں مگر ایک دم سے ہماری پریشانیاں دور نہیں ہوئیں۔ حکومت، منگرول اور بابریاواد پر کل قابض ہو جانا چاہتی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے پُرامن تصفیہ کی ہر ممکن کوشش کی مگر انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اور اب تو کشمیر کے مسئلہ نے حالات کو ایک دم سے بدل دیا ہے۔ جناح کا یہ الزام کہ الحاق کشمیر کی بنیاد فریب اور تشدد پر رکھی گئی ہے۔ یہی الزام جوناگڑھ کے معاملے میں پاکستان پر رکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اب جوناگڑھ پر قبضہ کر لینا ناگزیر ہو گیا ہے۔ پٹیل وزیر ریاست ہونے کی حیثیت سے اس سوال کو اور شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جوناگڑھ کے مسئلے پر ہندوستان کو بارہا چھیڑا گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یکم اکتوبر کو نہرو نے منگرول اور بابار یاواد سے جوناگڑھ کی فوجیں ہٹانے کے لئے ایک چھوڑ تین تین بار درخواستیں کیں لیکن ان درخواستوں کا جواب لیاقت نے مکمل تین ہفتے کے بعد دیا جس میں مذکور تھا کہ پہلی درخواست موصول ہی نہیں ہوئی بہرحال بقول ان کے فوجیں ہٹا لینے کا حکم صادر کر دیا گیا ہے ـــ لیکن اس وعدہ کے باوجود فوجیں نہیں ہٹائی گئیں۔

۱۶ر اکتوبر کو لاہور میں مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ ہوئی جس میں انھوں نے جونا گڑھ میں استصواب رائے کرائے جانے کی بات کی۔ نہرو نے اِس سلسلے میں مذاکرہ کرنے کے لئے وی پی مینن کو لاہور بھیجنے کی تجویز پیش کی لیکن لیاقت نے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہرو خود کراچی آئیں۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دفاعی کونسل نے مجبوراً ۱۲ر اکتوبر کو فیصلہ کیا کہ منگرول اور بابار یاواد پر قبضہ کر لیا جائے۔

آخری مرحلے پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ قبضہ کرنے کا کام مرکزی محفوظ پولیس کے ذمہ لگایا جائے۔ محفوظ پولیس کا یہ برطانوی دستہ اب بھی ریاستوں میں نظم ونسق برقرار رکھنے کے لئے موجود ہے۔ لیکن پٹیل رضامند نہ ہوئے۔ وہ اس کام کی تکمیل ہندوستانی مسلح افواج کے ہاتھوں ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار۔ ۲ر نومبر ۱۹۴۷ء

جب سے حالات ابتر ہوئے ہیں۔ خاندان والوں سے میرا رشتہ بالکل منقطع ہوگیا ہے۔ پیٹر ہووکیس شملہ جارہے تھے اس لئے چند گھنٹوں کے لئے میں بھی اُن کے ساتھ چلا گیا۔ میری بیوی بچے مشوبرہ سے آبزرویٹری ہاؤس منتقل ہو گئے ہیں جو گورنر جنرل لاج سے بالکل متصل ہے ـــ ہم صبح سویرے دہلی واپس آگئے۔ حالات معمول پر ہیں البتہ کرنال میں فرقہ وارانہ حالات خطرناک کروٹ لے رہے ہیں۔ لاریوں پر مسلمانوں کو بھر بھر کر لایا جارہا ہے اور مسلمان عورتیں خوف وہراس سے سہمی ہوئی ہیں۔ بچوں اور

بوڑھوں کے بلکتے ہوئے چہرے دیکھکر میرا دل بھر آیا۔ اور میں سوچنے لگا۔ آخر انسانی رشتوں کو کیا ہوا؟ یہ رشتے آخر اتنی جلدی ٹوٹ کیسے گئے؟ انسانیت کا یہ کتنا خوفناک منظر ہے جس کا مشاہدہ میری آنکھیں کر رہی ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مجھے ڈنر کھانا ہے۔ دیگر مہمانوں کے علاوہ مہاراجہ آف بیکانیر بھی موجود تھے۔ ڈنر ختم ہوا تو مہاراجہ نے ایک فلم پر تبصرہ کیا جس میں بتایا گیا تھا کہ پناہ گزینوں کی نقل و حرکت اور ان کے فلاح و بہبود کے لئے ان کی ریاست نے کتنا حصہ لیا تھا۔ فلم کی فوٹوگرافی سب کو پسند آئی۔ بیکانیر کے راستے پانچ لاکھ سے زیادہ پناہ گزینوں کو ان کی منزلِ مقصود تک پہنچایا گیا۔ کام بڑا ہی سنگین تھا۔ اس کے باوجود راستے میں تقریباً ڈیڑھ سو مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوگئیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے دورۂ لاہور کی روداد بیان کرتے ہوئے کہا کہ "جناح سے تقریباً ساڑھے تین گھنٹے باتیں ہوئیں اور میں اُن کی باتوں سے بہت محظوظ ہوا۔ ہم نے بڑی آزادی سے تبادلۂ خیالات کیا۔ ممکن ہے دونوں ملکوں کے وزراء اعظم کی موجودگی میں ہمیں یہ آزادی نصیب نہ ہوتی۔ جناح نے اپنی گفتگو کا آغاز اس شکایت سے کیا کہ حکومتِ ہند نے اپنے عزائم اور منصوبوں سے میری حکومت کو بر وقت متنبہ نہیں کیا۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ جس میٹنگ میں کشمیر کو فوجیں بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اُس میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد نہرو لیاقت کو بذریعہ تار اطلاع دینا چاہتے تھے لیکن جناح اس بات پر اڑے رہے کہ کشمیر کا الحاق نیک نیتی سے نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ الحاق کی بنیاد تشدد اور فریب پر ہے لہذا پاکستان اس کو کسی حال میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا بلاشبہ تشدد کے بعد ہی الحاق کو عملی جامہ پہنایا گیا لیکن تشدد کی ساری ذمہ داری پاکستان پر ہے ہندوستان پر نہیں، کیونکہ ابتدا قبائلیوں نے کی تھی۔ لیکن جناح نہیں مانے اور کہتے رہے کہ ذمہ دار ہندوستان ہے کیونکہ اُس نے کشمیر میں فوجیں بھیجی ہیں۔ میں اپنے موقف پر اڑا رہا یہاں تک کہ جناح مشتعل ہو گئے اور بولے کہ میں کم فہم اور ہٹ دھرم ہوں۔ اس کے بعد میں نے جناح کو سری نگر میں ہندوستان کی فوجی طاقت کا حال بتایا اور یہ بھی کہا کہ آئندہ چند دنوں کے اندر اس کی طاقت میں اور کتنا اضافہ ہو سکتا ہے لہذا ہندوستان کی فوجی طاقت کے اس پس منظر میں قبائلیوں کا سری نگر

پہنچنا ناممکن ہے۔ یہ سن کر جناح نے یہ تجویز پیش کی کہ دونوں فریق ایک ہی وقت میں فوراً کشمیر سے ہٹ جائیں۔ جب میں نے جناح سے یہ پوچھا کہ آپ قبائلیوں کو واپس جانے پر کیسے آمادہ کریں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر میں ہندوستانی فوج کو واپس بلا لیتا ہوں تو وہ یہ کام سرانجام دیدیں گے۔ استصواب رائے کے بارے میں جناح کا موقف یہ ہے کہ کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کی موجودگی میں اور شیخ عبداللہ کے برسرِ اقتدار رہنے کی وجہ سے عام مسلمان پاکستان کے حق میں ووٹ دینے سے خوف و دہشت محسوس کریں گے۔ میں نے اقوام متحدہ کی زیرِ نگرانی استصواب رائے کی تجویز پیش کی تو وہ بولے کہ یہ کام تو دونوں گورنر جنرل ہی مل کر کر سکتے ہیں۔ لیکن میں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔

جناح کے موڈ سے افسردگی ظاہر ہو رہی تھی کیونکہ نہ جانے کیوں ان کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ ہندوستان اُن کے ملک کو تباہ و برباد کرنے کی قسم کھا چکا ہے۔ اس کے باوجود ماؤنٹ بیٹن نے ان کے ذہن سے بے جا خوف و ہراس اور اندیشوں کو مٹانے کی حتی الامکان کوشش کی۔

ماؤنٹ بیٹن اس ملاقات سے بڑی حد تک پُر امید ہیں۔ حالانکہ گذشتہ چند دنوں کے حالات وکوائف نے جناح اور اُن کے درمیان نزاعی معاملات کا جو پردہ ڈال دیا تھا وہ بدستور نظر آ رہا ہے۔ جناح کا خیال ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کو اب بھی وہی سارے اختیارات حاصل ہیں جو وائسرائے کے دور میں حاصل تھے۔ ان شبہات کے پس منظر میں اُن کے ذہن میں یہ بات بھی بیٹھ گئی ہوگی کہ الحاق کشمیر کے پیچھے ماؤنٹ بیٹن ہی کا ہاتھ ہے اور وہی پاکستان کے مفاد کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

اگر واقعی جناح اس پس منظر میں کچھ سوچ رہے ہیں تو حقائق سے لاعلمی کا یہ زبردست المیہ ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ۳ر جون کے پلان کی منظوری کے بعد سے ماؤنٹ بیٹن دونوں ممالک کے درمیان جذبۂ خیر سگالی کو بحال کرنے میں جو ان تھک کوشش کر رہے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جناح کو شخصی وقار بے حد عزیز ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر دونوں ملک شیر و شکر نہیں ہوئے تو ماؤنٹ بیٹن اس ناکامی کو اپنی ناکامی سمجھیں گے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سارے اختلافات کے باوجود دونوں ایک دوسرے کا خوب احترام بھی کرتے تھے۔ (جناح کے دل میں ماؤنٹ بیٹن کی کتنی عزت تھی اس کا انکشاف ان کی وفات کے بعد ان کے ایک قریب ترین دوست نے مجھ سے کیا۔ انھوں نے کہا کہ موت سے تھوڑی دیر قبل مسٹر جناح نے یہاں تک کہہ دیا کہ "زندگی میں اگر میں کسی شخص سے متاثر ہوا ہوں تو وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں میں نے اُن کے چہرے پر نورانی جھلک دیکھی تھی۔ جب تک وہ ہندوستان میں قیام پذیر رہے میں نے ان کی دیانت داری اور ایمان داری پر کبھی بھی شک کا اظہار نہیں کیا)

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر۔ ۳ر نومبر ۱۹۴۷ء

مسئلہ کشمیر سب کی توجہ کا مرکز کیا بنا کہ حیدرآباد کی طرف سے توجہ ہٹ گئی۔ لیکن کل یعنی آزادی کے ڈھائی مہینے بعد معین نواز جنگ کی قیادت میں تین افراد پر مشتمل ایک وفد ماؤنٹ بیٹن سے ملنے آیا۔ معین نواز جنگ کا تعلق اتحاد المسلمین پارٹی سے ہے اور اپنے معتقدات کی رُو سے وہ بڑے کٹر خیال کئے جاتے ہیں۔ جب سے حیدرآباد کا سنگین مسئلہ سامنے آیا۔ ماؤنٹ بیٹن اور مونکٹن نے حالات کو اعتدال پر لانے کی مقدور بھر کوشش کی۔ لیکن حالات رفتہ رفتہ نازک ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ نظام پر سے حکومت ہند کا اعتماد ایک دم سے جاتا رہا۔ خصوصًا پٹیل اپنے موقف پر اور مستحکم ہوگئے۔ ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا گیا کہ دونوں کے تعلقات شاید ہی کبھی بہتر ہو سکیں۔

جب میں اور اسمے لندن میں تھے ماؤنٹ بیٹن نے ثالث کے سارے حربے استعمال کئے تاکہ ایسا کوئی فارمولا ہاتھ آجائے جو الحاق اور تلازم کے درمیان خلیج کو پاٹ سکے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس بات کی بھی حتی الامکان کوشش کی کہ وی پی مینن حیدرآباد جاکر اس مسئلہ پر بات چیت جاری رکھیں۔ لیکن جب سب کچھ طے ہوگیا تو نظام کی طرف سے دورہ کی منسوخی کی اطلاع آگئی۔ اس منسوخی کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مینن کی موجودگی سے مظاہرے اور جوابی مظاہرے عمل میں آئیں گے۔ اول نظام کی طرف سے منسوخی کا اقدام

اور دو سَم پٹیل کا جواب — نتیجہ یہ ہوا کہ گفت و شنید کے دروازے بند ہو گئے۔

حالات جب اس حد تک تشویش ناک ہو گئے تو ماؤنٹ بیٹن نے مونکٹن کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے دہلی آنے کی دعوت دی اور مونکٹن نے ۱۰ اکتوبر کو معاہدہ قائمہ کی تجویز پیش کی۔ اس سے انڈیا کو الحاق کی بہت ساری سہولتیں مل جاتیں اور نظام کی حیثیت بھی قائم رہتی۔ اس تجویز پر بات چیت کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن دو ماہ کی توسیع حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد پھر سودا بازی کا چکر شروع ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گفت و شنید کا سلسلہ ایک بار پھر ٹوٹ جاتا۔ لیکن ۲۲ اکتوبر کو نظر ثانی کے بعد معاہدہ قائمہ پھر تیار کیا گیا جسے وی پی مینن اور نظام کے وفد نے منظور کر لیا۔

اس کے بعد وفد فوراً حیدرآباد واپس آیا اور اس شام کو یہ مسودہ نظام کے حضور میں پیش کیا گیا مگر انھوں نے یہ معاملہ اپنی مجلس عاملہ میں پیش کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ مجلس عاملہ کی میٹنگ تین دن تک متواتر مسودہ پر غور و خوض کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ہفتہ ۲۵ر اکتوبر کو تین کے مقابلے میں چھ ووٹ سے نظام کو مشورہ دیا گیا کہ بلا کسی تاخیر اور مزید نظر ثانی کے معاہدہ قائمہ کو منظور کر لیا جائے اور اس پر دستخط کر دیئے جائیں۔ وفد نے نظام کو رائے شماری کا حال سُنایا اور اُس نے اپنی منظوری دینے کا وعدہ کر لیا۔ شام کو وفد نے سارے دستاویزات جمع کرنے شروع کئے کیونکہ دوسرے دن صبح سویرے اُس کو دہلی روانہ ہونا تھا۔ لیکن نظام نے اُس رات کو دستخط کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔

اس وقت صبح کے تین بجے ہوں گے کہ بیس ہزار عوام نے چھتاری، مونکٹن اور سر سلطان احمد کی رہائش گاہوں کو گھیر لیا لاؤڈ اسپیکر سے امن و امان برقرار رکھنے کی درخواست کی جا رہی تھی اور کہا جا رہا تھا کہ وفد کو روکے رکھنے کے علاوہ کسی قسم کی گڑبڑی نہ مچائی جائے۔ حیدرآباد کی پولیس کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ پانچ بجے چھتاری کسی طرح فوجی حکام سے رابطہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ وفد کے نمائندوں اور لیڈی مونکٹن کو حیدرآباد اسٹیٹ فورس کے ایک افسر کی رہائش گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔

صبح آٹھ بجے نظام نے وفد کے نمائندوں کو یہ پیغام دیا کہ چند دنوں کے لئے وہ دہلی جانا ملتوی کر دیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کو تار کے ذریعہ یہ اطلاع بھجوا دی کہ بعض نامساعد حالات کی وجہ سے وفد وقت پر پہنچنے کی بجائے جمعرات یا جمعہ تک پہنچ جائے گا۔

انھوں نے اس تاخیر کی معذرت بھی چاہی - ماؤنٹ بیٹن فوراً رضامند ہو گئے ۔لیکن جب ۲۷ر کی سہ پہر کو نظام نے وفد سے ملاقات کی تو انھوں نے کہا کہ جب تک وہ حالات کا کما حقہٗ جائزہ نہیں نے لیتے ہیں اُس وقت تک وفد کی روانگی ملتوی سمجھی جائے البتہ کونسل کے فیصلہ پر انھوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ نیز انھوں نے اتحادالمسلمین اور رضوی کی سرگرمیوں کی مذمت بھی کی۔

صبح ہوتی تو نظام نے دوسری بار وفد سے ملاقات کی ۔رضوی کو بھی طلب کیا گیا۔لیکن یہاں فضا بالکل بدلی ہوتی نظر آئی ۔رضوی نظام کے خیالات پر چھا گئے تھے اور ان کو رضوی نے قائل کر دیا کہ اگر ہندوستان کے ساتھ معاہدہ کیا گیا، خواہ وہ جس نوعیت کا بھی ہو تو حیدرآباد تباہ و برباد ہو جائے گا۔رضوی نے نظام کے سامنے ہندوستان کے ساتھ گفت و شنید کرنے کی تجویز پیش کی کیونکہ اُن کے خیال میں موجودہ حالات حیدرآباد کے لئے موزوں ترین ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان دوسری طرف پیچیدگیوں اور نزاعی مسائل میں گھرا ہوا ہے ۔چنانچہ انھوں نے نئے وفد کی تشکیل کا خیال ظاہر کیا مگر مونکٹن، چھتاری اور سلطان احمد نے توضیح کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایسا قدم اُٹھایا گیا تو تباہ کن اور مضرت رساں ثابت ہو گا۔اس کے بعد تینوں نے استعفیٰ نامے داخل کر دیے۔

جمعرات ۳۰ر کو نظام نے مونکٹن اور سلطان احمد سے آخری ملاقات کی۔اس ملاقات کے بعد مونکٹن لندن روانہ ہو گئے اور سلطان احمد نے دہلی کا رُخ کیا ۔یہاں پہنچ کر اُنھوں نے ماؤنٹ بیٹن کو سارا حال سنایا اور کہا کہ میں نظام سے یہ کہہ کر رخصت ہوا ۔" اب آپ اور آپ کی دولت کا زوال شروع ہو گیا۔"

ساتھ ہی نظام نے ماؤنٹ بیٹن کو بذریعہ تار یہ اطلاع بھجوادی کہ "سیاسی حالات میں تبدیلی" کی وجہ سے پچھلے وفد کی جگہ نیا وفد مقرر کیا گیا ہے ۔ اس وفد کے نئے چیرمین معین نواز جنگ مقرر ہوئے ہیں جو میر لائق علی کے بہنوئی ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ چھتاری کے مستعفی ہونے کے بعد میر لائق علی کو ریاست کا وزیر اعظم بنایا گیا تھا اور جو ستمبر تک اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔

ان سارے واقعات کے پس منظر پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح شکل میں سامنے آجاتی ہے کہ حیدرآباد چپکے چپکے پاکستان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رہا تھا۔انتقال اختیارات سے پہلے اور

بعد بھی پاکستان اور حیدر آباد کے درمیان رابطے بڑھ رہے تھے۔ لیکن جناح برابر یہ واضح کرتے رہے کہ نظام کے ساتھ ان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔

دہلی پہنچنے کے بعد معین نواز جنگ نے ببانگ دہل یہ کہا کہ نظام، حیدر آباد کو خود مختار ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے ان کے اور وفد کے دیگر اراکین کے ساتھ کھُل کر باتیں کیں انھوں نے کہا کہ گذشتہ چند برسوں میں بین الاقوامی معاملوں پر میرا جو تجربہ ہے اس کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ آج تک حیدر آباد جیسے مسئلہ سے میرا واسطہ نہیں پڑا۔ انھوں نے لفظی ہیر پھیر اور گول مول بات سے قطع نظر یہ واضح کر دیا کہ حکومت ہند اب تک معاہدۂ قائمہ پر سختی سے کاربند ہے۔ اگر نظام اب اپنے ہی فیصلے کی تردید کر رہے ہیں تو گفت و شنید کی منسوخی کی تمام تر ذمہ داریاں ان پر ہوں گی اور ہم دنیا کو بتا سکیں گے کہ مجرم کون ہے۔

نہرو نے اپنی نشری تقریر میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کشمیر میں استصواب کی پیش کش کی ہے۔ یہ وہی پیش کش ہے جس پر ماؤنٹ بیٹن جناح سے بات کر چکے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں جناح کا اعتراض قطعی مختلف ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کشمیر سے اُس وقت ہندوستانی فوجیں نکل جائیں جب رائے عامہ معلوم کی جا رہی ہو کیونکہ ہندوستانی فوجوں کی موجودگی میں استصواب غیر جانب دارانہ نہیں ہو سکتا۔ نہرو اور پٹیل کا خیال ہے کہ موسم سرما میں استصواب رائے ممکن ہی نہیں۔ اس کے علاوہ اس کی تنظیم میں وقت بھی درکار ہے۔

ہز ہائی نس آف بیکانیر کے ساتھ میں نے ڈنر کھایا۔ اس کے بعد انھی سالہ پرانی شراب کا جام چڑھایا۔ اس شراب کے بارے میں انھوں نے مجھے بتایا کہ پچاس سال تک ان کے پتا نے اس کی حفاظت کی ہے۔ الحاق کی پالیسی کی تشکیل میں انھوں نے جو کام کیا تھا اس کی بھی روداد سُنائی۔ اُنھوں نے کہا کہ ۷، ۸ اور ۹ فروری کو یہیں بیکانیر ہاؤس میں نہرو کی زیر صدارت فیصلہ کن جلسے ہوئے ہیں۔ نواب آف بھوپال جو کبھی ریاستوں کے مفاد کے لئے لڑتے تھے انھوں نے ان جلسوں میں خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہز ہائنس نے مجھے بتایا کہ وہ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ الحاق کے بغیر نئی مملکت میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ماؤنٹ بیٹن اُن کے بچپن کے دوست ہیں اور گذشتہ چند ماہ سے ان کے دل میں ماؤنٹ بیٹن کا احترام اور زیادہ ہو گیا ہے۔ وہ اُن کے منطقی دلائل سے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے ہم تباہی کے غار سے نکل گئے۔ انھوں نے اپنے دیوان پانیکر کی خوب

تعریف کی۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ پانیکر کے بے مثل فہم و ادراک اور مہاراجہ کی عقل سلیم نے غبار آلود فضا کو صاف و شفاف بنانے میں بے پناہ مدد پہنچائی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب نفاق اور بے اطمینانی کی وجہ سے ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجنے والی تھی لیکن ان کی بر وقت مداخلت سے حالات اعتدال پر آ گئے۔ میں اٹھنے ہی والا تھا کہ انھوں نے مجھ سے کہا "جنوری میں گورنر جنرل بیکانیر تشریف لا رہے ہیں لہٰذا میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بھی اپنی بیگم کے ہمراہ اس پارٹی میں ضرور شریک ہوں گے۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل۔ ۴ر نومبر ۱۹۴۷ء

آج صبح سویرے لیڈی ماؤنٹ بٹین سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا۔ انھوں نے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ خلفشار کے پیش نظر کہیں ان کا دورہ لندن ملتوی نہ ہو جائے اور اس طرح وہ شاہی تقریب میں شرکت نہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے بڑے دُکھ سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ لندن جاتی ہیں تو پناہ گزینوں کی بحالی کا کام رُک جائے گا حالانکہ اس کام میں تھوڑی سی بھی تاخیر نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

میں نے دورہ لندن میں التوا کی سختی سے مخالفت کی کیونکہ اس طرح عوام کو یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ کوئی بحران ہے جب تو پروگرام منسوخ کر دیا گیا۔ میں نے کہا کہ اس عظیم شاہی تقریب میں ان کی شرکت محض اس لئے ضروری نہیں ہے کہ دُلہن یا دولہا کے ساتھ ان کا خاندانی رشتہ ہے بلکہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کر رہی ہیں۔

ان کی تشویش بے بنیاد نہ تھی۔ لیاقت نے آج ہندوستان کے خلاف خوب خوب زہر افشانی کی۔ اس بار وہ بستر علالت سے مشتعل ہوئے تھے۔ انھوں نے معاہدہ امرت سر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس معاہدہ کی رو سے مہاراجہ نے کشمیر پر غیر آئینی حق ملکیت کا اعلان کیا تھا۔ لیاقت نے نہرو کی علالت پر شک کا اظہار بھی کیا۔ اس کے علاوہ ٹپیل اور بلدیو سنگھ

ابھی ابھی محاذ جنگ سے لوٹے ہیں اور انھوں نے دفاعی کمیٹی کے سامنے وہاں کی المناک تصویر پیش کی۔ چنانچہ کمیٹی نے بارہ مولا پر دوبارہ قبضہ کرنے کا فوجوں کو فوراً حکم دے دیا۔ بارہ مولا ہی وادی کشمیر میں داخل ہونے کا پھاٹک ہے۔ لہٰذا اس پر دوبارہ قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ قبائلی وادی کے اندر یلغار نہیں کر سکیں گے۔ یہاں بے شمار یورپی باشندے زخمی ہوئے اور مارے گئے ہیں۔ ہلاک شدگان میں ڈیلی اکسپریس کا نامہ نگار سڈنی اسمتھ بھی شامل ہے۔

ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے آج جو لنچ پارٹی دی تھی میں نے اُس میں شرکت کی۔ ہندوستان آنے کے بعد سے آج پہلا موقع ہے کہ میں نے فضا میں خنکی محسوس کی۔

ایشیائی لیبر کانفرنس کے اعزاز میں آج ڈنر پارٹی دی گئی۔ یہیں ورنن نے مجھے حیدرآباد کی تازہ ترین خبریں سنائیں —— ان خبروں کو سُن کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حیدرآباد میں عظیم الشان کومک اوپیرا ہو رہا ہے!

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ۔ ۵ر نومبر ۱۹۴۷ء

آج سویرے۔ بی ایل شرما کے ساتھ پریس کے بہت سارے مسائل زیر بحث آئے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ گورنر جنرل اور وزیر اطلاعات سے تعلقات عامہ کے منصب کو ختم کر دینے کی سفارش کی جائے۔ اُتی ناتران دونوں سری نگر میں مقیم ہیں اور کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کے پریس کے مسائل میں اُلجھے ہوتے ہیں۔ دونوں حضرات کے ساتھ کام کر کے مجھے گوناگوں تجربے حاصل ہوئے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر جنرل چودھری نے مجھے اڑیسہ میں تشویش ناک حالات کی اطلاع دی۔ شمال میں جو کچھ ہوا ہے اس زہر سے ہندوستان کے یہ قدیم باشندے بھی نہ بچ سکے —— وہ اپنے تیر کمان سے لیس ہو کر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات ۔ ۶ر نومبر ۱۹۴۷ء

آج سویرے امپیریل ہوٹل میں الئن مور ہیڈ سے میری ملاقات ہوئی ۔ دی آبزرور کے ایڈیٹر ڈیوڈ اسٹور نے اُن سے ہندوستان اور پاکستان کے چند خصوصی مضامین لکھنے کی درخواست کی تھی ۔ ہندوستان میں ان کا یہ پہلا دورہ ہے ۔

میں نے سوال کیا ۔ "ہندوستان میں آپ کا پہلا ردعمل کیا ہوا ؟"

جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا ۔ "یہاں مجھے اسپین کے مناظر دکھائی دیتے ۔ ایک شخص دوسرے شخص سے متنفر ہے لیکن فوراً ہی تمتماتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ۔ چلو ہٹاؤ بھئی کیا فائدہ ؟"

گورنمنٹ ہاؤس ۔ نئی دہلی

جمعہ ۔ ۷ر نومبر ۱۹۴۷ء

آج کی ہنگامی کمیٹی کی میٹنگ میں حکومت مشرقی پنجاب کے اختیارات پر خوب لے دے ہوئی ۔ خصوصاً گوپال سوامی آئنگر اور نیوگی نے بے لاگ تنقیدیں کیں ۔ میٹنگ میں دیگر موضوعات کے علاوہ ایک موضوع یہ بھی تھا کہ ضلع گوڑگانوں کے راستے پناہ گزیں اپنے اپنے ساتھ کتنے مویشی لے جا سکتے ہیں ۔

اسمے کے ساتھ میں نے ڈنر کھایا ۔ گورنر جنرل کے باڈی گارڈ کے یعقوب خاں کو الوداعی پارٹی دی جا رہی ہے ۔ وہ کراچی تشریف لے جا رہے ہیں ۔ اس موقع پر اسمے نے زمانہ جنگ کے دلچسپ تجربات بتائے ۔ اسمے بڑے ذہین ادیب ہیں اور داستان گو بھی مشکل یہ آن پڑی ہے کہ میں ان کی تعریف کس حیثیت سے کروں ۔ دونوں میدانوں میں ان کا کوئی جواب نہیں ۔ ان کا قوتِ مشاہدہ بہت ہی تیز، بصیرت و خیال پختہ اور عظیم لمحوں میں عظیم شخصیتوں کا علم بے مثال ہے ۔

اسمے نے کہا کہ جب ہندوستانی لیڈران لاہور جانے کی باتیں کر رہے تھے تو مجھے

روزولٹ کا سفر پالٹا یاد آ گیا تھا۔ اس کے بعد جناح کی حالیہ مقبولیت اور شہرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ بولے کہ دس سال پہلے جناح جب لندن میں تھے تو اُس وقت لیڈی ریڈنگ نے ان پر تبصرہ اس طرح کیا تھا۔ "مسٹر جناح کو میں نے چیتے کی طرح تلاش و جستجو میں گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ۔ ۸ نومبر ۱۹۴۷ء

آج سویرے مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن کی مسلسل تگ ودو اور جد و جہد کے باوجود لیاقت اور جناح شرکت نہ کر سکے۔ پاکستان سے وزیر مواصلات نشتر اور محمد علی تشریف لائے تھے۔ موخرالذکر حکومت پاکستان کے سکریٹری جنرل ہیں اور نئی مملکت میں ان کی شخصیت اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ نشتر اور محمد علی کے ساتھ لنچ کھانے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے نہرو اور وی پی مینن کو بھی مدعو کیا تھا۔ لنچ کے بعد نہرو اور نشتر نے سیاست پر تبادلۂ خیال کیا اور وی پی مینن اور محمد علی سرکاری سطح پر مسئلہ پر غور و فکر کرتے رہے۔

کشمیری مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ فریقین کے خیالات و نظریات قطعی مخالفانہ تھے۔ پاکستان دونوں ملکوں کی فوجوں کا انخلاء بیک وقت چاہتا تھا۔ لیکن ہندوستان کا موقف یہ تھا کہ پہلے کشمیر سے حملہ آوروں کو نکال دیا جائے۔ بحث و مباحثہ جاری تھا کہ بارہ مولا پر دوبارہ قبضہ کی خبر موصول ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے لئے یہ اطلاع خوش آئند ثابت ہوئی کیونکہ کل وہ بڑے اطمینان سے لندن روانہ ہوسکیں گے۔

جوناگڈھ کا مسئلہ یکایک پھر ابھرا۔ گذشتہ پیر کو دفاعی کمیٹی کی میٹنگ کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ یکم نومبر کو ہندوستانی فوج نے منگرول اور بابار یاواد پر پُرامن طریقے سے قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ اس اطلاع کے بعد پٹیل کو اُمید ہو گئی تھی کہ جوناگڈھ مزید لیت و لعل نہیں کرے گا۔

آج دن کے ایک بجے دیوان نے رسماً حکومتِ ہند سے جوناگڈھ کا نظم و نسق

سنبھالنے کی درخواست کی۔ انھوں نے کہا کہ اس کے بعد الحاق سے متعلق دیگر مسائل پر باعزت سمجھوتہ خود بخود ہو جائے گا۔ دیوان نے لیاقت سے بھی کہا کہ وہ رائے عامہ اسٹیٹ کونسل اور خود نواب کے مشورے سے یہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ نواب کچھ دیر پہلے بذریعہ طیارہ کراچی روانہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ حکومتِ ہند نے فوراً اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور علاقائی کمشنر برائے راج کوٹ کو اس پر عمل درآمد کرنے کا اختیار دیدیا۔

ان ساری باتوں کا علم ماؤنٹ بیٹن کو کل شام کے وقت ہوا تھا۔ انتقالِ اختیارات کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اس اہم سوال پر ماؤنٹ بیٹن کا مشورہ نہیں لیا گیا۔ غالباً پٹیل اور وی پی مینن انھیں پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے۔

نظام نے آج سویرے معاہدہ قائمہ پر دستخط کرنے سے پہلے مزید مہلت مانگی حالانکہ آج ہی چار دنوں کی ان تھک کوششوں کے بعد ماؤنٹ بیٹن ان کے وفد کے اراکین کو آمادہ کر چکے تھے کہ وہ کسی ترمیم کے بغیر ان کے دستخط حاصل کریں گے۔ لیکن اب جب کہ ماؤنٹ بیٹن لندن روانہ ہو رہے ہیں نظام نے ۲۵ر نومبر تک التوا کی درخواست دیدی ہے۔ چنانچہ انھوں نے حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد رضامندی دیدی۔ لیکن یہ شرط رکھی کہ ماہِ رواں کے اختتام تک تصفیہ ہو جانا چاہیے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار۔ ۹ر نومبر ۱۹۴۷ء

ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو الوداع کہنے ہم پالم ہوائی مستقر پہنچے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن آخیر وقت تک اس سفر سے خوش نہ تھے۔ دراصل ہندوستان کو اس عالم میں چھوڑنا ان کے بس کی بات نہ تھی درآں حالیکہ شہزادی الزبتھ اور لفٹیننٹ فلپ ماؤنٹ بیٹن ان کے قریبی عزیز ہیں۔

صبح دس بجے راج گوپال اچاری نے ماؤنٹ بیٹن کی غیر موجودگی میں قائم مقام گورنر جنرل کے عہدہ کا حلف اٹھایا۔ اس رسم حلف وفاداری میں میں نے بھی شرکت کی۔ انتقال اختیارات کے بعد سے کانگریس پارٹی کے یہ مشہور و معروف اور معمر مدبر مغربی

.... بنگال میں گورنر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ رسم حلف وفاداری کابینہ کی موجودگی میں کونسل چیمبر میں انجام پائی۔ اس وقت راجہ جی سفید دھوتی میں ملبوس تھے اور آنکھوں میں سیاہ شیشے والی عینک چڑھی ہوئی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے انھوں نے پرنام کیا۔ حاضرین مؤدب کھڑے ہوئے تھے۔ ہوم ڈپارٹمنٹ کے سکریٹری بنرجی نے شاہی کمیشن کے الفاظ بآواز بلند پڑھے ۔" معتبر اور معزز چکرورتی راج گوپال اچاری کو مبارک ہو" چیف جسٹس کانیا نے حلف وفاداری کی رسم انجام دی۔

پانچ منٹ کے اندر اندر یہ تقریب ختم ہوگئی لیکن اس تاریخی اور یادگار دن کی اہمیت کو کوئی فراموش نہ کرسکا۔ یہ تو دلوں میں نقش کالحجر بن کر رہ گئی۔ کانگریس کا یہ عظیم المرتبت انسان 'راج' جس کے نام کا جزو ہے۔ واقعی راج کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔!

قائم مقام گورنر جنرل نے جو پہلی لنچ پارٹی دی تھی میں بھی اس میں شریک ہوا۔ راجہ جی کی شادی شدہ لڑکی شریمتی ناماگیری نے میزبان کے فرائض انجام دیئے۔ ہماری اسٹاف پارٹی متعارف ہونے کی غرض سے ایک صف میں کھڑی ہوگئی۔ خواتین نے جب کورنش بجالانا چاہا تو راجہ جی فوراً بولے ۔" نہیں، نہیں مجھے کورنش نہ کیجئے!"

لنچ کے بعد انھوں نے مجھے اور ورنن کو بلایا۔ ہمیں چند منٹ سے زیادہ گفتگو کی توقع نہ تھی لیکن نہ صرف یہ کہ گفتگو طول کھینچ گئی بلکہ ان کی شیریں کلامی سے ہم بے حد محظوظ ہوئے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے قابل اور واحد جانشین ہیں۔ دونوں کے نظریات وخیالات میں کوئی بہت زیادہ تضاد نہیں ہے ۔ مثلاً ماؤنٹ بیٹن نے عزائم سے بھرپور، بے خوف اور متحرک شخصیت پائی ہے اور راجہ جی مشاہدہ نفس کرتے ہیں اور بنیادی طور پر وہ عالم وفاضل اور مفکر ہیں۔

انھوں نے میرے کام کی نوعیت دریافت کی اور پھر ہندوستانی پریس کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے پریس کو جان توڑ کر کوشش کرنی ہوگی میرے اس سوال کے جواب میں کہ سیاسیات پر پریس کا کتنا اثر ہے۔ راجہ جی بولے کہ بہت ہی کم۔ کانگریس سیاست پر ہمیشہ حاوی رہی اور پریس سیاسی نعرہ لگانے والوں کا ایک ادارہ بن کر رہ گیا۔ اگر کبھی توازن قوت میں تبدیلی آئی تو پریس بھی ہوا کے رخ پر چلے گا۔ راجہ جی نے بتایا کہ ابھی ابھی انھوں نے اپنے ایک صحافی دوست کو جو حکومت کے زبردست

ناقد ہیں۔ ایک خط میں یہ تحریر کیا کہ ہندوستانی پریس کا سب سے پہلا کام سیاسی فارمولا میں ہمہ تن غرق ہونے کی بجائے انتظامی امور میں توجہ دینا ہے۔ اگر پریس عوام کی روز مرہ زندگی سے متاثر ہوا تو یہ بہت بڑی بات ہوگی۔

میں نے جب مدراس کے روزنامہ "دی ہندو" کی خوب تعریف کی تو انھوں نے کہا کہ تعریف سُن کر وہ متعجب نہیں ہوتے۔ راجہ جی نے ورتمن کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ ہندوستانی صحافت اپنی صاف گوئی اور مبالغہ آرائی میں امریکی صحافت سے بہت قریب ہے۔ اس کے بعد انھوں نے برطانوی رسالہ "کنٹری لائف" کی نفاست اور عمدگی کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ اس رسالے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مضامین کا تنوع ہوا کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب تک ہندوستان اس پائے کا رسالہ شائع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا ہے برطانیہ اس پر حاوی رہے گا!

جب ملک کے حالات کی بات چل نکلی تو انھوں نے اپنی ناخوشی اور دُکھ کا اظہار کیا۔ آرچی بالڈ نائے نے ان کی حتی الامکان دل جوئی کی اور انھیں تسلی دیتے رہے مگر گذشتہ چند ہفتوں کے روح فرسا واقعات سے ان کی زندگی بھر کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ انھوں نے کہا ۔ "نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات سما گئی تھی کہ ہم دوسرے انسانوں سے کہیں بہتر ہیں نیز میں اکثر یہ بھی سوچا کرتا تھا کہ اُس شخص کی قیادت میں جس نے بہرحال کسی طرح مذہب اور سیاست کے اشتراک کا راز معلوم کر لیا ہے ہم عدم تشدد پر کاربند ہو کر آزادی ملتے ہی ترقی کی منزلیں طے کرتے جائیں گے لیکن ۔۔۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔"

میں نے کہا کہ جن مسائل سے ہندوستانی عوام کو گذرنا پڑ رہا ہے اور جس کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ وہی مسائل کم و بیش روئے ارض کے تمام حصوں میں مشترک ہیں۔ یورپ کے سامنے بھی یہی ساری پیچیدگیاں ہیں۔ لیکن میری باتوں سے اُن کو تسکین نہیں ہوئی۔ انھوں نے کہا ۔ "اقتدار کی جنگ، حسد و بغض اور سازشوں سے میں ذرا بھی پریشان نہیں ہوں۔ مصیبت یہ ہے کہ ہندوستان کے سامنے جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل کہیں بہت دُور نہیں خود اُن کے مذہب میں موجود ہے۔ لیکن عارضی طور پر ہم مذہب کو بھلا بیٹھے ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے سرد آہ کھینچی اور اُمید ظاہر کرتے

ہوئے کہا ۔" میں دور وید کے جذبہ و جوش کے احیاء کے لئے دعاگو ہوں ۔ ہمارا مذہب مسیحیت اور دیگر مذاہب سے بہت ساری اشیاء میں ملتا جلتا ہے لیکن ویدوں کی بنیاد ان اصولوں پر نہیں رکھی گئی ہے جو اصول عیسائی قیادت کے ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ وید سقراط کے فلسفہ سے بہت قریب ہے تو شاید بے جا نہ ہوگا ۔ ان میں زندگی کے وہ چند اصول ہیں جو صدیوں سے لوگوں کے علم میں ہیں اور جن کی اعانت سے خوف اور اندیشوں کو مغلوب کیا گیا تھا ۔ خوف و ہراس ہی تمام پریشانیوں کی جڑ ہے ۔ جذبۂ انتقام بھی خوف ہی کا دوسرا نام ہے ۔ انتقام کا یہ وہی جذبۂ شدید تھا جس نے عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر ڈالا ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہم دوسروں کے مصائب و مشکلات کا واقعی قریب سے مشاہدہ کریں تو ہم اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے ۔"

بنگال کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے انھوں نے کہا ۔" میں خوش ہوں کہ بنگال میں فرقہ وارانہ فسادات کے لپکتے ہوئے شعلوں کی زبان گدّی سے باہر نکال دی گئی ۔ مجھے اس بات پر بھی خوشی ہے کہ مشرقی اور مغربی بنگال کی حکومتیں مفاہمت کے لئے شب و روز کوشش کر رہی ہیں ۔ قربت اور مفاہمت کی یہ لگن مشرقی اور مغربی پاکستان میں بھی نہیں پائی جاتی ۔ بلاشبہ مشرقی بنگال سے متوسط طبقہ کے ہندو خاصی تعداد میں چلے گئے ہیں لیکن اس میں حکومت مشرقی بنگال کی اذیت رسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ۔ یہ ہندو اپنا گھر بار چھوڑ کر اس لئے چلے گئے کہ ان کو وہاں خطرہ نظر آتا تھا ۔ مستقبل میں اگر کسی سے نقصان پہنچنے کی اُمید ہے تو وہ خود ہندو ہوں گے ۔"

راجہ جی انگلستان کے سیاسی مستقبل سے پُرامید ہیں ۔ ان کے خیال میں ہندوستان کے حالیہ واقعات سے انگلستان کی لیبر حکومت کو سخت نقصان پہنچا ہے ۔ میں نے کہا کہ اس کی وجہ چرچل کی مبالغہ آرائی بھی ہے ۔ راجہ جی بولے کہ حکومتِ ہند معاشی و اقتصادی لحاظ سے کمزور ہو گئی ہے اور اس کا سارا بوجھ نہرو کے شانے پر ہے ۔ البتہ گاندھی کے دم سے کبھی کبھی روشن مستقبل کی شعاع نظر آجاتی ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے نظریات و خیالات پر عمل کیا جائے ۔

ہم رخصت ہونا چاہتے ہی تھے کہ ایک اے ۔ ڈی ۔ سی نے آکر اطلاع دی کہ

مسٹر بھابھا تعین وقت سے دس منٹ بعد تشریف لائیں گے۔ یہ سُن کر راجہ جی نے اطمینان کی سانس لی اور کہا۔ "جان بچی!"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر۔ ۱۰ رنومبر ۱۹۴۷ء

لندن سے واپسی کے بعد یہاں جو تغیرات رونما ہوئے ہیں میں نے ان کا خلاصہ تحریر کر لیا ہے جو ذیل میں پیش کر رہا ہوں:۔

"کشمیر، حیدر آباد اور جوناگڑھ کے حالات ایسے ہیں کہ ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ کشمیر میں عسکری صورت حال کی صحیح اطلاع ملنا بھی مشکل ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ گذشتہ جون میں جب ماؤنٹ بیٹن کشمیر تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے مہاراجہ پر ۱۵ر اگست سے پہلے پہلے کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کر لینے کی اہمیت واضح کر دی تھی۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسا اقدام کرنے سے پہلے وہ عوام کی رائے ضرور لے لیں۔ علاوہ بریں ماؤنٹ بیٹن کو یہ حق اور اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مہاراجہ کو یہ مشورہ دیں کہ اگر وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں تو اُن کے اس عمل سے ہندوستان برگشتہ نہیں ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ کو متنبہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ ان کا ملک تباہی سے اسی صورت میں دوچار ہو سکتا ہے اگر وہ کسی ملک کے ساتھ الحاق نہیں کرتے ہیں۔

"میں حکومت ہند کے اس اقدام کو جائز اور حق بجانب سمجھتا ہوں کہ اُس نے کشمیر کو فوجی امداد دینے سے پہلے الحاق کا سوال اُٹھایا۔ اور اس شرط پر الحاق کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی کہ یہ قطعی عارضی اقدام ہوگا۔ لیکن بعد میں جب حالات معمول پر آ جائیں گے تو استصواب کے ذریعہ اس کی توثیق کرائی جائے گی۔ جناح نے ۲۷ر اکتوبر کی نصف شب کو جس ڈرامائی انداز میں اپنے کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو کشمیر میں فوج کشی کا حکم صادر کیا تھا اس سے دونوں ملک تباہ ہو گئے ہوتے اگر جنرل گریسی نے یہ حکم نامہ اوکنلک کو نہ دکھایا ہوتا۔ اوکنلک نے حکم نامہ دیکھ کر فوراً جناح

سے ملاقات کی اور انھوں نے اس کے نشیب و فراز سمجھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جناح بہت دیر تک ساکت و جامد بیٹھے رہے۔ اس طرح جنگ کے بھیانک بادل دونوں ملکوں کے آسمان سے چھٹ گئے۔

"نظام معاہدۂ قائمہ کی حمایت میں آخری فیصلہ صادر کرنے سے پہلے کشمیر کے حالات کا اندازہ لگا لینا چاہتے ہیں۔ اتحادالمسلمین پارٹی جس کی انھوں نے ابتدا میں سرپرستی کی تھی اب صحیح معنوں میں فرینکنسٹائن بن گئی ہے اور اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کے ساتھ معاہدہ کرنے کی جو مخالفت ہو رہی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نظام کے اندر کتنی سیاسی اور اخلاقی جرأت ہے۔ اگر حیدرآباد کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو مجھے یقین ہے کہ بہت ساری مشکلات دور ہو جائیں گی۔

"یکم نومبر کو ماؤنٹ بیٹن اور جناح لاہور میں ایک دوسرے سے ملے تو جناح نے ان کو یقین دلایا تھا کہ وہ اول اول جوناگڈھ کے الحاق کی موافقت میں نہیں تھے اس لئے پس و پیش کرتے رہے۔ لیکن نواب اور دیوان کے پیہم اصرار پر انھیں مجبور ہونا پڑا۔ لیکن ایک ماہ قبل دہلی میں لیاقت نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ اس سے قطعی مختلف تھا۔ انھوں نے ان اندیشوں اور شبہات کا اشارہ تک نہ کیا۔ بہرحال نیت جو بھی ہو جناح نے جوناگڈھ کے الحاق کی درخواست قبول کرکے شدید ردِعمل کا دروازہ کھول دیا ہے۔

"یہ بات قابل ذکر ہے کہ نواب آف جوناگڈھ کی غیر موجودگی میں دیوان نے ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے حکومت ہند کو جو دعوت دی ہے اُس سے حکومتِ ہند کے خیال میں الحاق کے سوال کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ نہرو نے تمام مسائل پر غور و خوض کرنے کی پیش کش کی ہے۔ لیکن پاکستان چاہتا ہے کہ اس پیش کش کو زیر عمل لانے سے پہلے نواب کے نظم و نسق کو بحال کیا جائے۔ ہندوستان کا کہنا ہے کہ دوسروں کو اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ غرض یہ کہ ان ساری باتوں سے پیچیدگیاں اور بڑھتی جا رہی ہیں اور پروپیگنڈے کا جال پھیلتا جا رہا ہے۔

"اب تک کے واقعات کے پیشِ نظر کشمیر، حیدرآباد اور جوناگڈھ کے مسائل

ایک جیسے ہیں ۔ اور ایک دوسرے سے متعلق ۔ ان تینوں ریاستوں میں سے کسی ایک ریاست کے حالات بھی اگر معمول پر آگئے تو باقی دو ریاستوں کی صورت حال آپ ہی آپ بہتر ہو جائے گی ۔ اگر ماؤنٹ بیٹن اور پٹیل الحاق کی پالیسی کی تشکیل نہ کرتے تو ہر طرف انتشار پھیل جاتا ۔ چونکہ انتقالِ اختیارات سے پہلے ریاستیں برطانوی ہند کا حصہ نہیں تھیں اس لئے ان کے الحاق کے بعد انڈین یونین میں اتنے بڑے علاقے شامل ہو جائیں گے اور اتنی خاصی آبادی آجائے گی کہ پاکستان کی تخلیق سے کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔

"آزادیٔ برما اور پنجاب کے فسادات پر چرچل نے پارلیمنٹ کے اندر جو تقریریں کی ہیں اُن میں اُن کی پرانی اشتعال انگیزی عود کر آئی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے جو کچھ کہا ہے اُس کا جواب دینا دو باتوں کے پیشِ نظر بہت ضروری ہے ۔ اول یہ کہ ہم یہاں اعداد و شمار کی دلدل میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں ۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چرچل نے موجودہ فسادات میں ہلاک ہونے والوں کی جو تعداد بتائی ہے وہ مبالغہ آمیز ہے ۔ دوئم یہ کہ برما کا ذکر کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا ہے کہ درجۂ نو آبادیات آزادی سے کمتر حیثیت رکھتا ہے ۔ یہ سوال حکومتِ برطانیہ کو فوراً اُٹھانا چاہیے اور بتانا چاہیے کہ یہ قطعی جھوٹ اور لغو ہے ۔

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہندوستان دولت مشترکہ سے علیحدہ نہیں ہوگا ۔ جناح کی پالیسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس مسئلہ کو جہاں تک ممکن ہو سکے تازہ رکھا جائے تاکہ ہندوستان اطمینان کی سانس نہ لے سکے ۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن جناح کے اِس خیال کو کبھی عملی جامہ پہنتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے ہیں ۔

"بہر کیف حالات جو رُخ بھی اختیار کریں ماؤنٹ بیٹن کے خلاف کراچی سے پروپگنڈے کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے ۔ پاکستان ٹائمز میں آج ہی جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں ماؤنٹ بیٹن کے خلاف یہ الزام تراشا گیا ہے کہ وہ کشمیر میں بہ نفسِ نفیس فوج کی کمان سنبھال رہے ہیں ۔ لیکن اس الزام کی تردید یوں ہو جاتی ہے کہ وہ ان دنوں لندن میں ہیں ۔ حقیقت ہمیشہ حقیقت رہتی ہے ۔"

باب ۲۰

امید و ناامیدی

گورنمنٹ ہاؤس۔نئی دہلی
منگل ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء

آج دیوالی ہے ___ ہندوؤں کا عظیم تہوار! سارے مکانات جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ ہر طرف روشنیوں کی پھواریں پڑ رہی ہیں۔ راجہ جی نے صبح سویرے مجھ سے کہا کہ وہ گورنر جنرل کی حیثیت سے اس موقع پر قوم کو مبارکباد کا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے مجھے وہ پیغام دکھایا۔ پیغام مختصر سا ہے لیکن اس میں نغمہ بھی ہے اور حسن بھی۔ راجہ جی کو نہرو کی طرح انگریزی نثر نگاری میں خوب ملکہ حاصل ہے۔

انھوں نے پیغام میں تحریر کیا ہے ___ " آج ہم چاروں طرف سے جن مصائب و مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں ان کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہم خوشیاں نہ منائیں لیکن دیوالی عظیم قومی تقریب ہے جس کے دامن میں صدیوں سے اُمید و آرزو اور مسرت و محبت کے ستارے دمکتے چلے آرہے ہیں اس لئے ہم یہ تقریب ___ یہ جشن منانے کے لئے مجبور بھی ہیں۔ آج جو چراغ روشن کئے جاتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ روشن خیالی اور بصیرت افروزی کی دلیل ہیں ___ اور پھر کل گنگا اشنان کا دن ہے جب آتما کو تمام آلائشوں سے پاک و صاف کیا جاتا ہے۔

کاش یہ دیوالی ہندوستان کے گوشے گوشے میں مسرتوں کا خزانہ بھر دے اور ہر فرقہ، ہر مذہب کے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو پاک وصاف اور روشن و تاباں کردے!"

آبزرویٹری ہاؤس، گورنر جنرل لاج

شملہ۔ جمعرات ۲۰ نومبر ۱۹۴۷ء

راجہ جی رضامند ہو گئے تو میں اپنے خاندان سے ملنے شملہ آگیا۔ میری خوش طبع اور ہنس مکھ سکریٹری میگی سدرلینڈ گورنمنٹ ہاؤس کے کاغذات برابر بھیج رہی ہیں اور ٹیلیفون سے بھی ہمیشہ رابطہ قائم کر رہی ہیں۔ میں بلاناغہ اخبارات کا مطالعہ بھی کرلیتا ہوں اگرچہ یہ دیر سے موصول ہوتے ہیں۔ ۱۲ نومبر کے ڈان میں "جوناگڈھ کا استحصال بالجبر" کے عنوان سے اداریہ لکھا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کے ساتھ جوناگڈھ کا الحاق کسی حال میں رد نہیں کیا جا سکتا۔ ایک بار پھر ڈان بادل کی طرح گرجا ہے۔ ۲۴ اگست کو بھی اس نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا تھا: "مہاراجہ آف کشمیر پر بے روک ٹوک یہ واضح کر دینے کا وقت آگیا ہے کہ اُسے جلد از جلد پاکستان کے ساتھ الحاق کرلینا چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو انھیں تشویشناک حالات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

آوڑی جیسے اہم شہر پر قبضہ سے وادیٔ کشمیر کی عسکری صورت حال مستحکم ہوگئی ہے لیکن پونچھ میں جہاں مسلمان متحد و متفق ہیں حالات اچھے نہیں ہیں چونکہ موسم زمستان شروع ہو گیا ہے اور برف پڑنے والی ہے اس لئے حملوں کی رفتار سُست ہو جانے کی اُمید ہے۔ اس کے علاوہ قبائلی جن کو جہاد سے زیادہ لوٹ مار سے دلچسپی ہے وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے

لیاقت نے شیخ عبداللہ کو "کوئزلنگ" اور کانگریس کا ایجنٹ قرار دیا ہے جو بقول ان کے ذاتی جاہ وجلال اور اقتدار کے لئے عوام کی آزادی اور عزت سے کھیل رہے ہیں۔

آبزرویٹری ہاؤس۔ گورنر جنرل لاج

شملہ ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء

ہر محاذ پر صلح وصفائی کی فضا نظر آرہی ہے اور ہر شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ انتقال اختیارات کے بعد برصغیر میں کشیدگی اور برہمی کے جو جھکڑ چلے تھے اب ان کی چال میں دھیما پن آگیا ہے۔ حیدرآباد کے ساتھ معاہدہ قائم ہوگیا ہے۔ لندن سے واپسی کے بعد ماونٹ بیٹن نے آخری بار حیدرآبادی وفد سے ملاقات کی۔ نہرو نے کشمیر پر اہم بیان دیا ہے۔ انھوں نے اگر ایک طرف پاکستان کو برا بھلا کہا ہے تو دوسری طرف بالواسطہ انھوں نے شیخ عبداللہ کی اس خطرناک تجویز کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ اب استصواب کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اگر نہرو بروقت یہ قدم نہیں اٹھاتے تو خود ماونٹ بیٹن کی پوزیشن نازک ہوجاتی۔ نہرو نے صرف ان شرائط کا حوالہ دیا ہے جن کے تحت الحاق عمل میں آیا ہے مثلاً فی الحال ایک عبوری حکومت کی تشکیل اور پھر غیر جانب دار ثالث کے تحت استصواب رائے۔ انھوں نے فوجوں کے ہم وقتی انخلا کو بھی مسترد کردیا کیونکہ اس طرح پاکستان کے اغماض کی توثیق ہوجاتی ہے۔

ایک خوش خبری یہ ہے کہ مشترکہ دفاعی کونسل میں شرکت کے لئے لیاقت کل دہلی آرہے ہیں ــــ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قبضہ کشمیر کے بعد دونوں وزرائے اعظم پہلی بار روبرو گفتگو کریں گے۔

کراچی کے سرکاری اعلامیہ میں بتایا گیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو توڑ دیا جائیگا ــــ یہ فیصلہ دانشمندانہ ہے کیونکہ ہندستان کے چار کروڑ مسلمان مشکلات سے نجات حاصل کرلیں گے۔ برصغیر میں امن وامان بحال کرنے میں یہ اہم اور بروقت قدم ہے۔

آبزرویٹری ہاؤس۔ گورنر جنرل لاج

شملہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء

نظام نے آخرکار دستخط کردئے ــــ پٹیل نے اس موقع پر جو بیان دیا ہے اُس

میں ماونٹ بیٹن کو گفت و شنید میں اہم کردار ادا کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ بوڑھے نظام کے ساتھ سودا کرنے میں صبر و استقلال سے کام لینا پڑا — ان کو بیرونی دنیا سے کوئی مطلب نہیں۔ وہ اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے جب تک وہ خود اپنی ہی سازشوں میں اُلجھ نہ جائیں۔ معاہدہ قائمہ پر نظام کے دستخط سے سبھوں نے اطمینان کی سانس لی۔

نہرو نے اس بار پناہ گزینوں کی صورت حال پر بے مثال تقریر کی۔ اس تقریر میں انھوں نے جذبۂ انتقام اور جوابی کارروائی کے خلاف سخت سے سخت الفاظ استعمال کئے۔ گوپال سوامی آئنگر نے اعلان کیا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان غیر تصفیہ شدہ امور پہلے سکریٹریٹ کی سطح پر پھر بعد میں وزارت کی سطح پر زیر بحث آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلقات کو استوار کرنے کے لئے اہم قدم اُٹھایا جا رہا ہے۔ پٹیل نے لیاقت کے ساتھ اپنی بات چیت کو مخلصانہ بتایا۔ لیاقت جناح سے مشورہ کے لئے کراچی روانہ ہو گئے ہیں اب مشترکہ وفاقی کونسل کی دوسری میٹنگ ۶ دسمبر کو لاہور میں منعقد ہو رہی ہے۔

آبزرویٹری ہاؤس۔ گورنر جنرل لاج

شملہ پیر یکم دسمبر ۱۹۴۷ء

کشمیر ہندستانی سیاست کے رُخ کو موڑنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اب تمام لیڈر متفقہ طور پر یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر ریاست کو ہندوستان کے اندر ہی رکھنا ہے تو تقریباً تیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کی دل جوئی کرنی ہوگی۔ شیخ عبداللہ استصواب رائے کے حق میں پھر باتیں کرنے لگے ہیں۔ قرائن کچھ ایسے نظر آ رہے ہیں کہ اس مسئلہ پر گاندھی، نہرو، عبداللہ مہاسبھا کے خلاف متحد ہو جائیں گے۔ خود کانگریس کے اندر فرقہ پرستوں کے خلاف جنگ جاری ہے۔ جو کانگریس ہندو راج کا نعرہ لگا رہے ہیں وہ کشمیر نہیں چاہتے لیکن حکومت نے عارضی طور کے لئے ان کی زبانیں بند کر دی ہیں۔

یہ گہرا لیکن نازک اختلاف صرف کشمیر کے سوال تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہندو مہاسبھا نے کچھ دیر پہلے ایک قرارداد کے ذریعہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی رفیوجی پالیسی

کی سخت مذمت کی ہے۔ اس پالیسی میں واضح طور پر ان مسلمانوں کو ہندستان واپس آنے پر زور دیا گیا ہے جو ہجرت کر چکے ہیں نیز کانگریس ان کی ہجرت کی ہمت افزائی بھی نہیں کرتی جو یہیں رہ جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس سوال پر کانگریس اور مہاسبھا کے درمیان عظیم اختلافات پائے جاتے ہیں۔

پاک و ہند کے درمیان صلح وصفائی کے جو آثار ہویدا ہیں اُن پر لندن کے اخباروں نے تبصرہ کیا ہے۔ معاہدۂ قائمہ کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ نظام نے تمام مقامی کانگریس سیاسی قیدیوں کی رہائی کا فرمان جاری کر دیا ہے۔ بہت ساری اہم شخصیتیں جن میں ریاستی کانگریس کے صدر سوامی رامانند تیرتھ بھی شامل ہیں گفت وشنید کے دوران میں قید کر دی گئی تھیں۔

آبزرو یڑی ہاؤس۔ گورنر جنرل لاج

شملہ۔ ہفتہ ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء

مجلس دستور ساز اسمبلی میں نہرو نے اپنی خارجہ پالیسی پر اہم بیان دیا ہے سیاست کا یہی وہ شعبہ ہے جہاں ان کے ذہن کے سارے پردے اُٹھتے نظر آتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اپنی ہی حکومت میں وزارت خارجہ کا عہدہ پاکر ان کے دل کو تسکین حاصل ہوئی ہے۔ انھوں نے ہندستان کو سیاسی اقتدار کے مناقشوں سے الگ تھلگ رکھنے کا عزم صمیم کر لیا ہے انھوں نے اپنے اوپر غیر جانب داری کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے۔ وہ امریکہ اور روس دونو سے تعاون اور امداد کے متمنی ہیں۔ انھوں نے برطانیہ یا دولت مشترکہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا صرف اتنا کہا ہے کہ دولتِ مشترکہ کے چند اراکین سے تعلقات بہتر بنانے کے لئے وہ کوشاں ہیں ۔۔۔ یہ کہکر انھوں نے جنوبی افریقہ پر سخت حملہ کیا ہے۔

فلسطین کی تقسیم پر اقوام متحدہ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا حوالہ دیتے ہوئے نہرو نے ایک وفاق کے ماتحت دو خود مختار ریاستوں کی ہندستانی تجویز کا خیر مقدم کیا، انھوں نے کہا کہ یہ اقدام تقسیم سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ تقسیم کی وجہ سے

بہت ساری مشکلات ظہور پذیر ہوں گی۔ ہندستان نے اگر اہم اور بڑے بڑے عالمی مسائل پر آزادانہ روش اختیار کی تو اس کا وقار بلند ہو جائے گا۔ انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی لحاظ سے ملک کے اندر خارجہ پالیسی کا انحصار اقتصادی رجحانات پر ہوا کرتا ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہندستان کی اقتصادی پالیسی اب تک متعین نہیں کی گئی ہے۔ داخلی بحران نے اس ضرورت پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

امریکہ میں نہرو کے پہلے سفیر آصف علی نے واشنگٹن میں امریکی مالی امداد کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ ہندستان ایک مستحکم ملک ہے اور وہ ان کے لئے اچھی منڈی بن سکتا ہے۔ پاک ہند تعلقات پر سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ دونوں ممالک کم از کم اقتصادی سطح پر قریب تر آجائیں گے۔

آینز ویڑی ہاؤس۔ گورنر جنرل لاج

شملہ۔ ۹ دسمبر ۱۹۴۷ء

ہم یہاں خاموش اور پُرسکون فضا میں سانس لے رہے ہیں لیکن یہاں کی خاموشی اور سکوت میں تصنع کی آمیزش محسوس ہوتی ہے۔ انتقال اختیارات، فسادات اور اب موسم سرما کی پیش قدمی ــــ غرضیکہ ان سبھوں نے مل کر اب یورپی باشندوں کے کوچ کو مکمل کر دکھایا ہے۔

مائیکل ہیڈو ہمارے ساتھ ہی مقیم ہیں۔ کبھی ان کا تعلق انڈین سول سروس سے تھا اور اب ہائی کمشنر کے دفتر سے منسلک ہیں۔ وہ ان برطانوی قومیت رکھنے والوں کو رجوع بہ وطن کرنے آئے ہیں جو شملہ میں بے آسرا ہو گئے ہیں، اس کام کے سلسلے میں وہ سینٹ لارنس کالج کسولی تک گئے جہاں سکھوں کے اندر برطانیہ کے خلاف شدید جذبات پائے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق کبھی پولٹیکل ڈپارٹمنٹ سے تھا جب ہی کا انھوں نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ایک بار پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو ایک چھوٹی سی لیکن جنگلی ریاست کے امور کی تحقیقات کرنی پڑی۔ مقصد صرف سرکاری کاغذات کا معائنہ کرنا تھا۔ طول طویل بات چیت کے بعد مقامی

'وزیر اعظم' ہمیں ایک تہہ خانہ میں لے گیا اور یہاں پہنچ کر اُس نے بڑا سا صندوق کھولا۔ اس میں صرف ایک ہی فائل رکھی ہوئی تھی اور جس پر تحریر تھا "لیڈیز فائل" دو دنوں سے آرچی جون ویول بھی ہمارے ساتھ مقیم ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

ہمارے بچے اور مس کیری جوان کی نرس ہیں۔ شملہ کی پہاڑیوں سے ہمارے ساتھ آ گئے ہیں۔ اپریل کے مہینے سے سب کے سب وہیں مقیم تھے۔ مس کیری ہندستان ہی میں پیدا ہوئی ہیں اور ان کو لارڈ ہیلی فیکس کا دَور اچھی طرح یاد ہے۔ ہمیں خانگی زندگی میں ان کی وجہ سے بڑا آرام ملا۔ خصوصاً فسادات کے دنوں میں جب میں اپنے بچوں سے الگ تھا تو انھوں نے ہماری دست گیری کی۔ ہمارے ساتھ گورکھا رجمنٹ کے کچھ لوگ بھی تھے جو سفر میں ہماری دیکھ بھال کر رہے تھے۔ لیکن سفر اطمینان سے کٹا۔ ہم کسی واقعہ یا حادثہ سے دوچار نہیں ہوئے۔ انبالہ اور پانی پت میں رفیوجیوں کے جو کیمپ بنائے گئے ہیں وہاں پہلے کے مقابلے میں انتظامات بہتر نظر آئے۔ کمنڑولر ہاؤس میں ہم سکونت پذیر ہیں۔ موجودہ کمنڑولر رونالڈ ڈوبینی غیر شادی شدہ ہیں اور اپنے فرائض کے لحاظ سے گورنمنٹ ہاؤس ہی میں قیام کرتے ہیں۔ کمنڑولر ہاؤس میں حسین اور خوبصورت سا باغ ہے جہاں انگریزی اقسام کے سارے پھول موجود ہیں۔ اس باغ میں بچے کم از کم دو ماہ اور زندگی کے بڑے خوشگوار اور لطیف دن گذار سکتے ہیں۔ اس کے بعد موسم گرما کی آمد کے ساتھ ہی ساتھ سورج کی تپتی ہوئی شعائیں ان کو شام سے پہلے تک کمرے کے اندر رہنے پر مجبور کر دیں گی۔ یہیں رڈ کلیف نے اپنا ایوارڈ تیار کیا تھا اور ۱۹۴۲ء میں جب چیانگ کائی شیک مادام چیانگ کے ساتھ دہلی تشریف لائے تھے تو ان کا قیام بھی یہیں تھا۔

جب میں شملہ میں تھا، اسمے اور اوکنانگ وطن واپس چلے گئے تھے۔ اسمے لندن سے ماؤنٹ بیٹن کی واپسی تک دہلی ہی میں مقیم تھے۔ انھوں نے سالِ

رواں کے اخیر تک واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ اب وہ مزید قیام کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے تھے۔

دونوں مملکتوں کے درمیان سخت بحث و تمحیص کے بعد آخر کار ۳۰ نومبر کو اوکنلک کی سپریم کمان ختم کر دی گئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس مسئلے کو گفت و شنید کے ذریعہ بڑی مشکل سے حل کیا تھا۔ سپریم کمان کے خاتمہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندستان میں برطانوی فوج کی ذمہ داریاں خود بخود ختم ہو گئیں۔ اس اقدام سے چار پانچ ہزار افسران اور دیگر افراد متاثر ہوئے تھے۔ ستمبر کے آخری ہفتہ ہی میں ان کی آیندہ سروس کی شرائط پر لندن سے بات چیت ہو چکی ہے۔ اوکنلک چاہتے تھے کہ سپریم کمان ۳۱ دسمبر کو توڑی جائے تاکہ یکم اکتوبر ہی کو تین ماہ کا نوٹس سارے برطانوی رضا کاروں کو مل سکے۔ اس تجویز پر عمل کیا جانے والا تھا لیکن پٹیل اسے جلد از جلد توڑنے کے حق میں تھے اور برابر دباؤ ڈال رہے تھے۔ انھوں نے کئی بار ماؤنٹ بیٹن سے شکایت کی کہ دہلی میں برطانوی فوج کی موجودگی سے ہندستانی فوج بیدست و پا ہے لیکن ماؤنٹ بیٹن نے سخت لفظوں میں اس ناروا حملے کے خلاف احتجاج کیا اور کہا کہ اوکنلک کی دیانتداری اور ایمانداری پر کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا۔ لیکن پٹیل اپنے مطالبہ سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے۔

حکومتِ پاکستان کا موقف اس سے مختلف تھا۔ پاکستان کے خیال میں ہندستانی فوج سپریم کمانڈر کے ہیڈ کوارٹر میں آتی جاتی ہے اور اس طرح سپریم کمانڈر کے فیصلوں میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اکتوبر کے وسط میں لاہور میں مشترکہ دفاعی کونسل کی جو میٹنگ ہوئی تھی اس میں اوکنلک نے سپریم کمان کو توڑ دینے کے لئے ۳۰ نومبر کی تاریخ تجویز کی تھی لیکن لیاقت نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تب انھیں لیاقت کا عندیہ معلوم ہوا۔ لیاقت کا خیال تھا کہ سپریم کمانڈر ہی سامانِ حرب اور دیگر اشیاء زیادہ بہتر طریقہ سے پاکستان منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ کام وہ کمیٹی اتنے حسن و خوبی سے انجام نہیں دے سکتی جس میں دونوں ملکوں کے کمانڈر ان چیف شامل ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ اوکنلک صرف انتظامی امور کے ذمہ دار ہیں اور ان پر عمل درآمد کرنا حکومت ہند

کا کام ہے۔ اس کے باوجود لیاقت اپنے موقف پر اڑے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حکومتوں کے متضاد نظریے لندن کے فیصلے پر چھوڑ دئے گئے۔ ۷ نومبر کو حکومت برطانیہ کی طرف سے یہ جواب موصول ہوا کہ موجودہ حالات کی روشنی میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ ۳۰ نومبر کو سپریم کمان ہیڈ کوارٹر ختم کردیا جائے۔

اس اختلافی مسئلہ کے ختم ہوجانے کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہت حد تک ہمواری آگئی۔ کیونکہ ۲۶ نومبر کو مشترکہ دفاعی کونسل کی جو میٹنگ ہوئی تھی اس میں دونوں ملکوں کے نمایندوں نے دوستانہ جذبات کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایسا مظاہرہ ۱۵ اگست کے بعد سے پہلی بار دیکھنے میں آیا۔ میٹنگ تین گھنٹے تک جاری رہی اور بہت سارے مسائل حل کئے گئے۔ اس میں جو سب سے زیادہ حوصلہ افزا فیصلہ کیا گیا وہ یہ تھا کہ سپریم کمان کے ختم ہونے کے بعد بھی دفاعی کونسل کے جلسے برابر کئے جائیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کونسل کی صدارت سے سبکدوش ہونا چاہا کیونکہ پاکستان کا خیال ہے کہ وہ ہندوستان کی حمایت اور طرفداری کرتے ہیں۔ لیکن دونوں ملکوں کے نمایندوں نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور مجبور کیا کہ وہ صدارت سے سبکدوش ہونے کا خیال تک ذہن میں نہ لائیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے بیدلی سے رضامندی دے دی۔ ماؤنٹ بیٹن کی یہ کامیابی کوئی معمولی نہیں ہے۔ ایک طرف جبکہ حالات غیر یقینی ہیں اور کشمیر کا بحران ختم نہیں ہوا ہے ماؤنٹ بیٹن نازک مسائل پر گفت وشنید میں حصہ لیتے ہیں اور فضا کو سازگار بناتے جاتے ہیں۔

کابینہ کی ہنگامی کمیٹی کی آخری بار میٹنگ ہوئی جس میں پاکستان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی آبادکاری کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ یہ نہایت ہی نازک ترین اور اہم مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے دو حل ہیں۔ یا تو ان کو مشرقی پنجاب میں رہنے دیا جائے یا پھر ان کو دوسرے صوبوں میں تقسیم کردیا جائے۔ حکومت مشرقی پنجاب دوسرے حل کی حمایت میں ہے۔ اس حکومت کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ رفیوجی اپنی بہت ساری زمینیں چھوڑ آئے ہیں اس لئے ہر خاندان کو کم از کم دس ایکڑ زمین الاٹ کی جائے لیکن ان میں سے اگر کسی رفیوجی کو زمین نہ ملے تو پھر انھیں ہندستان کے کسی اور علاقے میں زمین الاٹ کی جائے۔ لیکن مرکزی حکومت چاہتی ہے کہ پاکستان سے

جو غیر مسلم رفیوجی مشرقی پنجاب آئے ہیں ان کی تعداد چونکہ یہاں سے جانے والے مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس لئے ان کی آبادکاری یہیں کی جائے کیونکہ ہندستان کے دیگر صوبوں میں ان کو آباد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ فرقہ وارانہ فضا پھر خراب ہو جائے گی۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات ۱۱ دسمبر ۱۹۴۷ء

میں کشمیر کی صورت حال کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کر رہا ہوں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس مسئلہ کو نمٹانے کے لئے جتنی جدوجہد کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسکے نے بھی فضا کو پُر امن بنانے میں نمایاں کردار انجام دئے ہیں۔ نومبر کے ابتدائی دنوں اور پھر گذشتہ ہفتہ دہلی میں لیاقت اور نہرو کے درمیان جو "دوستانہ" بات چیت ہوئی ان کی کامیابی میں زیادہ ہاتھ انھیں کا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ماؤنٹ بیٹن دونوں ملکوں کے لیڈروں کو باہم دگر نہ کر سکے۔ اختلافات کی خلیجیں پھیلتی ہی گئیں۔ ابھی پچھلے دنوں لیاقت نے نہرو کے نام براہِ راست جو تار بھیجا ہے وہ بے حد اشتعال انگیز ہے۔ انھوں نے ایک بار پھر عبداللہ کو "کوئزلنگ" کہا ہے اور حکومتِ ہند پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ کشمیر سے مسلمانوں کی ساری آبادی کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے فوری طور پر آزاد اور غیر جانبدار نظم ونسق کا مطالبہ دہرایا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے ان حالات کے پیشِ نظر دونوں وزراء اعظم کو کشمیر پر روبرو بات چیت کرنے پر آمادہ کیا۔ نہرو جب اپنا ابتدائی اور طویل کیس پیش کر چکے تو لیاقت نے جو حالیہ علالت کی وجہ سے تھکے تھکے اور کمزور نظر آ رہے تھے کئی مدلل اور مناسب سوالات کئے اور تجویزیں پیش کیں۔ نہرو نے ان پر غور کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اسکے نے فوراً وی پی مینن اور محمد علی کی مدد سے ایک مسودہ تیار کیا اور آئندہ دو دنوں کے اندر مزید چار میٹنگوں کا انتظام کیا۔

تجاویز یہ تھیں :- (۱) کہ حکومت اپنے تمام اثرات کو کام میں لاکر آزاد کشمیر

کی "باغی" فوجوں کو ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ کرے نیز اس بات کی بھی کوشش کرے کہ جلد از جلد قبائلی اور دیگر حملہ آور کشمیر کے علاقہ کو خالی کر دیں ــــ (۲) کہ ہندستان مقامی فسادات اور گڑبڑ کو روکنے کے لئے فوجوں کا چھوٹا سا دستہ رکھکر باقی فوجوں کو کشمیر سے ہٹائے (۳) کہ اقوام متحدہ سے ایک کمیشن بھیجنے کی درخواست کی جائے جو کشمیر میں استصواب کرائے اور ہندوستان پاکستان اور کشمیر کو یہ اطمینان دلائے کہ آزادانہ اور منصفانہ استصواب کرانے میں ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

اسے کی کوششوں سے بات چیت کے اختتام کے بعد پوزیشن تشویشناک نہیں رہی تھی ــــ البتہ معاہدہ عمل میں نہیں آیا۔ لیاقت کی نکتہ چینیاں جزئیات کی بجائے تفصیلات پر مرکوز ہوگئیں اور لیاقت جو فریقین کی فوجوں کے مکمل انخلا کے استصواب سے پہلے غیر جانب دارانہ نظم ونسق اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے پر اڑے ہوئے تھے انھیں آخری شرط پر مکمل اور پہلی پر جزوًا کامیابی ہوئی۔ وہ اپنے اصول کو کچھ نرم کرنے کے لئے تیار ہوگئے تھے۔ اسے کو یقین ہوگیا کہ یہ فارمولا سیاسی اور انتظامی دونوں لحاظ سے قابلِ عمل ہے۔ صورت حال حوصلہ افزا ہوگئی تھی لیکن مصالحت کا کام روح فرسا نظر آرہا تھا۔

دو دن بعد یعنی ابھی محمد علی کو کراچی رخصت ہوئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ماونٹ بیٹن نے ایک جلسہ کی صدارت کی۔ اس صدارت کے بارے میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ آج تک کسی میٹنگ کی ایسی حوصلہ فرسا صدارت انھوں نے نہیں کی تھی۔ دفاعی کمیٹی کی میٹنگ میں سردار پٹیل اور بلدیو سنگھ دوسری بار غمناک رپورٹیں لیکر آئے۔ کچھ دیر پہلے دونوں سرحد سے واپس آئے تھے۔ اپنے ساتھ یہ جو اطلاعات لیکر آئے ان کی روشنی میں فوری استصواب رائے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا بلکہ اس سلسلے میں مزید گفت وشنید بھی ممکن نہ تھی۔ شکایتیں تین تھیں ــــ اول' مغربی پنجاب میں قبائلیوں کے علاوہ حملہ آور فوجوں کا بڑی تعداد میں اجتماع۔ دوئم' یہ الزام کہ لیاقت کو دہلی سے گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ انھوں نے ریاست پر حملہ کرنے کے لئے نئے حملہ آوروں کی ہمت افزائی شروع کر دی۔ اور سوئم' لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی بھیانک داستانیں اور قصے جن کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا

کو غیر مسلموں کے سرگاجر مولی کی طرح قلم کر دئے گئے اور کشمیری ابلاؤں کو فروخت کیا گیا۔
اس کے باوجود ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت کو لکھا کہ وہ گفت وشنید کے لئے نہرو کو بذریعہ تار اطلاع کر دیں۔ چنانچہ لیاقت نے نہرو کو تحریر کیا کہ خون خرابہ روکنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ دونوں حکومتوں کے نمائندے وقتاً فوقتاً ملتے رہیں۔ نہرو نے اس پیغام کا جواب فوراً دیا اور وہ مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ میں شرکت کے لئے گذشتہ پیر کو لاہور گئے۔

کشمیر پر یہ مذاکرہ سہ پہر کے تین بجے سے نصف شب تک جاری رہا۔ تھوڑی دیر تک ڈنر کے لئے وقفہ ہوا تھا۔ غرضیکہ میٹنگ سات گھنٹے تک ہوئی۔ مذاکرہ دوستانہ فضا میں ہوا البتہ بیچ بیچ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ بہرکیف ان ساری کوششوں کے بعد ماؤنٹ بیٹن اس نتیجے پر پہنچے کہ نظریاتی اختلافات اتنے شدید ہیں اور داخلی وخارجی سیاسی دباؤ اتنے زیادہ ہیں کہ اب تیسری پارٹی ہی جس کو بین الاقوامی اقتدار حاصل ہو اس بحران کو ختم کر سکتی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے تیسری پارٹی کا کردار ادا کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی تجویز پیش کی۔ لیاقت نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا لیکن نہرو نے دریافت کیا کہ منشور کی کس دفعہ کے تحت یہ کام اقوام متحدہ کے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ نصف شب گذر گئی تھی اس لئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اس نکتے پر مزید غور کیا جائے گا۔ نہرو نے افسردہ ہوکر سر ہلایا اور میٹنگ اس طرح ختم ہوگئی۔

گاندھی اور وی پی مینن نے بھی اقوام متحدہ کی تجویز کی حمایت کی اور کہا کہ اس مسئلے کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ آج ماؤنٹ بیٹن نہرو سے ملے اور اس سوال پر مزید بات کی۔ اب ان کا رویہ منفی نہیں رہا۔

آج رات سفارتی نمائندوں کو ڈنر پر مدعو کیا گیا تھا۔ اس موقع پر شاہی شادی پر فلم بھی دکھائی گئی۔ اس کے علاوہ کشمیر پر حکومت ہند نے بھی ایک فلم دکھائی جس کی نہ کوالٹی ہی اچھی تھی اور نہ اس سے پروپیگنڈا مقصد ہی حاصل ہوتا تھا۔

گورنمنٹ ہاؤس نئی دہلی

جمعرات ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء

ایک بار پھر افق پر سیاہ بادل جمع ہو رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس پلک جھپکتے ہی شدید آندھیوں کے قیامت خیز جھکڑ چلنے لگیں گے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں جو اطلاعیں موصول ہو رہی ہیں وہ مظہر ہیں کہ کشمیر کا بحران شدت اختیار کرتا جا رہا ہے اور جنگ کا امکان غالب نظر آ رہا ہے۔ پٹیل نے یہ سخت قدم اُٹھایا ہے کہ پاکستان کے ساتھ اس وقت تک مالی معاہدے نہ کئے جائیں جب تک حملہ آوروں کو اس کی حمایت حاصل ہے۔ معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں پاکستان کو پچپن کروڑ روپے کا خسارہ ہوتا ہے۔ فی الحال پاکستان کے پاس دو کروڑ روپے ہیں اور قرض بڑھتا جا رہا ہے۔ پٹیل کابینہ کی میٹنگ میں یہ جواز پیش کریں گے کہ "ہم پاکستان کو روپے کیوں دیں۔ وہ ان ہی روپوں سے اسلحہ خریدے گا جو ہمارے سپاہیوں کو ہلاک کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔"

حملہ آوروں کی سرگرمیوں سے پاکستان کی چشم پوشی کی اطلاعیں ہندستانی لیڈروں کو اپنے ذرائع سے موصول ہو رہی ہیں۔ دراصل یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ ہندستان نے پاکستان کے خلاف اپنا رویّہ سخت کر لیا ہے۔ ان میں بعض بعض لیڈروں کا خیال ہے کہ پاکستان کشمیر میں ہندستانی فوجوں کا محاصرہ کر کے حیدرآباد کی طرف بڑھے گا اور پھر پنجاب کی سرحد کو عبور کرتا ہوا ہندستان کی راجدھانی دہلی پر حملہ کر دے گا۔ اس سلسلے میں ایک خطرناک رجحان یہ بھی پایا جا رہا ہے کہ اگر پاکستان نے حملہ آوروں کی پیش قدمی کو نہیں روکا تو ہندستان اپنی فوجیں پاکستان کے علاقے سے بھیج کر حملہ آوروں کی پیش قدمی کو روکے گا۔ پاکستان نے مزاحمت کی تو پھر جنگ یقینی ہو جائے گی۔ کشمیر میں سکھ کے مسائل پر بھی سرکاری حلقوں میں گہری تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کشمیر میں جنگ کی صورتِ حال اسی طرح اگر زیادہ دنوں تک جاری رہی تو سکھوں پہ کنٹرول کرنا حکومتِ ہند کے لئے نازک مسئلہ بن جائے گا۔ لیاقت ہی اس خطرناک رجحان کو ختم کر سکتے ہیں۔

ایک طرف اگرچہ کشمیر عوام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے تو دوسری طرف پٹیل اُڑیسہ اور صوبجات متحدہ کے اہم مشن سے ابھی ابھی لوٹے ہیں۔ اڑیسہ اور چھتیس گڑھ کی مشرقی ریاستیں بھی اسناد الحاق پر دستخط کرنے کے لئے رضامند ہوگئی ہیں۔ نئی شرائط کے تحت اگرچہ ان ریاستوں کا سارا اقتدار ہندستان کی نئی مملکت میں منتقل ہوجائے گا لیکن والیانِ ریاست کو نجی جائداد، خطابات اور جانشینی کے حقوق حاصل رہیں گے

ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن بمبئی اور جے پور کے دورے سے واپس آگئے ہیں۔ وہ ہندستان چھوڑنے سے پہلے پہلے ہندستان کے تمام صوبوں اور بڑی بڑی ریاستوں کا دورہ کرلینا چاہتے ہیں۔ رونی نے مجھ سے کہا کہ جے پور کا دورہ شاندار رہا کیونکہ ان ہی دنوں مہاراجہ کی سلور جوبلی منائی گئی تھی۔ دس سال کی عمر میں وہ گدّی نشین ہوئے تھے۔ "جے" نہ صرف ترقی پسند بلکہ ہر دلعزیز حکمراں ہیں۔ ان کے اندر مغربیت بہت زیادہ ہے۔ ان کو شاہانہ لباس، ہیرے جواہرات اور روایتی شان و شوکت میں دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں میں ان سے پہلی بار اس وقت ملا تھا جب میں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ہانگ کانگ کا دورہ کر رہا تھا۔

آج، جان اور پیٹریسیا بیرا بورن بھی تین ماہ تک قیام کے لئے پہنچ گئے ہیں۔ جان کے والد بمبئی اور بنگال کے ہر دلعزیز گورنر رہ چکے ہیں۔ چھ ماہ تک وہ قائم مقام وائسرائے بھی رہے۔ لیکن بے وقت موت سے ان کی شہرت کو چار چاند نہ لگ سکے۔ کیونکہ بہتوں کا خیال ہے کہ وہ وائسرائے نامزد ہو چکے تھے۔ بیرا بورن ہندستانی قوم پرستوں میں خصوصاً بیحد مقبول تھے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔

اتوار ۲۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء

آج شری کرشنا سے میری دلچسپ گفتگو ہوئی۔ آپ دہلی میں مقیم تمام سیاسی نامہ نگاروں سے زیادہ واقفکار نامہ نگار ہیں۔ ان کی رپورٹیں متعدد ہندستانی اور انگریزی زبانوں کے اخباروں میں شائع ہوا کرتی ہیں۔

انھوں نے باتوں باتوں میں کابینہ میں اختلاف رائے کی رپورٹوں کا حوالہ دیا اور کہا کہ نہرو اور پٹیل کے درمیان کھچاؤ کا سبب وزیر تعلیم مولانا آزاد ہیں۔ پٹیل نے حال ہی میں ایچ ایم پاٹل، وی پی مینن اور برجی پر مشتمل ایک ذیلی کمیٹی بنائی تھی جس کا کام اونچے عہدوں پر کام کرنے والے سول ملازمین کی تقرری کی جانچ پڑتال کرنا تھا۔ ان ہی دنوں مولانا آزاد نے مشہور و ممتاز سائنسداں بھاٹنگر کو اپنی وزارت کا پرنسپل سکریٹری اس ذیلی کمیٹی کے مشورہ کے بغیر مقرر کر دیا تھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے بارے میں مختلف خیالات پائے جا رہے تھے۔

مولانا آزاد جن کی علمیت اور قابلیت میں کوئی کلام نہیں گذشتہ دس سال سے نزاعی شخصیت بنے ہوئے ہیں۔ آپ ممتاز کانگریسی مسلمان ہیں اور زمانۂ جنگ تک کانگریس کے صدر رہ چکے ہیں۔ کرپس اور کیبنٹ مشن میں آپ نے نمایاں کردار انجام دیا ہے۔ آپ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ آپ فرقہ وارانہ جماعت میں شرکت کرنے کی بجائے قوم پرست رہے۔ گاندھی اور جناح کے درمیان ہمیشہ ان کی شخصیت باعث نزاع رہی۔ جناح ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ مسلمانوں کے مفادات کی نمائندگی مسلم لیگ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۷ء

آج میں نے بی بی سی کے نمائندے رابرٹ اسٹمسن سے تفصیلی بات چیت کی۔ کراچی میں پندرہ دن قیام کر کے ابھی ابھی لوٹے ہیں۔ جناح کے ساتھ ان کی ملاقات بہت ہی اہم ہے۔ اسٹمسن نے کہا کہ پاکستان میں لاؤنٹ بیٹن کے خلاف جو تحریک سر اٹھا رہی ہے اس کے بانی بلاشک وشبہ خود جناح ہیں۔ ان کے خلاف کوئی ایک واضح شکایت نہیں ہے بلکہ عام طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن مسلمانوں کے دشمن اور ہندوؤں کے دوست ہیں۔

اگرچہ پاکستان کے ذمہ دار حلقوں میں ماؤنٹ بیٹن کو معتدل انسان سمجھا جاتا ہے لیکن جناح اس فیصلے پر پہنچ چکے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن کی گورنر جنرلی سے پاکستان

کے مفاد کو نقصان پہنچ رہا ہے خصوصاً دولتِ مشترکہ کے اراکین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اسی وجہ سے مستحکم نہیں ہیں۔

اسٹمسن کا خیال ہے کہ اگر پاکستان چار مرحلوں پر پورا اُتر جائے تو ناقدوں کے شکوک کے باوجود وہ بہت بڑی طاقت بن کر اُبھرے گا۔ یعنی (۱) اگر پاکستان جنگ کی لپیٹ میں آنے سے بچ نکلے (۲) اگر جناح زیادہ دنوں تک بقیدِ حیات رہیں (اسٹمسن کے خیال میں جناح پہلے سے زیادہ تندرست نظر آتے ہیں) (۳) اگر وہ اقتصادی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے (۴) اور ہندوؤں کو پاکستان سے جانے سے روک سکے۔

اسٹمسن نے کہا کہ سندھی مسلمان اتنے درشت اور تلخ نہیں ہیں جتنے مغربی پنجاب کے مسلمان۔ اگرچہ کراچی کے ہندو دہلی کے مسلمانوں کے مقابلہ میں محفوظ و مامون ہیں لیکن وہ سہمے ہوئے اور خوفزدہ ہیں۔ چاول کی پیداوار زیادہ نہیں ہوئی۔ بینک کا سارا کا سارا عملہ ترک وطن کر چکا ہے۔

اسٹمسن نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں چند نوجوان لیڈر ایسے ہیں جن کے دلوں میں نئی مملکت کو ترقی دینے کا بے پناہ جذبہ ہے۔ ان کے ارادے مستحکم اور حوصلے بلند ہیں۔ ان تمام چیزوں کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔

ہفتہ کو ہندستانی کابینہ نے کشمیر میں حملہ آوروں کو امداد دینے پر پاکستان کے خلاف اقوام متحدہ میں اپیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ گزشتہ شام سے لیاقت اور محمد علی دہلی میں موجود ہیں لیکن اب تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ زیادہ وقت دعویٰ کرنے اور جوابی دعویٰ کرنے میں گذر گیا۔ آج نہرو نے سرکاری شکایت نامہ لیاقت کے حوالہ کر دیا اور لیاقت نے جلد جواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس طرح کشمیر کی سیاسی اور حکمت عملی جدوجہد کا پہلا دور ختم ہو گیا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۷ء

دہلی کی گفتگو میں ناکامی کے بعد کشمیر اور بقایا کی ادائیگی کے مسئلے

نازک صورت اختیار کر چکے ہیں ۔ ماؤنٹ بیٹن نے کچھ دن پہلے کشمیر کی صورت حال پر جو وارننگ دی تھی وہ صحیح ثابت ہو رہی ہے ۔ جس طرح ۱۹۳۹ء میں روس کی فوجوں کو فن لینڈ میں مشکلات سے گزرنا پڑا تھا کم وبیش ویسی ہی مشکلات کشمیر میں ہندستانی فوجوں کو درپیش آرہی ہیں ۔ پونچھ میں جو ہندستانی دستے اس وقت موجود ہیں ان کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا ہے ۔ صرف ہوائی جہاز سے ان کو تھوڑی کمک پہنچائی جارہی ہے ۔ جھنگر میں تقریباً چھ ہزار حملہ آوروں نے ہندستانی فوجوں کو نہ صرف پسپا کر دیا ہے بلکہ ان کو بھاری نقصان اُٹھانا پڑا ہے ۔

ایک اور تشویش ناک خبر اُوری کے علاقہ سے موصول ہو رہی ہے ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ چھ ہزار افراد پر مشتمل دشمنوں کی فوج وہاں داخل ہو گئی ہے ۔ اگر یہاں سے ہندستانی فوجیں پسپا ہوئیں تو بارہ مولا، سری نگر اور وادی کے دیگر علاقوں میں دشمن کی فوجیں داخل ہو جائیں گی ۔ ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں اگر اُوری ہاتھ سے نکل گیا تو دشمنوں سے نمٹنے کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مغربی پنجاب میں حملہ آوروں کے خاص خاص اڈوں پر قبضہ کر لیا جائے لیکن اس صورت میں جنگ کا آتش فشاں پھٹ پڑے گا ۔

آج دن کے ساڑھے گیارہ بجے ماؤنٹ بیٹن نے پرائیویٹ اسٹاف کی میٹنگ طلب کی ۔ اس میں روئی، ورنن، وی پی مینن اور میں شامل ہوا ۔ بڑے دن کے لئے نہرو کے نام انھوں نے جو مکتوب تحریر کیا تھا وہ زیر بحث آیا ۔ اس مکتوب میں ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو چوکس اور ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا تھا ۔ میں نے اس میں ایک پیراگراف اضافہ کرنے کی تجویز پیش کی ــــ یعنی اگر پاکستان کے ساتھ جنگ ہوئی تو نہرو کی آزاد خارجہ پالیسی کس طرح متاثر ہوگی ۔ وی پی مینن نے اس کی تائید کی اور ماؤنٹ بیٹن بھی اضافہ کرنے پر رضامند ہو گئے ۔

ستمبر کے اختتام پر میں نے اپنی والدہ محترمہ کو حسب ذیل مکتوب تحریر کیا :-

"گذشتہ ماہ نہرو نے جس فوقیت اور برتری کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ ان میں اخلاقی اور روحانی ضبط و اعتدال ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ روزمرہ کے انتظامی بحران سے مقابلہ کرتے رہے ۔"

ماؤنٹ بیٹن نے آج مجھ سے کہا کہ نہرو کے بارے میں میں بہت زیادہ مشوش ہو رہا ہوں۔ مجھے خوف اس بات کا ہے کہ کہیں وہ خوشامد اور چاپلوسی کے زیر اثر آ کر کشمیر کے معاملے میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ ماؤنٹ بیٹن کو اس بات کا خطرہ نظر آ رہا ہے اور اسی لئے وہ جلد از جلد بحری زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ہندستان میں مزید قیام کرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ پٹیل نے پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے۔

کنٹرول اٹھا دینے کے سلسلے میں حکومتِ ہند نے گاندھی کی پالیسی کو منظور کر کے دانش مندانہ قدم نہیں اُٹھایا ہے۔ معاشیات اور اقتصادیات پر گاندھی کا علم جاگیردارانہ نظام سے بھی آگے کا ہے۔ حکومت ذخیرہ اندوزوں اور نفع خوروں کے خلاف قدم اُٹھانے کی بجائے ان سے ایمانداری کے اصول کو اپنانے کی اپیل کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ذخیرہ اندوز اور منافع خور ایمانداری کو برتنا جانتے ہی نہیں۔ کنٹرول اٹھانے کے خلاف ماؤنٹ بیٹن کابینہ کے غیر کانگریسی رکن اور تقریباً تمام ذمہ دار سول سروس کے مشیروں نے آواز اُٹھائی تھی لیکن حکومت گاندھی سے اس حد تک خوفزدہ تھی کہ اس نے کسی کے مشورے کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستان افراط زر کا شکار ہو گیا۔ اجناس کی قیمتیں رفتہ رفتہ دگنی تگنی چارگنی ہوتی گئیں اور اس حساب سے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کرنا پڑا۔ سنجیدگی سے غور و خوض کرنے کے بعد اندازہ لگایا گیا کہ گاندھی کے اقتصادی منصوبہ کو چلانے کے لئے ایک ارب دس کروڑ روپوں کی ضرورت ہو گی۔ شکر اور نمک کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے فی سیر ہو گئی ــ یعنی خصوصاً نمک کی قیمت میں اضافہ پانچ سو فیصدی سے کم نہیں ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء

دوپہر سے کچھ پہلے نہرو کا خط جو ماؤنٹ بیٹن کے خط کے جواب میں ہے موصول ہوا۔ غالباً جواب جلدی میں تحریر کروایا گیا ہے۔ انھوں نے معذرت طلب کی ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں تھا اس کا واضح لفظوں میں وہ اظہار نہ کر سکے۔ ان

کے خط سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ وہ کشمیر کے سوال پر اب تک پریشان ہیں لیکن لیاقت کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اقوام متحدہ سے اپیل کر رہے ہیں۔

کشمیر میں حالات اتنے ابتر ہو گئے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن نے ایک بار اٹیلی کو تار دیا تاکہ وہ خود آکر دونوں وزراء اعظم سے ملیں۔ یہ قدم انھوں نے نہرو کے علم میں لانے کے بعد اٹھایا تھا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کو اٹیلی کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ تار بھیجنے کے علاوہ انھوں نے نہرو کو مشورہ دیا کہ وہ اٹیلی سے براہ راست رابطہ قائم کریں اور ان کو تمام حالات سے آگاہ کریں۔

گوالیار روانہ ہونے سے پہلے ماؤنٹ بیٹن نے ہمارے ساتھ مذاکرہ کیا۔ کرسمس کی تقریب پر جو کارڈ موصول ہوئے ہیں ان کا جواب دیا جا رہا ہے اور ماؤنٹ بیٹن ان پر دستخط کر رہے ہیں۔ ان میں سے ان کارڈوں کو الگ کیا گیا جن پر لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو دستخط کرنے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

بریگیڈیر ڈسمنڈ ینگ نے اسپیکٹیٹر میں ویول اور ماؤنٹ بیٹن کی جی کھول کر مدح و ستائش کی ہے۔ بریگیڈیر ینگ انڈیا میں اس وقت تعلقات عامہ کے انچارج تھے جب ویول کمانڈر ان چیف کے عہدہ پر متمکن تھے۔

انھوں نے تحریر کیا ہے ــ " لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بااثر شخصیت کی وجہ سے سنسنی خیز نتائج سامنے آئے۔ ان کی شخصیت کا رعب ہندستانی لیڈروں پر اتنا زیادہ اور اتنی جلدی پڑا کہ انھیں حیلہ جوئی اور سخن سازی کا موقع تک ہاتھ نہ آیا۔ تقسیم ملک بھی زہریلی فضا میں اتنی برق رفتاری سے ہوئی کہ ہندوؤں کی نفرت کا آتش فشاں پھٹ نہ سکا۔" ساتھ ہی بریگیڈیر ینگ نے ماؤنٹ بیٹن کی دو غلطیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں ــ " ماؤنٹ بیٹن سے دو بھیانک غلطیاں سرزد ہوئیں اول یہ کہ ہندستانی افواج کو اتنی جلدی تقسیم نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ بہتر طریقہ تو یہ ہوتا کہ آزادی کے دن سے دو سال تک فوجیں فیلڈ مارشل اوکنلک کے

ماتحت رہتیں جو دونوں حکومتوں کے نظم ونسق کو چلانے اور برقرار رکھنے میں مدد دیتیں۔
دوسری غلطی یہ سرزد ہوئی کہ جب پاکستان نے مشترکہ گورنر جنرل کی پیش کش کو نامنظور کردیا تھا ایسی صورت میں وہ انڈین یونین کا گورنر جنرل نہ بنتے تو اچھا ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے یہ عہدہ دولتِ عظمیٰ برطانیہ کے دباؤ ڈالنے پر قبول کیا ہو لیکن یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس طرح ان کی پوزیشن مسلمانوں کی نظروں میں اس وقت اور نازک ہوگئی جب حالات قابو سے باہر ہوگئے تھے۔"

ان دو تنقیدات کے جواب میں میں نے مندرجہ ذیل تحریر جو اُنس کو لندن بھیجی :-
"یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ماؤنٹ بیٹن اور اسمے اوکنلک کے مزید قیام کی حمایت میں تھے لیکن جناح کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے ایسا قدم اٹھانا پڑا۔ جناح جلد از جلد افواج پاکستان کی تشکیل کرنا چاہتے تھے۔ پاکستان کے علاوہ ہندستان نے بھی افواج ہند کی تقسیم کی حمایت کی تھی اور اوکنلک نے تو باضابطہ ایسا قدم اٹھانے کی سفارش بھیجی تھی۔"

دوسری غلطی" کے بارے میں میں نے مندرجہ ذیل جواب دیا :-
"کانگریس نے کسی شرط کے بغیر ماؤنٹ بیٹن کو گورنر جنرل کے عہدہ کی پیش کش کی تھی۔ اگر وہ اس پیش کش کو محض اس لئے مسترد کر دیتے کہ مسلم لیگ نے ان کو مدعو کیوں نہیں کیا تو کانگریس کو اس پر اعتراض ہوتا۔ ماؤنٹ بیٹن نے ہندستان کا گورنر جنرل بننا اس لئے بھی منظور کیا کہ خود جناح اور لیاقت اپنی اور پاکستان کی طرف سے ان پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ یہ ہے وہ حقیقت جس کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حالات بگڑنے سے بہت پہلے ماؤنٹ بیٹن سے اس عہدے کی درخواست کی گئی تھی۔ لہٰذا اگر مسلمانوں کی نظروں میں ماؤنٹ بیٹن کی پوزیشن نازک ہوگئی تو اس کی ذمہ داری خود پاکستان پر ہے۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء

۱۹۴۷ء اندیشوں اور شکوک کی فضا میں ختم ہو رہا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان

کے تعلقات عموماً اور کشمیر کے خصوصاً نازک سے نازک تر ہو گئے ہیں۔ گذشتہ حیرت انگیز زماہ کے اندر ہم نے ہندستان میں جو کچھ کیا ہے اس کا جائزہ لینا کٹھن کام ہے۔ ہم خطرناک صورتِ حال سے دوچار رہے ہیں۔

۱۹۴۸ء کی ابتدا کے ساتھ ساتھ کشمیر کا بحران نئی کروٹ لے رہا ہے۔ ماونٹ بیٹن کی تجویز کو ایٹلی نے مسترد کر دیا ہے۔ وہ کشمیر کے معاملے میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان مصالحت ہی کرا سکتے ہیں لیکن اس کام کے لئے اقوام متحدہ سے بہتر ادارہ اور کیا ہو سکتا ہے انھوں نے نپے تلے الفاظ میں نہرو کو ایک پیغام بھی بھیجا ہے جس میں ان کو چوکنا رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

یہ جواب موصول ہونے کے فوراً بعد ہی حکومت ہند نے اقوام متحدہ سے اپیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے خواہ لیاقت کی طرف سے جواب آئے نہ آئے۔ حکومت نے شکایت نامہ کا جو مسودہ تیار ہے وہ نرم ہے البتہ ایک فقرہ تشویشناک ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو فوجی کارروائی کی جائے گی۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ سلامتی کونسل کی کمیٹی اس دھمکی کے پیش نظر مناسب قدم نہیں اٹھا سکتی۔

ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو یہ سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ اگر پاکستان کے کسی بھی علاقے پر حملہ کیا گیا تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ عالمی آراء پر اس کا جو ردعمل ہوگا وہ تو اپنی جگہ پر، اس حملے کا فوری نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں مملکتوں میں جو برطانوی افسران اسی وقت ہیں ان کے انخلاء کا راستہ خود بخود نکل آئے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قدم پاکستان کے مفاد کے لئے ضرر رساں ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ایسا کوئی قدم اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کو اپنے مشن میں ناکامی ہو گئی اور نہرو اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

اِدھر ہندستان نے اقوام متحدہ کو اپنی شکایات بھیجیں اور اُدھر نہرو کے خط کے جواب میں لیاقت کا مکتوب موصول ہوا۔ اس میں جوابی الزامات لگائے گئے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوب میں صرف کشمیر ہی کا سوال نہیں اُٹھایا تھا بلکہ اس میں ہندستان کے خلاف وہ سارے الزامات تھے جو تقسیم سے متعلق ہیں۔ لیاقت

نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ ہندستان پاکستان کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انھوں نے اقوام متحدہ سے مداخلت کرنے کی اپیل بھی کی تھی "تاکہ تمام اختلافات کا جلد از جلد ازالہ ہو سکے"
آمدہ اطلاعوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُوڑی ابتک حملہ آوروں سے محفوظ ہے اور ہندستانی افواج دشمن کے نرغے سے محفوظ ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔

ہفتہ ۳ جنوری ۱۹۴۷ء

آج شام کو ماؤنٹ بیٹن نے خطابات دینے کی رسم انجام دی۔ خطابات پارٹی کے سولہ افراد کو دئے گئے۔ جام نوشی کے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اٹھارہ ماہ کے اندر مجھے او۔بی۔ای اور سی۔آئی۔اِی کے جو خطابات دئے گئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ حالانکہ یہ قاعدہ چلا آرہا ہے کہ دو قسم کے خطابات دینے کے لئے کم از کم تین سال کا وقفہ درکار ہوتا ہے ورنن اور مجھے یعنی ہم دونوں کو سی۔آئی۔ای کا خطاب عطا کیا گیا۔

دی پی مینن کو بھی خصوصی سرٹیفکٹ سے نوازا گیا۔ ان کو کے۔سی۔آئی۔ای کا خطاب دیا جانے والا تھا لیکن چونکہ وہ نئی حکومت کے ایک رکن ہیں اس لئے انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے آج شب کو ایک بار پھر مینن کی لیاقت و ذہانت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی خصوصاً مارچ اور اگست کے درمیان انھوں نے ریفارم کمیشن اور اسٹاف میں غیر سرکاری رکن کی حیثیت سے شاندار خدمات انجام دی ہیں۔

رونی بروکمین کو بھی سی۔ایس۔آئی کا خطاب عطا کیا گیا۔ گذشتہ تین سال میں میں نے ان کی لیاقت کا اچھی طرح اندازہ لگایا ہے۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ انتقال اختیارات کے بعد سے وہ وائسرائے کے پرسنل سکریٹری کی بجائے گورنر جنرل کے پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کے عہدہ کا جو نام بھی رکھا جائے ان کی خدمات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ طویل القامت اور خوب تنومند ہیں۔ جن لوگوں کو بھی ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ان کے اندر انھوں نے عزم اور اعتماد کی شعائیں روشن کیں۔

باب ۲۱

مرن برت

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار۔ ۴ جنوری ۱۹۴۸ء

آج کا سارا دن برما کا جشن آزادی منانے میں گذرا۔ برمی سفیر یو ون کی رہائش گاہ میں پرچم کشائی کی شاندار رسم انجام دی گئی۔ اس تقریب میں گورنر جنرل اور ان کے سارے عملہ نے شرکت کی تھی۔ اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن اور برمی سفیر نے مختصر تقریریں بھی کیں۔ دن کا بقیہ حصہ برمی موسیقی سننے اور اسید و رقص دیکھنے میں گذرا۔ اس کے بعد ہم دربار ہال آ گئے۔ یہاں ماؤنٹ بیٹن اور سفیر نے اسناد سفارت پیش کرنے کی رسم میں حصہ لیا۔ عام طور پر اس نوع کی تقریبات بال روم میں انجام پاتی ہیں اور ان میں ملٹری ۔ کریٹری اور گورنر جنرل کے عملہ کے متعلقہ ارکان کے علاوہ سفیر اور ان کے عملہ کے ارکان شرکت کرتے ہیں چین اور امریکی سفیروں کی اسناد سفارت کی پیشی کے بعد تقریروں کا پروگرام تھا لیکن اسے منسوخ کر دیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے پھر برمی سفیر کی خدمت میں برما کا تاریخی تخت پوش اور قالین پیش کیا۔ ساتھ ہی انھوں نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ آئندہ مارچ میں وہ برما کا سرکاری دورہ کریں گے اور اس موقع پر وہ برما کے آخری بادشاہ تھی با کا عظیم تخت شاہی بھی حکومت برما

کو واپس کر دیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن کو برما سے قلبی لگاؤ ہے۔ مارچ ۱۹۴۵ء میں اونگ سانگ کے ساتھ ان کا معاہدہ اور جنرل رانس کی تقرری — ان کے یہ دو ایسے تاریخی فیصلے ہیں جو برما کے حصول آزادی میں مدومعاون ثابت ہوئے گذشتہ سال کی جولائی میں اونگ سانگ اور ان کی پوری کابینہ کے دردناک قتل کے بعد بھی قوم پرستوں کی تحریک سرد نہیں ہوئی۔ وہ برابر دولتِ مشترکہ سے علیحدگی پر زور دیتے رہے۔ جہاں تک میں حالات کا اندازہ لگا سکا ہوں وہ یہ ہے کہ برمی لیڈر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ انتقال اختیارات کے بعد انڈین کانگریس کی قرارداد مجریہ ۱۹۲۹ء فوراً عمل میں آجائے گی لیکن ان کو خبر نہ تھی اور نہ وہ اندازہ لگا سکے کہ کانگریس جو برطانیہ کی سخت ترین مخالف ہے درجۂ نوآبادیات قبول کرلے گی۔ برما کے چند افراد نے جو جشن آزادی منا رہے تھے اپنے اس اقدام پر تاسف کا اظہار بھی کیا

لنچ کے وقت میں برما کے مشہور رقاص پوسین کے پاس ہی بیٹھا تھا اس وقت ان کی عمر ستر سال ہے۔ ان کے بہترے مداحوں نے مجھے بتایا کہ ان کو فنِ رقص میں جو مہارت ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے بہت سے پیگوڈا تعمیر کرائے ہیں۔ شام کو امپیریل ہوٹل میں میں نے ان کے رقص کے خصوصی پروگرام میں شرکت کی۔ اس تقریب میں ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے علاوہ دیگر ممالک کے سفرا بھی شریک ہوئے تھے۔ اُن کے جسم کے ایک ایک عضو کا لوچ اور خم دیکھکر میں ششدر رہ گیا۔ ان کا یہ عمل غالباً رات بھر جاری رہتا لیکن سفیرِ موصوف اس پروگرام کو بڑی چابکدستی سے مختصر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۵ جنوری ۱۹۴۸ء

کشمیر کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کا جو موقف ہے اس پر اخباروں نے

دلچسپ قیاس آرائیاں شروع کردی ہیں۔ ان قیاس آرائیوں کی بنیاد حکومت ہند کے اس فیصلے پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کشمیر کے قضیہ کو اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس اقدام کی ماؤنٹ بیٹن شروع ہی سے حمایت کرتے چلے آرہے ہیں۔ ڈیلی ہیرالڈ نے اپنے نامہ نگار مقیم دہلی کی وساطت سے یہ اطلاع شائع کی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے کشمیر کی تقسیم کی آواز بلند کی ہے جس کی وجہ سے ان کے اور نہرو کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اختلاف رائے کی خلیج اس حد تک وسیع ہوگئی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے دھمکی دیتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ اگر ہندستان اور پاکستان متصادم ہوئے تو وہ اپنے عہدے سے فوراً مستعفی ہو جائیں گے۔ میں ان خبروں کے پیش نظر نہرو کے پرائیویٹ سکریٹری ایچ وی آر آئنگر سے ملا اور نہرو ان خبروں کی تردید کرنے پر رضامند ہو گئے جو ان کے خیال میں سو فیصدی جھوٹ پر مبنی ہیں۔

ایک امریکی اخبار پی ایم نے بھی عجیب و غریب راز کا انکشاف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن ایک ایسا منصوبہ تیار کر رہے ہیں جس کی رو سے انڈین یونین درجۂ نو آبادیات کو خدا حافظ کہہ کر بھی برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہ سکتا ہے۔ یہ رپورٹ لندن میں گڑھی گئی ہے، مقام اشاعت نیویارک ہے اور ہندستان ٹائمز، ایوننگ نیوز میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کرشنا مینن کے دورۂ دہلی کا بھی ذکر شامل ہے۔ جو رپورٹ اس حد تک الجھی ہوئی ہو اس کی نہ تصدیق کرنے کی ضرورت ہے اور نہ تردید کی۔ ماؤنٹ بیٹن ان مسائل پر غور و فکر ضرور کر رہے ہیں لیکن وہ ایسے کسی بھی "خفیہ منصوبہ" کے بانی نہیں ہیں!

یہ افواہیں بھی بازگشت کر رہی ہیں کہ ماونٹ بیٹن کو مقررہ وقت کے بعد بھی گورنر جنرل کے عہدہ پر متمکن رہنے کی درخواست کی جائے گی۔ میرے لئے یہ بہت مشکل ہو گیا ہے کہ میں ان افواہوں اور قیاس آرائیوں کی لگام کو کھینچوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ افواہیں اور قیاس آرائیاں نہ تو دہلی میں جنم لیتی ہیں اور نہ میں ان لوگوں کو جو یہاں نہیں ہیں کسی طرح قائل کر سکتا ہوں کہ ماؤنٹ بیٹن محض ایک آئینی گورنر جنرل ہیں۔ حکومتِ ہند خود اپنے اخباروں کے رویہ سے پریشان ہے۔ نہرو

خصوصاً اخباروں سے اس لئے بھی برگشتہ اور برہم نظر آتے ہیں کہ قبضۂ کشمیر کو اقوامِ متحدہ میں پیش کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا اُس کو اخباروں نے قبل از وقت عوام اور دنیا پر ظاہر کر دیا۔

آج شام کو کرنل کول مجھ سے ملنے میری قیامگاہ پر آئے۔ ملاقات کی یہ تجویز ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کے سامنے اپنی پچھلی میٹنگ میں پیش کی تھی۔ گوپال سوامی آئنگر اور شیخ عبداللہ کے ہمراہ کرنل کول بھی ہندستان کی نمائندگی کرنے لیک سکسس تشریف لے جا رہے ہیں۔ میرے سپرد یہ کام تھا کہ میں تعلقاتِ عامہ کے مسائل سے کرنل کول کو اچھی طرح واقف کرادوں۔ میں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ کرنل کول سے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ شیخ عبداللہ کی آتشین شخصیت بیڑا غرق نہ کردے اور آئنگر جو بظاہر انڈیا کے کیس کو بڑی چابکدستی سے پیش کر سکتے ہیں غیر ممالک میں اور خصوصاً اقوامِ متحدہ کی شخصیتوں میں روشناس نہیں ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آئنگر کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کیا جائے اور عبداللہ کو پس پشت رکھا جائے۔ میں نے عبداللہ کی پریس کانفرنسوں کے بارے میں کہا کہ وہ سری نگر میں جس نوعیت کی پریس کانفرنسیں کرتے آ رہے ہیں ویسی لیک سکسس کے لئے قطعی مفید نہیں ہیں۔ میں نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ کمزور اور ناپختہ نوع کی پریس کانفرنسوں سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کیا جائے۔

میں نے ان کی ٹیم میں مزید ایک رکن کو شامل کرنے پر زور ڈالا۔ میں نے کہا کہ ایسے رکن کی ضرورت ہے جو تعلقاتِ عامہ کے فرائض کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے اس کام کے لئے میں نے بی ایل شرما کے پُرزور لفظوں میں سفارش کی۔ کول بھی ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انھوں نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ وہ سرکاری حلقے میں تعلقاتِ عامہ کے افسروں میں بڑے ہی باصلاحیت افسر ہیں۔ کول کو آنے والے خطرات کا بھی بخوبی علم ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر شیخ عبداللہ کو امریکی پریس کا شکار ہونے سے روکا نہ گیا تو ہندستان کو تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۶ جنوری ۱۹۴۸ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن کی ایک تجویز زیرِ بحث آئی۔ ماؤنٹ بیٹن

ہندستانی نوآبادیات کے لئے اعزازات اور انعامات دینے کے رواج کی بناڈالنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہندستانی افواج کو وسیع کرنے کا خیال انگیز کیس بھی تیار کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہندستانی ریاستوں میں جو عسکری طاقت ہے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندستان میں بڑے پیمانے پر فوج تشکیل پائے ——— اور اس سے دور امن کے اہم اور عظیم منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی خدمات لی جائیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۷۔ جنوری ۱۹۴۸ء

وزیر ریاست پٹیل کی رضامندی کے بعد اس ہفتہ ماؤنٹ بیٹن گورنمنٹ ہاؤس میں بڑے اور چھوٹے رجواڑوں سے الگ الگ ملاقاتیں کر رہے ہیں۔ انھوں نے آج بڑے رجواڑوں سے کہا کہ وہ اپنے خاندانی امور کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کریں۔ جب اس سوال پر کھل کر باتیں ہوئیں تو الور کے مہاراجہ کا پارہ ایک دم سے چڑھ گیا اور انھوں نے گرجتے چنگھاڑتے ہوئے کہا ــ" اگر لوگ جنت کی بجائے جہنم کو ترجیح دیتے ہیں تو پھر انھیں جنّت میں رہنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔" جب ماؤنٹ بیٹن نے انڈین یونین کی سفارتی سروس میں رجواڑوں کو شرکت کرنے کے فوائد بتائے تو مہاراجہ الور نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ــ" اگر ان کو سفارتی سروسوں میں شامل کیا گیا تو یہ کوئی کرم فرمائی نہ ہوگی۔ جب مینن اسٹیٹس سکریٹری بنائے جاسکتے ہیں تو مہاراجہ بیکانیر کو کیوں نہیں بنایا جاسکتا؟" ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا ــ" میں یہاں کرم فرمائی کی بات کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ میں تو صورت حال کا ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ لے رہا ہوں۔" صبح کو جو میٹنگ ہوئی اس میں میں نے اتفاقیہ طور پر دیکھا نواب آف بھوپال نے وی پی مینن کو گلے سے لگا لیا۔ حالانکہ اس جذبۂ دوستی کا اظہار ایک والئ ریاست دوسرے والئ ریاست ہی سے کرسکتا تھا

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔

جمعہ ۹ جنوری ۱۹۴۸ء

" دی فلیٹ اسٹریٹ لیٹر" کے ایڈیٹر پیٹرک سیٹ لینڈ نے مجھ سے کئی سوالات پوچھے

ہیں۔ میں ان سے اپنے زمانہ گذشتہ دورۂ لندن میں ملا تھا۔ کشمیر کے بارے میں میرے نظریات کیا ہیں اس پر انھوں نے یہ سوال پوچھا ہے ۔ "کیا یہ مسئلہ مہینوں بلکہ برسوں طول کھینچتا رہے گا ؟ کیا حکومت ہند کا واقعی یہ خیال ہے کہ سیکیورٹی کونسل میں یہ مسئلہ پیش کرنے سے اُسے کوئی فائدہ پہنچے گا ؟ یا کشمیر میں حکومت ہند کی عسکری پوزیشن اتنی نازک اور خطرناک ہوگئی ہے کہ عالم مایوسی میں اس نے ایسا قدم اُٹھایا ہے ؟"

میں نے ان سوالوں کا جواب اس طرح دیا ۔ "میں نے یہاں بیٹھکر حالات کا جس انداز سے جائزہ لیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں مملکتوں کے درمیان کشمیر ہی قابلِ ذکر قضیہ رہ گیا ہے ۔ میدانِ جنگ تک کمک پہنچانے میں ہندستان کو دشوار گذار راہوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ مواصلات انتہائی خطرناک ہیں ۔ لہٰذا عسکری نقطۂ نظر سے یہ قضیہ طول کھینچ سکتا ہے۔ میرے خیال میں مسئلہ بنیادی طور پر قطعی سیاسی ہے ۔ اس قضیہ کے ختم ہونے کی صرف ایک ہی امید ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں حکومتیں التوائے جنگ کا اعلان کردیں اس لحاظ سے اس قضیہ اور انڈونیشیا کے قضیہ میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

"یہ قطعی غلط فہمی ہے کہ ہندستان مایوس ہوکر اقوام متحدہ میں اپیل کر رہا ہے ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہندستان کا موقف اخلاقی اور آئینی دونوں لحاظ سے بہت مضبوط ہے اور سکیورٹی کونسل ہی وہ واحد ادارہ ہے جہاں اس کیس کو پیش کیا جا سکتا ہے صورتِ حال کی غالباً خطرناک تصویر یہ ہے کہ کوئی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ ناکامی کی صورت میں کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی اور اگر دونوں مملکتوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو برصغیر بھی عالمی سیاسی چپقلش کے گرداب میں پھنس کر رہ جائے گی ۔"

گورنمنٹ ہاؤس ۔ نئی دہلی

ہفتہ ۱۰ جنوری ۱۹۴۸ء

آج سہ پہر کو ماؤنٹ بیٹن نے تقریباً پچاس غیر اہم رجواڑوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں انھوں نے جرمن ریاستوں کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ کس طرح ان ریاستوں کے والیوں نے نپولین کے میثاق پر معاہدہ کرلیا تھا ۔ ان رجواڑوں میں بیشتر ایسے تھے جن کو نہ تاریخ سے کوئی دلچسپی ہے نہ سیاست سے ۔ اس لئے جب وہ

ملاقات کے بعد باہر آئے تو ان کی پتلیاں پھڑ پھڑا رہی تھیں جیسے بہت دیر تک وہ تیز دھوپ کو دیکھتے رہے ہوں لیکن ان میں سے چند ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے ماونٹ بیٹن کے مشورہ کو دلچسپی سے سنا اور اس پر غور بھی کیا۔

آج رات ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے رجواڑوں کو ڈنر پر مدعو کیا۔ گورنمنٹ ہاؤس میں دھولپور کے ہز ہائی نس کو دیکھکر میں ششدر رہ گیا کیونکہ گذشتہ جولائی میں انھوں نے مجھے یہ تاثر دیا تھا کہ وہ دوبارہ دہلی تشریف نہیں لائیں گے۔ ڈنر کے بعد میں نے ان سے گفتگو کی تو انھوں نے بتایا کہ ان کی اور آس پاس کی ریاستوں میں کانگریس کی طرف سے جو مظاہرے ہو رہے ہیں اُن کی وجہ سے وہ بیحد پریشان ہیں جب میں نے اُن سے تفصیلات دریافت کیں تو انھوں نے گوالیار میں ڈاکٹر لوہیا کی اشتعال انگیز تقریروں کی مثال پیش کی، کانگریس میں جے پرکاش نرائن کا جو سوشلسٹ گروپ ہے ڈاکٹر لوہیا اس کے ایک لیڈر ہیں۔ یہ گروپ عنقریب کانگریس سے علیحدہ ہو رہا ہے۔ اس گروپ کے جملہ لیڈروں نے الحاق کی پالیسی سے جس کے بانی ماؤنٹ بیٹن اور پٹیل ہیں مخالفت کی تھی۔

لیک سکسس روانہ ہونے سے کچھ ہی پہلے شیخ عبداللہ نے بمبئی میں الوداعی پریس کانفرنس کی جس میں انھوں نے اپنی شعلہ بیانی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ انھوں نے دی ٹائمز اور مانچسٹر گارجین پر حملے کئے اور بی بی سی کو انتشار پھیلانے پر لعنت ملامت کی۔ ان سے نمٹنا واقعی جان جوکھوں کا کام ہے۔ امریکہ پہنچ کر بھی ان کا موقف یہی رہا تو ہندستانی کیس کی کامیابی کے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔

پیر ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء

ہم دہلی جیم خانہ کلب میں تھے کہ گاندھی جی کے مرن برت کی اطلاع موصول ہوئی۔ اس اطلاع کو سُن کر ہم سب چونک پڑے خصوصاً میں تو ششدر رہ گیا کیونکہ دھندلکا ہونے سے کچھ قبل جب میں ورتن کے ساتھ اس کو اُکش کھیل کر لوٹ رہا تھا تو گاندھی جی کو ماؤنٹ بیٹن کے کمرۂ مطالعہ میں دیکھا تھا۔ غالباً مختصر نوٹس پر یہ ملاقات

طے پائی تھی۔

پرارتھنا کے فوراً بعد ہی گاندھی جی بھی ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے لئے آئے تھے اور انھوں نے اعلان کیا تھا کہ "میں برت اسی صورت میں توڑوں گا جب مجھے کُلّی طور پر اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ کسی بیرونی دباؤ کے بغیر تمام فرقے آپس میں شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ بھگوان جس کو میں عظیم ترین صلاح کار اور مشیر سمجھتا ہوں اسی کے ایما پر میں مرن برت رکھنے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔" چونکہ گاندھی جی پرارتھنا سے پہلے دن بھر خاموشی کا برت رکھ رہے تھے اس لئے نہرو اور پٹیل تک کو ان کے اس مجوزہ اقدام کی اطلاع نہ مل سکی۔ اس کے بعد انھوں نے دہلی کی افسوسناک فرقہ وارانہ فضا پر اپنے گہرے "دکھ" کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انھوں نے یہ راہ اختیار کی۔

دورانِ گفتگو میں گاندھی نے ماؤنٹ بیٹن کی بے لاگ رائے دریافت کی کہ آخر ہندستان نے پاکستان کو پچپن کروڑ واجب الادا نقد زر دینے سے انکار کیوں کر دیا ہے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن بے لاگ رائے دینے سے نہیں ہچکچائے اور بولے کہ یہ فیصلہ غیر دانشمندانہ ہے۔ گاندھی نے کہا کہ وہ یہ سوال نہرو اور پٹیل کے سامنے بھی اٹھائیں گے اور اس کی وضاحت کر دیں گے کہ تحقیقات کرانے کا قدم ان ہی کے ایما سے اُٹھایا گیا ہے اور ماونٹ بیٹن کے خیالات بھی ان ہی نے دریافت کئے تھے۔

مرن برت کے فیصلے کے خلاف ماونٹ بیٹن کچھ کہنا خطرہ سے خالی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے کسی پس و پیش کے بغیر گاندھی کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور اُمید ظاہر کی کہ فضا کو خوشگوار بنانے میں اس اقدام سے مدد ملے گی۔ اس کے بعد گاندھی اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ماؤنٹ بیٹن کے کمرۂ مطالعہ سے رخصت ہو گئے۔ مرن برت کل دن کے گیارہ بجے شروع ہو رہا ہے۔

جیم خانہ کلب میں پارٹی بڑی جلدی ختم کر دی گئی کیونکہ متعدد نامہ نگار رپورٹیں تیار کرنے کے لئے رخصت ہو گئے۔ مرن برت کے اعلان پر عام طور پر یہ خیال پایا گیا کہ یہ فیصلہ برمحل اور بروقت ہے اور یہ کہ کلکتے میں مہاتما کو جو نفسیاتی فتح نصیب ہوئی ہے یہاں بھی ایسی ہی فتح کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کامیابی کا انحصار

سکھوں کے رویہ پر ہے کیونکہ ان پر گاندھی کے اثرات ویسے نہیں ہیں جیسے ہندؤں اور مسلمانوں پر ہیں۔

گاندھی جی کے اس اقدام کا سبب بعض حلقوں میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ نہرو اور پٹیل کے کشیدہ تعلقات سے انھیں روحانی صدمہ پہنچا ہے۔ گاندھی نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اگر پاکستان کو پچپن کروڑ واجب الادا روپے ادا نہیں کئے گئے تو وہ پٹیل سے ٹکر لینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ بلاشبہ نہرو اور پٹیل ایک دوسرے کی ضد بنتے جا رہے ہیں اور دونوں کے تعلقات تشویشناک حد تک کشیدہ ہو گئے ہیں۔ گاندھی کو امید ہے کہ وہ دونوں کے تعلقات کو ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوں گے بالفرض انھیں کامیابی نہ ہوئی تو نہ صرف کانگریس کا وجود بلکہ انڈیا کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

گاندھی کی مقناطیسی شخصیت کو سمجھنے کے لئے اُن کا قرب بہت ضروری ہے ان کی پوری زندگی اس لئے بھی سحر انگیز ہے کہ عوام اُن کے دسترس میں ہیں۔ اس میدان میں انھیں جو حیرتناک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ وہ ہر زمانہ اور ہر دَور کی قیادت کے عظیم ترین رہنماؤں میں سے ہیں۔

گجنر، بیکانیر

بدھ ۱۴ جنوری ۱۹۴۸ء

گاندھی کے مرن برت کے باوجود ماؤنٹ بیٹن کا دورۂ بیکانیر منسوخ نہیں کیا گیا البتہ یہ طے پایا کہ مہاتما کے احترام میں سرکاری ضیافت کا انتظام نہیں کیا جائیگا۔

روانگی سے تھوڑی دیر پہلے نہرو اور پٹیل الگ الگ ماؤنٹ بیٹن سے ملنے آئے۔ گاندھی کے فیصلہ کا ردعمل دونوں پر مختلف ہوا ہے۔ پٹیل کا خیال ہے کہ مرن برت بر وقت نہیں ہے اس لئے اس کا نتیجہ مہاتما کے خیال کے برعکس ظاہر ہو سکتا ہے۔ لیکن نہرو گاندھی کے اس اقدام پر مدح خواں اور مسرور ہیں۔

دن کے گیارہ بجے ہم پالم ہوائی اڈہ سے روانہ ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹہ میں نال ہوائی اڈہ پہنچ گئے۔ یہاں سے تقریباً تیرہ میل کے فاصلہ پر گجنر واقع ہے

یہیں مہاراجہ کی شکار گاہ ہے۔ چنانچہ سیدھے ہوائی اڈہ سے ہم یہیں لائے گئے۔ یہاں مہاراجہ نے مصنوعی نخلستان بنایا ہے جس میں ایک میل لمبی جھیل بھی بہتی ہے راجپوتانہ کے ریگستان میں یہ نخلستان کتنا پرکیف اور دلاویز منظر پیش کرتا ہے مہاراجہ کو شکار کا جنون ہے۔ اس نخلستان میں انھوں نے شکار کی پُر بہار جنت تعمیر کی ہے گورنر جنرل کی پارٹی میں کل اٹھائیس افراد ہیں — یعنی پوری جماعت — یہاں مہاراجہ نے ہمارے آرام اور سکون کے کافی انتظامات کئے ہیں۔ ہماری تفریحات کا جو ایجنڈا مرتب کیا گیا ہے وہ ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جب ہم جھیل کے کنارے پہنچے تو مہاراجہ کے احکامات سنائے گئے:

"ہز ہائی نس اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ایک ہفتہ پہلے سے جھیل کے کنارے اُگے ہوئے درختوں پر کوّوں اور دیگر طیور کو بیٹھنے سے روکا گیا ہے۔ خصوصاً پنج کے دن تو اس سلسلے میں خاص خیال رکھا جائے گا۔"

سہ پہر کو گجنر جھیل میں مرغابیوں کے شکار کا پروگرام بنایا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مرغابیاں جھیل کے کنارے کنارے اُڑتیں اور ان کو بندوق کا نشانہ بنایا جاتا۔ دیکھتے دیکھتے سینکڑوں مرغابیوں کا شکار کیا گیا۔

شامیانہ کے نیچے ہمارے طعام کا انتظام کیا گیا تھا۔ شامیانہ ریشم و اطلس کا بنایا گیا تھا اور فرش پر قیمتی قالین بچھائے گئے تھے۔ طعام سے فراغت کے بعد مہاراجہ نے وہ فلمیں دکھائیں جن میں وہ شکاری کی حیثیت سے نظر آئے۔ کھیل کود اور شکار سے ان کو اس حد تک دلچسپی ہے کہ اس سلسلے میں انھوں نے دنیا بھر کے ملکوں کا دورہ کیا ہے۔

لال گڑھ۔ بیکانیر

جمعرات ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء

ہز ہائی نس پر جب یہ واضح ہو گیا کہ مجھے نہ تو شکار کا شوق ہے اور نہ میں کوئی ماہر شکاری ہوں تو انھوں نے شاہی سینڈ گراؤس (ایک قسم کا پرندہ) کے شکار کے لئے مجھے آمادہ کیا۔ چنانچہ بیکانیر کے ایک اے۔ ڈی۔ سی نے میری معاونت کی۔

صبح کے ساڑھے سات بجے میں بندوق لیکر تیار ہوگیا۔ اس علاقے پر تقریباً تیس ہزار پرندوں نے پرواز کی۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ لہٰذا ان کی طرف نشانہ باندھنا بہت ہی مشکل کام ثابت ہوا۔ اس کے باوجود میں نے کوئی چوبیس پرندوں کا شکار کیا۔ مجھے تو اپنے آپ پر تعجب ہوا ہی دوسرے بھی میری مہارت دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ کیونکہ میرا پہلا نشانہ ہی صحیح ثابت ہوا۔ پارٹی کے دیگر افراد میں کسی نے پچاس اور کسی نے سو سے اوپر پرندوں کا شکار کیا۔ جب ماؤنٹ بیٹن کے علم میں یہ بات لائی گئی تو وہ بیحد محظوظ ہوئے۔ مہاراجہ آف بیکانیر نے کہا کہ شہنشاہ جارج پنجم بھی تقریباً ایک گھنٹہ میں ایک پرندہ کا شکار کرسکے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ۔" تمہاری نشانہ بازی سے دوسروں کی ہمت پست ہو گئی ہوگی"۔

سہ پہر کو ہم کار سے لال گڑھ محل آئے۔ ہفتہ تک ہمارے قیام کا انتظام اس محل میں کیا گیا ہے۔ یہ محل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی یونیورسٹی ہو یا کالج۔ ساڑھے سات بجے ہم محل کے دربار ہال آئے۔ یہاں ماؤنٹ بیٹن، ہز ہائی نس کو جی سی ایس آئی کے امتیازی نشان سے آراستہ کریں گے، ہم نے گیلری سے ریاست کے امراء اور افسران کو سرخ اور زرد رنگ کے قیمتی ملبوسات میں دیکھا۔ ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن، مہاراجہ اور گدی کے جانشین قیمتی ملبوسات میں آراستہ طلائی کرسیوں پر جلوہ افروز تھے۔ ماؤنٹ بیٹن اور مہاراجہ کی تقریروں میں کوئی رسمی بات نظر نہ آئی۔ ان میں اُن کی محبت و دوستی اور فکر و نظر کی ہم آہنگی پوشیدہ تھی۔

اس رسم کے اختتام کے بعد ہم کاروں کے جلوس میں وبھہ باغ گئے ۔ یہاں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ہم بیکانیر کی فضا سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو کر بیورلی پہاڑ پر آگئے ہوں۔ کیونکہ یہاں کلب بھی ہے جس میں کاک ٹیل بار کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ ہم نے یہاں رقص کیا، بل یرڈز کھیلے یہاں تک کہ نصف شب گذر گئی اور پھر ہم لال گڑھ واپس چلے گئے۔ کل کا دن انتہائی معروفیتوں کا ہے کیونکہ متعدد پروگراموں میں شرکت کرنی ہے۔

قصر لال گڑھ، بیکانیر

جمعہ ۱۶ جنوری ۱۹۴۸ء

آج سارا دن رسم کی ادائیگی اور مناظر بینی میں گذرا۔ ماؤنٹ بیٹن اور مہاراجہ ٹھیک ساڑھے نو بجے پریڈ میدان میں پہنچ گئے تھے۔ شاہی سلامی اور معائنہ کے بعد فوجوں کا مارچ پاسٹ، نیزہ برداروں کی پریڈ، اونٹوں کا مورچہ وغیرہ دیکھا۔ بیکانیر کی گھوڑ سوار فوج کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے کوہیما اور امپھال کی جنگوں میں اس کے کارنامے بھلائے نہیں جاسکتے۔ ان رسموں کی ادائیگی کے بعد ہم قلعہ دیکھنے گئے۔ یہاں ہم نے وہ شاہی ساز و سامان دیکھے جو مغل شہنشاہوں نے بیکانیر کے مہاراجوں کو تحفے میں دئے تھے۔ اس کے علاوہ سنسکرت اور اردو کے قدیم اور قیمتی قلمی نسخے بھی دیکھے۔ ایک گھنٹہ تک اس قلعہ کے حسن و خوبصورتی کو دیکھنے کے بعد ہم پھر کاروں کے جلوس کی شکل میں شہر کی سڑکوں سے گذرے۔ سڑکوں کی دونوں جانب بہت دور تک لوگوں کا ہجوم تھا۔۔۔۔۔۔۔ ہجوم نے ماؤنٹ بیٹن اور مہاراجہ کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا۔

محل واپس آنے کے بعد ہم لنچ کا انتظار کر ہی رہے تھے کہ میں پانیکر کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوگیا۔ وہ اب تک مہاراجہ کے دیوان ہیں۔ گاندھی کے مرن برت کے بارے میں انھوں نے کہا کہ اس سے امید افزا نتیجہ نکلے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ پٹیل کی وجہ سے یہ قدم اٹھایا گیا ہے کیونکہ تین ماہ پیشتر جب گاندھی دہلی آئے تو پٹیل کے ساتھ ان کا سخت تصادم ہوگیا تھا اور اس وقت گاندھی نے کہا تھا "ولبھ بھائی میں ہمیشہ تمہیں اور خود کو ایک سمجھا کیا لیکن اب معلوم ہوا کہ ہم ایک نہیں دو ہیں"۔ باپو کو غلط سمجھنے کی وجہ سے پٹیل کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

پانیکر نے پٹیل اور گاندھی کے تعلقات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ پٹیل کے ہاتھوں میں اگرچہ حکومت کا سارا کل پرزہ ہے لیکن ان کو اس بات کا کما حقہ علم ہے کہ عوام گاندھی کے ساتھ ہیں۔ عوام پر ان کا اثر اتنا گہرا ہے کہ اگر پٹیل اس اثر کو ختم کرنا بھی چاہیں تو وہ کامیاب نہیں ہوسکتے۔ گاندھی اگرچہ نہرو کا ہاتھ مضبوط کرنے کی

فکر میں ہیں لیکن وہ پٹیل سے بھی دشمنی مول لینا نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ کسی طرح ان کو تاج کرنا چاہتے ہیں۔

پانیکر نے گاندھی کی سیاسی بصیرت و فراست کو خراج تحسین پیش کیا۔ انھوں نے کہا۔ "تقریباً بیس سال کے بعد کچھ روز پہلے ان سے میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے کہا کہ ریاستوں میں آئینی تکمیل کا کام آہستہ آہستہ کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ اس پر انھوں نے احتجاج کیا۔ لیکن میں خاموش رہا۔ وہ عوام کی سادہ اور عام فہم زبان بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرارتھنا کی میٹنگوں وغیرہ میں وہ اس سادہ زبان میں اپنا مافی الضمیر سمجھاتے ہیں لیکن نجی اور پرائیویٹ گفتگو میں ان کی شیریں کلامی دلوں کو خوش کر دیتی ہے۔ فہم و ادراک کے تو وہ مالک ہیں۔"

آج سہ پہر کو ہمیں یہ اطلاع ملی کہ کابینہ نے ازراہ خیر سگالی پاکستان کو پچپن کروڑ روپے منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آج رات فلم شو ختم ہوئی تو ماؤنٹ بیٹن نے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "گذشتہ تین ماہ میں یہی ایک ایسی خبر سننے میں آئی جس کے جلو میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔" لیکن اس فیصلہ پر پٹیل کا جو ردعمل ہوگا۔ اس کے بارے میں پانیکر نے تشویش ظاہر کی۔

ماؤنٹ بیٹن نے بھی پانیکر کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک بات چیت کی۔ میرا خیال ہے کہ مدت کے بعد دونوں نے اتنی دیر تک کھل کر باتیں کیں۔ میں جس زاویہ سے بھی پانیکر کو دیکھتا ہوں وہ مجھے اتنے ہی زیادہ ذہین و فطین نظر آتے ہیں۔ ان کی سیاسی بصیرت پر کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ تاریخ پر ان کو خاصا عبور حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالات حاضرہ پر وہ بے تکان گفتگو کرتے جاتے ہیں۔ ہندستان میں چھ سات شخصیتیں ہی ایسی ہیں جن کا اثر ملک کی خارجی و داخلی امور پر بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک پانیکر بھی ہیں۔ ان کے دشمنوں کی کمی نہیں۔ بعض تو ایسے ہیں جن کا خیال ہے کہ پانیکر جاہ طلب ہیں اور قابل اعتماد نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ ان سے محض اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں معمولی عقل و فراست عطا کی ہے۔ دراصل یہ انتہائی خطرناک رجحان ہے کہ ادنیٰ اور کم پڑھے لکھے انسان ایک عالی دماغ کو حقیر سمجھنا شروع کر دیں۔

پانیکر نے مجھ سے کہا۔ "میں نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ مشورہ دیا کہ درجۂ نوآبادیات کے مسئلہ میں اُلجھنے کی بجائے وہ ہندستان اور انگلستان کے تعلقات کو مستحکم بنانے کے لئے قدم اُٹھائیں۔ نہرو کو خود یقین ہو چلا ہے کہ اس وقت برطانیہ اور ہندستان کے درمیان باہمی مفاہمت کی سخت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک سارے مسائل ایک ایک کر کے حل پذیر نہ ہو جائیں اس وقت تک ماؤنٹ بیٹن ہندستان سے رخصت نہیں ہوں گے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ فروری میں نہرو کے ساتھ میں بھی لندن جاؤں اور چین جانے کی بجائے وہاں مرکزی حکومت کے آئینی مشیر کے فرائض انجام دوں"۔ پانیکر نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ سیاسی پیچیدگیوں میں پڑنے کی بجائے دو ایک سال کے لئے ہندستان سے باہر ہی رہنا چاہتے ہیں۔

لنچ کے بعد مہمانوں نے تفریحات میں وقت گزارا۔ ہم میں سے بعضوں نے اونٹ کی سواری کی اور خوب لطف اندوز ہوئے۔ کبھی کبھی اونٹ کی طبع نازک پر ہم بار گذرتے تو وہ بدک جاتا لیکن اس نے ہماری نافرمانی نہیں کی!

شام کو شہنشاہ جارج ششم اسٹیڈیم میں ہم نے فوجی ٹورنامنٹ میں حصہ لیا اس میں باڈی گارڈ اور اونٹ کے دستوں نے اپنے کرتب دکھائے۔ اس کے بعد دربار ہال میں ہم آخری ڈنر پارٹی میں شریک ہوئے۔ لال گڑھ کا یہ مختصر قیام یادگار رہے گا۔ ڈنر ختم ہوا تو مہاراجہ نے اپنی چند اور فلمیں دکھائیں۔ اس بار فلمیں دکھانے کا انتظام ڈائننگ روم ہی میں کیا گیا تھا۔ دیواروں پر آویزاں فریموں کے اندر ان جانوروں کی تصویریں ہمیں حسرتناک نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں جن کو مہاراجہ نے شکار کر کے اپنا شوق پورا کیا تھا!

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء

مہاراجہ کی شاندار ضیافت اور تواضع کی یادیں دلوں میں لئے ہم صبح سویرے دہلی روانہ ہو گئے۔ بیکانیر کا مہاراجہ اپنی رعایا کی معاشرتی اور سماجی اصلاحات میں جو دلچسپی لے رہا ہے وہ دیگر رجواڑوں کے لئے اچھی

مثال ہے۔ دہلی واپس آنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن فوراً گاندھی سے ملنے برلا ہاؤس پہنچ گئے۔ وہ بیحد کمزور ہو چکے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے برت توڑنے پر گاندھی سے درخواستیں کیں مگر وہ اپنے اس عمل پر مستحکم رہے۔ انھوں نے کہا — "برت توڑنے کے لئے میں نے سات شرائط رکھی ہیں جن میں اہم ترین شرط یہ ہے کہ دہلی اور ہندستان کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے شہری حقوق بحال کئے جائیں اور ان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔

باب ۲۲

مہاتما کا قتل

گورنمنٹ ہاؤس ۔ نئی دہلی

اتوار ۱۸ جنوری ۱۹۴۸ء

کابینہ میں پچپن کروڑ روپے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد راجندر پرشاد اور مولانا آزاد کی نگرانی میں بین فرقہ وارانہ امن کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی نے تھوڑے ہی دن میں قابلِ تحسین کارنامے انجام دئے۔ چنانچہ آج سویرے مہاتما کو اس بات کا یقین دلایا گیا کہ دہلی میں دوستانہ فضا بحال ہو گئی ہے۔ اس یقین دہانی کے بعد مہاتما نے ایک سو ساڑھے اکیس گھنٹے کے بعد اپنا مرن برت توڑ دیا۔ اس برت سے نحیف و نزار جسم بُری طرح اثر پذیر ہوا ہے۔ قوتیں زائل ہو چکی ہیں اور کمزوری چہرے سے نمایاں ہے لیکن برت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں سے شکوک اور اندیشے دور ہو گئے اور ان کی اخلاقی حالت گرتے گرتے سنبھل گئی۔ البتہ سکھوں کے اندر اشتعال انگیزی کی آندھیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ سکھ جلوس کی شکل میں ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں لئے برلا ہاؤس کے باہر یہ نعرہ لگاتے ہوئے گذر رہے ہیں۔ "گاندھی مردہ باد"۔ اس نازک فضا کے پیشِ نظر سکھ نمائندوں نے امن کمیٹی کی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔

پرارتھنا میٹنگ میں گاندھی نے ایک پیغام بھیجا ہے جس میں وہ کہتے ہیں۔ "اگر

امن برقرار رکھنے کے حلف نامے پر سختی سے عمل درآمد کیا جاتا رہا تو میں بھگوان سے اپنی پوری شکتی کے ساتھ پرارتھنا کروں گا کہ مجھے طویل عمر تک زندہ رکھا جائے تاکہ میں آخری لمحے تک انسانیت کی سیوا کرسکوں۔" ان کے قریبی حلقوں کا خیال ہے کہ طویل عمر سے ان کا مطلب ہے ایک سو پچیس سال۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ ایک سو تیس سال۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء

متعدد امریکی اخباروں کے نمائندہ ونسنٹ شین اور ٹائم اور لائف کے نامہ نگار مقیم دہلی باب نیول نے آج ہمارے ساتھ لنچ کھایا۔ گاندھی کے برت پر اظہار خیال کرتے ہوئے شین نے کہا کہ گاندھی نے تبدیلیٔ موسم کی وجہ سے اپنا مرن برت توڑا ہے (حالانکہ وہ شعوری طور پر اس کلیہ کو تسلیم نہیں کرتے) ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی روح کی آواز ہو۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ تصوف اور موسمیات میں قریبی رشتہ ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے اسٹو سے یہ ساری باتیں برت توڑنے سے پہلے ہی کہی تھیں اور دونوں اس پر متفق تھے کہ گاندھی کا برت نادر اور بے مثال واقعہ ہے اور اس سے مذہب کی بے پناہ طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیول نے کہا کہ روزولٹ بھی مذہب کو اپنی سیاست میں مدغم کیا کرتے تھے۔

دونوں اُس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں جس سے نہرو کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیول نے مجھ سے کہا کہ ایک شخص برلا ہاؤس کے سامنے والی سڑک پہ کھڑا ہو کر ٹریفک کو آمد و رفت سے روک رہا تھا اور اعلان کرتا جاتا تھا کہ وہ "کرشن کا اوتار" ہے۔ نہرو اس کے پاس گئے۔ اُسے روکا لیکن وہ نہ مانا۔ اس کے بعد طیش میں آکر نہرو نے اس کو ہاتھوں سے اٹھالیا سڑک کے کنارے لے گئے اور وہیں چھوڑ دیا۔ اور وہ وہاں سے ہاتھ پونچھتے ہوئے یوں آئے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا!

قصر وزیر اعظم میں شین نہرو سے انٹرویو لے رہے تھے کہ وہ ان کو چینی تصویریں دکھانے ڈائننگ روم لے گئے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے نہرو کا پاؤں ایک شخص کے

جسم پر پڑ گیا جو وہیں زمین پر سو رہا تھا۔ انھوں نے کہا۔" یہاں کوئی سو رہا ہے۔" اتنا کہہ کر انھوں نے اپنی گفتگو کی رفتار دھیمی کر دی۔ اتنی دھیمی جیسے کوئی کانا پھونسی کر کر رہا ہو تا کہ اس گفتگو سے اُس شخص کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء

ابھی گاندھی کے مرن برت توڑنے پر خوشیاں منائی ہی جا رہی تھیں کہ آج برلا ہاؤس کے باغ میں کسی نے بم پھینکا۔ گاندھی نے مرن برت کے بعد آج ہی پرارتھنا کی میٹنگ میں شرکت کی تھی اور آج ہی یہ ناگوار حادثہ رونما ہوا۔ اس بم کے دھماکے سے صرف برلا ہاؤس کی دیوار کو تھوڑا سا نقصان پہنچا۔ لیکن نہ تو اس کی وجہ سے کوئی زخمی ہوا اور نہ بھگدڑ مچی۔ گاندھی بھی بڑے اطمینان سے پرارتھنا میں مصروف رہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن اُن سے ملنے گئیں تو انھوں نے صرف اتنا کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آس پاس فسادات برپا کرنے کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء

آج سویرے میں ایچ وی آر آئنگر سے ملا۔ انھوں نے کہا کہ وزیر اعظم تک یہ افواہیں پہنچ گئی ہیں کہ ہندستانی اور غیر ملکی صحافیوں کو میں نے تقسیم کشمیر کے موضوع پر بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ میرے خلاف یہ الزام بھی تراشا گیا ہے کہ میں نے فی الوقت صحافیوں کو تقسیم کا موضوع نہ چھیڑنے کا مشورہ دیا ہے کیونکہ غالباً برطانیہ کے ایما پر لیک سکسکس میں یہ موضوع زیر بحث آئے گا۔ میں نے پرزور الفاظ میں ان الزامات کی تردید کر دی ہے۔ میں نے کہا ہے کہ گذشتہ پندرہ دنوں سے اس جھوٹ کے خلاف جنگ کرتا آیا ہوں کہ ماؤنٹ بیٹن نے لندن کے دورانِ قیام میں تقسیم کشمیر کا نظریہ پیش کیا تھا اور ہندستان واپس آ کر بھی وہ اس نظریہ کی حمایت حاصل کر رہے ہیں۔

میں خوش تھا کہ جھوٹی افواہوں کا وجود ختم کر چکا ہوں لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ ایک اخبار ایسے ہیں جو میری باتوں پر کان دھرنا نہیں چاہتے۔ ایک حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ وزیر اعظم کے دفتر سے ہمارے عملہ کے تعلقات اتنے قریبی ہیں کہ اگر ایسی کسی شرانگیز یا فتنہ پرور بات نے سر اٹھایا تو فوراً اس کی گردن مروڑ دی جائے گی۔

کشمیر کے بحران میں اقوام متحدہ کی مداخلت سے سیاسی قضیہ کی رفتار اتنی سست ہوگئی ہے۔ جیسی موسم کی خرابی سے فوجی کارروائی۔ سکیورٹی کونسل کا پہلا سشن ۱۵ جنوری تک نہ ہو سکا۔ طول طویل بیانات اور متعدد پرائیویٹ کانفرنسوں کے بعد ۲۰ جنوری کو ایک قرارداد کے ذریعہ کمیشن بٹھایا گیا۔

ان سوالات کے جواب میں کہ اگر استصواب رائے سے پہلے کشمیر میں فوجیں رہیں تو کیا ہوگا اور کیا موجودہ نظم ونسق تبدیلی کی ضرورت ہے ___ ہندستان اور پاکستان نے اپنی اپنی تجاویز پیش کر دی ہیں۔ ہندستان چاہتا ہے کہ عبداللہ کی سرکردگی میں وزراء کی ایک کونسل بنا کر موجودہ نظم ونسق کو بدل دیا جائے۔ اس کے بعد متناسب نمایندگیوں پر منتخب قومی اسمبلی کا جلسہ طلب کیا جائے جو ایک نئی حکومت کی تشکیل کرے اور پھر یہی حکومت، اقوام متحدہ کے تحت، استصواب کرائے۔ ہندستان یہ بھی چاہتا ہے کہ ہندستانی فوجوں کا کشمیر سے انخلا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب قبائلی مکمل طور پر ہٹ جائیں اور پاکستان کے وہ اڈے جہاں ان قبائلیوں نے مورچے سنبھال رکھے ہیں وہ ان سے خالی کرا دیے جائیں۔

لیکن پاکستان کا مطالبہ بڑا ہی آسان اور سہل ہے۔ پاکستان چاہتا ہے کہ کشمیر سے ہندستانی فوجوں اور قبائلیوں کا انخلا ساتھ ساتھ ہو اور غیر جانب دار نظم ونسق کی تشکیل کی جائے۔ ایک سکسکس میں پاکستان کا کیس سبھوں کی توجہ فوراً اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔

آگرہ

منگل ۲۷ جنوری ۱۹۴۸ء

دی نیو اسٹیٹسمین اور نیشن کے ایڈیٹر کنگسلے مارٹن، نہرو کے مہمان کی حیثیت سے

پہلی بار ہندستان تشریف لائے ہیں۔ فی الحال کنگسلے کمپٹر ولمہ ہاؤس میں ہمارے ساتھ مقیم ہیں۔ ہم نے ان کو تاج محل کی سیر کرانے کا قصد کیا لیکن عارضی طور پر سواری کی دِقّت کی وجہ سے ہم پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے۔ ہماری ان پریشانیوں کا حال کسی طرح نہرو کو معلوم ہوا تو انھوں نے فوراً ہمیں ایک کار بھیج دی۔ چنانچہ ہم گرد آلود اور گرم سڑکوں سے گذرتے ہوئے تاج محل پہنچے۔

کنگسلے کے ساتھ کہیں تفریح کو جانا یا سفر کرنا اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ ان کا دماغ ایک ایسی کتاب ہے جو ہر وقت ان کی اور دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ اتنے سال سے وہ اخباروں کے لئے خشک اداریے لکھتے آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود میں نے ان کو طفلک خوش ذوق پایا۔

اکبر کے مقبرہ سے گذر کر ہم تاج کی طرف آئے ــــ سنگ مرمر کی یہ عمارت اپنی انفرادیت میں کوئی جواب نہیں رکھتی۔ یہ عمارت یکہ و تنہا شہر کے ہنگاموں سے دُور چُپ چاپ فضاؤں سے محو تکلم ہے۔ قطار اندر قطار سرو کی چھاؤں میں ہم چلتے رہے۔ زبان بے زبانی سے ہم نے داستانیں سنیں۔ پوری ایک تاریخ کا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھل گیا۔

ہم نے کچھ دن پہلے ہوائی جہاز سے بھی اس خوبصورت اور حسین عمارت کو دیکھا تھا ــــ جب یہ سبزے پر ایک ننھی سی سفید چیز نظر آئی تھی ــــ لیکن آج جب میں نے تاریخ کے اس شاندار کارنامے کو قریب سے دیکھا تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سیاہ سنگ مرمر میں قرآن مجید کی آیتیں کندہ ہیں جو فن کا نمونہ ہیں۔ ہم نے سہ پہر کو دھوپ کی روشنی میں بھی تاج کو دیکھا اور بھرپور نماشی میں بھی۔ ہم نے محسوس کیا کہ چاند کی دودھیالی اور خنک روشنی میں تاج کا جو رومانی تصور ہمارے ذہنوں میں آتا ہے وہ دن کی روشنی میں نظر نہیں آتا۔ ہم گہرے سکوت سے خوب لطف اندوز ہوئے کیونکہ اس وقت ہر طرف سنّاٹا تھا ــــ صرف آگرے کی روشنیوں اور دریائے جمنا کی لہروں کو دیکھ کر ہم عالم سکوت سے عالم حیات میں پہنچ جاتے تھے۔

آگرہ، نئی دہلی

بدھ ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ء

ہم سویرے سویرے لال قلعہ کی طرف روانہ ہوگئے جہاں اکبر اعظم کا تاریخی دربار

منعقد ہوتا تھا اور جہاں شاہ جہاں کو اس کے سرکش بیٹے نے قید کر رکھا تھا ـــــ لیکن اس مقید زندگی کے باوجود اس نے اپنی چہیتی ملکہ کے روضہ کو سنگ مرمر کی جالیوں سے دیکھکر اپنی بے پناہ محبت کی تمنائیں پوری کیں۔ ہم راج محل کے بھول بھلیوں اور دو رویہ درختوں کی قطاروں سے گذرتے گئے اور ذہنوں میں مختلف قسم کے سوالات ابھرتے رہے میں نے یہاں کی فضاؤں گرد و پیش اور ہواؤں میں دینی اور غیر دینی خصوصیات کی ہم آہنگی دیکھی۔ ہم نے موتی مسجد بھی دیکھی جو اس قلعہ کی روح اور جان ہے۔

نہرو کی درخواست پر ہم نے اعتماد الدولہ کا مقبرہ دیکھنے کے لیے دریائے جمنا کو عبور کیا۔ اگرچہ اس کا حسن تاج محل جیسا بے مثال نہیں ہے لیکن اس کے قدرتی نقش و نگار کا کوئی جواب نہیں۔ اس میں ممتاز محل کا باپ ابدی نیند سو رہا ہے ـــــ وہ ممتاز محل جس کی بے پناہ محبت کے زیر اثر شاہ جہاں نے تاج محل تعمیر کرایا۔ ہم نے اکبر کے دار الخلافہ فتح پور سیکری کی بھی سیر کی اور ان شاہی خاندانوں کی بے شمار یادگاریں دیکھیں جن کو وقت نے زیر زمین کر دیا ـــــ ہم ان عجائب کو دیکھ کر تاب نہ لاسکے اور واپس آ گئے۔

گورنمنٹ ہاؤس - نئی دہلی

جمعہ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء

ماؤنٹ بیٹن اپنی دونوں صاحبزادیوں کے ہمراہ آج مدراس سے واپس آ گئے لیکن لیڈی ماؤنٹ بیٹن چند مصروفیات کی وجہ سے وہیں رک گئیں۔ ابھی شام کے چھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ میں جارج نکوس کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے گاندھی کے خلاف حملہ کئے جانے کی اطلاع دی اور کہا کہ ان پر تابڑ توڑ تین گولیاں چلائی گئی ہیں۔ نصف گھنٹے کے بعد ماؤنٹ بیٹن کے ڈرائیور پیرس نے گاندھی کی موت کی خبر سنائی۔ اس نے کہا کہ اس خبر کو سن کر ہز اکسلنسی برلا ہاؤس جانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

میں کار کے پاس کھڑا تھا کہ ماؤنٹ بیٹن آئے اور انھوں نے مجھے ساتھ کر لیا۔ وہ بیحد اداس اور بجھے بجھے سے دکھائی دے رہے تھے ـــــ وہ بولنے کی کوشش کرتے مگر الفاظ حلق میں اٹک کر رہ جاتے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے اتنا کہا کہ کلکتہ سے راجگوپال اچاری نے بذریعہ فون یہ کہا ہے کہ نہرو کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کی جائے۔ کیونکہ صرف

دو دن پہلے جب وہ امرت سر میں جلسۂ عام سے خطاب کر رہے تھے کہ دو آدمیوں کو دستی بم سمیت گرفتار کیا گیا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں صورت حال نازک اور خطرناک ہوگئی ہے نہرو اب بالکل یکہ و تنہا ہیں۔ اور ساری ذمہ داریاں ان ہی کے شانے پر ہیں۔ آیندہ چند گھنٹوں کے اندر اندر انھیں حالات پر قابو پانے کے لئے بہترین ذہانت و ذکاوت کا ثبوت دینا ہوگا بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ وہ جلد از جلد قوم سے خطاب کریں لیکن قوم سے خطاب کرنے سے قبل انھیں غور و خوض کرنا ہوگا کیونکہ وہ جو کچھ کہیں گے پوری قوم اسی کی روشنی میں آگے بڑھے گی۔

برلا ہوس پہنچتے پہنچتے اچھی خاصی بھیڑ ہو چکی تھی ہماری کار کی کھڑکیوں سے لوگوں نے جھانکنا شروع کیا وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ہم کون ہیں۔ صرف چند ہی لوگ ایسے تھے جو اندھیرے میں ماؤنٹ بیٹن کو پہچان سکے۔ چاروں طرف انتشار خلفشار کا عالم تھا۔ برلا ہاؤس کے اندر حکومت اور کانگریس کی سر برآوردہ شخصیتیں چپ چاپ، اُداس اور مغموم کھڑی ہوئی تھیں۔ ہم اندر گئے۔ یہ گاندھی جی کی خوابگاہ تھی۔ لوبان کا خوشبودار دھواں کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ کمرے میں نہرو اور پٹیل سمیت تقریباً چالیس افراد تھے۔ سبھوں کی آنکھیں نمناک تھیں۔ کمرے سے باہر ان گنت جوتے، چپلیں اور سینڈل رکھے ہوئے تھے۔

ایک طرف بالکل کنارے گاندھی جی کی نعش تھی۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ نعش کو کمبل سے ڈھک دیا گیا ہے لیکن فوراً میں نے جب غور سے دیکھا تو ان کا سر بہت سی خواتین پکڑی نظر آئیں۔ یہ خواتین گلوگیر آواز میں کچھ پڑھتی جاتی تھیں اور ان کی سسکیوں سے فضا اور غم آلود ہوتی جاتی تھی۔ گاندھی کا چہرہ پر سکون تھا لیکن درخشاں روشنی میں زرد نظر آرہا تھا۔ خواتین نے ان کی وہ عینک اتار لی تھی جو ان کے اعضا کا ایک جزو بن گئی تھی۔ لوبان کی خوشبو، خواتین کی غم آگیں سسکیاں، دبلا پتلا کمزور جسم، خواب آلود آنکھیں اور خاموش و سوگوار انسان —— غالباً میری زندگی کا یہ وہ نازک ترین لمحہ تھا جب میں اپنے جذبات و احساسات کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ میں وہاں ساکت و جامد کھڑا تھا اور مستقبل کے خوف سے میرے پاؤں کانپ رہے تھے۔ دہشت و سراسیمگی سے میری زبان بند ہوگئی تھی لیکن ساتھ ہی احساسِ شکست کی بجائے احساس فتح سے

میں خوش تھا۔ میں مطمئن تھا کہ اس نحیف و نزار انسان کی بے پناہ قوت ارادی قاتل کی گولیوں سے بھی زیادہ طاقتور اور کارگر ثابت ہوگی۔

کچھ دیر تک ہم جذبۂ احترام و عقیدت میں سرشار کھڑے رہے پھر کشادہ کمرے میں آ گئے۔ اندھیرا جوں جوں بڑھتا گیا لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ یہ لوگ کھڑکیوں سے جھانک کر ایک نظر بے حس و حرکت جسم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ کابینہ کے اراکین ایک کمرہ میں جمع تھے۔ ماؤنٹ بیٹن بھی اُسی کمرہ میں گئے۔

میں نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ کہتے ہوئے سنا "آخری ملاقات میں گاندھی جی نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ نہرو اور پٹیل کے درمیان مصالحت ہو جائے۔" اتنا سننا تھا کہ دونوں بڑے ہی ڈرامائی انداز میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ آج رات نہرو کی نشری تقریر کے بعد پٹیل کو بھی کچھ کہنے کے لئے میں نے آمادہ کر لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اب تمام لوگوں کی آنکھیں نہرو پر لگی ہوئی ہیں کہ وہ کس طرح حالات کو قابو میں کرتے ہیں۔

اس وقت جذبات اتنے شدید ہیں کہ معمولی سی افواہ بھی جنگل میں آگ کی طرح کام کر سکتی ہے۔ جب ہماری کار برلا ہوس پہنچی تھی تو چند دہشت انگیز خبریں پھیلانے والے نوجوانوں نے ہم سے کہا تھا۔ "گاندھی کا قاتل ایک مسلمان ہے"۔ اس وقت تک ہم کو نہ قاتل کا نام معلوم تھا اور نہ اس کا پتہ تھا کہ اس کا مذہب کیا ہے اس کے باوجود ماؤنٹ بیٹن نے برافروختہ ہو کر جواب دیا تھا۔ "احمقو، وہ مسلمان نہیں ہندو ہے"۔

چند منٹ کے بعد وی۔ پی مینن نے مجھے بتایا کہ گاندھی کا قاتل ایک مراٹھی ہے جس نے ان کے سینے میں تابڑ توڑ تین گولیاں اس وقت چلائیں جب وہ پرارتھنا کی میٹنگ میں شرکت کے لئے آرہے تھے۔ میں نے اُس ڈاکٹر سے بھی بات کی جس نے آخری لمحوں میں گاندھی کا علاج کیا تھا۔ وہ بیحد پریشان تھا۔ اُس نے مکان میں دوائیں نہ ملنے کی شکایت کی لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اگر دوائیں مل بھی جاتیں تو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ دم توڑنے سے پہلے گاندھی نے پانی کا صرف ایک گھونٹ پیا اور اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

کریا کرم کے سلسلے میں مختلف رائیں ہو گئی تھیں۔ لیکن گاندھی نے اپنے سکریٹری

پیارے لال کو یہ ہدایت پہلے ہی کردی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی نعش کو محفوظ کرنے کی بجائے ہندو رسم کے مطابق جلد از جلد کریا کرم کر دیا جائے۔ وہ اپنی موت کے بعد پرستش کئے جانے کے بھی سخت مخالف تھے۔

ماؤنٹ بیٹن چاہتے تھے کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر کریا کرم کی رسم انجام تک پہنچ جائے لیکن اس میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سارا کام وزارتِ دفاع کے سپرد کر دیا جائے۔ اور دہلی میں اس وقت جتنی فوجیں ہیں وہ ڈیوٹی پر رہیں۔ نہرو کو یہ تجویز پسند آئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے محافظ دستے اور گورنمنٹ ہاؤس کے گورکھا دستے کو ایریا کمانڈر کے انتظام میں دے دیا۔

وقت جوں جوں گذرتا جاتا بھیڑ بڑھتی جاتی تھی۔ مولانا آزاد پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ وہ چپ چاپ تھے جیسے کسی گہرے خیال میں گم ہوں۔ کے ایم منشی انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ ہر شخص مہاتما کا آخری دیدار کر لینا چاہتا تھا۔ ہزاروں لاکھوں آنکھیں ـــــ نمناک و اشک آلود ایک مرکز پر گڑی ہوئی تھیں۔ فرینچ کھڑکیاں لوگوں کے بوجھ سے دبتی جا رہی تھیں۔ چنانچہ میں نے نہرو کو اس خطرے سے متنبہ کیا۔ وہ بیحد اداس اور فکرمند نظر آرہے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے آہستہ آہستہ کہا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نعش ایک بڑی سی میز کے اوپر باہر رکھدی جائے گی تاکہ آج رات ہر کوئی آخری دیدار کر سکے۔ یکایک ہجوم میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ نہرو فوراً اُٹھے اور ہجوم میں داخل ہو گئے اور سبھوں کو سمجھانے بجھانے لگے۔ ایچ وی آر آئنگر وزیرِ اعظم نہرو کی طرف سے بیحد فکرمند ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے بھی اندرا اور ایچ ایم پاٹل سے کہا کہ نہرو کے لئے حفاظتی کارروائی کرنی بہت ضروری ہے۔

ابھی آٹھ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ ہم مولانا آزاد اور دیو داس گاندھی کے ساتھ برلا ہاؤس سے نکل گئے۔ جب دیو داس نے یہ کہا کہ قاتل یقیناً خبطی، مجنوں اور پاگل ہے تو ماؤنٹ بیٹن بولے ـــــ "یہ سب درست لیکن یہ بات تسلیم کرنا پڑیگی کہ اس کے پیچھے بہت بڑی سازش کام کر رہی ہے"۔ مولانا انگریزی بول سکتے ہیں لیکن انگریزی میں جواب دینے کی بجائے انھوں نے صرف اپنا سر ہلا دیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس المیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ آفتِ عظیم ہے جس سے ہم دوچار ہوئے ہیں

مجھے اُمید ہے اور میں دست بدعا ہوں کہ گاندھی جی کا یہ المیہ ہی کم از کم لوگوں کو صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

میں اے۔ ڈی۔ سی روم میں واپس آیا تو کنگسلے مارٹن، گورڈن والکر اور وی پی مینن سے ملاقات ہوگئی۔ مینن نے کہا" میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ سب کیسے ہوا"۔ ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ جام صاحب داخل ہوئے اور بولے "میں خاص طور پر ہوائی جہاز سے دہلی آیا ہوں کیونکہ آج ۶ بجے شام کو اُن سے ملاقات کا پروگرام تھا"۔ میں نے کہا کہ آج سویرے میں نے خود پیارے لال سے بات کی تھی اور طے پایا تھا کہ کل شام گورڈن والکر گاندھی جی سے ملیں گے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء

رات بھر لوگ گاندھی جی کا آخری درشن کرتے رہے۔ ان کے لڑکوں نے کریا کرم کی رسم انجام دی۔ ناشتہ کے بعد ہی لیڈی ماؤنٹ بیٹن (جو رات ہی کی واپس آگئی تھیں) اور ان کے عملہ کے دیگر ارکان برلا ہاؤس پہنچ گئے تھے ——— بّری، بحری اور فضائی سروسوں کے دستوں نے برلا ہاؤس سے راج گھاٹ تک قابلِ تحسین انتظامات کئے۔ سول حکّامِ اعلیٰ نے بھی اس سلسلے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ گاندھی جی کے قتل کے بعد سے فضا میں جو دہشت پھیل گئی تھی وہ اب اس اعلان کے بعد سے جاتی رہی کہ قاتل مسلمان نہیں ہندو ہے۔ اس کا نام گوڈسے ہے اور وہ ہندو مہاسبھا کا ایک رکن ہے۔ اس اعلان سے حالات قطعی مختلف ہو گئے۔ اب ہندوؤں کا ضمیر خود لعنت و ملامت کرنے لگا۔

گذشتہ شب کے مقابلے میں آج برلا ہاؤس کے اندر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ جس گاڑی میں گاندھی جی کی ارتھی رکھی تھی اس پر کانگریس کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ چاروں طرف گلدستے تھے اور اس کو ملاحوں کی ایک پارٹی کھینچ رہی تھی۔ گورنر جنرل کا محافظ دستہ بھی ساتھ ساتھ تھا۔ وزراء اور سارے جنرل، عام آدمیوں کی طرح گاڑی کے پیچھے سوگوار اور سرنگوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ کانگریس کے چار آنے والے

اراکین بھی جو گاندھی کی چلائی ہوئی متعدد تحریکوں میں سپاہی کی حیثیت سے کام کرتے آئے تھے ممتاز و نمایاں تھے۔ میت کو بالکنی سے نیچے اُتار کر تابوت میں رکھا گیا تھا۔

جس وقت گاندھی کی ارتھی رکھی جا رہی تھی، میں اس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ ان کے چہرے میں کتنا سکون تھا ـــــ جیسے وہ خواب استراحت میں ہوں! سرہانے گلدستے ہی گلدستے تھے۔ ارتھی کے چاروں طرف گاندھی جی کے صاحبزادے اور پوتیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ لڑکیوں کی آہ وزاری اب تک بند نہیں ہوئی تھی۔ وہ برابر اپنا سر ٹپک رہی تھیں ـــــ پٹیل بھی ساکن اور جامد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا چہرہ زرد اور تھکا ہوا نظر آرہا تھا اور آنکھیں ارتھی پر مرکوز تھیں۔ وہ ان ہنگاموں سے بالکل بے تعلق اور بیگانہ رہے جن ہنگاموں کو فرو کرنے کے لئے نہرو اور ماؤنٹ بیٹن مصروف تھے۔

گذشتہ شب نہرو اور پٹیل کی تقریروں میں بڑا اثر تھا ـــــ پٹیل خصوصاً ذہنی و روحانی کشمکش میں مبتلا تھے کیونکہ ان کے اور گاندھی جی کے درمیان اختلافات کی بات عام ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ اب ان پر یہ نکتہ چینی بھی کی جا رہی تھی کہ وزیر داخلہ ہونے کی وجہ سے گاندھی جی کے تحفظ کی ساری ذمہ داریاں ان ہی پر عائد ہوتی تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دس دن پہلے بم پھینکے جانے کے واقعہ کے بعد گاندھی جی نے پولیس کا حفاظتی دستہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نوعیت کے تابڑ توڑ دو دو حملے بھاری سازش کا نتیجہ تھے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گولیاں چلائے جانے سے پہلے پولیس قاتل کا پتہ نہیں لگا سکی۔ ساتھ ہی یہ معمہ بھی حل نہیں کیا جا سکا کہ قتل کی واردات سے کچھ پہلے پٹیل گاندھی کے پاس تھے اور ان سے مل کر ہی وہ پرارتھنا کی میٹنگ میں جا رہے تھے کہ چشم زدن میں یہ المیہ رونما ہوا۔ پٹیل راج گھاٹ تک کچھ نہ بولے۔ وہ سخت آزمائش میں مبتلا تھے۔

دن کے تقریباً گیارہ بجے تھے۔ سوگواروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ عوام کی بھیڑ کو نہ پولیس قابو میں کر سکی اور نہ فوج ہی۔ نتیجہ یہ ہوا مسافت ایک گھنٹہ میں ایک میل طے ہوئی۔

ہم راستے ہی سے گورنمنٹ ہاؤس واپس آگئے اور دربار ہال کے گنبد پر چڑھ گئے ___ تابوت ہم سے کوئی دو میل کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ ہمارے پاس جو ریڈیو سیٹ تھا اس میں ہم کمنٹیٹر کی آواز سننے لگے۔ وہ بتا رہا تھا کہ اب تک کتنا فاصلہ طے کیا جا چکا ہے۔ مجھ پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔

ہم گاندھی جی کو اس شاہی سڑک پر پہلی اور آخری بار گذرتے دیکھ رہے تھے۔ اس شخص کو کیا معلوم تھا کہ جس نے اپنی ساری زندگی برطانوی راج کے خلاف جدوجہد کی آج اس کو گورنر جنرل جو برطانیہ کا ایک نمائندہ ہے خراج عقیدت پیش کرے گا۔ شاید ہی کسی وائسرائے کے دل میں ایسا خیال کبھی آیا ہو۔

ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن، ان کا عملہ کچھ مہمان جن میں گورنر بھی شامل تھے گورنمنٹ ہاؤس میں اہم بات چیت ملتوی کر کے راج گھاٹ روانہ ہو گئے۔ ہماری کاریں جمنا کے کنارے پہنچی ہی تھیں کہ ایک بار پھر ہم ماتم گساروں کی بھیڑ میں گم ہو گئے۔ کاروں کی رفتار انتہائی سست کر دی گئی۔

جب گورنر جنرل اور ان کی پارٹی کھلے اور کشادہ میدان میں پہنچی تو مجمع کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہو گیا۔ لیکن جب ہم مٹی اور اینٹ کے بنائے ہوئے چبوترہ پر کھڑے ہو گئے تو ہماری نگاہوں نے دور دور تک سر ہی سر دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انسانوں کا یہ سیلاب عظیم اُفق کو چھولے گا۔ مجھے یہاں وہی منظر نظر آیا جو میں نے گذشتہ رات برلا ہاوس میں دیکھا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس ریلے سے بچنے کے لئے زمین پر بیٹھ جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ہم اور مہاتما کے عقیدتمند چتا کے چاروں طرف بیٹھ گئے ___ یہ عقیدت مند سفید پھولوں کے ہار گوندھنے لگے ایک طرف آگ روشن کرنے کے لئے گھی کا بڑا سا کنستر رکھا ہوا تھا اور جسے کی بالٹی میں پوتّر جل بھرا ہوا تھا۔

ارتھی جونہی چتا کے پاس لائی گئی ___ چاروں طرف بھگدڑ سی مچ گئی۔ تقریباً سات لاکھ انسانوں کا بادل اُمنڈ آیا تھا۔ ہر شخص آخری دیدار کر کے سکون قلب حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ خاکروب اور مدبر، گورنر اور کاشتکاروں کی عورتیں ایک ہی صف

میں آگئی تھیں ___ سب کے سب اس وقت سارے امتیازات مٹا کر ارتھی پر گل افشانی میں مصروف تھے۔ پروہتوں نے اشلوک پڑھنا شروع کئے ___ اور جب بہت دیر کے بعد آگ روشن کی گئی تو فضا میں یہ چیخ گونج اُٹھی ___ "گاندھی جی امر ہیں"! اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن اُٹھے اور چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں پھر بولے ___ "اب چلنا چاہیے"۔ ہم بادل نخواستہ، مایوس و نامراد ان کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ ہم جا رہے تھے اور چتا کی آگ فضا میں بلند ہو رہی تھی۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۲ فروری ۱۹۴۸ء

آج سہ پہر کو بوب اسٹمنسن مجھ سے ملنے آئے۔ جس وقت گاندھی جی پر گولیاں چلائی گئیں اس وقت وہ اتفاقیہ طور پر برلا ہاؤس میں موجود تھے۔ چنانچہ اس المیہ کے ۲۵ منٹ کے بعد انھوں نے بی بی سی کی ایک بجے کی خبروں میں آنکھوں دیکھا حال نشر کیا اور اس طرح دنیا بھر کا پریس پیچھے رہ گیا۔ براڈکاسٹنگ کی تاریخ میں ایسی مثال مشکل سے ملے گی۔ بوب اسٹمنسن نے کہا کہ پرارتھنا کی میٹنگ میں شرکت کا خیال نہیں تھا لیکن بعد میں وہ ونسنٹ شین کے ہمراہ چلا گیا۔ شین اس المیہ سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ اس کی رپورٹ فوری طور پر وہ امریکہ نہیں بھیج سکے۔

بوب نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اس المیہ کے ہیرو در اصل امریکی سفارت خانہ کے ایک افسر ہیں کیونکہ سب سے پہلے وہی اپنی جگہ سے اُٹھے تھے اور قاتل کو اپنی سخت گرفت میں لے لیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کسی نے ان کی مدح نہیں کی۔ بوب کا خیال ہے کہ قاتل "ونایک گوڈسے" کسی حال میں بھی ان پڑھ نہیں ہے ___ کیونکہ وہ ایک اخبار کی ارادت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اس کے حرکات و سکنات سے یہ بات عیاں تھی کہ وہ انتہا پسند ہے۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا ___ "میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردو لیکن میں تب بھی یہی کہوں گا کہ میں حق پر ہوں"۔

آج اسمبلی میں نہرو نے دو ٹوک باتیں کہیں۔ انھوں نے کہا ___ "حکومت کو اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس نے گاندھی جی اور سیکڑوں ہزاروں معصوم انسانوں کی زندگیوں

کی حفاظت نہ کر کے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے"۔ بوتب نے مجھ سے کہا کہ قاتلوں کی صحیح معنوں میں ہمت افزائی کی گئی ہے۔ انھیں اندیشہ ہے کہ دیگر لیڈروں کو بھی حملوں کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

جدید ہندستان کے گورنروں سے ماؤنٹ بیٹن کی ملاقات اس المیہ کے باعث ملتوی ہوگئی تھی لیکن اب پھر ملاقات کا انتظام کیا جارہا ہے۔ تمام صوبوں کے گورنر فرقہ وارانہ تشدد کی آگ کو ہمیشہ کے لئے بجھا دینے کا مستحکم ارادہ کر چکے ہیں۔ راجہ جی نے ہندو مہا سبھا اور آر۔ ایس ایس جیسی فرقہ وارانہ نظریات رکھنے والی جماعتوں پر فوراً پابندی عائد کر دینے کا مطالبہ کیا ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس، نئی دہلی

منگل ۳ فروری ۱۹۴۸ء

گاندھی کے قتل کا ردعمل ساری دنیا میں جو ہوا وہ میری توقعات سے بہت زیادہ تھا۔ دنیا کا کون سا ایسا گوشہ ہے جس نے خراج عقیدت نہ پیش کیا ہو۔ اس ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اثر ہندستان کی سرحدوں سے بھی آگے پہنچ چکا تھا۔ ان کی زندگی کے بہت سے گوشے ممکن ہے بہتوں پر واضح نہ ہوئے ہوں لیکن اس زندگی کے سر حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کنگسلے مارٹن کے الفاظ میں "یہ کائنات مادیت اور سیاسی جوڑ توڑ میں ابھی بہت پیچھے ہے گاندھی کی روحانی قدریں ان سے بہت آگے بڑھ چکی تھیں۔ انھوں نے ہمیشہ انسانی شعور سے ٹکر لیا"۔

نیویارک ٹائمز نے لکھا ۔" دوسرے انسانوں کے برعکس انھوں نے اقتدار اور دھن دولت سے ہمیشہ گریز کیا۔ ان کو اپنے دشمنوں سے محبت تھی۔ کینہ پروروں کو بھی وہ عزیز رکھتے تھے — ان کا تعلق ہر دور سے ہے۔

کرسچین سائنس مانیٹر نے تحریر کیا —" گاندھی جی ہمارے دور کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ غرضیکہ وہ صرف ہندستانی قومیت ہی کے لیڈر نہیں تھے، بلکہ ساری دنیا کے لئے وہ ایک علامت بن گئے"

لوئی فشر نے کہا ”سیاست کا مطلب بہتوں کے خیال میں حکومت ہے لیکن گاندھی کی نظروں میں سیاست ہمیشہ عوام کی خدمت رہی۔“

اٹیلی نے اس سانحہ پر اپنی قوم سے خطاب کیا۔ ٹرومین نے اس المیہ کو بین الاقوامی المیہ سے تعبیر کیا۔ اسٹس نے ان کو عوام کا شہزادہ کہا۔ جناح نے کہا کہ ہندو فرقہ نے عظیم ترین انسان پیش کیا ہے۔ وہ ایسا رہنما تھا جس نے ساری دنیا کا احترام اور اعتماد حاصل کر لیا تھا۔

اس موقع پر ہندستانی اخباروں نے اپنے اپنے اداریے میں غم و اندوہ کا اظہار کیا۔ لیکن میں ہندستان اسٹینڈرڈ (کلکتہ) کے اداریے سے بہت متاثر ہوا۔ اس میں تین صفحوں پر مہاتما کی تصویریں چھاپی گئی تھیں اور اداریہ میں مندرجہ ذیل چند سطروں کے علاوہ کچھ نہیں لکھا گیا تھا:-

”گاندھی کی جان اپنے ہی آدمی کے ہاتھوں گئی جن کی بھلائی کے لئے وہ اتنے دنوں تک جدوجہد کرتے رہے۔ تاریخ میں یہ دوسرا قتل بھی جمعہ ہی کے روز ہوا۔ پہلا قتل آج سے ایک ہزار نو سو پندرہ سال پہلے جمعہ ہی کے دن ہوا تھا — یعنی اس دن عیسیٰ مسیح دار پر چڑھائے گئے تھے — باپو ہمیں معاف کر دو۔“

باب ۲۳

تنازعات نقطۂ انجماد پر

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۴ فروری ۱۹۴۸ء

حکومت کے پاس اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ گاندھی کے قتل کے بعد نہرو اور دیگر لیڈروں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی خوفناک سازشش کی گئی تھی۔ چنانچہ۔ اسمبلی میں جب اس سازش کے خلاف سخت کارروائی کرنے کی قرارداد منظور ہوئی تو حکومت نے بھی اعلان کر دیا کہ اب سے ایسے اداروں یا انجمنوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جس کا مقصد تشدد پھیلانا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی ساتھ راشٹریہ سیوک سنگھ جیسی فرقہ پرست اور متعصب جماعت کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا اس کے بکثرت کارکنان پہلے ہی گرفتار کئے جا چکے تھے۔

ابھی ابھی راشٹریہ سیوک سنگھ کے اخبار "دی آرگنائزر" میں ایک مضمون پڑھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی اس مضمون میں ایسے عقیدوں اور نظریوں کا پرچار کیا گیا ہے جن سے روزنبرگ کا دل گرما سکتا تھا۔ مثلاً اس میں نئی سنسکرتی یعنی تہذیب جدید کی بات کی گئی ہے۔ اس جماعت میں وہی شرکت کر سکتا ہے جس کو ہندو نسب، ورثہ اور تہذیب سے پورا پورا اتفاق ہے۔ لیکن کوئی غیر ملکی اس کا رکن نہیں بن سکتا۔ وغیرہ وغیرہ

مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ جس سنگھ کی اساس ۱۹۳۵ء میں رکھی گئی تھی وہ اب

سمندر سے زیادہ وسیع اور ہمالیہ سے زیادہ بلند ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ" اس کی اگر مزید شاخیں قائم نہیں ہوئیں تو ان ہی شاخوں میں جو اس وقت ملک بھر میں موجود ہیں اگر ایک شخص دورہ کرنا چاہے تو اسے کم از کم پچیس سال لگ جائیں گے" یہ محض ہوائی باتیں ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس پر پابندی تو لگائی جا سکتی ہے اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

آج شام کی سر آرچی بیلڈ نائے سے میری دلچسپ گفتگو ہوئی۔ انھوں نے پٹیل کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ" میں ان سے بیحد متاثر ہوا ہوں۔ صحیح معنوں میں لیڈر وہی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت اُن کی قوت فیصلہ ہے۔ ایک بار جب بات کا وہ فیصلہ کر لیتے ہیں اُس سے پیچھے نہیں ہٹتے بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جی جان کی بازی لگا دیتے ہیں"۔ انھوں نے مدراس میں کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا۔ کہنے لگے ــ" کمیونسٹ کانگریس کے اندر انتشار پھیلانے میں کامیاب ہو رہے ہیں کیونکہ برہمنوں اور غیر برہمنوں کے درمیان زبردست رسّہ کشی چل گئی ہے۔ اس جماعت میں گرم اور تازہ خون والے نوجوانوں کی خاصی تعداد ہے جن کا ایک مشن ہے اور ایک مقصد ہے"۔ لیکن ان کے خیال میں کمیونسٹوں کے اندر سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ قانون شکنی پر اُتر آتے ہیں۔ اگر وہ دائرہ قانون میں رہ کر اپنے مقاصد کی اشاعت کا کام کریں تو وہ انتہائی خطرناک اور خوفناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات ۵ فروری ۱۹۴۸ء

شروڈرز بینکنگ گروپ آف نیویارک کے نائب صدر نار برٹ بوگدان جو ان دنوں ہندستان اور پاکستان کے مالی امکانات اور اقتصادی رجحانات کا جائزہ لے رہے ہیں مجھ سے ملے۔ وہ نہ صرف بڑے ہی تجربہ کار سیاح ہیں بلکہ اقتصادیات کے ماہر بھی ہیں۔ پہلی بار وہ ہندستان تشریف لائے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد جو المناک واقعہ اور حادثے رونما ہوئے اس کے باوجود انھوں نے دونوں مملکتوں کی امکانی قوتوں اور ترقیوں کو سراہا۔

کراچی کے دورانِ قیام میں انھوں نے جناح سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے کہا کہ جناح کے بارے میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ ملنے جلنے میں بہت محتاط واقع ہوئے ہیں لیکن وہ مجھ سے بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جناح کشمیر کی الجھنوں کی وجہ سے بہت اداس نظر آئے۔ لیکن گاندھی کی شخصیت کی انھوں نے تعریف کی اور ان کی موت کو مسلمانوں کے لئے نقصان عظیم بتایا۔ انھوں نے ہندستان کے انتہا پسند گروپ کو بُرا بھلا کہا اور اظہار مسرت کیا کہ حکومت ہند نے گاندھی کے قتل کے بعد ان انتہا پسندوں کے خلاف قدم اُٹھایا ہے۔

ہندوستان میں ایک "انتہا پسند" شخص ایسا ہے جس نے گذشتہ چند دنوں کے واقعات کو اپنے لئے بہت اہمیت دی ہے۔ اور وہ شخص ہے سوشلسٹ لیڈر جے پرکاش نرائن کانگریس ہندستان کی قدیم جماعت ہے جس نے عظیم فتح اور کامیابی حاصل کی لیکن سوشلسٹ تحریک بھی آیندہ پانچ سال میں اقتدار کی منزلیں طے کر سکتی ہے۔ گاندھی کی موت کے بعد سوشلسٹوں کے لئے دو ہی راستے رہ گئے ہیں ـــــ کانگریس کی کھلی مخالفت یا پھر اس سے مصالحت کر کے اندر ہی اندر اقتدار ختم کرنے کی کوشش۔ لیکن نرائن نے حال ہی میں جو پریس کانفرنس طلب کی تھی اُس میں ان دو باتوں میں سے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ انھوں نے اتحاد و ہم آہنگی کی وکالت کرنے کے ساتھ ساتھ پٹیل کی سخت لفظوں میں مذمت بھی کی۔

کنگسلے مارٹن نے ان سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ان سے مِل کر سخت مایوسی ہوئی۔ اگرچہ گاندھی کی رحلت پر وہ ذہنی اور جذباتی لحاظ سے افسردہ تھے لیکن مجھے ان کے اندر اقتدار حاصل کرنے کی استواری نظر نہ آئی۔ وہ متذبذب انسان ہیں۔ ان میں قوت فیصلہ کا فقدان ہے۔ وہ یہ بھی فیصلہ نہ کر سکے کہ ان کو حکومت کے ساتھ اشتراک کرنا چاہیئے یا نہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔

ہفتہ ۷ فروری ۱۹۴۸ء

آج برلا ہاؤس میں جی۔ ڈی برلا کے ساتھ لنچ پر میں مدعو تھا لیکن برلا ہاؤس جاتے

ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اوہام پرستی میں مبتلا ہوں۔ اس رات کے بعد سے جس رات گاندھی کو ہلاک کیا گیا تھا میں نے برلا ہاؤس کا رخ نہیں کیا۔ آج میری آنکھوں کے سامنے وہ جگہ عجیب پر اسرار منظر پیش کر رہی تھی جہاں گاندھی نے دم توڑا تھا۔ آج اس جگہ یادگار کے طور پر ایک پتھر نظر آیا۔

برلا بہت بڑے صنعتکار ہیں، اخبار کے مالک ہیں، سماجی کاموں میں دل کھول کر پیسہ دیتے ہیں، سیاست کے سرپرست ہیں، غرضیکہ سب کچھ ہیں لیکن سادہ مزاجی میں ان کا کوئی جواب نہیں۔ شکل وصورت میں شاہین سے مشابہ ہیں، جیسے شرلوک ہولمس۔ ان کی آنکھیں سراغ رسانوں سے زیادہ تیز ہیں۔ مہمانوں میں میرے علاوہ وزیر مالیات چیٹی جے پور کے دیوان کرشنم اچاری، ایک اور تاجر مہتا، نیوز کرانیکل کے نامہ نگار نارمن کلف بھی مدعو تھے۔

لنچ کے دوران میں ہندستان اور پاکستان کے درمیان تبادلۂ اجناس کے معاہدہ پر بات چیت ہوتی رہی۔ ایک ہفتہ قبل ان ہی کمروں میں ان موضوعات پر کبھی باتیں نہیں ہوئی تھیں۔ آج ان باتوں کو سُن کر میں کچھ اور سوچنے لگا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات ۱۲ فروری ۱۹۴۸ء

آج ہندستان کے پوتر دریاؤں اور سمندر میں جب گاندھی کی راکھ ٹھنڈی کی گئی تو ہزاروں لاکھوں شیدائیوں اور فدائیوں نے آخری بار ان کو خراج عقیدت پیش کیا۔ سب سے بڑی رسم اس جگہ انجام دی گئی جہاں گنگا، جمنا اور سرسوتی آپس میں ملتے ہیں۔ دہلی میں ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور متھائی نے کیتھڈرل چرچ میں گاندھی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ گاندھی کی آتما یقیناً خوش ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد آج رات کو ماؤنٹ بیٹن نے اپنی نشری تقریر میں بھی گاندھی کو اپنی عقیدت کے نذرانے پیش کئے۔ کانگریس کے تقریباً ہر لیڈر نے اپنے باپو کی خدمات کو سراہا۔ سروجنی نائیڈو نے اپنے نازک جذبات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ــ "اس سے زیادہ نیک بختی اور کیا ہوگی کہ انھوں نے راجاؤں اور شاہوں کے شہر میں آخری سانس

لی۔ باپو، تم کو کبھی چین نہ ملا۔ ہمیں بھی چین نہ لینے دو۔ ہمیں اپنی سوگند پوری کرنے دو۔"

راجندر پرشاد نے کہا۔" وقت آگیا ہے کہ تزکیہ نفس کیا جائے"۔ راج جی نے اپنے تاثرات یوں بیان کئے۔" اس نا تمام دنیا میں جبر و استبداد سے دامن نہیں بچایا جاسکتا تاہم ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس نکتہ کو ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ خیر سگالی، خیر سگالی ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے"۔ ان مدبروں کے علاوہ بعضوں نے تو صرف لفاظی سے کام لیا۔ مجھے چند نشری تقریروں، اخباروں اور ہندو آرا میں جو خطرناک رجحان نظر آیا وہ یہ ہے کہ اس المیہ پر شرم و ندامت محسوس کرنے کی بجائے صرف تاسف اور دل سوزی سے کام لیا گیا۔

ماؤنٹ بیٹن نے اس بات پر زور دیا کہ ملک میں ترقی پسند اور لادینی جمہوریت کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہر شخص نہرو کی قیادت کو تسلیم کرلے۔ اس مسئلہ پر مختلف زاویہ سے اظہار خیال کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے ایک مسودہ تیار کرنا پڑا۔ مسودہ کی تیاری میں غیر شعوری طور پر میں نے خطیبانہ انداز اختیار کیا تھا لیکن ماؤنٹ بیٹن نے زبان میں ترمیم کردی اور اسے بالکل ہی سادہ اور سہل بنا دیا۔ انھوں نے گاندھی کو اپنا دوست کہا اور ان کی موت کو ذاتی نقصان سے تعبیر کیا۔ اس کے بعد آگے چل کر انھوں نے ان کو شہید کا درجہ دیا اور کہا کہ وہ تنگ نظری اور تعصب کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ انھوں نے اُمید ظاہر کی کہ اس المیہ کے بعد ہر شخص اپنے دل سے اختلافات دھو ڈالے گا کیونکہ اس طرح نہ صرف ہم اُن کے نظریہ کی اشاعت کرسکیں گے بلکہ ہندستان کی ترقی میں بھی ہاتھ بٹا سکیں گے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء

ابھی مہاتما کا سوگ منایا ہی جا رہا تھا کہ ہمیں ایک اور ملک کی آزادی کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ سیلون کو مکمل درجہ نوآبادیات دیا گیا ہے۔ یہاں آزادی کے حصول میں نہ انتشار پھیلا اور نہ تشدد کے مظاہرے ہوئے۔ یہاں کا ہر کام ایک انتظام کے تحت انجام پذیر ہوا۔ عوام نے بڑے اطمینان سے آزادی کا خیر مقدم

کیا۔ سیلون کی زندگی افلاس زدہ ہونے کے باوجود پُرسکون رہی ہے اس لئے آزادی کا سورج بھی پُرسکون انداز سے طلوع ہوا۔ سیلون کے نمائندہ خصوصی مسٹر ڈی ملوا مقیم دہلی نے سیلون کی پرچم کشائی کی —— لیکن وہ ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ یہ پرچم وہاں جھکا رہتا اگر مسٹر ملوا اس کی طرف توجہ نہ دیتے۔

اس تقریب سعید کے موقع پر ماؤنٹ بیٹن اور نہرو نے تقریریں کیں۔ نہرو کا موڈ قطعی غیر رسمی اور مربیانہ تھا۔ انھوں نے اس جزیرہ کو ہندستانی نام لنکا سے یاد کیا اور کہا کہ ہندستان اور لنکا کے مذہبی، تاریخی اور تہذیبی رشتے بہت قدیم اور گہرے ہیں۔ پرچم کشائی اور تقریروں کے بعد سیلون چائے سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ نہرو آج بشاش نظر آ رہے تھے۔ گاندھی کی موت کا غم آہستہ آہستہ مٹتا جا رہا ہے۔ ہم چائے نوشی میں مصروف تھے کہ انھوں نے چینی چائے کی نفاست اور لذت کی خوب تعریف کی۔ انھوں نے کہا کہ اہلِ چین کنول کے پتوں پر رقص کرتی ہوئی شبنم کو اپنی چائے میں حلول کرتے ہیں اور اس طرح چائے کے ذائقہ میں اضافہ کرتے ہیں۔

چائے پر بحث چھڑ گئی تو مجھے تاس ایجنسی کے نمائندہ اولگ اورسٹو کا وہ تبصرہ یاد آ گیا جو انھوں نے کچھ دن پہلے کیا تھا۔ موصوف کچھ روز تک غیر ملکی نامہ نگاروں کی انجمن کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں اور جب تک دہلی میں فسادات کی گرم بازاری رہی وہ اپنے اہل و عیال سمیت پرانی دہلی کے گنجان محلے میں مقیم رہے۔ ایک دن کی بات ہے۔ ہم سب لنچ کے لئے جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر انھوں نے بڑی صاف گوئی سے انتقال اختیارات پر اپنا مدعا بیان کیا۔ ہندستان پر برطانوی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے ہندستانیوں کی چائے نوشی کی بری عادت کی سخت لفظوں میں مذمت کی۔ انھوں نے کہا۔" ہمیں چائے پیتے۔ . . . .

. . . .

دیکھ کر ہندستان والے یہ سوال کرتے ہیں۔ ' آپ کو اپنی چائے کیسی لگتی ہے ؟' اور میں جواب دیتا ہوں۔ ' اچھی !' میرے اس جواب پر وہ کہتے ہیں۔ مگر چائے اس طرح نہیں پی جاتی جیسی آپ پیتے ہیں۔ اہل برطانیہ دودھ اور شکر ملا کر پیتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولے۔" دراصل شہنشاہیت کی یہ آخری فتح ہے کہ چلتے

چلتے بھی برطانیہ اپنے اثرات چھوڑ گیا۔"

نہرو نے آج رات آل انڈیا ریڈیو سے جو تقریر نشر کی اس میں انھوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ ان کے اور پٹیل کے اختلافات پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ انھوں نے کہا۔" بلاشبہ گذشتہ کئی سال سے مختلف مسائل پر ہمارے درمیان اختلافات رہے لیکن یہ یاد رہے کہ ان اختلافات کے باوجود ہم عظیم کاموں میں گذشتہ ایک تہائی صدی سے ایک دوسرے سے تعاون کرتے آ رہے ہیں۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس وقت جبکہ ہم بحرانی دور سے گذر رہے ہیں ہم قوم کی فلاح و بہبود کے علاوہ اور بھی کچھ سوچیں!

اور اس طرح قیاس آرائیوں اور افواہوں کا سلسلہ ایک دم سے ٹوٹ گیا۔ اور اُن لوگوں کی تمناؤں پر اوس پڑ گئی جو یہ سمجھ رہے تھے کہ دونوں کبھی مفاہمت نہیں کر سکتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پوری حکومت کے مستقبل کا انحصار ان ہی دونوں کے اتحاد پر ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۱۷ فروری ۱۹۴۸ء

آج کی اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے کشمیر کی صورت حال پر تبصرہ کیا۔ اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ لے جانے سے اگرچہ فوری طور پر جنگ کا خطرہ ٹل گیا ہے لیکن ہمارے سامنے اب بھی ایک خطرہ ایسا ہے جس کو صرف ہم یہاں دہلی میں محسوس کر سکتے ہیں۔ لندن کی حکومت یا لیک سکسس کے نمائندوں کے ذہنوں میں بھی یہ اندیشہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ حکومت ہند اور سیاسی بصیرت رکھنے والے باشعور لوگوں کے برطانیہ کے خلاف جذبات کچھ اس انداز سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ کہ کسی وقت بھی خیر سگالی اور محبت کی فضا درہم برہم ہو سکتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہندستان کی اس شکایت کو کہ کشمیر میں جارحانہ اقدام کیا گیا ہے اقوام متحدہ تسلیم کرنے سے ہچکچا رہا ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے اس رویہ سے ہندستان میں پریشانی اور گھبراہٹ پھیلی ہوئی ہے۔ ہندستان اس کو امن کے

لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے حالانکہ اقوام متحدہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی اور برطانوی نمائندوں وارن آسٹن اور نوئل بیکر کی مثالیں بھی دی گئیں۔ دونوں کو پاکستان کا دوست اور ہمدرد کہا گیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے خلاف یہاں یہ شکایت بھی عام ہے کہ وہ بین الاقوامی سیاسی جوڑ توڑ کا شکار ہوگئی ہے۔

اس مایوسی اور گھبراہٹ کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوا کہ ہندستان اب روس اور اس کے حواریوں کی طرف دیکھنے لگا ہے۔ اس عالم مایوسی میں ہندستان نے اقوام متحدہ سے اپنے نمایندہ کو بھی واپس بلا لیا کیونکہ وہ ہندستان کے کیس کو بحسن وخوبی پیش کرنے میں کامیاب ثابت نہیں ہوئے۔

تعلقات عامہ کے میدان میں بھی ہندستان کو سخت منہ کی کھانی پڑی۔ حتیٰ کہ آئنگر کی طول طویل تقریروں کو ہندستانی اخبارات نے تین چار دنوں کی تاخیر سے شائع کیا۔ شیخ عبداللہ کی شخصیت بھی نمایاں کام نہ کرسکی۔ اس کے برخلاف پاکستان کے نمایندہ اور وزیر خارجہ ظفراللہ خاں نے اعلیٰ سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا —— بلکہ اقوام متحدہ کی زبان میں ظفراللہ جتنے خلیق اور شائستہ ہیں ہندستانی مندوب اتنے ہی اناڑی، پھوہڑ اور درشت ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن کو اس بات کی فکر لاحق ہے کہ اٹیلی اور نوئل بیکر قضیہ کشمیر کے نفسیاتی اثرات سے اچھی طرح باخبر نظر نہیں آتے۔ لندن میں عام طور پر یہ رجحان پایا جا رہا ہے کہ اگر عبداللہ کی زیر سرپرستی استصواب کرایا جائے اور ہندستانی افواج کی حمایت بھی حاصل ہو تو بھی ہندستان اس کو منصفانہ استصواب تسلیم نہیں کریگا۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ برطانوی مندوب اگر اس نظریہ کی حمایت کرتا کہ پہلے پاکستان حملہ آوروں کو مدد دینا بند کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ آج صبح اٹیلی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان کا جیسا صاحب ادراک شاید ہی کوئی ہو۔ اس کے علاوہ وہ نہ صرف ہندستان کے آزادی دہندہ ہیں بلکہ ان کو ہندستان سے محبت بھی ہے۔ ہم ان کی ان خصوصیات سے آنکھیں چرا نہیں سکتے۔ کبھی کبھی ماؤنٹ بیٹن قانونی مشیر کی حیثیت سے اپنی پوزیشن کو تکلیف دہ خیال کرتے ہیں۔

اب تو وہ لندن اور دہلی کے درمیان مداخلت بھی نہیں کرسکتے کیونکہ بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں اُن کا رشتہ صرف بادشاہ سے باقی رہ گیا ہے۔

نہرو نے چند صنعت کاروں کے وفد سے ملاقات کی — نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپے سے باہر ہوگئے۔ جی۔ ڈی برلا نے کہا کہ حکومت کی پالیسی کی وجہ سے تجارتی خطرہ درپیش ہے۔ نہرو نے فوراً جواب دیا — جب حکومت کو کوئی خطرہ درپیش نہیں پھر تجارت کو کیوں درپیش ہونے لگا؟ تاہم اس درشتی کے باوجود اسمبلی میں انھوں نے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت صنعت کاروں سے مل کر اپنی اقتصادی پالیسی مرتب کر رہی ہے۔ نہرو کا نظریۂ معاشیات و اقتصادیات در اصل ملا جُلا ہے وہ ترقی پسند سرمایہ پرستی کے حامی ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار ۲۲ فروری ۱۹۴۸ء

حیدرآباد میں ایک ہفتہ کے قیام کے بعد والٹر مونکٹن آج واپس آگئے۔ ہمیں اس بات کا علم تھا کہ فروری کے وسط میں وہ نظام سے مل رہے ہیں اور ماؤنٹ بیٹن نے نظام کو مطلع بھی کر دیا تھا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس مونکٹن کے دورہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندستان کے ساتھ مفاہمت کرلیں۔

ماؤنٹ بیٹن کی اس تجویز کو نظام نے فوراً تسلیم کرلیا۔ نظام کا یہ اقدام ماؤنٹ بیٹن کے لئے حیرت انگیز تھا۔ حیرت انگیز اس لئے کہ نظام ماؤنٹ بیٹن کو حیدرآباد کا دوست نہیں سمجھتے اور ان کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا ہے کہ گفت وشنید میں ماؤنٹ بیٹن تعاون کریں یا نہ کریں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن آج ان کی طرف سے جو جواب موصول ہوا ہے وہ عجیب وغریب ہے۔ انھوں نے اظہار امید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن انگلستان کے شاہی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے حیدرآباد کی طویل المیعاد مفاہمت کے سلسلے میں حمایت کریں گے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نظام ہمیشہ ماؤنٹ بیٹن کو ان کا شاہی رشتہ یاد دلاتے رہتے ہیں جیسے کہ حیدرآباد کے ساتھ گفت وشنید کرنے میں یہ کوئی خصوصی مرتبہ ہو۔

معاہدہ قائمہ پر دستخط کرنے کے ایک ماہ تک فضا میں سکوت طاری رہا لیکن سالِ نو کے فوراً ہی بعد ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس سے یہ سکوت درہم برہم ہوگیا۔ کے۔ ایم۔ منشی کو حیدرآباد میں ہندستان کا ایجنٹ جنرل مقرر کیا گیا تھا جب وہ وہاں تشریف لے جانے لگے، تو ان کے قیام کے سلسلے میں جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوگیا۔ ان کے لئے جس رہائش کا انتظام پہلے سے کیا گیا تھا اس میں گنجائش نہ نکلی اس لئے یہ طے پایا کہ گیارہ دنوں کے لئے ان کا قیام ریذیڈنسی میں ہو۔ لیکن نظام نے اس تجویز کے خلاف فوراً احتجاج کیا کیونکہ انھیں اس کے اندر حاکمیت کو ازسرِ نو رواج دینے کی سازش نظر آئی۔ حکومت ہند نے یہ جواب دیا کہ اگر منشی کے لئے مناسب رہائش کا انتظام نہیں کیا گیا تو ان کو اور کسی دوسرے کو بھی ایجنٹ جنرل بنا کر نہیں بھیجا جائے گا۔ اس نازک موقعہ پر ماؤنٹ بیٹن آڑے آئے یہاں تک کہ نظام کو رضامند ہونا پڑا اور اس طرح منشی ۵ جنوری کو حیدرآباد روانہ ہوگئے۔

اس ماہ کے اختتام تک حیدرآباد اور ہندستان کے تعلقات اس حد تک خراب ہوگئے کہ معاہدہ قائمہ کسی وقت بھی منسوخ ہوسکتا تھا۔ سرحدی حادثات میں خاصہ اضافہ ہوگیا۔ حکومت حیدرآباد نے دھات کی برآمد پر نہ صرف کچھ پابندیاں عائد کردیں بلکہ ہندستانی سکے کو ریاست کے اندر تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ ان دونوں چالوں سے کہیں زیادہ اشتعال انگیز چال یہ تھی کہ حیدرآباد نے پاکستان کو بیس کروڑ روپے کا قرض دے دیا۔ جن حالات میں یہ سودا کیا گیا وہ بیحد تشویشناک تھے۔ ماؤنٹ بیٹن اُن حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ حیدرآباد کے وزیر امور خارجہ و مالیات معین نواز جنگ نے جو معاہدہ قائمہ کے بھی ایک رکن تھے پاکستان کے ساتھ یہ سودا بازی کی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اشتعال انگیز قدم اُس وقت اٹھایا گیا جب حکومتِ ہند پاکستان کو پچپن کروڑ روپے نہ دینے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ حیدرآباد نے اپنے اس اقدام کے باوجود حکومتِ ہند سے یہ شکایت کی کہ وہ حیدرآباد کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کررہی ہے۔

جس دن گاندھی کی ارتھی جلائی جارہی تھی اُس روز ماؤنٹ بیٹن نے حیدرآباد کے وزیرِ اعظم میر لائق علی سے ملاقات کی اور انھیں صاف صاف کہدیا کہ ان کی

حکومت کو اپنے رویہ میں تبدیلی کرنی چاہیئے جس سے ظاہر ہو سکے کہ وہ ہندستان کی دوست اور بہی خواہ ہے۔ میر لائق علی بظاہر تو بڑے ہی ملنسار اور خلیق نظر آئے لیکن بہ باطن ان کے اندر تعصب اور تنگ نظری کے جذبات پرورش پا رہے تھے۔ جس کی بنیاد پر اتحاد المسلمین کے اراکین کی تحریک چل رہی تھی۔ اب ساری باتوں کا انحصار مونکٹن کی لیاقت و اہلیت پر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس حد تک نظام اور ان کی حکومت کو تعمیری پالیسیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ اِدھر ماؤنٹ بیٹن بھی پٹیل اور حکومت ہند کو اسوقت تک قابو میں رکھنے کی حتی الامکان کوشش کریں گے جب تک گفت وشنید آخری مراحل پر نہ پہنچ جائے کیونکہ ہر لمحہ اس بات کا خطرہ درپیش ہے کہ کہیں پٹیل یا حکومتِ ہند کے صبر کا پیمانہ چھلک نہ جائے۔

گورنمنٹ ہاؤس، نئی دہلی

پیر ۲۳ فروری ۱۹۴۸ء

آج سویرے ماؤنٹ بیٹن کی غیر رسمی میٹنگ میں والٹر مونکٹن اور وی پی مینن نے بھی مہمان کی حیثیت سے شرکت کی۔ جب کشمیر کا ایجنڈا زیر بحث آیا تو مونکٹن نے کہا "سچی بات تو یہ ہے کہ برصغیر کے باہر اس مسئلہ کو سرے سے سمجھا ہی نہیں گیا ہے" وی پی مینن نے اس بات پر زور دیا کہ نشتر نے حکومتِ پاکستان کی طرف سے الحاق کی پالیسی پر جو سمجھوتہ کیا تھا وہ درحقیقت انتقال اختیارات سے بہت پہلے کی بات ہے۔ لیکن بعد میں پاکستانی وزراء نے یہ تسلیم کر لیا کہ جوناگڈھ کا الحاق بنیادی اعتبار سے معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ جولائی میں پنڈت کاک دہلی آئے اور پٹیل سے ملے۔ پٹیل نے ان سے کہدیا کہ وہ عوام کی رضامندی کے بغیر کشمیر کا الحاق پسند نہیں کرتے اس موقع پر پنڈت کاک ماؤنٹ بیٹن کی مدد سے جناح سے بھی ملے۔

دولتِ مشترکہ کی حیثیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے مونکٹن نے اس قومیت کے بل کی اہمیت کی طرف توجہ مبذول کرائی جو برطانیہ میں زیر غور ہے۔ انھوں نے کہا کہ "اس سلسلے میں میں نے کبھی کرپس کو جو مکتوب روانہ کیا تھا یہ بِل اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اس کی وضاحت کی اور بتایا کہ کوئی بھی فرد بادشاہ کی رعایا بن سکتا ہے

لیکن ضروری نہیں کہ وہ شہری خیال کا تابع بھی ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ ہندستان اور دولتِ مشترکہ کے عام مسئلہ پر ماؤنٹ بیٹن اپنا 'رفیقِ حافظہ' مرتب کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ وقت پر تیار ہو جائے تاکہ گارڈن والکر اس کا مطالعہ کر سکیں۔ جنوری کے اختتام پر گارڈن والکر سیلون روانہ ہو گئے تھے لیکن ان دنوں وہ دہلی میں مقیم ہیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں کرائسٹ چرچ میں انڈر گریجویٹ کا طالب علم تھا ان دنوں گارڈن والکر نے تاریخ کے مضمون میں میری رہنمائی کی تھی۔ خصوصاً سترھویں صدی میں یورپ کس دور سے گذر رہا تھا اس سلسلے میں انھوں نے میری معلومات میں خاصہ اضافہ کیا۔ ان کا دماغ عظیم دانشوروں جیسا ہے ان کی شخصیت میں مقناطیسی کشش ہے اور انتظامی امور میں ان کی صلاحیت تسلیم شدہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کشمیر کا مسئلہ اس صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ یا تو استصواب کرایا جائے یا پھر وہاں عبوری حکومت قائم کی جائے۔ وہ ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال سے متفق نظر آتے ہیں کہ اقوام متحدہ میں برطانیہ کے موقف سے ہندستان میں غلط رائے قائم کی جا رہی ہے۔

نہرو کے سکریٹری برائے امور خارجہ سر گرجا شنکر باجپائی کو اس بات پر پختہ یقین ہے کہ روس کی حمایت اور دوستی اس صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ ہندستان اس کا تابع اور مطیع بن کر رہے۔ اس کے لئے روس کا ہندستان سے کوئی بنیادی مفاد بھی تو وابستہ نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ باجپائی امریکی سفیر گریڈی کے ساتھ کوریا کے موضوع پر باتیں کر رہے ہیں۔ ۳۸ ویں متوازی لائن میں روس اور امریکی اثرات کی حد بندی کے بعد شمالی اور جنوبی کوریا کی صورت حال بالکل مشرقی اور مغربی جرمنی جیسی ہو گئی ہے۔ باجپائی کہتے ہیں کہ جب امریکی فوجیں کوریا کو خالی نہیں کرتی ہیں پھر ہندستانی فوجوں سے کشمیر خالی کرانے کا مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟

آج کی میٹنگ میں میں نے اس بات پر زور دیا کہ ۲۹ فروری تک گارڈن والکر کو یہاں روک لیا جائے۔ کیونکہ اس روز لیاقت دہلی تشریف لانے والے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ نہرو اور لیاقت کی اس ملاقات میں برطانوی وزیر کی موجودگی مصالحت کی کوئی راہ ہموار کر سکتی ہے۔ کیونکہ اب تک مناسب وقت میں اور موزوں مقام پر مصالحانہ اثر نہیں ڈالا گیا ہے۔ کشمیر کے کیس کے سلسلے میں ہندستان کو ناکامی کا جو منہ

دیکھنا پڑا ہے اس بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے میرا عندیہ معلوم کیا۔ میں نے کہا کہ اقوام متحدہ میں ہندستان کی طرف سے کشمیر پر جو کچھ کہا گیا ہے وہ سراسر قابلِ مذمت ہے۔ اس کے علاوہ تعلقات عامہ کے جو آداب و قوانین ہیں ان تک کی ہندستانی مندوب نے پروا نہ کی۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ ہندستان کے خلاف پاکستان نے الزامات کی جو فہرست پیش کی تھی ان کا مدلّل جواب نہیں دیا گیا۔ خصوصاً کانگریس کے خلاف یہ الزام کہ عبداللہ کے ذریعہ مہاراجہ کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کیا گیا اتنا سنگین ہے کہ اسے کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے تھا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۲۵ فروری ۱۹۴۸ء

ماؤنٹ بیٹن کا "رفیق حافظہ" گارڈن واکر کے لئے تیار کر لیا گیا ہے۔ اس میں ہندستان اور دولت مشترکہ کے بارے میں چند تجاویز ہیں — یعنی یہ کہ دولت مشترکہ کے ڈھانچے کو کون سی ایسی شکل دی جائے کہ ایشیائی ممالک بآسانی متفق و متحد ہو سکیں۔ اگرچہ "رفیق حافظہ" پر کافی بحث و تمحیص ہوئی تاہم ماؤنٹ بیٹن کا یہ اپنا کارنامہ ہے جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ اس کی تکمیل مناسب و موزوں وقت میں ہوئی ہے کیونکہ حکومت ہند کے دستور کا مسودہ کل اخباروں میں شائع ہو رہا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے بڑی صاف گوئی سے یہ کہا کہ اگرچہ ہندستانی لیڈر اپنے اپنے طور پر دولت مشترکہ کے فوائد کو محسوس کرتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ ہندستان کا رشتہ اس کے ساتھ روز بروز مستحکم ہو لیکن ان کی سیاسی پوزیشن کمزور ہو گئی ہے اور سلامتی کونسل میں کشمیر کے مسئلہ پر برطانوی مندوب کے طرز عمل سے حکومت کا رویہ بہت حد تک متاثر ہوا ہے۔ انھوں نے اس کو ایک سیاسی حقیقت سے تعبیر کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں ہندستانی دستور

سے لفظ "جمہور" کو دولت مشترکہ کے حق میں خارج کروانا چاہتا تھا لیکن مجھے اندیشہ لاحق تھا کہ یہ ترمیم شاید ہی منظور کی جائے اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جو کچھ بھی ہو دولت مشترکہ کے اندر رہ کر بھی 'جمہوریہ' کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے یہ خیال بھی پیش کیا اگرچہ کانگریس جمہور کی حمایت میں قرارداد منظور کروا چکی ہے تاہم ہندستان اتنی آسانی سے لفظ 'نوآبادیات' کو مسترد بھی نہیں کر سکتا کیونکہ جس شکل میں بھی ہو یہاں اس لفظ کی تھوڑی بہت قدر و قیمت باقی ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔نئی دہلی

جمعرات ۲۶ رفروری سنہ ۱۹۴۸ء

ورنن نے ابتک کی الحاق کی پالیسی پر یادداشت کا جو مسودہ تیار کیا ہے اس پر انھوں نے میری رائے طلب کی — خصوصاً جوناگڈھ اور کشمیر کے سوال پر وہ میرا نظریہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جوناگڈھ اور کشمیر کے واقعات میں فرق بتاتے ہوئے کہا۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ آبادی کی اکثریت جوناگڈھ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے حق میں تھی لیکن جغرافیائی حالات کے پیش نظر یہ مطالبہ قطعی درست نہ تھا۔ بعد میں پاکستانی لیڈروں نے بھی اس خیال کی حمایت کی۔ رہا کشمیر کے الحاق کا سوال — تو اس کا کیس جوناگڈھ سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اقتصادی اور جغرافیائی لحاظ سے جوناگڈھ سے پاکستان کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن کشمیر سے ہندستان کا مفاد وابستہ ہے۔ کشمیر کے کیس میں دو اور ایسی باتیں شامل ہیں جن کا جوناگڈھ سے کوئی تعلق نہیں — مثلاً الحاق سے پہلے مہاراجہ کی حکومت کے خلاف قبائلیوں کا حملہ اور ریاست میں بین فرقہ وارانہ اہم سیاسی انجمن کی موجودگی۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے ساتھ جوناگڈھ کا الحاق سراسر احمقانہ فعل تھا — لیکن کشمیر کا ہندستان

کے ساتھ الحاق سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ایک اور بات جو دلچسپ ہے وہ یہ ہے کہ جب ہندستان نے جوناگڑھ کے الحاق کو چیلنج کیا تو پاکستان نے یہ دلیل پیش کی کہ حکمراں نے الحاق کی پیش کش کی ہے جو بہر لحاظ واجب الاحترام ہے لیکن کشمیر کے معاملے میں پاکستان نے اسی حق کی شد و مد سے مخالفت کی۔

ان دنوں کنگسلے مارٹن کراچی میں مقیم ہیں —— انھوں نے وہاں سے مجھے دو خط ارسال کئے ہیں جو بیحد دلچسپ ہیں۔ بات یہ ہوئی کہ کچھ روز پہلے کشمیر کے بارے میں انھوں نے ایک مضمون قلمبند کیا تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے غیر جانبدارانہ خیالات ظاہر کئے تھے۔ لیکن آل انڈیا ریڈیو نے ہندستانی نقطۂ نظر سے اس مضمون کے اقتباس کو نشر کر دیا۔ حالانکہ اس مضمون میں انھوں نے واضح لفظوں میں یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ اس مسئلہ کو پاکستانی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے پاکستان روانہ ہو رہے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے نشریہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ڈان نے نہ صرف کافی طویل اداریہ لکھ مارا بلکہ ایک کارٹون بھی چھاپ دیا۔ اداریہ میں اگرچہ مہذب الفاظ استعمال کئے گئے تھے لیکن ان کی خوب تادیب بھی کی گئی تھی انھوں نے مجھے خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ "ابھی ابھی میں نے تار روانہ کیا ہے جس میں پاکستان کی حمایت میں کچھ مواد دیا ہے لیکن ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس مسئلہ کو نقطۂ انجماد تک پہنچتے پہنچتے میں حل ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مارٹن لاہور اور راولپنڈی بھی گئے اور صوبہ سرحد کے مشہور گورنر سر جارج کنگھم کے ساتھ کچھ وقت بھی گذارا۔ ہندستان کا خیال ہے کہ جارج کنگھم ہی قبائلیوں کو کشمیر میں داخل ہونے کی نہ صرف حمایت کر رہے ہیں بلکہ اس مفسدانہ عمل میں وہ ان کے جذبات کو ابھار بھی رہے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان بھی برطانیہ کی طرح قبائلیوں کو خوش رکھنے کے لئے مالی امداد دیتا آرہا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک طرف تو قبائلیوں کو مالی امداد دی جارہی ہے اور دوسری طرف سیاسی لحاظ سے ان کے ساتھ جوا کھیلا جارہا ہے کیونکہ وہاں فوج کا ایک دستہ بھی نہیں ہے لیکن جیسا کہ کنگھم کا خیال ہے —— قبائلی علاقوں میں فوج رکھی جائے یا نہ رکھی جائے بات ایک ہی ہے کیونکہ ان کے ذہنوں میں اگر جہاد کی بات گھر کر گئی تو دنیا کی

کوئی طاقت ان کے جوش وخروش کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک نہیں سکتی۔

اب تک قبائلی خاصی تعداد میں اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ہیں لیکن اب بھی ان کی بھاری تعداد کشمیر میں موجود ہے لیکن اس کا امکان پایا جاتا ہے کہ واپس جانے والے جہاد کی آواز پر پھر لبیک نہ کہدیں۔ کننگھم کا خیال ہے کہ اگر قبائلیوں کو اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ مسلمانوں کے جذبات کو ملحوظ رکھکر کشمیر کا تصفیہ کردیا جائے گا تو نہ صرف ان کو کنٹرول میں لایا جاسکتا ہے بلکہ وہ کشمیر بھی خالی کرسکتے ہیں۔

کننگھم نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا ہے —"ان تمام باتوں کے پیش نظر — نوئل بیکر کی تجویز استصواب کی معنویت کی حقیقت سامنے آجاتی ہے جس سے نہرو ذہنی اعتبار سے خائف نظر آتے ہیں۔ یہ تجویز احمقانہ معلوم ہوتی تھی لیکن جب میں نے حالات کا بغور اندازہ لگایا تو سارے سربستہ راز ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوگئے۔ وزیرخارجہ نے مجھے جو اعداد و شمار دئے اُن سے ظاہر ہے کہ ساڑھے سات لاکھ قبائلی جنگی اسلحہ سے لیس ہیں اور نہ صرف اپنے مخالفین سے لڑنے کے لئے ہمہ دم تیار ہیں بلکہ وہ کشمیر میں قدم جمانے کی بھی سوچ رہے ہیں!" پاکستانی قبائلیوں کو اتنا ہی خطرناک لیکن اپنے لئے ناگزیر دوست سمجھتے ہیں جتنا ہندستان سکھوں کو۔"

کننگھم نے آزاد کشمیر کے سربراہ محمد ابراہیم سے بھی ملاقات کی۔ وہ کہتے ہیں کہ کراچی سے ان کو اتنی ہی حمایت حاصل ہے جتنی دہلی سے عبداللہ کو۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات۔ ۴ مارچ ۱۹۴۸ء

میر لائق علی، معین نواز جنگ اور مونکٹن پر مشتمل حیدرآباد کا نیا وفد دہلی آیا ہوا ہے۔ اب تک یہ وفد دوبار ماؤنٹ بیٹن سے مل چکا ہے۔ کل میر لائق علی کراچی بھی گئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تجویز پر لیاقت علی خاں سے انھوں نے درخواست کی کہ حیدرآباد نے پاکستان کو جو بیس کروڑ روپے قرض دئے ہیں وہ کیش نہ

کرائے جائیں۔ لیاقت علی کے زبانی اطمینان دلانے پر وہ کراچی سے واپس آگئے ۔!
دونوں طرف سے شکایتوں کا دفتر کھل گیا ہے۔ وی پی مینن نے پاکستان کو قرض دینے اور ریاست میں ہندستانی سکے کو غیر قانونی قرار دئے جانے کا سوال اٹھایا تو میر لائق علی نے کہا کہ ہندستان نے حیدر آباد کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کرکے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے حیدرآبادی وفد سے کہا کہ حال ہی میں ہندستان نے تمام فرقہ دارانہ عسکری قوتوں پر پابندی عائد کر دی ہے لہٰذا حیدرآباد میں بھی رضاکاروں کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے۔ انھوں نے حیدرآباد میں ذمہ دارانہ حکومت کے فوری قیام پر بھی زور دیا۔
پٹیل کو یہ باتیں ناگوار گذر رہی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ معاہدہ قائمہ جب تک مناسب انداز سے زیر عمل نہیں لایا جاتا ہے۔ اس وقت تک طویل المیعاد مصالحت پر گفت وشنید کرنا لاحاصل ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ریاست میں ذمہ دار حکومت کی تشکیل کے بعد ہی معاہدہ قائمہ سے اچھے نتیجے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ پٹیل اس تجویز کے بھی مخالف ہیں کہ ذمہ دار حکومت میں ہندؤں اور مسلمانوں کی تعداد مساوی ہو۔ میر لائق علی کو پٹیل کے خیال سے اتفاق نہیں۔ انھوں نے کہا کہ جب تک طویل المیعاد مصالحت عمل میں نہیں آجاتی ہے اس وقت تک ریاست میں ایسی حکومت جس میں ہندو اکثریت میں ہوں ممکن نہیں۔
میٹنگ ختم ہوئی تو کمیونکے کے سوال پر فریقین کے جذبات مشتعل ہوگئے۔ پٹیل نے اس بات کی شدت سے مخالفت کی کہ ہندستان نے معاہدۂ قائمہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کے علاوہ پٹیل نے کمیونکے میں اس شکایت کو بھی شامل کرانے کی مخالفت کی کہ حیدرآباد جانے والی اجناس کو جو روک لی گئی ہیں بھیجے جانے کی اجازت دیدی جائے مونکٹن اس اشتعال انگیزی سے پریشان ہوگئے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے ڈنر پارٹی سے واپس آکر ٹیلیفون پر اُن سے بات کی اور وعدہ کیا کہ وہ کل بذات خود اس سوال پر غور کریں گے

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء

آج صبح سویرے مونکٹن تو حیدرآباد روانہ ہوگئے لیکن ماؤنٹ بیٹن نے حسب وعدہ

کمیونسٹ کی تحقیقات شروع کردی۔ اس سوال پر انھوں نے نہرو سے بات کی۔ لیکن نہرو نے ان سے کہا کہ اس مسئلہ کا براہ راست تعلق چونکہ پٹیل سے ہے اس لئے وہی اس کو سلجھا سکتے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن آج سہ پہر کو پٹیل سے ملنے والے تھے مگر پٹیل کو یکایک دل کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ مرتے مرتے بچے۔ وہ صاحب فراش ہیں اور ڈاکٹر نے غیر معین مدت تک کے لئے کوئی کام کرنے کی ممانعت کردی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی کی موت کے دن ان کے قلب کو زبردست صدمہ پہنچا ہے خصوصاً چھ گھنٹے تک ارتھی کے ساتھ ان کا رہنا اور راج گھاٹ تک جانا ان کے ناتوانیٔ قلب کا سبب بنا ہے۔ میں نے راج گھاٹ ہی میں ان کو نہ صرف حد درجہ اداس اور مغموم پایا تھا بلکہ وہ بیمار بھی نظر آرہے تھے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ وزیر داخلہ ہونے کی وجہ سے گاندھی کی طرف سے بے پروائی کا سارا الزام ان ہی پر رکھا گیا۔ اخباروں نے ان کے خلاف نکتہ چینیاں کیں عوام کے خیالات بھی ان کے بارے میں اچھے نہیں ہیں۔

ان کی علالت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماؤنٹ بیٹن نے مونکٹن کو لکھ بھیجا کہ فی الحال اخباروں کو کوئی اور کسی نوعیت کا بھی بیان نہ دیا جائے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۶ مارچ ۱۹۴۸ء

انڈیا کے ایجنٹ جنرل برائے حیدرآباد، کے۔ ایم منشی سے ماؤنٹ بیٹن نے ملاقات کی۔ منشی نہ صرف پُر مقصد اور چاق و چوبند ہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ حوصلہ مند بھی ہیں۔ مہاتما کی موت پر انھوں نے اپنی نشری تقریر میں اہنسا کا بہت بڑا پرستار کہا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ ۱۹۴۲ء کی سول نافرمانی کی تحریک پر گاندھی سے میں نے اختلاف کیا تھا کیونکہ یہ تحریک اہنسا کے اصول کے خلاف تھی۔" لیکن آج حیدرآباد کے سلسلے میں اہنسا کے اصول ان کے پیشِ نظر نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر رضاکاروں کی سرگرمیاں سرد نہیں پڑیں تو ریاست میں ہندستانی پولیس کو بھیجنا ناگزیر ہو جائے گا۔

لیکن ماؤنٹ بیٹن نہیں چاہتے کہ حیدرآباد کے معاملے میں ہندستان کوئی ایسا

موقف اختیار کرے جو بعد میں عالمی آزاد کی نظروں میں وہ معتوب گردانا جائے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں پولیس فورس بھیجنا سراسر غلط اقدام ہوگا۔ کم از کم میر لائق علی کو موقع دیا جائے تاکہ وہ معاہدۂ قائمہ کو عملی جامہ پہنا سکیں اور ذمہ دار حکومت کے قیام کے لئے کوئی قدم اٹھا سکیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ وہ منشی کی صلاحیتوں کے معترف ہیں لیکن حیدرآباد کے معاملے میں ان کے موقف سے وہ خوش نہیں۔

مونکٹن حیدرآباد سے لندن روانہ ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حیدرآباد کے مسئلے کو سلجھانے میں اب تک جو کوششیں کی گئی ہیں وہ رائیگاں ثابت ہوئیں۔

باب ۲۴

برما کا دورہ

گورنمنٹ ہاؤس۔ کلکتہ

پیر ۸ مارچ ۱۹۴۸ء

کلکتہ، اڑیسہ، رنگون اور آسام کے نو روزہ شاندار دورے پر ہم روانہ ہو گئے ہیں۔ پارٹی مختصر کرنے کے باوجود پھر بھی پچاس سے زائد افراد ہو ہی گئے۔ ماؤنٹ بیٹن کے دورۂ آسام اور اڑیسہ کے موقع پر میں کلکتے میں رُک جاؤں گا۔ کلکتے کے دورانِ قیام میں مجھے اتنا موقع مل جائے گا کہ یہاں کے تمام ایڈیٹروں سے مل سکوں۔ ہم صبح پونے نو بجے پالم سے روانہ ہوئے اور دن کے ایک بجے دمدم پہنچ گئے۔ ہمیں خوش آمدید کہنے کے لئے مغربی بنگال کے گورنر راج گوپال اچاری ہوائی اڈہ پر پہلے ہی سے موجود تھے۔ تقریبات ختم ہونے کے بعد ہم کار سے کلکتہ کے نواحی علاقوں اور گندے محلّوں سے گذرے۔ گذشتہ چار سال کے اندر میں کئی بار ان علاقوں سے گذرا ہوں اور ہر بار یہاں کے تکلیف دہ معیار زندگی کو دیکھ کر میرے دل میں ٹیس سی اُٹھی ہے۔ یہاں کے رہنے والے آنسوؤں، آہوں اور کراہوں میں گھٹ گھٹ کر جیتے ہیں۔ دراصل یہ زندگی نہیں، یہ تو زندگی کی بھیانک تصویر ہے۔ یہاں آرزوؤں اور تمناؤں کے نہ جانے کتنے مرگھٹ ہیں جن میں سے ہر وقت دھواں نکلتا رہتا ہے۔ اقتصادی اور معاشی اصلاح کا جو قدم بھی اٹھایا جاتا ہے اس کی رفتار مایوس حد تک سست ہوتی ہے۔ ان گندے

علاقوں کے لوگ روزانہ خون پسینہ ایک کرکے دو چار پیسے کماتے ہیں اور کسی طرح بھوک کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ بھوک اور افلاس معاشی استحصال فرقہ دارانہ خوف و ہراس سے نجات کسی طرح ممکن نہیں۔ ان کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کمیونسٹ ٹھگ کمین گاہوں میں رہتے ہیں اور موقع پاتے ہی ان کے نوالے چھین لیتے ہیں۔

ہم کلائیو اسٹریٹ سے گزر کر اور شور و ہنگامہ سے نجات حاصل کرکے گورنمنٹ ہاؤس کی ساکت و ساکن فضا میں پہنچے۔ سامنے کے لان میں راجگوپال اچاری ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے ہمکلام نظر آئے۔ راجہ جی کو ان سے بے پناہ محبت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ راجہ جی کو سرکاری مصروفیات ذرا بھی اچھی نہیں لگتیں۔ اس لئے آئندہ چالیس گھنٹے ان کے لئے واقعی تکلیف دہ ثابت ہوں گے۔

سب سے پہلے ہمیں جس سرکاری تقریب میں شریک ہونا پڑا وہ کلکتہ کارپوریشن کے میور کی طرف سے دی گئی ٹی پارٹی تھی۔ اس تقریب میں میور نے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی ایسی قصیدہ خوانی کی کہ ہم نے اپنے سر جھکا لئے۔ مثلاً ماؤنٹ بیٹن سے مخاطب ہوکر موصوف نے اعلان کیا۔ ”آپ کی رگوں میں شاہی خون موجزن ہے۔“ اس کے بعد تقسیم ملک اور آزادی کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔ ”ہز اکسلنسی، آپ نے جس چابکدستی اور استقلال و جراءت کا مظاہرہ کیا ہے اور دو حویلیوں کی تعمیر میں آپ کو جو عرق ریزی کرنی پڑی ہے اس کی تعریف نہیں کی جاسکتی ہماری آنکھیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ آپ ہی ہمیں امن اور انبساط و مسرت کے پُل کے ذریعہ ہم دو حویلیوں میں رہنے والوں کو متحد کریں گے۔“ بہرکیف اسے کشادہ نظری کہئے یا چائے کی پیالیوں کی کھنکھناہٹ یا پھر لوگوں کا ہجوم یا ابر آلود فضا کہ ماؤنٹ بیٹن کے چہرے پر حجاب کی سرخی دوڑ گئی اور وہ بڑی مشکل سے اس کا جواب دے سکے۔

جب تقریریں ختم ہوگئیں اور بہت سارے مہمان رخصت ہوگئے تو راجہ جی میرے پاس آئے اور ایک دانشور کی طرح انھوں نے مجھ سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ ہر موضوع پر گفتگو کی۔ انھوں نے کشمیر کے مسئلہ پر اپنے انتہائی دکھ کا اظہار کیا، انھوں نے کہا کہ اس تنازعہ کی وجہ سے ملک کی دولت برباد ہو رہی ہے۔ اس کی مثال چائے

کی شکستہ پیالی سے دی جا سکتی ہے۔ یعنی شکستہ ٹکڑوں کو جوڑنے میں میزبان اتنا منہمک ہوا کہ مہمانوں کی موجودگی کو وہ بھول گیا۔ راجہ جی بولے ـــ " مجھے یقین ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نہرو کو غیر ذائقہ دار مشورہ نہیں دیتے ہوں گے۔ کیونکہ پنڈت جی ناخوشگوار باتوں کو گہری توجہ سے سننے کے عادی ہیں۔" میں نے کہا۔" ماؤنٹ بیٹن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کبھی ایسی فضا پیدا نہیں ہونے دیتے کہ کوئی مشتعل ہو۔"

پٹیل اور ان کی علالت کا ذکر آ گیا تو وہ بولے ـــ" ان کو در اصل آنتوں کی تکلیف ہے خصوصاً بڑی آنت میں جس سے بلا واسطہ قلب اثر انداز ہوتا ہے ـــ" اس کے بعد انھوں نے پٹیل کی نسوانی خصوصیات کے بارے میں کہا۔" ایک بار گاندھی نے ان کی نسوانیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا تھا کہ پٹیل کے اندر مادرانہ شفقت پائی جاتی ہے۔ میں ان کے بارے میں جو اسم صفت استعمال کروں گا وہ یہ ہے کہ پٹیل وفادار، پریمی اور ضدی ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے یکایک مسکراتے ہوئے پوچھا "تمہاری شادی ہو گئی ہے؟" ان صفات کے علاوہ بلاشبہ پٹیل قوتِ فیصلہ جیسی بے پناہ صفت کے بادشاہ ہیں۔ اور اس صفت کو سب سے پہلے راجہ جی نے ہی تسلیم کیا تھا۔

رخصت ہونے سے پہلے شخصیات کے موضوع سے ہٹ کر وہ فلسفہ کی طرف آگئے۔ انھوں نے کہا ـــ" زندگی در حقیقت خط منحنی ہے اگر تم چاق و چوبند ہو کر اپنا سفر شروع کرو گے تو وہیں پہنچو گے جہاں سے تم چلے تھے۔"

برطانوی ڈپٹی ہائی کمیشن الکسائنن کی گارڈن پارٹی سے رخصت ہو کر ہم بڑی برق رفتاری سے گورنمنٹ ہاؤس پہنچے۔ یہاں ہم ڈنر پارٹی میں مدعو تھے۔ ۶۳ مہمان ایک میز کے اردگرد بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان میں ۴۹ مرد تھے اور ۱۴ خواتین۔ شاہی آداب کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔

آج کی رات راجہ جی کی تقریر سُن کر ہماری مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ انھوں نے یعنی ہندستان کے ایک کانگریس لیڈر نے برطانیہ کے سابق وائسرائے کو جن خوش آہنگ اور محبت سے بھرپور لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے کہا کہ میں ماؤنٹ بیٹن کے مرتبہ اور ان کی قابلیت کو دیکھ کر اول اول تو خوفزدہ ہو گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ میں ان کے اخلاق و کردار کا گرویدہ ہو گیا۔ ان کے اخلاق

ہیں دل کشی و دلربائی کی وجہ یہ ہے کہ براہ راست اس کا تعلق قلب سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قلب افسوں پرور ہے۔ ہم سب ان کے حسنِ اخلاق کے دام میں ایسے پھنسے کہ نکلنا مشکل ہوگیا۔ حتیٰ کہ پٹیل بھی "دام بلا" میں گرفتار ہوگئے لیکن ان کو کسی طرح معلوم نہ ہو کہ میں نے یہ بات کہی ہے!"

تاریخ کا پہیہ کبھی سست نہیں ہوتا۔ تاریخ کا یہی وہ چکر ہے جس نے آج ماؤنٹ بیٹن اور راجہ جی کو ایک ہی کمرے میں اور ایک ہی ڈائننگ ٹیبل کے سامنے لا بٹھایا ہے انھوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ماؤنٹ بیٹن نے حال ہی میں دہلی کے تقسیم اسناد کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے اس کمرہ نمبر ۱۳ کا حوالہ دیا تھا جہاں لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی تھی اور جواب دہلی یونیورسٹی[1] ہے۔ اس کے بعد انھوں نے دریافت کیا کہ اس وقت وہ کہاں ہیں — اور فوراً جواب ملا — مقامی جیل کے کمرہ نمبر ۶ میں۔

آج کی تقریب میں سبھاش بوس کے بڑے بھائی، سرت چندر بوس بھی تشریف لائے تھے۔ موصوف کبھی وائسرائے کی اکزیکیٹو کونسل کے رکن رہ چکے ہیں۔ ان دنوں بنگال کے ہیجان خیز سیاست میں ہنگامہ برپا کر رہے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ

منگل ۹ مارچ ۱۹۴۸ء

ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے آج کلکتہ کلب میں بنگال پریس مشاورتی کمیٹی کے ساتھ لنچ کھایا۔ اس کمیٹی کے صدر تشار کانتی گھوش نے جو کلکتہ کے مشہور روز نامہ امرت بازار پتریکا کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں اس موقع پر مختصر لیکن جامع اور پرمعنی تقریر کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے بھی بڑے ہی باوقار انداز کے ساتھ جذبات کا اظہار کیا۔ کیونکہ ہندستانی پریس کے اس مضبوط اور با اثر طبقہ کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کرنے کا یہ بہترین موقع ہاتھ آیا تھا۔

امرت بازار پتریکا جیسے کانگریسی اخبار کے علاوہ کلکتہ سے اسٹیٹسمن بھی شائع

---

[1] فروری ۱۹۲۲ء میں یہ عارضی وائسریگل لاج تھا جہاں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن مقیم تھے۔

ہوتا ہے — بلکہ اسٹیٹسمین کا مرکز ہی کلکتہ ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ اس اسٹیٹسمین کے دفتر سے اور اس کے ایڈیٹر اسٹیفن کے تعاون سے ایک اور روزنامچہ شائع ہوا کرتا تھا — جس کا نام ہے SEAC یعنی ساؤتھ ایسٹ ایشیا کمانڈ' اس کی ادارت کے فرائض فرینک اوون انجام دیا کرتے تھے۔

نہرو نے ایک بار پھر غیر ملکی پریس پر زبردست حملے کئے ہیں۔ میں یہ بات یہیں ماؤنٹ بیٹن کے علم میں لے آیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان ان کی وجہ سے خیر سگالی کی جو فضا ہموار ہوئی ہے کہیں وہ پھر ابر آلود نہ ہو جائے۔ جواب میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ انھوں نے آج راجہ جی سے بہت دیر تک اس مسئلہ پر گفتگو کی اور راجہ جی نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ اگر ماؤنٹ بیٹن اختیارات منتقل نہ کر دیتے تو ایک وقت ایسا بھی آتا جب منتقل کرنے کے لئے اختیارات ہی نہ ہوتے بلکہ اس موقع پر کوئی منصوبہ پیش کرنا بھی ناممکن ہو جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ برطانیہ کو ہدف لعنت بنایا جاتا۔

نہرو کی تقریر پر ماؤنٹ بیٹن کے لئے مسودہ تیار کرنے میں میں اس حد تک مصروف ہو گیا کہ شریف آف کلکتہ کی طرف سے دی گئی ٹی پارٹی میں شرکت نہ کر سکا۔ لیکن شام کو کسی طرح میں نے وقت نکالا اور فورٹ ولیم پہنچ گیا۔ یہاں مسلح افواج کی طرف سے مجھے استقبالیہ دیا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار اس قلعہ میں آ چکا ہوں۔ ۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا اور جنوب مشرقی ایشیا کمان کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں ماؤنٹ بیٹن نے رنگون پر دوبارہ قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔

فورٹ ولیم دو مربع میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے چھ خاص پھاٹک ہیں۔ یہ قلعہ برطانوی راج کی دو صد سالہ پرانی یادگار ہے۔ کلائیو نے اس کو بنایا اور ماؤنٹ بیٹن نے ہندستان کو دے دیا۔ جنگ پلاسی کے فوراً بعد ہی اس قلعہ کی تعمیر شروع کر دی گئی تھی۔ اس کی تکمیل میں پورے بائیس سال لگ گئے اور بیس کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ ۱۸۰۲ء تک اس قلعہ میں گورنر بھی رہتا تھا، سکریٹریٹ بھی تھا اور ہائی کورٹ کا اجلاس بھی ہوتا تھا۔ وارن ہسٹنگز بھی یہیں رہ چکے ہیں

اس کے بعد ہم یہاں سے رائل ٹالی گنج روانہ ہو گئے۔ یہاں ڈنر کا انتظام

کیا گیا تھا۔ یہاں مشرق کا سب سے قدیم گولف کلب ہے۔ ۱۸۲۹ء میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس علاقے میں برطانیہ کی پوری کالونی بسی ہوئی ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ

بدھ ۱۰ مارچ ۱۹۴۸ء

گورنر جنرل کی پارٹی بجز میرے اڑیسہ روانہ ہوگئی۔ میں کچھ دیر تک چورنگی میں شاپنگ کرتا رہا۔

راجہ جی نے مجھے طلب کیا کہ میں گاندھی جی کی راکھ کو برما بھیجنے کا انتظام کروں ہندستانی سفیر برائے برما خود لے جانا چاہتے تھے لیکن راجہ جی تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ کٹک سے راجہ جی اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان اس موضوع پر بات ہوئی اور راکھ لے جانے کا مسئلہ حل ہوگیا۔

شام کو راجہ جی نے ایسٹرن نیوز پیپر سوسائٹی کو جائے پر مدعو کیا تھا۔ مجھے بھی انھوں نے شرکت کی دعوت دی۔ نو ممتاز اخباروں کے ایڈیٹر تشریف لائے تھے شیوا راؤ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ شیوا راؤ دہلی میں "ہندو" کے نامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ مانچسٹر گارجین کے بھی نمایندہ ہیں۔ انھوں نے غیر ملکی پریس کے خلاف نہرو کی نکتہ چینی پر خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جب غیر ملکی نامہ نگار نے تار کے ذریعہ پیغام ارسال کیا تھا اگر وہ شائع ہو جاتا تو نکتہ چینی بجا تھی۔ شیوا راؤ کا یہ خیال مجھے بیحد پسند آیا۔

شام کو میں ایڈن گارڈن گیا جہاں بہت بڑی صنعتی نمائش ہو رہی ہے۔ بعض ہندستانی ریاستوں کی دستکاریاں جو نمائش میں رکھی گئی ہیں مجھے بہت پسند آئیں۔ ایک گھنٹے تک میں مختلف اسٹالوں میں گھومتا رہا اس کے بعد واپس آگیا۔ گرد آلود فضا اور شور ہنگامے سے میں گھبرا گیا تھا۔

رنگون ۔ جمعرات ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۴۸ء

آج سویرے میں رنگون روانہ ہوگیا۔ گورنمنٹ ہاؤس ــــ دمدم ہوائی اڈہ

تک میرے ساتھ ایک. اے. ڈی. سی بھی گیا۔ میں گورنر جنرل کے ڈکوٹا میں ٹھیک دس بجے داخل ہوا۔ میکس ڈسفر، جان ٹرنر اور بل اسٹیڈ (کرسچین سائنس مانیٹر) بھی میرے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ ہمارا جہاز جونہی منگلا ڈن کے ہوائی اڈہ کے اوپر آیا ڈیگون پیگوڈا نے ہمیں خوش آمدید کہا۔

لنچ کے فوراً بعد ہی ہم جہاز سے اتر آئے۔ ماؤنٹ بیٹن کی پارٹی براہ راست اڑیسہ سے یہاں پہنچ رہی تھی۔ اس پارٹی کے پہنچتے پہنچتے نصف گھنٹہ گذر گیا۔ ہم جہاز سے جونہی باہر آئے میں متعدد برمی شرفا کو صف بستہ دیکھکر حیران رہ گیا۔ سب ہمارے خیر مقدم کو آئے تھے۔ یکایک حکومت برما کے ڈائرکٹر آف انفارمیشن کا تحریر کردہ مجھے ایک نوٹ دیا گیا جس میں درج تھا کہ حکومت برما کے محکمۂ اطلاعات کے تین افسران کو میرے پاس پبلسٹی مواد حاصل کرنے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ یہ تینوں افسران فوراً اپنے قومی لباس میں میرے پاس آئے۔

ماؤنٹ بیٹن اپنی پارٹی کے ہمراہ مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ مروجہ تقریبات کے اختتام کے بعد ہم فوجی حفاظت میں گورنمنٹ ہاؤس روانہ ہو گئے۔ صدر نے ہم لوگوں کو چائے پر مدعو کیا۔ تھاکن نو کے ساتھ تھوڑی دیر تک مجھے گفتگو کرنے کا موقعہ ملا۔ انھوں نے کہا کہ ان دنوں برما سے دوسرے ملکوں کو چاول صرف آٹھ لاکھ ٹن برآمد کیا جا رہا ہے حالانکہ ما قبل جنگ ساڑھے تیس لاکھ ٹن برآمد کیا جاتا تھا۔ جب چائے نوشی کا وقت آیا تو میں صدر کی چھوٹی صاحبزادی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی عمر غالباً دس سال ہو گی۔ ہر طرف سے بچوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آنگ سانگ کے دو چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں بھی وہاں موجود تھیں خود صدر کے چار چھوٹے چھوٹے بچّوں کو میں نے دیکھا

کل بادشاہ تھی با کا شاہی تخت بحال کیا جانے والا ہے۔ اس لئے ہم لوگ ابھی سے اس تقریب کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ماؤنٹ بیٹن اپنی پارٹی میں دیدہ و دانستہ ان سارے افراد کو لائے ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے جنوب مشرقی ایشیا کمان میں ان کے ساتھ کام کیا تھا۔

مثلاً لاونی بروکمین، الزبتھ وارڈ، جون فاسٹر (لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور رونی بروکین کے پرائیویٹ سکریٹری) اور راقم الحروف، الزبتھ، جون اور میں نے اس موقع کے لئے خاص لباس زیب تن کئے تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ ہم ڈنر کھانے والوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ ہم اپنی خوابگاہوں میں اپنا ڈنر لے آئے جہاں ہم نے جنوب مشرقی ایشیا کمان اور "غیر حاضر احباب" کے نام پر جام نوش کیا۔

اس کے بعد لان میں برمی رقص پیش کیا گیا لیکن موسیقی میں کوئی جمالیاتی کشش نظر نہ آئی۔ اس رقص میں مجھے اس جذبہ اور جوش کا فقدان نظر آیا جو میں نے سیامی رقص میں محسوس کیا تھا۔

رنگون۔ جمعہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۸ء

گذشتہ جولائی میں جن آٹھ برمی لیڈروں کو قتل کیا گیا تھا آج صبح کے ساڑھے آٹھ بجے ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ جس روز ان لیڈروں کو بیدردی سے قتل کیا گیا تھا اس دن میں اسٹے کے ہمراہ لندن سے مالٹا واپس آیا تھا۔ اس المیہ کی خبر سنتے ہی مجھے محسوس ہوا تھا کہ کہیں اس کا اثر برما کی آزادی پہ نہ پڑے۔ لیکن اس بحران پر سر ہوبرٹ رانس نے بہت جلد قابو پا لیا۔

اس المیہ کو چھ ماہ سے اوپر ہو گئے لیکن آٹھ لاشیں اب بھی شیشے کے اندر محفوظ رکھی ہوئی ہیں۔ آج ان کو جھنڈوں سے ڈھانک دیا گیا ہے ـــــ کیونکہ یہ لاشیں ہیبتناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ جوبلی ہال جہاں لاشوں کو دکھایا جانے والا ہے بیحد گندہ ہے۔ ان آٹھ لیڈروں کی تصویریں کھڑکیوں کے اوپر لٹک رہی ہیں اور پھاٹک کے ٹھیک سامنے آنگ سان کا ہیبتناک مجسمہ رکھا ہوا ہے۔

ٹھیک دس بجے گورنمنٹ ہاؤس کے بال روم میں تھی با کا تخت شاہی حکومت برما کے حوالے کر دیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے تخت حوالہ کرنے سے پہلے کہا۔ "میرے عقب میں مانڈلے کا تخت شاہی ہے۔ تھی با برما کا وہ آخری بادشاہ ہے جو اس پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب تھی با مانڈلے میں تھا۔ یہ تخت دراصل تھی با کے مشہور و معروف لائن تخت کی ہو بہو نقل ہے جو مانڈلے کے محل کی زینت

ہوا کرتا تھا لیکن جسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ میں اپنے ساتھ ایک اور تاریخی یادگار دیکھ آیا ہوں اور وہ ہے نقرئی چٹائی جسے ایک روایت کے مطابق ملکہ سوپالایت نے شاہ تھی با کے لئے بُنا تھا۔" اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے عملہ کی مدد سے پردے اُٹھائے اور تب تیس فٹ بلند لکڑی کا بنا ہوا ایک ڈھانچہ نظر آیا۔

اس رسم کے اختتام کے بعد ہم سیدھے رنگون یونیورسٹی دیکھنے چلے گئے۔ اس یونیورسٹی میں خوبصورت عمارتیں ہیں۔ ہم اُس وقت پہنچے جب طلبا امتحان دے رہے تھے طلباء میں لڑکیوں کی تعداد خاصی تھی۔ ہمیں یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا۔ یہ وہ طلبا ہیں۔ جو برما کے مستقبل کے لیڈر بنیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن کو یونیورسٹی کی یہ عمارتیں دیکھ کر بہت سی باتیں یاد آگئیں۔ جنگ کے زمانے میں جب رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا ان عمارتوں میں جاپانی فوجوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ لیکن جب رنگون آزاد ہو گیا تو ان میں جنگی قیدی اور زخمی رکھے گئے۔

اس کے بعد میں یونیورسٹی سے نکل کر شہر کے مرکزی حصّے میں آگیا۔ سب سے پہلے میں ہندستان کے دفتر اطلاعات میں گیا۔ اس دفتر کا انتظام بہت اعلیٰ اور کارکردگی قابلِ تعریف ہے۔ یہاں کی سڑکیں خستہ اور خراب حالت میں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ادھر توجہ ہی نہیں دی گئی ہے۔ مجھے سرکاری لنچ پارٹی میں شرکت کرنی تھی اس لئے میں دفتر اطلاعات میں زیادہ دیر رک نہ سکا۔ راستے میں ریلوے اور گودی کے ورکروں کے مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ ایک پولیس کو شاید کچھ شک گذرا تھا اس لئے اس نے پہلے تو میری کار روکنا چاہی، پھر ہاتھ دکھایا اور آخر جانے کی اجازت دے دی۔

ماؤنٹ بیٹن نے صدر تھا کن نو اور وزیر خارجہ یوتن تٹ پر زور دیا کہ وہ آنگ سان کی طرح عوام کے معیار زندگی کو اونچا کرنے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر عوام کی اقتصادی اور معاشی زندگی اتنی ہی خستہ اور خراب رہی تو کمیونزم کے خطرے سے رہائی مشکل ہو جائے گی۔

آج شام کو ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی سفیر بوکر اور برطانوی سروس مشن کے تین ارکان کے ساتھ ڈنر کھایا۔ اگر حکومت عوام سے حقائق بیان کرتے ہوئے ڈرتی ہے تو وہ اپنے

مشیروں سے حقائق سننا کیوں پسند کریں گے۔

رنگون۔ کلکتہ

ہفتہ ۱۳۔ مارچ ۱۹۴۸ء

آج صبح کچھ خنکی تھی۔ اس وقت آٹھ بجے ہوں گے کہ ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور اپنی پارٹی کے ساتھ شیوڈاگون دیکھنے روانہ ہو گئے۔ رنگون میں اس عظیم یادگار کی وہی حیثیت ہے جو ایتھنس میں ایکروپولس کی ہے۔ ہم مغربی پھاٹک سے احاطے میں داخل ہوئے لیکن ایک ہزار سیڑھیاں طے کرنے سے پہلے ہمیں اپنے جوتے اور موزے اتارنے پڑے۔ سب سے اوپر بہت بڑا پگوڈا شانِ تمکنت کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے اردگرد چھوٹے اور بھی پگوڈا تھے۔

ہم نے دو گھنٹے بھی دیکھے۔ مہا گنڈا گھنٹے کا وزن کوئی سولہ ٹن ہو گا۔ کانس کا ایک اور گھنٹہ جو وزن میں مہا گنڈا گھنٹے سے دگنا ہو گا نظر آیا۔ اس کی بلندی ساڑھے آٹھ فٹ، چوڑائی ساڑھے سات فٹ اور موٹائی ایک فٹ ہو گی۔ ۱۸۴۱ء میں شاہ تھاراواڈی نے اسے تحفتہً دیا تھا۔ شاہی چھتریاں بھی دیکھیں کنگ منڈن کی چھتری تینتیس فٹ اونچی اور وزن پونے دو ٹن ہو گا۔ مہاتما بدھ کا نقش پا بھی تھا۔ مہاتما بدھ کا ایک اور مجسمہ بھی دیکھا۔ اس میں ان کو دھیان گیان میں دکھایا گیا ہے۔ اس کی لمبائی ۲۸ فٹ ہو گی۔ سب سے اخیر میں ہمیں وہ مقدس مقام دکھایا گیا جہاں بادشاہ اوکّالاپا نے اقرار واثق کیا تھا کہ وہ ایک ایسا پگوڈا تعمیر کرائیں گے جس میں بدھ چہارم کی یادگاریں محفوظ کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ گوتم بدھ انھیں خواب میں نظر آئے اور ان کی خواہش منظور کر لی۔

"ویسٹ منسٹر ایبے" کے مجسموں کی طرح یہاں کی یادگاریں بھی یکساں نہیں ہیں۔ میں بدھ مت کے بہتیرے مقامات دیکھ چکا ہوں۔ کانڈی کا مندر، بنکاک کے مندر اور رنگون کا شیوڈاگون۔ ان میں بنکاک کے مندر نہ صرف رنگین اور دلکش ہیں بلکہ ان میں صفائی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ماحول بھی پرسکون ہے۔

ہماری یہ آخری سرکاری تقریب تھی ــــ!

ہم نے برما کے دارالحکومت رنگون کو اتنی رواروی میں دیکھا کہ ذہنوں میں کوئی خاص نقش مرتب نہ کر سکے۔ لیکن وہاں کی سیاست اور شہری زندگی کو سمجھنے کے لئے زیادہ گہرے مطالعہ یا مشاہدہ کی ضرورت بھی نہیں۔ ہر شخص بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہاں کی سیاست اور شہری نظم و نسق خطرناک حد تک غیر مستقل ہیں۔ برمیوں اور کرنوں میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ آنگ سان کی لیگ اور کمیونسٹوں کے درمیان تصادم ہوتا رہتا ہے اور خود کمیونسٹ متحد و متفق نہیں ہیں ـــــ غرضیکہ یہاں کی سیاست میں یک جہتی نام کو نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت برما کو ہمارے تحفظ کا بہت خیال رکھنا پڑا خصوصاً کل جب ہم شہر سے گذر رہے تھے پولیس اور فوج کے محافظوں کو ہمارے لئے سخت تشویش پیدا ہوگئی تھی لیکن کہیں بھی مخالفانہ مظاہرے نہیں کئے گئے۔ بلکہ ہم نے تو عوام کو ہنستے اور مسکراتے ہوئے سڑک کے دونوں جانب دیکھا جو ہمیں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن برما میں برمی حکمرانوں سے زیادہ مقبول اور محبوب ہیں۔

ہم پھر کلکتہ واپس آگئے۔ یہاں آکر ایک بار پھر ہم نے صنعتی نمائش دیکھی۔ دو گھنٹے کے بعد ہم کلکتہ کلب گئے جہاں ہمیں استقبالیہ دیا جانے والا تھا۔ اس تقریب اور ڈنر کے درمیان جو وقفہ ہوا اس وقفہ میں مجھے آل انڈیا ریڈیو جانا پڑا کیونکہ آج رات لیڈی ماؤنٹ بیٹن مغربی بنگال کے عوام کو خدا حافظ کہنے والی تھیں۔

ٹھیک چائے نوشی کے وقت زبردست آندھی آئی۔ دیکھتے دیکھتے اندھیرا چھا گیا اور بادل گرجنے لگے۔ بجلیاں بھی چمک اٹھتی تھیں ـــــ پھر اولے گرنے لگے۔ ان اولوں کی وجہ سے گورنمنٹ ہاؤس کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ ملازمین اتنی جلدی ملبے کو ریڈور کے شٹر بند نہیں کر سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنگ مرمر کا فرش بھیگ گیا۔ سڑکیں جلد ہی زیرِ آب ہوگئیں۔ کچھ دیر بعد ہمیں بتایا گیا کہ نصف گھنٹے میں کوئی ڈھائی انچ بارش ہوئی۔ کسی نہ کسی طرح لیڈی ماؤنٹ بیٹن آل انڈیا ریڈیو کے اسٹوڈیو میں پہنچ ہی گئیں۔

میں ٹھیک وقت پر یونائیٹڈ سروسس کلب پہنچ گیا۔ کلب میں مائننگ جیولوجیکل اور پٹالرجیکل انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا کی طرف سے سالانہ ڈنر کا انتظام کیا گیا تھا۔ راجہ جی نے فی البدیہہ ماؤنٹ بیٹن کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس وقت چونکہ پریس کا کوئی نمائندہ موجود نہ تھا اس لئے میں نے راجہ جی کے کلمات تحسین جلدی جلدی اپنے مینو کارڈ میں نوٹ کرنا شروع کر دیا۔

راجہ جی نے کہا کہ ماؤنٹ بیٹن نے ہندستان کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ سبھوں پر عیاں ہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ برطانیہ کے لئے ان کی خدمات کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ممکن ہے چرچل کو یہ محسوس ہو کہ ہسٹنگز اور کلایو نے جو کچھ حاصل کیا تھا ماؤنٹ بیٹن نے وہ سب دریا بُرد کر دیا۔ سطحی انداز میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے یہ زاویۂ خیال درست ہو سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جنگ کے پورے دوران میں برطانیہ کے لئے جو غم و غصہ، تلخی، جھنجھلاہٹ اور تشکوک پیدا ہوئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ان ساری کدورتوں کو اپنی اعلیٰ بصیرت سے نہ صرف دھو ڈالا بلکہ ہندستان اور برطانیہ کے مابین انھوں نے جذبۂ خیر سگالی کو پروان چڑھانے میں بھی مدد دی۔ کیا ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ماؤنٹ بیٹن نے کلایو اور ہسٹنگز سے اعلیٰ و ارفع خدمات انجام دی ہیں؟ ان کی یہ خدمات تمام خدمات پر بھاری ہیں۔ مستقبل شہنشاہوں اور شہنشاہیت کو یاد نہیں رکھتا ـــ جذبۂ خیر سگالی کو یاد رکھتا ہے۔ اس لئے مجھے واضح لفظوں میں کہنے دیجئے کہ انھوں نے برطانیہ کی جو خدمات انجام دی ہیں ویسی کوئی انجام نہیں دے سکا۔"

ماؤنٹ بیٹن نے کل تین منٹ تقریر کی لیکن حکومت مغربی بنگال کے وزیر تجارت جب نوٹس کے بنڈل لے کر تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو سبھوں نے سرد آہ کھینچنی شروع کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی تقریر کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ ہم یہی سوچ رہے تھے کہ وہ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں ذرا دیر کے لئے رک گئے، پھر یہ اعلان کیا "میں آپ لوگوں کے لئے خوش آیند خبر

لایا ہوں یعنی میں نے اپنی تقریر ختم کردی ۔" اور ان کے بیٹھتے ہی لوگوں نے گرم جوشی سے تالیاں بجائیں ۔

گورنمنٹ ہاؤس ۔ کلکتہ

اتوار ۱۴ مارچ ۱۹۴۸ء

آج سویرے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن آسام کے دورے پر روانہ ہوگئے ۔ میں بھی اُن کے ہمراہ جاتا تاکہ حیدری اور لیڈی حیدری سے ایک بار اور شرف ملاقات حاصل کرتا لیکن میں کلکتہ ہی میں رک گیا ۔ کیونکہ یہاں کے ایڈیٹروں سے ملنا ضروری تھا ۔ گورنمنٹ ہاؤس میں میرے علاوہ ایک اور معزز مہمان مقیم ہیں اور وہ ہیں ہندستان کے سفیر برائے برما رُؤف ، آج رات ڈنر کے موقع پر برما کے لیڈر یُوسا کے مقدمہ کا ذکر چھڑ گیا ۔ ان کے خلاف آٹھ لیڈروں کے قتل کی سازش کرنے کا الزام ہے ۔ اگرچہ اصل قاتلوں کا پتہ نہیں چل سکا ہے لیکن یُوسا کے خلاف اب تک جو شہادتیں دی گئی ہیں وہ خاصی مدلل ہیں ۔ راجہ جی نے بین الاقوامی امور اور خصوصاً ایٹمی طاقت کے خلاف سوال اٹھایا ۔ انھوں نے کہا کہ ایٹم بم جس مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہے وہ مقصد تو فوت ہو جائے گا البتہ انسانیت تباہ ہو جائیگی ۔

میں راجہ جی کی شخصیت سے از حد متاثر ہوا ہوں ۔ ان کی اخلاقی عظمت کا کوئی جواب نہیں ۔ وہ سرد مزاج ہیں ۔ چیخ کر بات کرنا یا غصّے کا اظہار کرنا ان کی طبیعت کے منافی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ گاندھی کے پرانے پیروکاروں میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے ۔ گاندھی جی اور راجہ جی میں خاندانی رشتہ بھی ہے ۔ گاندھی جی کے لڑکے دیوداس کی شادی راجہ جی کی لڑکی سے ہوئی ہے ۔ ۱۹۴۲ء میں کرپس پلان کے سلسلے میں گاندھی جی اور راجہ جی میں زبردست ٹکّر ہوئی تھی راجہ جی نے اس پلان کی گاندھی کی مخالفت کے باوجود حمایت کی ۔ ان باتوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ راجہ جی کا کردار بہت اعلیٰ ہے ۔ اگرچہ آج کل وہ گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہیں اس کے باوجود ان کے اثرات ایک دم سے ختم نہیں ہوئے ۔

بلا شبہ گذشتہ ستمبر کو کلکتہ میں خیر سگالی کا جو جذبہ نظر آیا وہ گاندھی کا معجزہ ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ راجہ جی نے گورنر کی حیثیت سے خیر سگالی اور بھائی چارہ کی اس فضا کو خوشگوار رکھنے میں انتہائی کوشش کی۔ یہاں کی اقلیتوں کو ان کی دوستی اور انصاف پر اعتماد ہے۔ انھوں نے ان کو مایوس بھی نہیں کیا۔ ایک آزاد خیال مدراسی کے لئے بنگال کی فرقہ پرست سیاست میں دخل دینا خطرہ سے خالی نہیں لیکن یہاں بھی وہ کامیاب ہیں۔ ان کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی ہے۔ وہ ہر جگہ مقبول اور ہر دلعزیز ہیں۔ آج انقلاب پسند، گھنی آبادی اور بھوکے پیاسوں کے شہر میں جو امن اور سکون ہے وہ سب ان ہی برکتوں، محبتوں اور شفقتوں کی دین ہے۔

میں آج سویرے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ گذشتہ شب آپ نے ماؤنٹ بیٹن کو جو خراجِ تحسین پیش کیا تھا اس کا ریکارڈ صرف میرے پاس ہے۔ لہٰذا اگر آپ کہیں تو میں اس کا متن پریس کو بھیج دوں۔ وہ فوراً رضامند ہو گئے اور اپنے خاص انداز میں بولے کہ میں اسے لندن کے پریس کو ضرور بھیجوں کیونکہ وہاں اس کی اشاعت زیادہ ضروری ہے ——!

گورنمنٹ ہاؤس۔ کلکتہ

منگل ۱۶ مارچ ۱۹۴۸ء

دمدم کے ہوائی اڈے میں میں ماؤنٹ بیٹن کی پارٹی کے ساتھ ہو گیا —— ہم دہلی روانہ ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ماؤنٹ کا دورۂ آسام، اڑیسہ اور رنگون سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ٹرنر اور ڈسفر قبائلی رقص سے بہت محظوظ ہوئے ہیں۔

کلکتہ میں میرے بھی پچھلے دو دن خوشی و خرمی میں گذرے۔ رخصت ہونے سے پہلے راجہ جی نے اپنے دستخط سے بھگوت گیتا اور اُپنشد کے ترجمے دئے۔ یہ ترجمے ان ہی نے کئے ہیں۔ اُپنشد کے ڈسک کور پر انھوں نے یہ الفاظ تحریر کئے:۔

"ہم اپنی ساری کوتاہیوں کے باوجود اپنے ذہنوں کو مقدس صحیفوں سے الگ نہیں

کر سکتے ۔ یہ وہ صحیفے ہیں جن کا سینکڑوں اور ہزاروں سال سے ہندستان میں احترام کیا جارہا ہے۔ کوئی فرد بھی ہندستانی عوام کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک یہ صحیفے ان کے مطالعہ میں نہیں آجاتے ہیں"۔ میں نے راجہ جی کا جس زاویہ سے بھی مطالعہ کیا اس کی بنیاد پر میں پورے تیقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے صحیح جانشین ثابت ہو سکتے ہیں۔

پٹیل، ماؤنٹ بیٹن کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اپریل میں گورنر جنرل کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کی بجائے پانچ سال کی ایک میعاد پوری کر کے جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہندستان کے عوام کے مفاد کے پیش نظر انھیں اپنی رخصتی ملتوی کر دینی چاہیئے لیکن ماؤنٹ بیٹن نے اظہار افسوس کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ البتہ نہرو نے جب ان سے درخواست کی تو وہ اپریل کی بجائے۔ جون ۱۹۴۸ء میں سبکدوش ہونے کے لئے رضامند ہو گئے۔

باب ۲۵

حیدرآباد کا مسئلہ

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء

ہم پھر دہلی پہنچ گئے۔ آج دو ماہ کے بعد نہرو اور لیاقت کے درمیان ملاقات ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن کی کوششوں کو نہیں بھلایا جا سکتا ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ دونوں لیڈر مشترکہ دفاعی کونسل کی زیرِ پرستی ملنے پر رضامند ہوئے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے بعد کونسل کا کوئی رسمی سیشن طلب نہ کیا جائے۔ ویسے یکم اپریل کو کونسل ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا لیکن ماؤنٹ بیٹن اس کو مزید ایک سال تک کے لئے باقی رکھنا چاہتے تھے تاکہ مالی، اقتصادی، مواصلات اور امور خارجہ جیسے سوالات اس وقت تک طے کر لئے جائیں۔ فریقین اگرچہ ماؤنٹ بیٹن کی اس تجویز سے متفق نہیں ہوئے لیکن دونوں وزراء اعظم نے مشترکہ دفاعی کونسل کی افادیت کو تسلیم کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ ہو اس بہانے دونوں کے درمیان رابطہ قائم رہے۔ جب دونوں وزراء اعظم نے اس حد تک اپنی رضامندی دے دی تو ماؤنٹ بیٹن نے دونوں کو اس پر بھی رضامند کر لیا کم از کم مشترکہ معاملات کو زیرِ غور اور زیرِ بحث لانے کے لئے مہینے میں ایک بار ان کا مل لینا ضروری ہے۔

یہ بات بھی کم اہم نہیں ہے کہ گذشتہ چھ ماہ سے جن تلخیوں اور مایوسیوں کا دونوں ملک شکار رہے ہیں اب دونوں وزرار اعظم کی کوششوں سے ان کی شدت کم ہوگئی ہے اور دونوں ملکوں میں انسانی قدروں کی اہمیت کو تسلیم کیا جا رہا ہے، ہر شخص کو یقین ہے کہ اگر دونوں ملکوں کے معاملات اور مسائل ان دونوں وزراء اعظم پر چھوڑ دئے جائیں، اور ان پر غیر ضروری دباؤ نہ ڈالا جائے تو رہے سہے باقی اختلافی اور نزاعی مسائل کا بھی حل نکل آئیگا۔

اس ملاقات میں متعدد ثانوی حیثیت کے مسائل پر سمجھوتہ ہوگیا —— اور اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی نے بھی کشمیر کا سوال نہیں چھیڑا۔ سلامتی کونسل کے موجودہ چیرمین اور چینی مندوب ڈاکٹر سیانگ نے اپنے طور پر چند تجاویز پیش کیں جو بنیادی طور پر ہندستان کے لئے اطمینان بخش تھیں۔ لیکن مصیبت یہ آن پڑی کہ ڈاکٹر سیانگ نے سلامتی کونسل میں اپنی تجاویز کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تلخی پیدا ہوتے ہوتے رہ گئی۔

مجھے اس بات سے انتہائی خوشی ہوئی کہ نئے ہندستانی وفد میں بی ایل شرما کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اب تعلقات عامہ کا کام یقیناً تیز ہو جائے گا۔ ان کو وفد میں شمولیت کی اطلاع اتنی تاخیر سے ملی کہ وہ رخت سفر باندھنے سے پہلے ضروری سامان بھی سمیٹ نہ سکے۔ میں نے ان کو متعدد تعارفی خطوط دئے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اس عہدہ میں کامیاب ثابت ہوں گے۔ شیخ عبداللہ کو وفد میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ پچھلی بار ان کی دھواں دھار جذباتی تقریر اقوام متحدہ کے مندوبین اور امریکی عوام کو ناگوار گذری تھیں۔ وہ آگ تو روشن کر دیتے ہیں مگر روشنی نہیں دکھا سکتے۔

اقوام متحدہ میں کشمیر پر پروپیگنڈا کی جو تحریک شروع کی گئی ہے اس میں جو بات سب سے زیادہ تشویشناک اور غیر متوقع ہے وہ یہ ہے کہ ظفراللہ خاں نے ہندستان کے خلاف پاکستان کی شکایتوں کا دفتر کھول دیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایسے وقت میں ماؤنٹ بیٹن کو اس مسئلے کے ساتھ اُلجھایا ہے کہ وہ آئینی اسباب کی بنا پر خود سے تردید نہیں کر سکتے۔

اس مسئلہ پر اسٹاف کی میٹنگ میں بالتفصیل بحث ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ فیصلہ کیا کہ الزامات کے جوابات اور دوسرے حقائق مشترکہ دفاعی کونسل کے ریکارڈ میں سیشن ختم ہونے سے پہلے ہی پیش کر دئے جائیں تاکہ دونوں حکومتوں یعنی ہندستان اور پاکستان کے نوٹس میں بھی ساری باتیں آجائیں۔ نیز یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حکومت برطانیہ کو بھی ان باتوں سے آگاہ کر دیا جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان پر جو حملے کئے گئے ہیں ان کی وجہ سے مسائل اور اُلجھ جائیں۔

ظفراللہ نے جو دو سنگین الزامات لگائے ہیں وہ یہ ہیں۔

وائسرائے کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن کو اوائل جولائی ہی سے سکھوں کے منصوبے کا علم تھا لیکن انھوں نے صورت حال کو بگاڑنے اور خراب کرنے والے سکھ لیڈروں کے خلاف نہ تو کوئی قدم اُٹھایا اور نہ ہی ان کی گرفتاری کے احکامات صادر کئے حالانکہ بارہا وہ یقین دلا چکے تھے کہ وہ کسی حال میں فضا کو زہر آلود نہیں ہونے دیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے جو یادداشت تیار کی ہے اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ حکومت کے کسی بھی اعلیٰ اور اہم فرد کو سکھوں کے مسئلے کا علم نہ تھا اور نہ وہ یا کوئی اور اس بات سے آگاہ تھے کہ سکھوں نے کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ برطانیہ کے سراغرساں آفیسر کی ۵ راگست کو میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں بھی اس پلان کا کوئی حتمی ثبوت بہم نہیں پہنچایا گیا۔ البتہ ۹ راگست کو جنکنس نے ماؤنٹ بیٹن کو جو مکتوب ارسال کیا تھا اس میں پنجاب کے تینوں گورنروں کی اس متفقہ رائے کا ذکر تھا کہ انتقال اختیارات سے پہلے سوائے سکھ لیڈروں کو گرفتار کرنے کی منصوبہ بندی کے اور کچھ نہ کیا جائے۔

یہ بات انتہائی دلچسپ ہے کہ مغربی پنجاب کے منتخب گورنر مودی نے کہا کہ جب تک حکومت مغربی پنجاب کو حکومت مشرقی پنجاب کے اقدام کا علم نہ ہو جائے اس وقت تک سکھ لیڈروں کی نظربندی پریشان کن مسئلہ ثابت ہوسکتی ہے۔ مودی نے یہ بھی کہا کہ اس امر کو واضح نہیں کیا گیا کہ لیڈروں کو کہاں نظربند کیا جائے کہ حالات بگڑنے نہ پائیں۔ جنکنس ان کو ان مقامات میں بھیجنا نہیں چاہتے تھے جو چند

دنوں کے بعد پاکستان کا جزو ہو سکتے تھے۔ اگر ان کو مشرقی پنجاب میں رکھا گیا تو ہنگامے اور شورش برپا ہوں گے۔

پاکستان نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ حدبندی کمیشن ایوارڈ کی اشاعت سے کچھ پہلے ایوان وائسرائے نے اتنا دباؤ ڈالا کہ اس میں پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے ترمیم کردی گئی۔ اس سلسلے میں ۸ اگست کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا گیا ہے جو ایبل کی طرف سے جنکنس کو ارسال کیا گیا تھا اور جس میں صاف صاف یہ تحریر ہے کہ حدبندی کمیشن ایوارڈ ۱۱ اگست کو پیش کیا جانے والا ہے۔ ثبوت کے طور پر ایوارڈ کا ایک نقشہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ فیروز پور اور زیرہ پاکستان کو مل رہے تھے

یہ حقیقت ہے کہ ریڈکلف کے سکریٹری نے انتہائی عارضی پیشین گوئی ایبل کو دکھا دی تھی اور یہی ایبل نے جنکنس کو بھیج دی تھی۔ جنکنس نے کچھ دن پہلے ایبل سے کہا تھا کہ اگر کسی طرح ایوارڈ کی پیشگی اطلاع ان کو مل جاتی ہے تو وہ پہلے سے ان مقامات میں پولیس اور فوجیں حفاظتی اقدام کے طور پر بھیج دیں گے۔ لیکن فیروز پور اور زیرہ کی پیشین گوئی بعد میں غلط ثابت ہوئی۔

نئی دہلی

اتوار ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء

چینی پلان پر ہندستانی اور پاکستانی پریس نے اپنے خیالات کا اظہار کردیا ہے ہندستان ٹائمز لکھتا ہے ـــ "پہلی بار کشمیر کے مسئلہ کو سلجھانے کے لئے مناسب اور قابل عمل قدم اٹھایا گیا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ امن پسند قومیں اس پلان کو منظور کریں"۔ ڈان نے امید ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے ـــ کہ سلامتی کونسل سابقہ روایتوں کو پیشِ نظر رکھکر اس بار بھی حقیقت پسندی کا ثبوت دے گی کیونکہ چینی پلان میں ایک فریق کو تو سب کچھ دیا گیا ہے لیکن دوسرے فریق کو قطعی محروم رکھا گیا ہے"۔ پاکستان کی دلیل اب بھی یہی ہے کہ کشمیری عوام کی آزادانہ رائے معلوم کرنے سے پہلے نظم ونسق کی بات نہ چھیڑی جائے۔

ہندستان ٹائمز نے ایک اور تجویز پیش کی ہے اور وہ یہ ہے "ہمارے خیال میں اُن سے (کشمیری عوام سے) یہ کہنا کہ وہ صرف الحاق کے لئے جس ملک کو چاہیں ووٹ دیں درست نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ ان کو یہ حق دیا جائے کہ آیا وہ دو میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں یا آزاد رہنا چاہتے ہیں۔"

یونائٹیڈ کونسل آف ریلیف اینڈ ویلفیر نے اگست سے لیکر فروری تک جو کارنامے انجام دئے ہیں اس کی رپورٹ کا مسودہ ابھی ابھی میں نے دیکھا۔ یہ رپورٹ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے تیار کی ہے۔ اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کونسل کے کارنامے حیرت انگیز حد تک قابلِ تحسین ہیں۔ پہلے تو کونسل نے رفیوجیوں کو موت کے چنگل سے بچانے کے لئے کیمپ کھولے۔ اس کے فوراً بعد ان کیمپوں کو منظم کرنے کا کام شروع کیا گیا تاکہ رفیوجیوں کو دوبارہ آباد کرانے سے پہلے ان کے دلوں میں اعتماد و ایقان کے چراغ روشن ہوسکیں۔ اور اب ان ہی رفیوجیوں کو کام کاج سکھایا جارہا ہے اور انھیں آباد بھی کرایا جارہا ہے۔ اس کونسل کا کام مغویہ عورتوں، بچوں اور یتیموں کی بازیابی بھی ہے۔ فرقہ وارانہ پاگل پن اور جنون کا سیاہ کارنامہ یہ ہے کہ زبردستی لوگوں کو مذہب تبدیل کرانے پر مجبور کیا گیا۔ چند ہفتوں کے اندر اندر تقریباً ساٹھ لاکھ رفیوجی ہندستان سے پاکستان ہجرت کر گئے۔ اسی طرح پاکستان سے تقریباً پانچ لاکھ رفیوجی ہندستان آئے۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگست سے لیکر جنوری تک انھوں نے دس بار پنجاب کے ایک ایک گاؤں کا دورہ کیا اور رفیوجی کیمپوں اور ہسپتالوں میں بھی وہ متعدد بار گئیں۔ ہندستانی عوام سے ان کی یہی وہ محبت ہے کہ وہ یہاں اتنی مقبول ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء

دولت مشترکہ کے ساتھ ہندستان کے تعلقات کیسے استوار ہوں ــــ! اس سوال پر ماونٹ بیٹن برابر غور کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہم سے اس بارے میں ایک رپورٹ

بھی طلب کی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے طور پر اس سلسلے میں کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے لیکن ان کے خیالات و نظریات لندن اور یہاں یعنی دونوں ملکوں میں معلوم ہیں ۔ اس بارے میں ہندستان کونسا قدم اٹھائے گا ۔ اس کا دار و مدار ان لوگوں پر ہے جو ہندستانی دستور بنا رہے ہیں ۔ ہم اس وقت دولت مشترکہ کے تعلقات کی تاریخ کے اس لمحہ میں سانس لے رہے ہیں جب اس خیال کی صراحت بہت ضروری نظر آتی ہے ۔ مجھے اپنے بچپن کا وہ دن یاد آرہا ہے جب ایک تاریخ داں نے کہا تھا ۔" ایمان کی تعریف کرنے کا مطلب ایمانداری کو محدود کردینا ہے"۔ دولتِ مشترکہ کو اب تک اسی اصول کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی ہے ۔

ابھی ابھی انٹرنیشنل ایفیرس میں ایک دلچسپ مضمون نظر سے گذرا ۔ اس مضمون کا موضوع ہے ۔" برطانوی دولتِ مشترکہ کے ساتھ آئرلینڈ کے تعلقات کی پیچیدگیاں" اس کے مصنف ہیں نکولس مینسرگ ۔ گذشتہ موسم گرما میں موصوف ہندستان کا دورہ کرچکے ہیں ۔ انھوں نے دولت مشترکہ کی ترقی کے لئے آئرلینڈ اور ہندستان کی شمولیت کو ضروری قرار دیا ہے ۔ اس کے علاوہ موصوف نے "خارجی میل ملاپ" کے اصول کی پر زور لفظوں میں وکالت بھی کی ہے

میں نے اسٹاف پیپر کے لئے ورنن کو حسب ذیل نوٹ لکھ کر بھیجا ہے :۔

" میرے خیال میں سوال صرف اتنا ہے کہ آیا انگلستان کی پارلیمنٹ نے دولتِ مشترکہ کے لئے جو شرائط رکھی ہیں ان کو اور وسعت دی جائے یا نہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ دولت مشترکہ کے بارے میں ہندستان جو بھی فیصلہ کرے گا غالباً وہ آئرلینڈ کی طرح سیاسی لحاظ سے ذومعنی ہوگا اور جب ہی دیگر اراکین اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہندستان کو شامل کرنے کے لئے رکنیت کی شرائط میں ترمیم کی جائے یا ترمیم نہ کی جائے ۔ اس مسئلے پر فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے میرا مشورہ یہ ہے کہ بی ۔ این راؤ سے مل کر یہ معلوم کیا جائے کہ کیا ہندستان اپنے بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر دولتِ مشترکہ کے بارے میں کوئی نئی پالیسی مرتب کرے گا ۔ گذشتہ شام کو نیپالی پارٹی میں راؤ سے میری ملاقات ہوگئی تھی ۔ انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ اس موضوع پر وہ عنقریب بات کریں گے ۔"

ابھی ابھی نیویارک سے بی ایل شرما کا خط موصول ہوا۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تعلقات عامہ میں افسوسناک حد تک کمزوری اور خامی کی وجہ سے اقوام متحدہ میں ہندستان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ امریکہ میں ہمارے کیس کو سمجھا ہی نہیں گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ فلسطین، مغربی یورپ، چیکوسلواکیہ، روس اور کوریا جیسے اہم اور عظیم مسائل میں اُلجھے ہوئے ہیں اور ان کو ان ہی سے زیادہ دلچسپی بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امریکہ میں ہندوستان کے لئے خیر سگالی کا جذبہ مفقود ہے۔ میں اس خیال کو بھی درست نہیں سمجھتا کہ ہندستان کے کیس کو غلط معنی میں سمجھنے کی دیدہ و دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ مختصر یہ کہ میں نے جن لوگوں سے بھی باتیں کیں اُن سے یہی نتیجہ اخذ کر سکا ہوں کہ کشمیر کی صورت حال کے بنیادی حقائق کی وضاحت نہیں کی گئی۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۷ اپریل ۱۹۴۸ء

گذشتہ پندرھواڑے میں گورنمنٹ ہاؤس پرسکون رہا۔ کیونکہ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا زیادہ تر وقت دورے میں گذرا ہے — یعنی ۲۰ مارچ سے وہ برابر دہلی سے باہر ہی رہے۔ انھوں نے کپورتھلہ کا دورہ کیا۔ وہ ٹراونکور اور کوچین بھی گئے۔ ایک دن اُدے پور میں گذرا اور پھر اس کے بعد مشوبرہ میں آرام کرنے کے بعد آج لوٹے ہیں۔

مہاراجہ آف کوچین کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن مربوط گفتگو نہ کر سکے۔ اول تو یہ کہ جسمانی لحاظ سے وہ بیحد کمزور تھے اور دوئم یہ کہ وہ صرف نجی باتیں کرتے رہے۔ البتہ ایک سوال انھوں نے سیاسی نوعیت کا کیا۔ مثلاً انھوں نے پوچھا کہ کیا آپ کبھی اسٹالن سے ملے ہیں۔ ان کے خاندان کے افراد کی تعداد چارسو اکسٹھ ہے۔ فرداً فرداً سبھوں کے بارے میں انھوں نے بات کی۔

ماؤنٹ بیٹن فوراً اپنا دورہ مختصر کر کے واپس آگئے کیونکہ حیدرآباد کا بحران شدت

اختیار کر چکا تھا۔ جب ہم برما میں تھے نظام نے ان کو ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ چونکہ ماؤنٹ بیٹن دہلی سے باہر جا رہے تھے اس لئے انھوں نے وزارت ریاست کو جواب دیدینے کی تاکید کر دی تھی۔ ساتھ ہی انھوں نے نظام کو بھی لکھدیا تھا کہ مکتوب کا جواب جلد موصول ہو جائے گا۔ مکتوب کا جواب وی پی مینن نے تیار کیا تھا۔ پٹیل نے اس کو پڑھا اور سخت برہم ہوئے لیکن نہرو نے ان کے غصے کو سرد کیا۔ یہاں تک کہ جواب ارسال کر دیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن اس کو نہ دیکھ سکے۔ تحریر کا لہجہ درشت اور دھمکی آمیز تھا۔ معاہدہ قائمہ کی خلاف ورزی کرنے پر نظام کی حکومت کو سخت لفظوں میں لعنت ملامت کی گئی تھی۔ نیز اتحادالمسلمین اور رضاکاروں کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔

مونکٹن جو واپس نہ آنے کے لئے لندن چلے گئے تھے ۲۸ مارچ کو پھر حیدرآباد پہنچ گئے ہیں۔ ریاست کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اور ہندستان کی وزارت ریاست کی طرف سے نظام کے مکتوب کا جواب پاکر ان پر گہرا اثر ہوا۔ اگرچہ وہ ذہنی اعتبار سے پُرسکون اور خوش خلق ہیں لیکن وہ گذشتہ شب ہی کو حکومت ہند کے سارے کارپردازوں سے بشمولیت گورنر جنرل سیاسی جنگ کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوگئے۔ اپنے ساتھ وہ نظام کا جواب بھی لائے تھے۔ خط کے اول پیراگراف سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام کو کسی طرح یہ اطلاع دی گئی ہے کہ وزارت ریاست کا جواب دراصل ایک قسم کا الٹی میٹم ہے اور دوستانہ تعلقات کو بگاڑنے کی دیدہ و دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس تشویشناک فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے ماؤنٹ بیٹن سے "آخری بار اپیل" بھی کی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن اور مونکٹن کے درمیان دوستانہ فضا میں بات چیت ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے انھیں یقین دلایا کہ حکومت ہند کی طرف سے حیدرآباد کو الٹی میٹم نہیں دیا گیا ہے اور نہ ہی وہ ناکہ بندی کا ارادہ رکھتی ہے۔ نہرو نے بھی بذات خود حکومت ہند کی نیک نیتی کی تصدیق کی۔

آج ہندستان ٹائمز سمیت ہندستان کے دیگر متعدد اخباروں میں اتحادالمسلمین کے لیڈر قاسم رضوی کی وہ مبینہ تقریر شائع ہوئی ہے جو انھوں نے "حیدرآباد کا ہفتہ"

اسلحہ" کے افتتاح کے موقع پر یعنی ۳۱ مارچ کو کی تھی۔ اطلاع کے مطابق رضوی نے اپنی تقریر میں مسلمانوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اس وقت تک اپنی تلواروں کو نیام میں نہ رکھیں جب تک اسلام کی عظمت کو بلند کرنے کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔ انھوں نے ایک اور شرانگیز بات جو کی وہ یہ تھی ۔" انڈین یونین میں جو مسلمان بھائی رہ گئے ہیں وہ "ففتھ کالم" کا کام انجام دیں گے۔" اس نوعیت کی زبان محض اس لئے استعمال کی جارہی تھی تاکہ جنوبی ہند کی فضا خراب ہو جائے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔نئی دہلی

اتوار ۱۱ اپریل ۱۹۴۸ء

رضوی کی سازش گہری ہوتی گئی۔ کل مونکٹن حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ وہ اس بات پر رضامند ہو چکے ہیں کہ حیدرآباد میں نہ صرف ذمہ دار اور نمائندہ حکومت کے قیام کی ضرورت ہے بلکہ قاسم رضوی کی فوری گرفتاری بھی بیحد ضروری ہے۔ لیکن آج مونکٹن نے ماؤنٹ بیٹن کے نام جو تار روانہ کیا ہے اس میں تردید کی گئی ہے کہ ۳۱ مارچ کو مبینہ تقریر کی ہی نہیں گئی۔ لہٰذا اب اس میں شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہتی کہ دوستانہ تعلقات کو خراب کرنے کے لئے سازش کی گئی تھی۔

ماؤنٹ بیٹن نے مجھے فوراً طلب کیا اور فوراً حقائق معلوم کرنے کا حکم دیا چنانچہ میں فوراً اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور رضوی کی خطابت کے سربستہ راز کی گتھی دریافت کرنے لگا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مبینہ تقریر کے ایک ہفتہ کے بعد ہندستانی اخباروں نے اس کو شائع کیا۔ دو دن پہلے نہرو نے بھی دستور ساز اسمبلی میں اس تقریر کو تشدد اور قتل کی دھمکی سے تعبیر کیا تھا۔ کل نہرو کے الزام کی تصدیق یوں ہوئی کہ ہندستان ٹائمز اور دیگر اخباروں نے رضوی کی ایک اور تقریر کا حوالہ دیا تھا۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کی مصدقہ اطلاع کے بموجب رضوی نے ایک اور مضحکہ خیز تقریر کا ارتکاب کیا ہے جس میں ہندستان پر حملہ کرنے کی دھمکی دی گئی ہے یہ تقریر اس تقریر کے علاوہ ہے جس کی صداقت معلوم کرنے کے لئے میں دن رات کام میں مصروف ہوں۔ ۔ ہے تو انھوں نے مدراس کے علاقوں کی واپسی کا بھی

سوال اُٹھایا ہے اور بڑے ہی فخریہ انداز میں اعلان کیا ہے کہ "وہ دن دور نہیں جب خلیج بنگال کی موجوں سے ہماری مملکت اپنا پاؤں دھوئے گی۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۱۶ اپریل ۱۹۴۸ء

میر لائق علی اور قاسم رضوی نے تردید کی ہے کہ جب ۳۱ مارچ کو اسلحہ کا ہفتہ منایا ہی نہیں گیا تو مبینہ تقریر کرنے کا سرے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔ ایک بریٹر اس وقت وہاں موجود تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ۳۱ مارچ کی صبح کو ۸ اور دس کے درمیان وہ ایک پریڈ میں شریک تھے۔ اُس پریڈ میں رضوی نے تقریباً چار پانچ سو رضا کاروں سے سلامی لی لیکن وہاں تقریر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد پریڈ منتشر ہوگئی۔ لیکن اس کے بعد بھی میں وہاں ۲۵ منٹ تک رکا رہا۔ پھر میں ایک مکان میں داخل ہوا۔ وہاں پہلے سے تقریباً بیس تیس افراد موجود تھے۔ چائے اور کیک سے سبھوں کی تواضع کی گئی اور غیر اہم موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ دیر بعد رضوی ان کے ساتھ دروازے تک آئے اور ان سے رخصت ہوگئے وغیرہ وغیرہ۔ بریٹر نے یہ نہیں بتایا کہ رضوی نے کوئی تقریر بھی کی تھی۔ غرضیکہ راز اب تک راز ہی رہا۔ لیکن مختلف ذرائع و وسائل سے جو اطلاعات مجھے ملی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ رضوی جب بھی پبلک یا پرائیویٹ جلسے کرتے تو نظام اور منشی کے ایجنٹ ضرور شریک ہوتے ہیں۔ رضوی نے بھی ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جو نظام اور منشی کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں کی اطلاعیں ان کو پہنچایا کرتے ہیں۔ خواہ ان باتوں کو کوئی کچھ بھی سمجھے لیکن اس بات پر میرا ایمان ہے کہ رضوی اپنے ایجنٹوں کو نہ صرف ہر طرح سے چوکس اور مسلح رکھتے ہیں بلکہ وہ سیاسی سرگرمیوں میں بھی مصروف کار ہیں۔ اگر ان کی یہ سرگرمیاں کامیاب ہوگئیں تو نہ صرف خون کی ندیاں بہنے لگیں گی بلکہ ہندستان اور حیدرآباد کے تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جائیں گے۔

بریٹر کا خیال ہے کہ حیدرآباد کے معاملے میں ہندستان کی پالیسی بڑی حد تک

خطرناک ہے۔ پانچ سال تک تو حیدرآباد کو کانگریس اور کمیونسٹ کے دباؤ سے قطعی آزاد رکھا جائے کیونکہ اس عرصے میں حکومت فرقہ واریت سے نجات حاصل کرلے گی اور پھر ہندو اکثریت پر مشتمل حکومت کا قیام عمل میں آجائے گا۔ ان کا خیال ہے کہ ان ہی حالات میں اعتدال پسندی' میانہ روی اور اصلاح کے عناصر مضبوط ہوں گے۔ لیکن حالت یہی رہی جو ابھی ہے تو تشدد، اور قتل وغارت گری سے بچنا ممکن نہیں۔

ان دنوں ماؤنٹ بیٹن اسٹاف میٹنگوں میں مصروف ہیں۔ وہ ایسا فارمولا تیار کر رہے ہیں جو موجودہ خطرناک بحران کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ مونکٹن بدھ کو اور میر لائق علی کل پہنچے۔ آج گورنمنٹ ہاؤس کے پرسکون تالاب کے کنارے میر لائق علی اور ماؤنٹ بیٹن نے لنچ کھایا۔ ان کے علاوہ اور کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔ دونوں دو گھنٹے ایک ساتھ رہے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ ان کی شخصیت کا میر لائق علی کی ضدی طبیعت پر خاصہ اثر ہوا ہے۔ انھیں یقین ہو چلا کہ اس نازک دور میں وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر متمکن رہنا ان کے لئے مناسب نہیں۔ گفت وشنید میں ان کی ضد اگر اسی طرح جاری رہی تو جلد یا بدیر تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔

فیصلہ کن گھڑی آپہنچی ہے۔ پٹیل تندرست ہوگئے ہیں اور اب وہ سرکاری گفت وشنید میں جلد شرکت کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اصول کی جنگ شروع ہوا چاہتی ہے

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۱۷ اپریل ۱۹۴۸ء

ماؤنٹ بیٹن مسلسل تین دنوں تک نہرو' وی پی مینن اور مونکٹن سے ملتے رہے۔ ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار نکاتی پروگرام پر متفقہ فیصلہ ہوگیا۔ اس کے بعد وی پی مینن اس پروگرام کو مسوری لے گئے جہاں پٹیل آرام کر رہے ہیں۔ پٹیل نے جب اس چار نکاتی پروگرام کی حمایت کردی تو ماؤنٹ بیٹن کو سخت

تعجب ہوا۔

چار نکاتی پروگرام حسب ذیل ہے :-

(۱) رضوی کو قابو میں کرنے کے لئے فوری قدم اٹھایا جائے اور رضاکاروں کے جلسوں، جلوسوں، مظاہروں اور تقریروں پر پابندی عائد کردی جائے۔

(۲) ریاستی کانگریس کے ممبروں کو قید سے رہا کیا جائے۔

(۳) موجودہ حکومت کی تشکیل اس طرح ہو کہ دونوں فرقوں کو نمائندگی مل سکے

(۴) ذمہ دار حکومت کا فوراً قیام اور سالِ رواں کے اختتام تک دستور ساز اسمبلی کی تشکیل۔

مونکٹن نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا "میری تجویز ہے کہ میں نظام کو مشورہ دوں کہ وہ موجودہ وزیر اعظم کو معزول کر کے ان نکات کی منظوری کی توثیق کردیں میر لائق علی پر سے اعتماد اُٹھ چکا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حیدرآباد کے ایجنٹ جنرل برائے دہلی زین یار جنگ کو وزیر اعظم کا عہدہ دیا جائے کیونکہ تب ہی نظام کے اداروں میں اعتماد کیا جا سکے گا۔ نظام کے ساتھ ان کی وفاداری میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ حکومت ہند اور خصوصاً وی پی مینن ان سے بیحد متاثر ہوئے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار ۱۸ اپریل ۱۹۴۸ء

مونکٹن، میر لائق علی کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہوگئے۔ آج کشمیر کے مہاراجہ اور مہارانی گورنمنٹ ہاؤس میں معزز مہمان کی حیثیت سے تشریف لارہے ہیں۔ یہاں چار دنوں تک ان کا قیام رہے گا۔

مہاراجہ کو مدعو کرنے کی درخواست پٹیل نے ماؤنٹ بیٹن سے کی تھی لیکن ماؤنٹ بیٹن نے سوچا کہ اگر اس فضا میں مہاراجہ کو ہندستان بلایا جاتا ہے تو شکوک وشبہات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر انھوں نے پٹیل کو لکھ بھیجا کہ وہ مہاراجہ کو دعوت نامہ بھیجتے وقت یہ تحریر کریں کہ اگر وہ

گورنمنٹ ہاؤس کے مہمان کی حیثیت سے ہندستان تشریف لائیں تو گورنر جنرل کو از حد مسرت ہوگی۔ پٹیل نے اسی مشورے پر عمل کیا لیکن مہاراجہ نے کہا کہ جب تک ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے دعوت نامہ موصول نہیں ہوتا ہے وہ گورنمنٹ ہاؤس میں قیام نہیں کریں گے۔ ماؤنٹ بیٹن رضامند تو ہوگئے لیکن میں نے اس نوعیت کا پہلے سے ایک کمیونکے تیار کرلیا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مہاراجہ پٹیل سے ملاقات کرنے تشریف لارہے ہیں۔ لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ چونکہ ان کی تشریف آوری سے کسی قسم کی قیاس آرائی کا امکان نہیں ہے اس لئے کمیونکے کی اشاعت کوئی ضروری نہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

پیر ۱۹ اپریل ۱۹۴۸ء

گذشتہ ہفتہ سلامتی کونسل کے اراکین کی اکثریت جب ایسا کوئی منصوبہ تیار نہ کرسکی جو دونوں حکومتوں کو قابل قبول ہو تو ایک متفقہ قرارداد منظور کی گئی جس میں بہت ساری سفارشات تھیں۔ اول اول تو نہرو کا ردعمل قطعی آمرانہ تھا۔ انھوں نے کل ماؤنٹ بیٹن کو لکھکر بھیجا کہ یہ قرارداد ڈاکٹر سیانگ کی قرارداد سے قطعی مختلف ہے اور اس میں وہ ساری دلیلیں مسترد قرار دی گئی ہیں جو ہندستانی مندوب کی طرف سے پیش کی گئی تھیں لہٰذا حکومت ہند کے لئے اب واحد راستہ یہی رہ گیا ہے کہ وہ اس کی سختی سے مخالفت کرے۔ اس کے جواب میں ماؤنٹ بیٹن نے لکھا کہ ان کے خیال میں نئی قرارداد میں صرف چند ترمیمات بنیادی ہیں۔ ورنن سے کہا گیا کہ وہ فوراً دونوں قراردادوں کے فرق کو تحریر میں لے آئیں اور پھر اسے آج کی میٹنگ میں پیش کریں۔

نہرو اس بات کا پختہ ارادہ کرچکے تھے کہ وہ لیک سکسس میں آئنگر کو اس قرارداد کی کھل کر مخالفت کرنے کی ہدایات بھیجدیں گے لیکن ماؤنٹ بیٹن کی منطقی دلیل سے نہرو رک گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی دلیل سے نہرو کو اس بات پر بھی رضامند کرلیا کہ استصواب کے مجوزہ کمیشن کو ہندستان آنے کی اجازت دی جائے۔

میٹنگ کے فوراً بعد میں ماؤنٹ بیٹن سے ملا۔ انھوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ گفتگو نہایت کامیاب ثابت ہوئی کیونکہ نہرو کو فوراً اپنا خیال بدل دینا پڑا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۲۱؍ اپریل ۱۹۴۸ء

نئے انتظام کے تحت دہلی کی نئی معاشی زندگی شیری (ہسپانوی شراب) سے چائے کی طرف لوٹ آئی ہے۔ پٹیل نے اپنی قیامگاہ واقع اورنگ زیب روڈ کے باغ میں چائے نوشی کی دعوت کرکے اس انتظام نو میں جان ڈال دی۔ سنگین علالت کے بعد پٹیل نے آج پہلی بار مجلسِ زندگی میں شرکت کی ہے۔ باغ میں میز کے اردگرد مختلف پیشے اور حیثیتوں کے لوگ موجود تھے، مثلاً سفرا، رجواڑے، کابینہ کے وزرا، کانگریس لیڈران، بڑے بڑے تجار اور صنعتکار اور مدیران۔ ان میں سے بہتیرے پٹیل کو غسل صحت کرنے پر مبارکباد دینے کے لئے صف بستہ کھڑے تھے۔ لیکن پٹیل اب بھی کمزور نظر آ رہے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے ان کے ساتھ تقریباً پون گھنٹہ گذارا۔ پٹیل ان کی موجودگی سے بہت خوش ہوئے۔

آج وی پی مینن نے اپنی قیامگاہ پر تقریباً ایک درجن ہندستانی اور یوروپین جرنلسٹوں کو چائے نوشی کی دعوت دی تھی۔ دراصل مینن کا مقصود مہاراجہ آف کشمیر سے ان جرنلسٹوں کا تعارف کرانا تھا۔ مہاراجہ علیل تھے اس لئے بات چیت میں انھوں نے کم حصہ لیا۔ ویسے بھی وہ بیحد افسردہ خاطر اور مایوس نظر آرہے تھے۔ انھوں نے شکایت کی کہ ان کیساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کے مکان کو ضبط کر لیا گیا ہے اور ان کو پیشگی اطلاع کئے بغیر کابینہ نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ انھوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آخر اس ذلت اور ہتک آمیز سلوک سے ان کو کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ مسئلہ پٹیل کے سامنے پیش کیا۔ اور پٹیل نے نہرو سے اس موضوع پر بات کرنے کا وعدہ کر لیا۔

ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ میں نے مہاراجہ کو لعنت ملامت کی کہ اگر وہ میرے مشورے پر عمل کرکے ۱۵ اگست تک ریاست کا دونوں میں سے کسی بھی مملکت کے ساتھ الحاق کر لیتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پہلے تو انھوں نے اپنے فیصلے کی مدافعت کی اور کہا۔ "اب جبکہ میں الحاق کر چکا ہوں تو یہ ہنگامہ آرائی کیوں۔ ذرا خیال کیجئے اگر میں نے یہی قدم اور پہلے اٹھایا ہوتا تو حالات اور کتنے خراب وخستہ ہو جاتے۔" لیکن ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اگر وہ ہندستان کیساتھ وقت پر الحاق کر لیتے تو پاکستان ایک قدم بھی آگے نہ بڑھتا۔ اور اگر پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیتے تو ہندستان ایسا نہ کرتا۔ اس سلسلے میں پٹیل کا وعدہ قطعی صاف اور عیاں تھا۔

باب ۲۶

شطرنج کی چال

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

۲۴ / اپریل ۱۹۴۸ء

مونکٹن ۱۹ ! ماہ رواں کو لندن روانہ ہو گئے۔ نظام کے ساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی تھی اس کے نتائج سے انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کو آگاہ کر دیا۔ انھوں نے متنبہ کیا کہ جن چار نکات پر دہلی میں فیصلہ ہوا تھا اُن میں سے ایک نکتہ ایسا بھی ہے جس سے نہ صرف حیدر آباد کی صورت حال بگڑ سکتی ہے بلکہ وہ مفاہمت کی راہ میں زبردست روڑا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اور وہ نکتہ ہے " ذمہ دار حکومت کا قیام"۔ اس کے علاوہ۔ آبادی کی بنیاد پر دستور ساز اسمبلی کی تشکیل نظام کے لئے ایک ہفتہ کے اندر قابلِ عمل نہیں۔ نظام مونکٹن کو مزید عرصہ کے لئے حیدر آباد میں روکنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس بات کا قرینہ غالب ہے کہ جب تک نئی حکومت برسرِ اقتدار نہیں آجاتی ہے اس وقت تک وہ ریاست کے حالات سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔

توقع کی جا رہی تھی کہ نظام چار نکاتی پروگرام کو ایک فرمان کے ذریعہ روبکار لائیں گے۔ فرمان تو عوام کے سامنے ضرور آیا لیکن توقع مایوسی میں

بدل گئی۔ کیونکہ چار نکاتی پروگرام کو نہایت ہی بے تکے انداز میں ایک خوبصورت فقرہ میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اظہار امید کرتے ہوئے کہ حیدرآباد کی ہنگامی اور عارضی حکومت میں جن سیاسی جماعتوں کو نمائندگی نہیں ملی ہے ان کو حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے مدعو کیا جائے گا فرمان میں کہا گیا ہے " مجھے تشویش ہے کہ محض کسی حکومت کی نقل اتار لینے سے ہمارے ملک کی فضا بھی دیگر مقامات کی طرح ناخوشگوار نہ ہو جائے۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۲۸ اپریل ۱۹۴۸ء

کشمیر کے موضوع پر ہندستانی پریس میں جو سیاسی تبصرہ آرہا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ اقوام متحدہ میں برطانوی وفد ہندستان کے خلاف شر انگیز منصوبے بنا رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہندستان کے موقف کو شکست ہو۔ ڈان نے بھی اپنے حالیہ اداریہ میں لکھا ہے کہ " متوحش اور گھبرائے ہوئے اہل برطانیہ کا خیال تھا کہ ہندستان کہیں ماسکو کا دوست نہ بن جائے۔ چنانچہ ان ہی اسباب کی بنا پر ایک بار اور ہندستان اور برطانیہ کے درمیان راہ و رسم پیدا ہونے لگی جس سے یہ حقائق سامنے آگئے کہ برطانیہ مسلمانوں اور انصاف سے غداری کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ ایسی بے وفائیوں سے برطانیہ کی شاہی تاریخ مکروہ حد تک بھری ہوئی ہے۔ اس حقیقت سے دنیا کا کون مسلمان ایسا ہے جو واقف نہیں۔"

اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن کے خلاف یہ الزام تراشا گیا کہ انھوں نے پاکستان کو ابتدا ہی سے کمزور بنانے کے لئے ساز باز اور جوڑ توڑ سے کام لیا ہے اور اس مقصد کے لئے اس طرح پنجاب کی حد بندی کی گئی تاکہ ہندستان یہ دلیل پیش کر سکے کہ کشمیر کے ساتھ اس کا قریبی تعلق ہے۔ چنانچہ یہ ساز باز ریڈ کلف کے ساتھ مل کر کیا گیا جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

ان معاملوں میں ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت کو جس طرح ملوث کیا گیا ہے وہ

انتہائی افسوسناک ہے یہ ایسا پروپیگنڈا ہے کہ اگر ڈاکٹر گوبلز بھی ہوتے تو وہ شرما جاتے۔ ماؤنٹ بیٹن اس قسم کے حملوں کو نظر انداز کر دینے کے عادی ہیں کیونکہ اس سے حالات بہتر ہونے کی بجائے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کی یہ پالیسی غیر ذمہ داریوں کو ختم کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ لیکن میں اس حد تک خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ میں تو جھوٹوں کو گھر تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔ الزام میں جتنا زیادہ ڈھٹائی پن ہوتا ہے، تعصب اور تنگ نظری کی گھاس میں آگ اتنی جلدی پکڑ لیتی ہے عوامی زندگی میں اگر سچائی کو غالب آنا ہے تو آوازیں دھیما پن کی بجائے کرختگی اور تیزی و طراری ہونی چاہیئے۔

آج رات دہلی کے جیم خانہ کلب میں میں نے اور فے نے ایک ساتھ ڈنر کھایا۔ ہمارے میزبان تھے شری کرشنا (دہلی کے مشہور سیاسی نامہ نگار) اور مہمان خصوصی تھے وزیر قانون اور اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیدکر۔ گذشتہ بیس سال سے ڈاکٹر موصوف ہندستانی سیاست کی اہم شخصیت ہیں۔ ہندستان کی آئین سازی میں انھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ سب پر واضح ہیں۔ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ قوانین کے رجسٹر سے اچھوت کے کلنگ کو دھو ڈالا گیا۔ امبیدکر خود بھی اچھوت ہیں لیکن لفظ اچھوت کے خلاف ان کی جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حال ہی میں انھوں نے ایک برہمن لیڈی ڈاکٹر سے شادی کر لی۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ صدیوں کی روایات کو چشم زدن میں مٹایا نہیں جا سکتا۔ اس انقلابی اقدام سے ہندستان کے گوشہ گوشہ میں تعجب و حیرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ آج رات ان کی بیوی بھی تشریف لائی تھیں لیکن ان کا زیادہ وقت خاموشی میں گذرا۔

امبیدکر نے نئے آئین کی چند جھلکیاں پیش کیں۔ مثلاً انھوں نے کہا کہ عدلیہ کے لئے اتنے خصوصی اختیارات محفوظ کئے گئے ہیں کہ امریکہ کی عدالت عالیہ کو بھی اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ انھوں نے افسوس ظاہر کیا کہ دستور کی منظوری سے پہلے ہی ماؤنٹ بیٹن تشریف لے جا رہے ہیں۔ ان کے خیال میں دولت مشترکہ کا مسئلہ دستور ساز اسمبلی کے باہر ہی طے کیا جائے گا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء

حیدرآباد کی فضا میں خطرے منڈلانے لگے ہیں۔ سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ گذشتہ سنیچر کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے نہرو نے اعلان کیا۔" حیدرآباد کے لئے اب صرف دو راستے رہ گئے ہیں۔ جنگ یا الحاق "۔ اس اعلامیہ کے بعد سیاسی فضا ایک دم سے نازک ہو گئی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے " الحاق یا جنگ " کی سرخی اخباروں میں اُس وقت دیکھی جب وہ دورے پر تھے۔ اس خبر کو پڑھکر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ دہلی پہنچتے ہی سب سے پہلے انھوں نے نہرو سے ملاقات کی۔ نہرو سے ماؤنٹ بیٹن نے جب اس خبر کی وضاحت چاہی تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انھوں نے کہا کہ میری تقریر کو توڑ مروڑ کر اور غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں نہ تو جنگ کی بات کی ہے اور نہ الحاق کی۔ انھوں نے بتایا کہ غلط فہمی غالباً اس لئے پیدا ہوئی کہ میں ہندستانی میں تقریر کر رہا تھا اور اس کا نوٹ ایک مدراسی اسٹینو گرافر نے لیا تھا۔

واقعی کتنی دلچسپ بات ہے کہ لاکھوں ہندستانی اپنے لاکھوں بھائیوں کی زبان نہیں سمجھتے۔ ہندستان میں تقریباً سات اہم زبانیں رائج ہیں لیکن پورے برصغیر میں کم سے کم دو سو تیس بولیاں بولی جاتی ہیں۔

کل نہرو پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں اور اس میں وہ اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ مبیّنہ تقریر کو ایک ہفتہ گذر گیا ہے حیدرآباد سے میر لائق علی نے بھی فصاحت و بلاغت کا دریا بہایا ہے۔ انھوں نے حیدرآباد کی دستور ساز اسمبلی میں تقریر کی ہے لیکن چار نکاتی پروگرام کا انھوں نے حوالہ تک نہیں دیا۔ اس کی وجہ سے دہلی میں پھر شکوک پیدا ہونے لگے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۴ مئی ۱۹۴۸ء

حیدرآباد میں شطرنج کی جو بازی کھیل جاری ہے اس سے ماؤنٹ بیٹن متفکر

نظر آ رہے ہیں۔ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ مسئلہ خوشگوار طریقے سے حل ہو جائے۔ گورنر جنرل کے عہدہ پر وہ زیادہ سے زیادہ چھ ہفتے اور متمکن ہیں۔ اس کے بعد راجگوپال اچاری اس عہدہ کو سنبھالیں گے۔ لہٰذا ان چھ ہفتوں کے مختصر عرصے میں اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ان کو انتہائی کوشش کرنی ہوگی۔ لیکن یہ کوئی سہل کام نہیں ہے۔ خصوصاً مونکٹن کی غیر موجودگی میں معاملہ اور اُلجھ گیا۔

ماؤنٹ بیٹن کی تجویز ہے کہ نظام کو وارننگ کا آخری خط روانہ کیا جائے۔ چنانچہ مسودہ تیار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں اُن سے کہہ رہا ہوں کہ جب تک گفت و شنید کے سارے راستے مسدود نہ ہو جائیں اس وقت تک ایسا قدم اُٹھانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

میں نے روانی کو حسب ذیل نوٹ روانہ کیا ہے:۔

"بلا شبہ جو مکتوب بھیجا جانے والا ہے وہ دلچسپ ہوگا لیکن تاریخ کا فیصلہ یک طرفہ نہیں ہو سکتا۔ تاریخ صرف یہی فیصلہ نہیں دے گی کہ مشورہ درست تھا یا نہیں بلکہ وہ یہ بھی دیکھے گی کہ مکتوب جس وقت نظام کو بھیجا گیا تھا اس وقت اُن کا موڈ کیسا تھا۔ کیا وہ اس مکتوب کو پڑھ کر سر تسلیم خم کر دیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس نوع کے مکتوب کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ ہز اکسلنسی بلاشبہ براہِ راست شخصی رابطہ کے قائل ہیں لیکن اس وقت اور اس فضا میں ان کا حیدرآباد جانا موزوں نہیں۔ میری تجویز تو یہ ہے کہ نظام کو کسی شرط کے بغیر دہلی آنے کی دعوت دی جائے تاکہ ماؤنٹ بیٹن کو دوبدو گفتگو کرنے کا موقع مل سکے۔"

آج دس بجے دن کو جو میٹنگ ہوئی اس میں ماؤنٹ بیٹن نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ اس میٹنگ میں میرے علاوہ وی پی مینن، روانی اور ورنن بھی موجود تھے۔ وی پی مینن نے کہا — "ممکن ہے نظام ماؤنٹ بیٹن کو حیدرآباد آنے پر اصرار کریں لیکن اس مسئلہ کو یوں حل کیا جا سکتا ہے کہ نظام سے کہا جائے ماؤنٹ بیٹن بے حد عدیم الفرصت انسان ہیں۔"

۲۲ اپریل کو ریاستوں کی سب سے بڑی یونین کے اقرار نامے پر دستخط ہو گئے اس کا نام مالوہ یونین رکھا گیا ہے اور اس یونین میں گوالیار، اندور، مالوہ ریاستوں کا ایک گروپ شامل ہوا ہے۔ یعنی ریاستوں کی کل تعداد بیس ہے اور ان کی کل

آبادی سترلاکھ ہے۔ یونین کے راج پرمکھ کے سلسلے میں تھوڑا بہت اختلاف تھا لیکن فیصلہ ہوا کہ گوالیار کے والی کو جو اکیس توپوں کی سلامی لیتے ہیں راج پرمکھ بنایا جائے گا۔ اب ان ریاستوں کے پایہ تخت کا سوال پیچیدہ ہوتا جارہا ہے۔ بہرحال طے یہ پایا کہ گوالیار موسم گرما میں پایہ تخت ہوگا اور اندور موسم سرما میں۔ نواب آف بھوپال نے مالوہ یونین سے الگ رہنے کی ایک بار پھر خواہش ظاہر کی ہے۔

آج الحاق کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ کچھ کی ریاست حکومت ہند کے ساتھ ضم ہورہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ کی جنگی اہمیت کے پیش نظر یہ قدم اُٹھایا گیا ہے۔ دکن کی ریاستوں اور گجرات کے حکمرانوں نے جدا جدا معاہدوں کے تحت صوبۂ بمبئی سے الحاق کرلیا ہے۔ کاٹھیاواڑ کی دوسترہ ریاستوں نے بھی اپنی یونین بنالی ہے اس یونین کا نام ہے "سوراشٹر یونین" جام آف نوانگر اس یونین کے راج پرمکھ ہیں۔

کل سکھ ریاستوں کی یونین کے بھی اقرارنامے پر دستخط ہوجائیں گے۔ صرف مہاراجہ آف پٹیالہ کے رویہ کی وجہ سے گفت وشنید اختتام تک نہ پہنچ سکی۔ وہ اپنی ریاست کے آپ مالک بن کر رہنا چاہتے تھے۔ اگر ان کا یہی رویہ رہتا تو ان کے بغیر یونین نہ مضبوط ہوتی اور نہ زیادہ دنوں تک پنپ سکتی۔ وی پی مینن نے آج ہمیں بتایا کہ مہاراجہ پٹیالہ نے یونین میں شمولیت کا فیصلہ کرلیا ہے۔ لہٰذا ان کو یونین کا راج پرمکھ اور مہاراجہ آف کپورتھلہ کو ان کا معاون بنایا جائے گا۔ دراصل اس فتح کا سہرا وی پی مینن کے سر ہے۔ اس فیصلے سے مرکزی حکومت فائدے میں رہے گی کیونکہ مشرقی پنجاب کی ایک الگ سکھستان بنانے کی جو تحریک اندر ہی اندر چل رہی تھی وہ کمزور پڑجائے گی۔ راجپوتانہ کے رجواڑوں نے بھی یونین کی تشکیل کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ نہایت ہی اُمید افزا قدم ہے۔ پہلے تو چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے ضم ہونا شروع کیا لیکن بعد میں اُدے پور نے بھی شامل ہونے کا اہم فیصلہ کرلیا۔ ماؤنٹ بیٹن جب اُدے پور تشریف لے گئے تھے تو ہزہائینس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ وہ جو قدم بھی اٹھائیں گے۔ اس میں عوام کے مفاد کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی اُدے پور کا خاندان ہندستان میں نہایت معزز گردانا جاتا ہے اس لئے لازمی طور پر یونین میں اس کی شرکت سے راجپوتانہ

کی دیگر ریاستوں پر خاصا اثر پڑے گا۔

ریاستوں کو ضم کرنے کا جو انقلابی قدم اُٹھایا گیا اس میں عقل و تدبر کا زبردست ہاتھ ہے۔ وی پی مینن نے آج سویرے کہا کہ باپ کے گناہوں کا کفارہ بیٹے کو دینا پڑا۔ ۱۹۳۵ء کی وفاقی منصوبے کو پٹیالہ اور بیکانیر نے ماننے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہندستانی ریاست کا سارا ڈھانچہ ہی بگڑ گیا۔ یہ تو ماؤنٹ بیٹن کی ذہانت وفراست تھی کہ انھوں نے الحاق کے ذریعہ حالات کو نازک ہونے سے بچا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج پٹیالہ اور بیکانیر نئے رشتے میں منسلک ہو کر اہم کردار ادا کرنے والے ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے بھی اقرار کیا کہ جب گذشتہ سال اسناد الحاق پر بات چیت کا آغاز ہوا تھا تو انھیں یقین نہ آتا تھا کہ سارے مسائل ایک ایک کر کے اتنی جلدی طے پا جائیں گے۔ سر آرچی بالڈ نائے نے ایک بار کہا تھا کہ ہندستان سے باہر ہندستانی ریاستوں کے مسائل کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ ان کے مسائل کانگریس، مسلم لیگ اور سکھوں کے مسائل سے کہیں زیادہ تشویشناک تھے۔ نائے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ رجواڑوں کے ساتھ دوستانہ مفاہمت سے قطعی مایوس ہو چکے تھے اور انھیں یقین تھا کہ ۱۵ اگست کے بعد حالات ناقابلِ تصور حد تک خطرناک ہو جائیں گے۔

اب خوشگوار فضا کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دھول پور کے ہز ہائینس بھی الحاق پر رضامند ہو گئے ہیں۔ ابھی پچھلے اگست کی بات ہے کہ وہ الحاق کی بات سننا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔

آج سویرے کی اسٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے دفاعی کمیٹی کا سوال اُٹھایا انھوں نے وی پی مینن سے کہا کہ پہلے تو میں کشمیر میں فوجیں اتار دینے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن اب حالات قطعی مختلف ہو گئے ہیں۔ فوجوں کی کمان کا تھوڑا بہت تجربہ رکھنے کی وجہ سے میں محسوس کرتا ہوں کہ نہرو اور پٹیل فوجوں کی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتے۔ انھوں نے اس بات پر مایوسی کا اظہار کیا کہ دفاعی کمیٹی کے ضابطے کو ٹھیک طور پر قبول نہیں کیا جا رہا ہے میٹنگ ختم ہونے سے پہلے انھوں نے حیدرآباد

کے مسئلے کو پھر اُٹھایا۔ انھوں نے کہا کہ سب سے پہلے نظام کو دہلی آنے پر رضامند کیا جائے ــــ اس کے بعد جو کچھ ہوگا میں سمجھ لوں گا۔

سہ پہر کو میں حیدرآباد ہاؤس گیا ــــ کنگسوے میں یہ شاندار عمارت بہت پسند آئی۔ مجھے ڈرائنگ روم دکھایا گیا ــــ خاصا بڑا اور مرعوب کن۔ وسط میں نظام کی دو بہوؤں کے خوبصورت فوٹوگراف دیکھے۔ اس اثنا میں زین یار جنگ اپنے صاحبزادے کے ہمراہ تشریف لائے۔ سب سے پہلے انھوں نے اپنے صاحبزادے سے میرا تعارف کرایا۔ اس کے بعد ہم نے ایک ساتھ چائے پی۔ ان میں تعصب کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ بلکہ مجھے وہ شائستہ خوش خلق اور مہذب دکھائی دئے۔ مجھے یقین ہی نہ آتا تھا کہ اتحاد المسلمین کے ساتھ ان کا ذرا بھی تعلق ہوسکتا ہے بہرحال فی الوقت میں کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا کہ اتحاد المسلمین کے ارکان کو ان پر اعتماد کیوں ہے اور نظام پر ان کا اثر کہاں تک ہے۔

میں نے نظام کے دورۂ دہلی کی بات چھیڑ دی۔ انھوں نے کہا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے لئے ایرکنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ کا انتظام کیا جائے تو شاید وہ اتنا لمبا سفر کرنے کے قابل ہوسکیں۔ ان کو ہوائی سفر سے چڑھ سی ہے بلکہ وہ دل میں اس کا خیال تک نہیں لاسکتے۔ وہ آج بھی اپنی ۱۹۱۰ رولس میں حیدرآباد سے نکلتے ہیں۔ اس کے بعد بمبئی کا انتخاب کیا گیا ــــ کیونکہ حیدرآباد سے دہلی کی بہ نسبت یہ زیادہ قریب ہے۔ لیکن زین یار جنگ بولے کہ بہر صورت اس کام کی تکمیل کے لئے مونٹکمٹن کا انگلستان سے آنا بہت ضروری ہے۔

میں حیدرآباد ہاؤس سے گورنمنٹ ہاؤس واپس آگیا اور آتے ہی ماؤنٹ بیٹن کو ساری باتوں سے مطلع کر دیا۔ انھیں بمبئی کی تجویز پسند نہیں آئی کیونکہ ان کے خیال میں ایسی صورت میں حکومت ہند سے رابطہ پیدا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ انھوں نے اپنے اسٹاف سے متبادل صورت نکالنے کی درخواست کی۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار ۹ مئی ۱۹۴۸ء

گورنمنٹ ہاؤس میں ہم نے "کوپاکابانا" نامی فلم دیکھی۔ اس کے بعد ورنن

نے کہا کہ ماؤنٹ بیٹن، زین اور وی پی مینن نے نظام کے دورۂ دہلی کے بارے میں بات چیت کی ہے۔ زین آج شام کو حیدرآباد سے واپس آئے ہیں وہ نظام کے نام ماؤنٹ بیٹن کا مکتوب لے گئے تھے اور اب اس کا جواب ساتھ لائے ہیں۔ جواب میں نظام نے ماؤنٹ بیٹن کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کو اس جواب سے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا کیونکہ ۶ مئی کو بھی نظام کی طرف سے تار کے ذریعہ ایسا ہی جواب موصول ہوا تھا۔ جواب میں دہلی نہ آنے کی وجہ بتاتے ہوئے نظام نے تحریر کیا ہے کہ "اگر میں دہلی آتا ہوں تو اندرون اور بیرون حیدرآباد میں غلط فہمی پھیل سکتی ہے۔" ورنن نے مجھ سے کہا کہ اس جواب کے باوجود ماؤنٹ بیٹن مایوس نہیں ہوئے ہیں کیونکہ وہ اتنی آسانی سے شکست نہیں مان سکتے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر نظام کے ساتھ روبرو گفتگو کا موقع ملا تو وہ الحاق پر دستخط کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

زین نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ صورتِ حال حد سے زیادہ نازک ہو گئی ہے۔ میر لائق علی کے خلاف "عدم اعتماد" کا ووٹ پاس ہوتے ہوتے رہ گیا۔ زین نے یہ بھی کہا کہ ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو رضوی کو اعتدال پسند انسان سمجھتے ہیں۔ وی پی مینن خاموشی سے یہ باتیں سنتے رہے۔

ورنن نے یہ اطلاع بھی دی کہ ہم خطرناک حد تک اس نقطہ کے قریب پہنچ چکے ہیں جہاں صرف دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں ــــ طاقت یا طاقت کی دھمکی۔ میں نے کہا ضرورت تو اس بات کی ہے کہ نظام کی صحیح حیثیت معلوم کی جائے۔ اس کے بعد میں ماؤنٹ بیٹن سے ملنے گیا۔ ان کا خیال ہے کہ نظام خوفزدہ اور سہمے سہمے سے نظر آتے ہیں۔ جب میر لائق علی کی وزارت عظمٰی کی بات نکلی تو وہ ذرا بھی برہم نہ ہوئے بلکہ انھوں نے فوراً پوچھا ــــ "آخر لوگ کس کو چاہتے ہیں؟"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔

پیر ۱۰ مئی ۱۹۴۸ء

اسٹاف میٹنگ میں ہم نے نظام کی پوزیشن کے سلسلے میں بہت دیر تک

گفتگو کی لیکن ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ اس کے علاوہ ماؤنٹ بیٹن اور نظام کے درمیان خط و کتابت نے معاملہ اور نازک ہوگیا۔ دہلی نہ آنے پر نظام نے جس انتہا پسندی کا ثبوت دیا ہے اس کی روشنی میں حکومت ہند شاید ہی ماؤنٹ بیٹن کو حیدر آباد جانے کی اجازت دے۔ اس کے علاوہ ہندستانی پریس کو اس بات کا علم ہے کہ نظام کو دہلی آنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ ساتھ ہی ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف کے کسی ایک فرد کو "پیغام رساں" کی حیثیت سے نظام کے پاس بھیجا جائے تو نہ صرف یہ کہ تھوڑا بہت اعتماد بحال ہوسکتا ہے بلکہ خطرناک اور نازک صورت حال بھی کسی حد تک بہتر ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس خیال سے ہم نے ماؤنٹ بیٹن کو آگاہ کیا۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے اس خیال کی حمایت کی بلکہ مجھ سے کہا کہ میں "پیغام رساں" کے فرائض انجام دوں۔ انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ اس موضوع پر نہرو، وی پی مینن اور زین سے بات کریں گے۔ اب مجھے تعارفی خط کا مسودہ تیار کرنا ہے۔ چنانچہ میں ان سے رخصت ہوگیا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۱۲ مئی ۱۹۴۸ء

یہ طے پاچکا ہے کہ میں جلد از جلد حیدر آباد کا سفر اختیار کروں اور ماؤنٹ بیٹن کا نمائندہ بن کر نظام سے ملوں۔ ساتھ ہی صورت حال سے آگاہ کرکے انھیں آمادہ کروں کہ بحران کو ختم کرنے کے لئے دوبارہ گفت و شنید شروع کی جائے۔ نیز ماؤنٹ بیٹن کے آخری چند ہفتوں کے قیام سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ آج سویرے اسٹاف میٹنگ میں وی پی مینن نے میرے مجوزہ دورے کو سراہتے ہوئے کہا کہ کمیونسٹوں اور رضاکاروں کے گٹھ جوڑ کا کافی ثبوت فراہم ہوچکا ہے لیکن ادھر کسی کی توجہ نہیں جاتی، ماؤنٹ بیٹن کو اس گٹھ جوڑ پر کسی حال میں یقین نہیں آیا۔ لیکن وی پی مینن مصر ہیں کہ اس گٹھ جوڑ ہی سے فضا مکدر ہورہی ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے میٹنگ میں سب سے پہلے پٹیل کی علالت کے بارے میں پوچھا
وی پی مینن نے کہا کہ نبض کی رفتار میں بے قاعدگی اور بے خوابی کی وجہ سے وہ پریشان ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعرات ۱۳ مئی ۱۹۴۸ء

دفاعی کمیٹی کے سامنے (جس کی میٹنگ ماؤنٹ بیٹن کی تحریک پر طلب کی گئی ہے) ماؤنٹ نے نہرو سے میرے دورۂ حیدرآباد کی توثیق کرائی۔ اس وقت میں بھی موجود تھا۔

دفاعی کمیٹی کی میٹنگ کے بعد میں نہرو سے پھر ملا اور ان سے مزید ہدایات لینے کی غرض سے ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ میرے مجوزہ دورے کے سلسلے میں اپنے چند موٹے موٹے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پریشانیوں اور مشکلات سے باز رہنے کی کوشش کرنا بعض اوقات انھیں دعوت دینا ہوتا ہے۔ حیدرآباد کی سرحد پر روزانہ گولیاں چلانے اور گڑبڑ پھیلانے کے جو واقعات سننے اور دیکھنے میں آرہے ہیں محض ان کو تماشائی بن کر دیکھ آنا عقلمندی نہیں ہے۔

نہرو سے رخصت ہو کر میں گورنمنٹ ہاؤس آگیا۔ وی پی مینن اور ماؤنٹ بیٹن اب تک کانفرنس میں مصروف تھے۔ دونوں دفاعی کمیٹی کی کارروائی سے بہت خوش نظر آرہے تھے۔ کیونکہ اس طرح فوجی اور سیاسی لیڈروں کو ایک دوسرے کا نقطۂ نظر معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن میرے "مشن" سے پُر امید نظر آرہے تھے۔ پانچ بجے شام کو میں حیدرآباد ہاؤس گیا اور زین اور ان کے صاحبزادے علی خاں سے گفتگو کی۔ زین نے کہا۔ "اگر حکومت ہند کی طرف سے زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے تو ہر کام بآسانی اور بخوبی انجام پاسکتا ہے۔"

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

جمعہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء

حیدرآباد روانہ ہونے سے پہلے زین سے آخری بار پھر ملا، میں حیدرآباد

میں میر لائق علی کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے رہوں گا۔ اس دورے کے لئے ابتک پروگرام طے نہیں پایا ہے۔ ساری باتیں مجھ پر چھوڑ دی گئی ہیں لیکن زین کا خیال ہے کہ میرے حیدرآباد چھوڑنے سے پہلے وہ بھی حیدرآباد پہنچ جائیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن کا جو مکتوب میں اپنے ساتھ حیدرآباد لئے جارہا ہوں اُس میں ہزاگزالٹیڈ ہائینس کے دہلی نہ آنے کے انکار پر افسوس اور مایوسی کا اظہار کیا گیا ہے ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن بھی شاید ہی حیدرآباد آسکیں کیونکہ دیگر اسباب کے علاوہ ہندستان سے ان کی روانگی کو تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ہندستان کو الوداع کہنے سے پہلے ہزاگزالٹڈ ہائینس سے رسمی گفت وشنید اور خط وکتابت کے علاوہ براہ راست رابطہ پیدا کرنے کے خواہشمند ہیں۔

اس کے بعد میرا تعارف کرایا گیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اُن کے پرسنل اسٹاف میں جتنے اراکین ہیں سبھوں سے زیادہ مدت میں ان کے ساتھ رہا ہوں۔ مجھے ہندستان کے حالات کا بخوبی علم ہے۔ میں اُن کے ذہن سے اچھی طرح واقف ہوں اور مجھ پر ان کو پورا اعتماد ہے۔ اخیر میں وہ لکھتے ہیں —"مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے دکھ ہورہا ہے کہ حیدرآباد کی فرقہ وارانہ فضا اور کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کے بارے میں جو اطلاعات ہمیں موصول ہورہی ہیں وہ نہ صرف میرے لئے خصوصاً بیحد پریشان کن ہیں بلکہ ان واقعات سے آپ کی پوزیشن اور آپ کے وقار پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کیمبل جانسن کو بلا تکلف اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کریں گے ...."

کل میں اہم مشن پر جارہا ہوں — ابتدا و انتہا سے بے خبر۔ آئندہ دو دن تک ماؤنٹ بیٹن اور حکومت ہند سے میرا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ مجھے نہایت ہی اہم مشن پر بھیجا جارہا ہے جو نہ صرف دشوار ہے بلکہ نازک بھی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ میں نے چھ سال گذارے ہیں لیکن اس عرصے میں اتنی اہم ذمہ داری مجھ کو نہیں سونپی گئی۔ بہرحال میں چونکہ ان کے زیر اثر ایک مدت سے ہوں اس لئے ان کی طبیعت کا بانکپن میری طبیعت میں بھی آگیا ہے۔ مجھے اپنی کامیابی پر یقین ہے۔

باب ۲۷

میرا مشن

حیدرآباد

ہفتہ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء

ناشتہ سے فارغ ہوتے کے فوراً بعد ہی ولنگڈن ہوائی اڈہ سے میں روانہ ہوگیا۔ میں ڈکوٹا سے سفر کررہا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے میرا جہاز بھوپال میں رکا اور لنچ سے پہلے پہلے حیدرآباد پہنچ گیا۔ میر لائق علی کی طرف سے ہوائی اڈہ پر کیپٹن بیگ نے میرا استقبال کیا۔ منشی کے اسٹاف کے تین اور نمایندے بھی وہاں موجود تھے۔ ان نمایندوں کی موجودگی کی وجہ سے مجھے تین منٹ کے اندر اندر سفارتی فیصلہ کرنا پڑا کیونکہ یہ نمایندے اپنے ساتھ منشی کا دعوت نامہ لے کر آئے تھے۔ منشی چاہتے تھے کہ میں پہلے اُن سے ملوں اور اُن ہی کے ساتھ ڈنر کھاؤں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں میر لایق علی کا مہمانِ خصوصی ہوں لہٰذا جب تک مجھے تفصیلی پروگرام کا علم نہ ہوجائے میں وعدہ نہیں کرسکتا البتہ یہ طے شدہ امر ہے کہ میں منشی سے جلد ہی ملاقات کروں گا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے دورے کی اطلاع ملتے ہی منشی خاص طور پر مجھ سے ملنے بنگلور سے یہاں پہنچے ہیں۔ انھوں نے پریس کو پہلے ہی سے میری آمد اور واپسی کی اطلاع بھی دیدی تھی —— گویا میں جس مشن کو رازمیں رکھنا چاہتا تھا وہ راز پس پردہ نہ رہا۔

ہوائی اڈہ سے ہم دس میل طے کر کے وزیر اعظم کی رہائش گاہ "شاہ منزل" پہنچے۔ شہر صاف ستھرا اور پُرسکون نظر آیا۔ یہ میرا پہلا تاثر تھا۔ سڑکوں میں بہت کم لوگ نظر آئے اور جو لوگ سڑکوں یا گھروں میں نظر آئے بھی وہ اپنے کاموں میں معروف تھے

میں "شاہ منزل" پہنچا ہی تھا کہ مجھے میر لائق علی کے کمرے میں لیجایا گیا۔ وہ کچھ علیل نظر آرہے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی اظہار مسرت کیا کہ میں ان کا مہمان خصوصی بن کر آیا ہوں لیکن ساتھ ہی معذرت کی کہ وہ اس رات میرے ڈنر کا انتظام نہ کرسکے۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ میں منشی کی دعوت قبول کروں خصوصاً اس لیئے بھی کہ دوسرے دن وہ بنگلور روانہ ہو جائیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ہر طبقۂ خیال کے لیڈروں سے میری ملاقات کا انتظام کر رہے ہیں۔ اور یہ کہ میں اس شہر میں بالکل آزاد ہوں اور آزادی کے ساتھ جہاں چاہوں جاسکتا ہوں اور جس سے چاہوں مل سکتا ہوں۔ انہوں نے اس سوال کو بھی چھیڑا کہ ہندستان نے جو اقتصادی ناکہ بندی کی تھی اس میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے لہٰذا حیدرآباد شہر کے پانی کی سپلائی کے لئے کلورائن اب تک نہیں ملا۔ اس کے علاوہ شہر کے لئے متعدد بسوں کا جو آرڈر دیا گیا تھا وہ بمبئی میں روک لی گئی ہیں، ان کے پرزے نکال لیئے گئے ہیں اور ان پر محصول چڑھتا جارہا ہے۔ میں نے کہا کہ ان معاملات کو تو معاہدہ کی صورت میں طے کرلیا جانا چاہیئے۔

لنچ بہت دیر سے کھایا۔ اس کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس ایک گھنٹے میں یعنی پانچ بجے مجھے ملاقات کا شرف بخشیں گے۔ میں ان کی سرکاری رہائش گاہ "کنگ کوٹھی" آگیا۔ وزیر اعظم میرے پہنچنے کے دس منٹ پہلے ہی تشریف لے آئے تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ان کو وہاں موجود پایا۔ میں فوراً کمرۂ استقبالیہ میں لایا گیا۔ دھندلی سی روشنی میں دیوار سے ایک تصویر لٹکتی ہوئی دیکھی — تصویر شاہ جارج پنجم کی تھی۔

میر لائق علی آگے بڑھے اور انھوں نے ہز اگزالٹڈ ہائینس سے میرا تعارف کرایا وہ خاصی بڑی کرسی پر براجمان تھے اور بہت مشکل سے نظر آرہے تھے۔ میں اُن کے مرجھائے اور پژمردہ چہرے کو دیکھکر چکرا سا گیا اور چند لمحوں کے لئے تو یہ بھول گیا کہ میں کسی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گیا اور بڑے ادب سے بندگی

عرض کی۔ ان کا لباس فرسودہ اور میلا کچیلا تھا۔ پاؤں میں چپل تھی اور موٹے بھی موزے ٹخنے تک تھے اور ڈھیلے ڈھالے۔ سر پر خاکی رنگ کی ٹوپی تھی۔ قد نہایت ہی چھوٹا اور کندھا جھکا ہوا۔ منہ ہمیشہ کھلا ہوا اور دانت افسوسناک حد تک خراب۔ ان کے ہاتھ برابر متحرک رہتے ہیں۔ جب وہ بات کرتے تو دونوں گھٹنوں کو آپس میں جوڑ کر یوں ٹکراتے جیسے وہ لقوہ کے مریض ہوں۔ ان کی ساری شخصیت کرخت لہجہ میں چھپی ہوئی ہے۔ ان کی آواز کا زیر و بم قابلِ سماعت ہے۔

جب میں یہ طے نہیں کر سکا کہ وزیر اعظم رکنا چاہتے ہیں یا میرے انٹرویو کے لئے رخصت ہونا چاہتے ہیں میں نے ماؤنٹ بیٹن کا مکتوب نظام کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے آہستہ آہستہ کھولا اور دل ہی دل میں پڑھنے لگے۔ جب وہ پڑھ چکے تو بپھرے ہوئے شیر کی طرح میری طرف متوجہ ہوئے اور بولے کہ وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے محدود وقت اور اختیارات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ انھوں نے پھر پوچھا "آخر ایک ماہ کے اندر وہ کر ہی کیا سکتے ہیں؟"۔ انھوں نے کہا کہ انھیں یقین تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ان کی دہلی نہ آنے کی مجبوری کو محسوس کر کے خود حیدر آباد تشریف لانے کی تکلیف گوارا کریں گے۔ مگر وہ نہ آئے۔ "اگر انھیں موقع نہیں ملتا ہے تو پھر جانے دیجئے"۔

تھوڑی دیر کے وقفہ کے بعد نظام نے پھر کہا کہ حکومت ہند کے ساتھ ان کے تعلقات کا جہاں تک سوال ہے ان کی ایک حد مقرر ہے۔ وہ اپنے وزیر اعظم اور قانونی مشیر کی مدد سے ملک کا نظم و نسق چلاتے ہیں لہٰذا کسی دوسری پارٹی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کہا کہ لارڈ ماؤنٹ دل و جان سے چاہتے ہیں کہ ہندستان چھوڑنے سے پہلے متنازعہ فیہ مسائل طے ہو جائیں لیکن وقت اتنا کم رہ گیا ہے کہ وہ مجبور ہیں۔ اب ہزاگزالٹیڈ ہائینس ہی بتائیں کہ گورنر جنرل کس طرح اور کس حد تک مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

میں نے معاہدہ قائمہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ معاہدہ ماؤنٹ بیٹن ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ سن کر انھوں نے فوراً جواب دیا "مگر اب تو کچھ نہ رہا۔ معاہدہ کو منسوخ سمجھو"۔ میں نے اُنھیں سمجھانے کی حتی الامکان کوشش کی مگر وہ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے رہے۔ اس دوران میں لائق علی نے مداخلت کی

اور کہا کہ اس مسئلے پر وہ استصواب کرانے پر تیار ہوتے بشرطیکہ یہ قدم پرامن اور منظم طور سے اُٹھایا جا سکتا۔ لیکن چونکہ اس میں ملک کے نظم و نسق کا سوال ہے اس لئے انھوں نے اس کو مسترد کر دیا۔ لائق علی کی یہ بات سُن کر نظام نے کہا "بالکل درست بالکل درست!" حیدرآباد میں کمیونسٹوں کی سرگرمیوں پر بھی مجھے ان کا ردعمل معلوم نہ ہو سکا۔ انھوں نے صرف اتنا کہا۔ "یہ معاملہ طوالت چاہتا ہے اس لئے تم میرے وزیر اعظم سے اس پر بات چیت کر سکتے ہو۔"

ہز اگز الٹیڈ ہائینس نے کہا کہ ہندستان کے دیگر والیانِ ریاست کے انجام اور ان کی پالیسی سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے البتہ وہ شریف ہیں لہٰذا ان کے ساتھ شریفوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

بقیہ وقت میں نظام نے مسلمانوں کے فلسفۂ زندگی پر تقریر شروع کر دی۔ انھوں نے کہا کہ اس موضوع پر برطانوی ریذیڈنٹ لوتھین سے بھی گفتگو ہو چکی ہے ان دنوں وہ دہریہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ "ریس کورس کی طرح ہماری زندگی بھی اتفاقات سے بھری پڑی ہے۔" نظام نے اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا انجام یا تو نیک ہوگا یا بُرا۔ ممکن ہے دو یا تین دنوں کے اندر اندر حالات سدھر جائیں یا مستقبل میں اور اچھے ہو جائیں۔ بہرحال اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں مسلمانوں کے سال ہجری کے ماہِ محرم سے آگاہ ہوں۔ میں نے بڑی نرمی سے اثبات میں جواب دیا "آہ!" انھوں نے کہا۔ "مگر تم اس مہینے کی اہمیت اور فضیلت سے لاعلم ہوگے۔ اس مہینے میں ہم پیغمبر اسلام کے نواسے کی شہادت کا یوم مناتے ہیں۔ موت و زندگی ہمارے ایمان کا جزو لاینفک ہے (اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نظام روزانہ شام کو چھ بجے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت پر جاتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں)

میں نے کہا کہ ماؤنٹ بیٹن ایسی شخصی حکومت پر ایمان رکھتے ہیں جو آئینی ہو۔ یہ سُن کر انھوں نے گرجدار آواز میں کہا "آئینی شخصی حکومت یورپ اور مغرب میں تو کامیاب ہو سکتی ہے مگر مشرق میں نہیں۔"

اس کے بعد میر لائق علی نے دولتِ مشترکہ کا سوال اٹھایا۔ نظام نے اس سوال

سے دلچسپی لی اور پوچھا کہ دولت مشترکہ میں ہندستان کی شرکت کا کتنا امکان ہے۔ میں نے کہا کہ فی الحال اس موضوع پر ہر زاویہ سے غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ ہندستان کا جو با اثر طبقہ ہے اس کا خیال تو یہی ہے کہ ہندستان کو دولتِ مشترکہ میں رہنا چاہیئے۔

کچھ دیر تک دنیا کی نازک صورتِ حال پر باتیں ہوتی رہیں۔ نظام نے فلسطین کے حالات پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔ اس کے بعد گفتگو ختم ہوگئی۔ انٹرویو ایک گھنٹہ تک ہوا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً ایسے عالم میں جبکہ نظام کے اندر گھبراہٹ اور بدحواسی کا عالم طاری تھا۔ بہرحال یہ ملاقات بہت دلچسپ ثابت ہوئی اور مجھ پر بہت سی باتوں کا انکشاف ہوا۔ ہوسکتا ہے وہ جسمانی لحاظ سے نحیف اور کمزور ہوں لیکن ذہنی اعتبار سے وہ چوکنا ہیں۔ میں یہ تاثر لے کر آیا جیسے میرے ساتھ کوئی معمر پروفیسر گفتگو کر رہا تھا۔ وہ قدیم مکتبۂ خیال کے رجواڑے ہیں۔ مغرور اور تنگ نظر۔ ان کا عقیدہ قضا و قدر پر اتنا مضبوط ہے کہ میرے ساتھ بھی انھوں نے اس موضوع پر گفتگو کی۔

مجھے یہ ذرا بھی محسوس نہ ہوا کہ نظام اپنے محل میں قیدی ہیں۔ بلاشبہ محل کے پھاٹک اور سڑکوں پر پولیس کا سخت پہرہ ہے لیکن یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں — خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ پچھلے موسم گرما میں ان پر حملہ کیا جا چکا ہے میں محل سے باہر آگیا مگر لائق علی رک گئے۔

وزیر اعلیٰ کی رہائش میں آیا تو معین مجھ سے ملنے آئے۔ نظام کے بارے میں میرا ردعمل جاننے کے لئے وہ بیتاب نظر آرہے تھے۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ گفتگو عام نوعیت کی تھی۔ معین نے گذشتہ مارچ کے پریس کمیونکے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حکومت ہند کے اس رویہ سے ہم یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ان کو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔

اس کے بعد معاہدہ یا الحاق کے موضوع پر باتیں شروع ہوگئیں۔ معین نے کہا کہ الحاق ہوا بھی تو نظام داخلی خود مختاری کو کسی حال میں ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ معین نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حیدرآباد کے علاقے سے

ہندستانی فوجوں کی نقل وحرکت قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔
ان سے رخصت ہو کر میں منشی کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے چلا گیا۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ منشی کی رہائش تک پہنچنے کے لئے چالیس منٹ لگے حالانکہ کار کی رفتار انتہائی تیز تھی۔ ان کی رہائش سکندر آباد کے ایک طرف واقع ہے۔ ہوائی اڈے سے بالکل قریب۔ یہاں رہ کر وہ شہری زندگی سے بالکل بے تعلق ہیں۔ ان سے ملنے وہی لوگ آتے ہیں جن کے پاس یا تو وقت ہے، یا پٹرول ہے یا پھر جو سیاسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

وہ مجھے مایوس، دل برداشتہ اور پست ہمت نظر آئے۔ انھوں نے کہا کہ میر لائق علی پر سے ان کا اعتماد اُٹھ چکا ہے کیونکہ انھوں نے ملاقات کی رپورٹ انتہائی غلط انداز میں پیش کی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ معین اور لائق کی پوزیشن مشکوک نظر آتی ہے حالانکہ دونوں رشتہ میں سالے بہنوئی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتے۔ نظام پر سے لائق کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہوتا جا رہا ہے۔

منشی نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ذمہ دار حکومت کے قیام یا الحاق کا مطلب کسی نے محض مذاق سمجھا ہے۔ انھوں نے میرے اس خیال سے اتفاق کیا کہ نظام سیاسی اعتبار سے حالات کو گرفت میں لے چکے ہیں۔ میں نے انھیں یقین دلایا کہ میرا یہ دورہ قطعی ذاتی اور غیر رسمی نوعیت کا ہے اور یہ کہ ماؤنٹ بیٹن اور وی پی مینن نے خود اس دورے کی توثیق کی ہے۔ منشی کل بنگلور واپس جا رہے ہیں۔ وہ بیحد خوش ہیں کیونکہ ان کی بیوی یہاں رہنا مطلق پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ حکومت سے ان کے تعلقات اتنے کشیدہ ہو گئے ہیں کہ سارا رابطہ منقطع ہو چکا ہے

حیدرآباد

اتوار ۱۶ مئی ۱۹۴۸ء

دن بے پناہ مصروفیتوں میں گذرا۔ لوگوں سے باتیں کیں اور ان کی

باتیں بھی سُنیں۔ میں نے میر لائق علی سے کہا کہ میں قاسم رضوی سے ملنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ اس ملاقات کی پبلسٹی نہ کی جائے۔ انھوں نے جواباً کہا کہ وہ قاسم رضوی سے ملاقات کا انتظام کر دیں گے ـــ قاسم رضوی آج ہی دورہ پر جانے سے پہلے ان سے ملنے آ رہے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں وقت مقررہ پر حاضر ہو جاؤں۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ چند منٹ تک گفتگو کرنے کے بعد وزیر اعظم چلے گئے اب میں تھا اور رضوی۔ میں نے گفتگو کی ابتدا میں موجودہ واقعات سے اپنی بد دلی اور افسردگی کا اظہار کیا لیکن انھوں نے فوراً جواب دیا کہ وہ ان واقعات سے بد دل اور افسردہ تو نہیں البتہ مایوس ہو گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا کہ ان کا واحد نصب العین مسلمانوں کی حفاظت اور مدافعت ہے اور میری وفاداری اُن ہی سے وابستہ ہے۔ میں نے اُن سے کمیونسٹوں اور رضاکاروں کے گٹھ جوڑ کی حقیقت دریافت کی تو ان کا پارہ ایک دم سے چڑھ گیا اور وہ غرّاتے ہوئے بولے ـــ " جب آپ رضاکاروں کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ میری بات کر رہے ہیں۔ اگر میں یہاں کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ کھینچوں تو آپ کو یہ سُن کر یقین نہیں آئیگا کہ وہ کمیونسٹ بنتے جا رہے ہیں۔ میں انھیں متنبہ کر چکا ہوں (لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ " اُن " سے اُن کا کیا مطلب ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔"

اس کے بعد انھوں نے واضح انداز میں یہ بتایا کہ وہ کمیونسٹوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس سلسلے میں ابتدائی کارروائی کی جا چکی ہے۔ ان کو اس بات کا یقین دلاتے ہوئے کہ میں نے اُن کو غلط نہیں سمجھا ہے کہا ـــ " اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا ـــ اور وہ مشکل یہ ہے کہ کمیونسٹ براہ راست نظام کے ساتھ " کوئی رابطہ " نہ رکھنے کا عہد کریں گے۔ ان کا یہ عہد نظام کے لئے خصوصاً چیلنج ہو گا۔" یہ سُن کر رضوی ایک لمحے کے لئے رک گئے پھر بولے ـــ " ہاں میری راہ میں یہ مشکل آئے گی لیکن میں اس مشکل پر بھی قابو پا لوں گا۔ اگر کمیونسٹ میرے دوست

ثابت ہوئے اور مسلمانوں کو تباہی سے بچانے میں کامیاب ہوئے تو خاندانِ شاہی اور حکومت کا درجہ میری نگاہوں میں ثانوی حیثیت کا ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہندستان دو سال تک کے لئے ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنا چھوڑ دے تو اس ملک کو میں وہ روپ دوں گا کہ ہندستان والے ہماری طرف نگاہ رشک سے دیکھیں گے۔ آپ کو سُن کر تعجب ہوگا کہ ہندو بھی رضا کاروں میں شامل ہو رہے ہیں۔" جب میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا سیاسی مفاہمت کے بغیر دو سال کے بعد اس بحران کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا تو انھوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔"مگر خود ہندستان دو سال تک زندہ رہ جائے تو بڑی بات ہے"۔

انھوں نے پُرامن حل کی طرف سے قطعی مایوسی کا اظہار کیا۔ وہ ہندوؤں کے ساتھ بات کرنا اپنی ہتک اور توہین سمجھتے ہیں۔ ان کو ہندوؤں سے بے پناہ نفرت ہے۔ ان کے خیال میں گاندھی کا قتل ہندوؤں کے کردار کی زندہ جاوید مثال ہے۔ ہندوؤں نے اپنے دیوتاؤں کو ہمیشہ مہادیوتا کا روپ دینے میں قتل کیا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کمیونسٹوں میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی نہیں ہے۔ انھوں نے اقرار تو کیا مگر بولے کہ دوسری جماعتوں کی طرح کمیونسٹ جماعت تعصب، فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بہت بلند ہے۔ میں نے کہا "عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ریاست میں اگر کوئی آہنی انسان ہے تو وہ آپ ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے"۔ انھوں نے جواب دیا" آپ ان غلط سلط رپورٹوں پر کان نہ دیجئے میں نہ تو جوڑ توڑ کرتا ہوں اور نہ حکومتیں بناتا اور بگاڑتا ہوں۔ میری یہاں ادنیٰ سی بھی حیثیت نہیں ہے۔ میں تو صرف مسلمانوں کا خادم ہوں۔ یہ سچ ہے کہ حکومت اکثر اوقات میرے خیالات معلوم کرنے کے لئے مجھے بلاتی ہے اور میں بڑی صاف گوئی اور راست بازی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں"۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو موت سے اور مسلمان عورتوں کو اغوا ہونے سے بچانے کے لئے وہ اپنی زندگی سے بھی کھیل سکتے ہیں۔ حیدرآباد میں کانگریس کے نمائندے پیال اور بھوسے کے بنے ہوئے ہیں۔" میں ہندوؤں کی بھی حفاظت کروں گا" انھوں نے یہ الفاظ کہے تو ان کے ہونٹوں پر

پہلی بار میں نے مسکراہٹ دیکھی۔

رضوی از سرتا پا متعصب انسان ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں تو ان کی نظریں خنجر کی طرح سینے میں گھپ جاتی ہیں اور دوست و دشمن پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ بظاہر وہ بیحد مستعد اور چست دکھائی دیتے ہیں لیکن جب وہ مجھ سے رخصت ہو کر جانے لگے تو مجھے وہ چارلی چیپلن اور چھوٹے پیغمبر کی طرح معلوم ہوئے

اب میری ملاقات حیدرآباد فوج کے کمانڈر ان چیف جنرل الادروس سے ہوئی جنرل الادروس طویل القامت، حسین اور ہاشمی قبیلہ کے قابل افسر ہیں۔ برما میں انھوں نے ماؤنٹ بیٹن کی کمان میں کام کیا ہے جس کے لئے ان کے دل میں بے پناہ احترام ہے۔ انھوں نے شولاپور کے علاقے میں گڑبڑ کی تصدیق کی۔ انھوں نے کہا کہ ہندستانی افواج سرحد کے قریب بدمعاشوں اور اوباشوں کی مدد کر رہی ہیں اور ہندستانی طیارے حیدرآباد کی سرحد پر پرواز کر کے جاسوسی کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس بارے میں وہ جنرل سر راے بوچر چیف آف دی انڈین آرمی اور ایر مارشل سر طامس الہرسٹ کمانڈر ان چیف آف دی انڈین فورس کو مکتوبات روانہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی افواج کے سٹیر جنرل ہمت سنگھ جی کو بچشم خود حالات کا جائزہ لینے کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ خود تشریف لائے اور اطمینان کا اظہار کیا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ریاست میں کمیونسٹ اسلحہ سے اچھی طرح لیس ہیں اور اقتصادی ناکہ بندی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ انھوں نے ہندستان اور ریاست میں سیاسی شکوک وشبہات کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے کہا "اگرچہ میں ایک سپاہی ہوں لیکن آپ سے یہ سوال پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آخر حکومت ہند اس حد تک دباؤ کیوں ڈال رہی ہے؟" میں نے جواب دیا "پاکستان کے قیام کے بعد انڈین یونین کے لئے مضبوط مرکز کا ہونا انتہائی ضروری ہے" وہ بولے۔ "مگر آپ یہ کیوں بھول گئے کہ حکومت ہند ہی قیام پاکستان کی ذمہ دار ہے۔ بہرحال حکومت کی طرف سے ریاست پر جو دباؤ ڈالا جا رہا ہے اس کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں کے تعصب کو تقویت پہنچ رہی ہے بلکہ بحران بڑھتا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس دباؤ کے بغیر بھی حیدرآباد پکے پھل کی طرح کسی وقت بھی گر سکتا تھا۔ اب تو

حالات کنٹرول سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ گوریلا نوعیت کی جھڑپیں شروع ہوگئی ہیں اور فضا میں جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔" ابھی ابھی میں قاسم رضوی سے مل کر آرہا ہوں۔ خلاف توقع وہ توجسمانی اعتبار سے بہت ہی کمزور نظر آئے۔" الادروس نے جو خود دبلے پتلے جنرل ہیں ہنس کر جواب دیا۔" مگر کمزور انسان ہی زیادہ خطرناک ہوا کرتے ہیں۔"

جنرل الادروس سے مل کر میں سیدھا وزیر اعظم کے پاس گیا۔ ایک ساتھ کھانا کھایا اور تقریباً دو گھنٹے تک گفتگو میں مصروف رہے۔ میر لائق علی نے وضاحت کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا کہ وہ نمائندہ حکومت بنانے کے لئے تجاویز پیش کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس مسئلے پر مختلف جماعتوں کے لیڈروں سے گفتگو کر چکے ہیں ان لیڈروں سے کہدیا گیا ہے کہ وہ جس نوعیت کا انتخابی ضابطہ پسند کرتے ہیں اس بارے میں وہ خود فیصلہ کرلیں، فیصلہ بہرحال جو بھی ہوگا کم از کم اٹھارہ مہینے تو صرف ہو ہی جائیں گے۔

اس کے بعد انھوں نے الحاق کے سوال پر معین کے خیالات دہرائے اور کہا ـــــ
" اس بارے میں میرا جو بنیادی اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اس الحاق کے ذریعہ حیدرآباد کی داخلی انفرادیت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی۔ لہٰذا میں ایسے معاہدہ کے حق میں ہوں جس کے تحت مشترک خارجہ پالیسی ہو، دفاع پر مصالحت ہو۔ حیدرآباد کی اپنی پچیس ہزار فوج ہو جن میں سے دس ہزار انڈین یونین کے حوالے کردی جائے اور پھر مواصلات پر بھی مصالحت ہوجائے۔

میر لائق علی نے منشی پر سخت نکتہ چینی کی۔ انھوں نے کہا۔" وہ کہتے ہیں کہ حیدرآباد ہندوؤں کی قدیم ریاست ہے۔ وہ روزانہ اپنے کانگرسی احباب سے ملتے ہیں اور "ڈی" ڈے (یوم نجات) کی تاریخ مقرر کرتے رہتے ہیں۔ پہلے تو ۱۰ مارچ مقرر کی پھر ۲۳ اپریل یہانتک کہ اب ان کے ہندو دوستوں کا ان پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔"
میں نے کہا۔" مجھے یہ دیکھکر افسوس ہوا کہ نظام قضا و قدر پر اتنا پختہ ایمان رکھتے ہیں حالانکہ مسائل کا حل ایسے خیالوں سے نہیں ہوا کرتا۔" میر لائق علی نے کہا۔" نظام اپنے عوام کو دھوکا دینے کی بجائے مرجانا پسند کریں گے۔ وہ اپنے

عوام کے مفاد کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتے ؟

میں نے رضوی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور اُن سے ان کا رد عمل دریافت کیا۔ انھوں نے کہا۔ "میرے خیال میں رضوی یہ کہنا چاہتے ہوں گے کہ اگر نظام اور ان کی حکومت کو شکست ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں وہ کمیونسٹوں سے مل کر اپنی تحریک جاری رکھیں گے"۔ میں نے کہا۔ "لیکن انھوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا اس میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اگر رضوی کو یونہی زیادہ دنوں تک شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا گیا تو وہ نظام اور حکومت کے لئے خطرناک ثابت ہوں گے"۔

لنچ کے بعد میں عثمانیہ یونیورسٹی گیا۔ اس عظیم اور مشہور عمارت کے معمار زین ہیں اس لئے بجا طور پر ان کو ناز کرنا چاہیئے اس عمارت میں ہندؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ وضع قطع کا خیال رکھا گیا ہے۔ ابتک یہ عمارت مکمل نہیں ہوئی ہے لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ جنوبی ہند میں مسلمانوں کی تہذیب کا اس سے بہتر نمونہ اور کہیں نہیں ملتا۔

سہ پہر کو نظام کے گدی نشین شہزادہ برار سے میری ملاقات ہوئی۔ ان کی رہائش باپ سے کہیں شاندار اور پرکشش ہے۔ اس ملاقات کے وقت جنرل الادروس اور شہزادہ کے پرائیوٹ سکریٹری سمد ریار جنگ بھی موجود تھے۔ پرائیویٹ سکریٹری کے اندر ایک خاص صفت میں نے یہ دیکھی کہ جتنی بار شہزادہ کی زبان سے الفاظ نکلتے اتنی بار وہ سجدہ ریز ہو جاتے۔

بڑا ہی دلچسپ منظر اس وقت دیکھنے میں آیا جب ہم نے ماونٹ بیٹن کی ذہانت اور لیاقت کی تعریف کی۔ سب اس بات پر متفق تھے کہ ماؤنٹ بیٹن صاحب عزم انسان ہیں۔ یہ سُن کر پرائیویٹ سکریٹری نے سر بسجود ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ ساری خوبیاں صاحب عالم میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں!" بہت دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اخیر میں شہزادے نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ ماؤنٹ بیٹن حیدر آباد ضرور تشریف لائیں گے"۔ پرائیویٹ سکریٹری پھر سرنگوں ہوا اور بولا۔ "ہندستان اور حیدر آباد کے تعلقات جلد ہی خوشگوار ہو جائیں گے ؟

اس ساری گفتگو میں لطف کی بات یہ ہوئی کہ شہزادۂ برار نے برابر اپنی صحت

کی طرف سے فکر اور بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ مثلاً وہ بولے کہ یا تو حلق کی وجہ سے ان کے دانتوں میں تکلیف ہے یا یہ دانت ان کے حلق کو متاثر کر رہے ہیں۔ بہرحال وجہ جو بھی ہو وہ جون کے اواخر تک اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرنے لندن جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ٹکٹ ملنے میں کچھ دِقّت ہو رہی ہے (اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظام ان کی روانگی میں حارج ہیں)۔ مجھے ان سے گفتگو کر کے ذرا بھی اندازہ نہیں ہوا کہ انھیں صورتِ حال کا کچھ بھی علم ہے۔ لائق علی نے مجھ سے کہا۔ "ہز ہائینس آرام طلب ہیں اور آرام طلبی کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔" دونوں اپنے ایامِ جوانی میں گہرے دوست رہ چکے ہیں۔ چنانچہ ان باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ اگر شہزادہ تخت پر بیٹھتے ہیں تو لائق علی کی پوزیشن خطرے میں نہ پڑ جائے۔

شام کے ساڑھے چھ بجے اطلاعات کے قائم مقام ڈائرکٹر مسٹر کلوڈ اسکاٹ سے میری ملاقات ہوئی۔ موصوف تقریباً ۵ ماہ سے اس عہدے پر فائز ہیں۔ گذشتہ سال جب میں بمبئی گیا تھا تو ان سے وہاں ملا تھا۔ اُن دنوں وہ ٹائمز آف انڈیا کے نائب مدیر تھے۔ جرنلسٹ کی حیثیت سے وہ بڑے ہی زود فہم اور سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا۔ "بلاشبہ نظام ریاست میں سیاہ و سفید کے مالک ہیں اور رضوی ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے جس سے کسی حال میں یہ ظاہر ہو کہ مسلمان نظام کے وفادار نہیں رہے۔ انھوں نے کمیونسٹوں کی طرف سے جنوبی ہند میں گڑبڑ پھیلانے کا حوالہ دیا اور کہا کہ گاؤں پر حملے ضرور کئے گئے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے مکانوں کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

ساڑھے سات بجے گفتگو کا دوسرا سلسلہ شروع کرنے میں پھر جنرل الادروس کی رہائش گاہ پر گیا۔ انھوں نے بتایا کہ نظام محض اس خوف کی بنا پر دہلی نہیں جانا چاہئیے کہ پھر ریاست واپس جانا ان کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔ انھوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس پر کڑی نگاہ رکھوں۔ جنرل الادروس نے حیدرآباد کی جنگی اہمیت پر خاصہ زور دیا۔ انھوں نے اپنی عسکری کمزوری کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ اگر خدانخواستہ بُرے دن آئے تو ریاست کے لوگ ہندستان سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر سیاست داں معاہدہ کر لیتے ہیں

اور جس کی رُو سے ہندستان کو امور خارجہ' دفاع کا نظم ونسق اور مواصلات مل جائیں تو مفاہمت بڑی آسانی سے ہوسکتی ہے۔ انھوں نے پوچھا۔" اس کے علاوہ انھیں اور کیا چاہیئے؟ اگر ہندستان متواتر دباؤ ڈالتا رہا تو ریاست کی طرف سے شدید مزاحمت کا امکان ہے۔ اسکاٹ نے بھی اپنی گفتگو میں اس خطرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

میں" شاہ منزل" ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔ یہاں میرے اعزاز میں" بفے" کا انتظام کیا گیا تھا۔ تقریباً اسّی مہمان مدعو کیے گئے تھے۔ اور یہ سارے مہمان کسی نہ کسی حیثیت سے سیاست سے متعلق تھے۔ تھوڑے سے وقت میں میں نے کافی لوگوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ دین یار جنگ سے محض چند منٹ گفتگو ہوئی۔ موصوف پولیس کے چیف ہیں۔ بڑے ہی باوقار، کم گو اور متین۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نظام کی پشت پر اصلی طاقت یہی ہیں۔ اسکاٹ نے مجھے بتایا تھا کہ ۲۵ اکتوبر کو جو مظاہرے ہوئے تھے دین نے خود ان مظاہروں کا مشاہدہ کیا تھا۔ اگر وہ چاہتے تو ان کا رخ پھیر سکتے تھے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے دین سے کہا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے طرز عمل سے میں پریشان ہوں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ اگر نظام دھلی تشریف لے جاتے تو فائدہ ان ہی کو پہنچتا۔ میرا خیال ہے کہ ان باتوں کا دین کے ذہن پر کوئی نہ کوئی ردعمل ہوا ہوگا۔

آج کی مجلسی زندگی سے مجھے انتہائی خوشی ہوئی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو میں نے باہم دگر دیکھا۔ فضا کسی حد تک خوشگوار تھی اور فوری طور پر بحران کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی۔ شدید پروپیگنڈا کے باوجود مجھے آج مہمانوں کی پرچھائیوں اور نرم و شیریں آوازوں سے جو خاموش چشموں اور گولکنڈہ کے قلعہ کو حسرت سے دیکھ رہی ہیں یہ محسوس ہوا کہ حیدرآباد کے یہ لوگ پُرسکون زندگی کے عادی ہیں اور اپنے شمالی ہند کے طوفان بردوش بھائیوں کی طرح غضبناک نہیں ہیں۔

حیدرآباد

پیر۔ ۱۷ مئی ۱۹۴۸ء

میر لائق علی نے میرے سامنے تجویز رکھی کہ میں حیدرآباد کے جس حصہ کا بھی

دورہ کرتا چاہوں میں اس سلسلے میں بالکل آزاد ہوں۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے جنوب مشرقی علاقے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں سُن چکا تھا کہ اس علاقے میں کمیونسٹوں کی سرگرمیاں بہت تیز ہیں اور وہ مدراس کی سرحد سے یہاں حملے کرتے رہتے ہیں۔ جنرل الادروس مجھے اپنے طیارے میں لے گئے تا کہ اس سے اول سو میل کی مسافت طے کر کے کھمام علاقے میں آجاؤں۔ ہم سات بجے سویرے روانہ ہوئے۔ کھمام پہنچ کر بریگیڈیر حبیب احمد سے ملاقات ہوئی۔ کار سے ہم نے ایک سو اسّی میل کی مسافت طے کی۔ گرمی بے پناہ تھی۔ درجہ حرارت ۱۱۸ ڈگری تک پہنچ گیا تھا۔

ہم کھمام مدیرا روڈ آئے۔ مقامی بولی میں اس علاقے کا نام مدیرا جزیرہ نما ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں سب سے زیادہ گڑبڑ ہوتی ہے۔ یہاں تقریباً ساٹھ گاؤں ہیں۔ یہی علاقہ حیدرآباد کو ایک تنگ راستے سے ملاتا ہے۔ ہم اس تنگ راستے کے آخری سرے تک گئے۔ بریگیڈیر حبیب کو یقین کامل تھا کہ ہم کسی آفت سے دوچار نہیں ہوں گے۔ اس کے باوجود میں نے واپس چلنے کے لئے کہا کیونکہ اگر کوئی ایسی بات پیش آئی اور میں کسی آفت سے دوچار ہوا تو نہ صرف ماؤنٹ بیٹن کو پریشانی اُٹھانا پڑے گی بلکہ غلط پروپیگنڈا پھیلانے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔

اس کے بعد ہم کھمام آشی وارا ؤپیٹ کے حالات دیکھنے گئے۔ بظاہر یہاں زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ لیکن حملوں اور دھمکیوں کی وجہ سے گاؤں والوں نے اپنے گاؤں خالی کر دئے تھے۔ دیسی بموں سے دو ایک پُلوں کو اڑانے کی جو کوشش کی گئی تھی اس کی نشانیاں دیکھیں۔ فوجی لحاظ سے حالات پر قابو پایا جا چکا تھا مگر گاؤں والوں کی اخلاقی حالت بگڑ چکی تھی۔ جن جن سڑکوں پر سے میں گذرا مجھے بہت وہ پسند آئیں۔ بہت سی سڑکیں جو خراب کر دی گئی تھیں ان کی دوبارہ مرمت کر دی گئی تھی۔

ناپسندیدہ عناصر کے حملے زیادہ تر کسٹمس کے دفتروں ہی پر ہوئے ایک رپورٹ کے مطابق ستمبر ۱۹۴۷ء اور جنوری ۱۹۴۸ء یعنی کل چار ماہ میں ان دفتروں کو اکتالیس بار ایسے حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ تار کے درختوں کو تو بکثرت

تعداد میں جلا دیا گیا تھا. سب سے زیادہ نقصان "آشی وارا وپیٹ" کے گاؤں کو برداشت کرنا پڑا۔ یہ علاقہ مشرق کی حد میں واقع ہے جہاں سے مدراس پریسیڈنسی شروع ہوتا ہے. کہا جاتا ہے کہ جنوری کے آغاز میں گونڈز نامی مقامی قبیلہ کے تقریباً دو تین ہزار لوگوں نے اس گاؤں پر حملہ کیا تھا' یہ قبیلہ سرحد کے دونوں سمتوں میں بسا ہوا ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس قبیلہ کے لوگ کمیونسٹوں کے زیر اثر ہیں اور چشم زدن میں گاؤں کے گاؤں جلا ڈالتے ہیں. انھوں نے ہندؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے گھروں کو بھی لوٹا اور نذر آتش کیا. ایک مقامی افسر کے بقول یہ شرانگیزی بعد میں فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر گئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو خاصا نقصان اُٹھانا پڑا۔

بریگیڈیر حبیب نے بتایا کہ اس علاقے میں فوجوں کی پوزیشن قابلِ اطمینان ہے اور گاہے گاہے جو حملے ہوتے بھی ہیں وہ آنکھ مچولی نوعیت کے ہوا کرتے ہیں۔

بمبئی کے علاقے سے آئے ہوئے مقامی پولیس چیف سے میں نے پوچھا کہ رضاکاروں سے اس کو کیا امداد ملی تو اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ رضاکار صرف شہروں کے اندر پریڈ کرتے نظر آتے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس علاقے کی صورت حال پر قابو پانا اس لئے بھی مشکل ہے کہ سرحد کے چاروں طرف ہندستان کے چھوٹے چھوٹے علاقوں کا جزیرہ سا پھیلا ہوا ہے ۔ یہاں درجۂ حرارت بھی ناقابلِ برداشت حد تک زیادہ ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں آگ کے دریا میں غرق ہو گیا تھا۔ جب ہم گولکنڈہ کے نواح میں آئے تو سرد ہواؤں کے جھونکے محسوس کر کے میری جان میں جان آئی ۔

میں یہاں پہنچا ہی تھا کہ امور خارجہ کے نوجوان سکریٹری ظہیر احمد نے میرے اعزاز میں ٹی پارٹی دی۔ میرے لئے یہ قطعی غیر متوقع بات تھی کیونکہ مجھے اس کے بارے میں ذرا بھی علم نہ تھا۔ اس موقع پر ممتاز ہندو اور مسلمان لیڈر بھی موجود تھے دونوں فرقوں کے لیڈروں کا تعلق مجلس اور ریاستی کانگریس سے تھا۔ ان میں سے بعض لیڈر ایسے بھی تھے جو مدت سے ایک دوسرے سے نہیں ملے تھے. ایک با اثر کانگریسی رضاکار مسٹر گناریڑوال ور حیدر آباد دستور ساز اسمبلی کے ممبر

مسٹر رئیس کے درمیان یکایک جھڑپ ہوگئی۔ دونوں مشتعل ہو گئے۔ مسٹر رئیس نے کہا کہ جب تک کانگریسی ممبروں کی وفاداری مشکوک ہے مجھے اُن سے ذرا بھی ہمدردی نہیں۔ اس کا جواب مسٹر گنار پروال نے یوں دیا کہ جب تک نمایندہ حکومت کا قیام عمل میں نہیں آتا ہے میں حکومت سے تعاون نہیں کروں گا۔

چند مسلمان ممبروں کو اس بات پر دکھ ہوا کہ ریاست کی خارجہ پالیسی کو ہندستان کی خارجہ پالیسی سے مربوط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وہ اس پالیسی کو پاکستان کے خلاف جارحانہ اقدام سمجھتے ہیں۔ لیکن سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ حیدرآباد کے مستقبل کو اندرونی طور پر حل کیا جانا چاہئے۔ کانگریسی ممبران اس الزام کو اپنے سر پر لینے کے لئے تیار نہ تھے کہ نظام سے ان کی وفاداری خطرے میں ہے۔ مسٹر رئیس نے لگی لپٹی رکھے بغیر ہم سے کہا کہ حیدرآباد مسلم ریاست ہے۔ لہٰذا مسلمان کسی حال میں اپنے اختیارات کو دوسروں کے ہاتھوں میں دینے کے لئے تیار نہیں

میں عجیب مخمصے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ لیکن میں نے ہمت کی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ سبھوں سے مصافحے کئے، اور دوبارہ ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے سبھوں پر یہ ظاہر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی کہ میں معقول، خوش خلق اور ملنسار نوجوان ہوں۔ ابھی اس بحرانی دورے میں نکلا بھی نہ تھا کہ میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے رپورٹر کی گرفت میں آگیا۔ اس نے مجھ سے غیر جانبدارانہ رائے دینے کی درخواست کی لیکن اس سیاسی فضا میں کوئی تبصرہ نہ کرنا ہی میرے لئے مناسب بات تھی اس لئے میں نے اس سے احتراز کیا۔

رات کے آٹھ بجے وزیر اعظم سے میری آخری بات چیت ہوئی۔ میں نے لائق علی سے پوچھا" میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہز اکزالٹیڈ ہائینس دہلی اس وجہ سے تو جانا نہیں چاہتے کہ ان کو وہاں اپنی زندگی کا خطرہ نظر آتا ہے یا انھیں کسی اور بات کا خوف ہے" انھوں نے جواب دیا کہ نظام کے ذہن میں ممکن ہے ایسی کوئی تشویش ہو لیکن ان کے انکار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ دہلی کا سفر اختیار کرتے ہیں تو ریاست کے اندر ان کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے میں نے

دوٹوک انداز میں کہا کہ جس بات سے میں زیادہ متوحش ہو رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حیدرآباد کے سوال کو لیکر انگلستان کا حزب مخالف ہنگامہ آرائیاں کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ نہایت ہی خطرناک بات ہوگی۔ میر لائق علی نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ ان کے دل میں مسٹر ایٹلی کا احترام ہے اور وہ خود نہیں چاہتے کہ حیدرآباد کا سوال کہیں بھی اٹھایا جائے۔ اس کے بعد انھوں نے میرے دورۂ حیدرآباد پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس دورے سے ان کو بہر لحاظ مدد ملے گی۔

زین کے صاحبزادے اور ان کی حسین وجمیل بہو کے ساتھ میں نے ڈنر کھایا یہاں سے فراغت پانے کے بعد میں رات کے گیارہ بجے زین کی رہائش گاہ پر گیا۔ انھوں نے کہا کہ نظام سے تخلیہ میں انھوں نے ملاقات کی تھی لیکن وہ حسب دستور اس بار بھی برہم نظر آئے "لیکن" انھوں نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ان کی عادت ہے"۔ نظام اپنی آئینی خودمختاری پر اب بھی ثابت قدم تھے لیکن زین نے اُن سے کہا کہ موجودہ حکومت کی جگہ بہرحال انھیں نئی اور نمایندہ حکومت بنانی بہت ضروری ہے۔ انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ اس بات پر نظام اور لائق علی متفق ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد نظام نے زین سے میری ملاقات کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نے بڑی صاف گوئی سے اپنے دل کی باتیں اُن کے سامنے پیش کیں۔ نظام نے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ ماؤنٹ بیٹن کے دورۂ حیدرآباد کی اب بھی دس فیصدی امید ہے۔ اس بارے میں انھوں نے زین کا خیال معلوم کیا۔ زین نے جواب دیا کہ اس کا انحصار میری رپورٹ پر ہے کہ میں ان کو کس قسم کی رپورٹ بھیجوں گا۔ نظام نے زین سے پھر میرے بارے میں چند سوالات کئے۔ مثلاً یہ کہ میں کون ہوں، میرے سیاسی عقیدے کیا ہیں وغیرہ وغیرہ

زین کا خیال ہے کہ مسئلے کا حل ممکن ہے۔ اگر دستور میں شرط رکھی جائے۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ لفظ "الحاق" دستور میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ وہ پھر نظام سے منگل اور بدھ کو مل رہے ہیں اور اس سوال پر گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ الادروس سے بھی وہ دوٹوک گفتگو کریں گے جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ رضاکاروں کو فوجی امداد دے رہے ہیں۔ اس بات سے دہلی میں سنسنی پھیل گئی ہے۔ اخیر میں زین نے اُمید ظاہر کرتے ہوئے

کہا کہ میں جمعرات تک اپنے شملہ کا دورہ ملتوی کر دوں تاکہ ماؤنٹ بیٹن کو تازہ ترین اطلاع مل سکے۔

حیدرآباد۔ نئی دہلی

منگل ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء

صبح سویرے ناشتہ سے فارغ ہو کر میر لائق علی کو خدا حافظ کہا وہاں سے سیدھے کیپٹن بیگ کے ہمراہ ہوائی اڈہ آگیا۔ اے۔ ڈی۔ سی کی حیثیت سے کیپٹن بیگ کو میری حفاظت وسلامتی کے سلسلے میں چوکس اور چوکنا رہنا پڑا۔ دورۂ حیدرآباد میں میں ہر طرح سے محفوظ و مامون رہا اور میری خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ نظام سے لے کر عوام تک نے میرے ساتھ انتہائی صاف گوئی سے گفتگو کی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کسی نے بھی لیت ولعل سے کام نہیں لیا۔ دین یار جنگ کم گو اور کم سخن ضرور ہیں لیکن وہ دوسروں کی باتیں گہری توجہ سے سنتے ہیں۔

ہوائی جہاز بادلوں کی آغوش میں پہنچا ہی تھا کہ میں نے اپنے خیالات مجتمع کرنا شروع کئے۔ اس دورے کے خاص خاص تاثرات یہ ہیں۔

نظام کو ریاست کی صورت حال میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں تک انڈین یونین کے ساتھ تعلقات کا سوال ہے اس سلسلے میں نظام کی منظوری یا چشم پوشی کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھایا جاتا۔ علاوہ بریں میں سمجھتا ہوں کہ وہ جس معاہدہ کو بھی منظور کرنا چاہیں گے اس کا احترام کیا جائے گا کیونکہ ان کی حکومت اتنی مستحکم اور مضبوط ہے کہ وہ اندرونی مخالفت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

ان کو قضا و قدر پہ پورا پورا بھروسہ ہے۔ وہ اس حد تک اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ حکومت ہند سے ٹکر لینے سے ذرا بھی نہیں گھبراتے۔ رضوی کو یقین ہے کہ محض عسکری فتح سے مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا۔ نظام چوری چھپے اور بے چینی سے باعزت مفاہمت کر لینا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ قصداً الحاق کے حل کو منظور نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ اپنی ریاست میں آپ ہی مقید

ہو جائیں گے اور آئین و دستور کا سرچشمہ نہیں رہیں گے۔

نظام کو اپنے شہزادوں کی ترقی یا ان کی پالیسی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنے شہزادوں کو عضو معطل سمجھتے ہیں۔ وہ مذہب کے معاملوں میں سخت واقع ہوئے ہیں۔ جب کبھی اُن پر بُرے وقت آتے ہیں وہ اپنے روایتی اسلامی عقیدوں کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

۲۷ اپریل کو حیدرآباد کی دستور ساز آمبلی میں لائق علی نے جو تقریر کی تھی اس کے بعد سے سیاسی سودابازی میں کوئی خاص بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ میں سمجھتا ہوں اور قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یکم جون تک نظام الحاق اور نمائندہ حکومت کے مسائل پر حتمی فیصلے کا اعلان کریں گے۔

ماؤنٹ بیٹن کے بارے میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی فیصلہ عمل میں آیا یا مصالحت ہوئی تو اس کا سہرا ماؤنٹ بیٹن کے سر رہے گا —— لیکن نظام شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ بہر حال آیندہ پندرہ دنوں کے اندر اندر کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو کر ہی رہے گا۔ زین اور وی پی مینن کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کو کسی نہ کسی طرح دور کرنا ہے۔

دہلی پہنچ کر میں سیدھا وی پی مینن سے ملنے گیا۔ الحاق کی پالیسی کو روبکار لانے کی ساری ذمہ داریاں ان ہی کے شانے پر رکھی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ شب و روز اس کام میں مصروف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میرا یہ دورہ مفید رہا ہے لیکن وہ حیدرآباد کی آئینی خود مختاری کے سوال پر بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے ان کے اس رویہ سے یہ اندازہ لگایا کہ میری غیر موجودگی میں وہ حیدرآباد کے سوال پر پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں لیکن جب میں نے اُن سے یہ کہا کہ وہ کل زین کی واپسی تک اپنے فیصلے کا اعلان نہ کریں تو وہ مان گئے۔

ان دنوں روتی شملہ میں ہیں۔ میں نے اُن سے فون پر بات کی اور وعدہ کیا کہ کل تک مکمل رپورٹ ان کو بھیجدوں گا۔

باب ۲۸

الوداع

گورنمنٹ ہاؤس، نئی دہلی

جمعرات ۲۰ مئی ۱۹۴۸ء

کل میں دنیا کے ہنگاموں سے دور رہ کر ماؤنٹ بیٹن کے لئے رپورٹ تیار کرتا رہا۔ میں نے کل ہی رپورٹ اس لئے مکمل کرلی تاکہ میرے شملہ پہنچنے سے ایک دن پہلے ماؤنٹ بیٹن رپورٹ پر ایک نظر ڈال لیں۔

آج سہ پہر کو نہرو کے ساتھ میں ایک گھنٹہ تک رہا۔ ان کا خیال ہے کہ نظام دیدہ و دانستہ ان کو پریشان کر رہے ہیں۔ نہرو نے مجھ سے اس بات پر اتفاق کیا کہ رضاروں کے اصلی بانی و مبانی دین یار جنگ اگر اس جماعت کو توڑتے ہیں تو وہ خود اتنے طاقتور رہیں کہ اس کی پیچیدگیوں کا مقابلہ کرلیں گے۔ وزیر اعظم نہرو نے کہا کہ حیدرآباد کی تاریخ کبھی روشن اور درخشاں نہیں رہی۔ ہمیشہ کسی نہ کسی طاقت کے آگے اس کو جھکنا پڑا۔ اس سلسلے میں انھوں نے مرہٹوں کے ہاتھوں حیدرآباد کی شکست کی مثال دی۔ وزیر اعظم محسوس کرتے ہیں کہ نظام کو اپنے خزانوں اور اختیارات کی زیادہ فکر لاحق ہے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ وہ ان کو اس بارے میں یقین دلاتے ہیں کہ انھیں خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے اس بات کا بھی یقین دلایا کہ وہ نہ تو زبردستی الحاق کرنے کے حق میں ہیں نہ ہی حیدرآباد کی فوجوں کو ہضم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

نہرو نے نظام کے مذہب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھ محرم پر ان کی گفتگو اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس واقعۂ عظیم کے بعد سے مذہبِ اسلام کے دو فرقے شیعہ اور سُنّی کے رشتے منقطع ہوتے ہیں۔ حیدرآبادی سُنّی مسلمان ہیں لیکن نظام کے بارے میں شک کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ بباطن شیعہ ہیں۔

میں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ دورۂ حیدرآباد کی پبلسٹی سے آپ نے بُرا نہ مانا ہوگا اس کے بعد میں نے وضاحت کی کہ یہ سب کچھ منشی کے اسٹاف کا کیا دھرا ہے۔ (میرا خیال ہے کہ کابینہ کے دو ایک رکن نے نکتہ چینی کی تھی لیکن نہرو اور پٹیل اس سے بالکل الگ تھلگ رہے) نہرو نے میرے دورہ کی پھر تعریف کی اور کہا کہ اس سے اچھے نتائج نکلیں گے۔

نہرو کا خیال ہے کہ نظام کے موقف کو سمجھنا بہت مشکل ہے کیونکہ ان کو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ کوئی پُر جلال کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

مجھے یقین نہ تھا کہ زین، وی پی مینن سے ملیں گے، بہرحال وہ رات کے ۹ بجے مینن کے گھر گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی ان کی گفتگو میں شریک ہوگیا۔

سرحدی جھڑپوں کے پس منظر میں وی پی مینن نے سختی سے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ موجودہ غیر یقینی حالت زیادہ دنوں تک طول نہیں کھینچ سکتی۔ اس کے بعد دو ایک پروگرام زیرِ غور آئے لیکن مسترد کردئے گئے۔ اخیر میں یہ فیصلہ ہوا کہ ۲۲ تاریخ کو لائق علی کو دہلی آنے کی دعوت دی جائے اور نہرو اور وی پی مینن پٹیل سے ملنے مسوری جائیں — اور ماؤنٹ بیٹن بھی مذاکرات میں حصہ لیں۔

بات چیت اگرچہ طویل اور بے ربط تھی مگر فضا شروع سے آخر تک دوستانہ رہی۔ سرحدی جھڑپوں اور سردار پٹیل کے خیالات کے پیش نظر صورت حال کی نزاکت کو تسلیم کیا گیا۔ جو موضوعات بھی زیرِ بحث آئے اُن پر زین نے نظام کے موقف کا اشارہ تک نہ کیا۔ لیکن وی پی مینن نے ان کو یقین دلایا کہ الحاق کی صورت میں ان تین سبجکٹس کی پابندی کی جائے گی۔ یعنی گفت و شنید کا دروازہ کھلا رہے گا؛ حیدرآباد فوج کی سالمیت اور نظام کے آئینی اختیارات۔ اس ملاقات میں لائق کی پوزیشن اور حکومت کی دوبارہ تشکیل بھی زیرِ غور آئی۔ زین نے لائق کی اسم شعاری

کا ذکر کیا کہ وہ پوری کابینہ کو توڑ کر از سر نو تشکیل نہیں دے سکتے۔ اس سوال پر آیندہ میٹنگ میں غور کرنا طے پایا۔ اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ نئی حکومت میں زین کی شمولیت کا امکان کہاں تک ہے۔ زین نے کسی وزیر کے معاون کی حیثیت سے کام کرنے کو ترجیح دی۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس صورت میں تعاون کریں گے جب تقرری کا اعلان براہِ راست نظام کی طرف سے ہوگا۔ حکومت ہند کے دباؤ کی وجہ سے وہ کوئی عہدہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

وی پی مینن نے زین کے بارے میں اپنی انتہائی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ زین کے لئے ان کے دل میں اس لئے بھی احترام ہے کہ وہ مفاہمت کے دل و جان سے حامی نظر آتے ہیں اب مسئلہ کے حل کا امکان مسوری کی فضا میں منتقل ہو گیا ہے پٹیل وہیں آرام فرما رہے ہیں۔ وی پی مینن کا خیال ہے کہ پٹیل سے ان کی گفتگو بہت ہی مشکل فضا میں ہو رہی ہے۔ انھیں کچھ پتہ نہیں کہ حیدر آباد کے سوال پر پٹیل کون سا قدم اٹھائیں گے۔

وی پی مینن اور زین دونوں اس بات سے متفق ہیں کہ میرا دورۂ حیدر آباد مفید ثابت ہوا ہے۔

گورنر جنرل لاج، شملہ

ہفتہ ۲۲ مئی ۱۹۴۸ء

اس معروف ترین ہفتہ کو گذارنے کے لئے میں اور "فی" شملہ روانہ ہو گئے، شملہ کی پہاڑیوں میں یہ ہماری آخری آمد تھی۔ ماؤنٹ بیٹن اور ان کے اسٹاف کے تقریباً سارے ارکان میرے دورۂ حیدر آباد کے وقت سے یہیں مقیم ہیں۔ اس عرصے میں اتنے سارے واقعات سے میں دوچار ہوا اور اپنی سرگرمیوں میں اس حد تک منہمک رہا کہ مسوری آکر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ میں جلا وطنی کے دن گذار کر آیا ہوں۔

ماؤنٹ بیٹن سے میری دو طویل ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ میری رپورٹ پڑھ کر وہ بیساختہ بولے کاش میں نے تم کو بہت پہلے حیدر آباد بھیجا ہوتا۔ وہ حیدر آباد کے مسئلہ سے بہت فکر مند نظر آتے ہیں۔ وہ داخلی طریق کار سے اغماض بھی نہیں کر سکتے۔ اس

سلسلے میں میں نے اپنا نقطۂ نظر بتاتے ہوئے ان کو کہا کہ نظام کو راج گوپال اچاری پر زیادہ اعتماد ہے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ میں حیدر آباد کے برسر اقتدار گروپ کو گفت وشنید کے لئے تیار کر چکا ہوں اور ان کو اس بات پر بھی قائل کر چکا ہوں کہ حالات روز بروز کتنے سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔

میرے دورۂ حیدر آباد پر پریس نے عجیب رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ بعض اخباروں نے ماؤنٹ بیٹن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب نظام دہلی آنے سے انکار کر چکے ہیں پھر ان کے ساتھ گفت وشنید کیوں بعض اخباروں نے بشمول "ہندو" میرے دورۂ حیدر آباد پر اعتراضات کئے ہیں۔ ان اخباروں کا خیال ہے' میں نے سرحدی علاقوں کا دورہ کیوں کیا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن ان نکتہ چینیوں سے ذرا بھی ہراساں نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ ماؤنٹ بیٹن نے بھی اس دورہ کو سراہا۔

آج سہ پہر کو گورنر جنرل لاج میں مشرقی پنجاب کے ممتاز افراد کو پرکشش گارڈن پارٹی دی گئی۔ کمخوابوں اور ریشمی ساریوں کی وجہ سے فضا سحر انگیز ہو گئی تھی۔ پورے وقت میں بینڈ بجتا رہا اور ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن مہمانوں کی شادکامی میں اضافہ کرتے رہے

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

منگل ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء

شملہ میں کل چھتیس گھنٹہ قیام کے بعد میں اتوار کی صبح کو ورنن کے ہمراہ یہاں آ گیا۔ سفر سے اب میں اکتا گیا ہوں۔ گذشتہ ہفتہ نقل وحرکت کرتے رہنے سے میری تخلیقی قوت عمل پر زبردست اثر پڑا ہے۔ ہم ماؤنٹ بیٹن کی آمد سے پہلے ہی دھلی کی بھٹی میں آ گئے تاکہ یہاں اُن کے خیر مقدم کے لئے ہم تیار رہیں۔ وہ چار گھنٹے کے لئے پٹیالہ میں رک گئے تھے۔ جب وہ دہلی واپس آئے تو ہم نے اُن کو میر لائق علی کی آمد کی اطلاع دی۔ ہم نے اُن کو بتایا کہ وہ اتوار کو تشریف لائے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بحران کا سیلاب سر سے گزر گیا ہے۔ ان کی اس گفتگو سے اندازہ ہوا کہ ان کو حقائق کا قطعی علم نہیں۔ ہماری یہ باتیں سُن کر ماؤنٹ بیٹن نے اُن سے ملاقات

کی اور میرے خیال میں وہ مکمل پانچ گھنٹے تک اُن کے ساتھ رہے۔ اتنی طویل ملاقات ماؤنٹ بیٹن نے اس مشن کے دوران میں آج تک کسی سے بھی نہیں کی ہے۔

اس ملاقات کا پس منظر در اصل یہ تھا کہ ہندستان سے ملی ہوئی حیدرآباد کی جو سرحدیں ہیں وہاں کثیر تعداد میں ہندستانی فوجیں داخل ہوگئی ہیں تاکہ سرحدی واقعات پر کنٹرول کیا جا سکے۔ حال ہی میں گنگا پور ٹرین کے ہولناک حادثہ سے ہر طرف سنسنی پھیل گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سرحدی حادثات میں یہ سب سے بڑا اور خوفناک حادثہ ہے جس کی وجہ سے دو غیر مسلم ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے ہیں۔ اس حادثہ نے ہندستانی رائے عامہ کو اور مشتعل کر دیا ہے۔ حیدرآباد روانہ ہونے سے دو روز قبل دفاعی کمیٹی کی میٹنگ میں فیصلہ ہوا تھا کہ فوجی تیاریاں جاری رکھی جائیں لیکن جارحانہ اقدام کرنے کے لئے فوج کو کم از کم دس دن کی نوٹس دینا لازمی ہوگا۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو یقین دلایا تھا کہ فوجی اقدام اسی صورت میں کیا جائیگا جب حالات کنٹرول سے باہر اور نازک ہو جائیں گے۔ چنانچہ نہرو کی اس یقین دہانی کے بعد ماؤنٹ بیٹن مطمئن ہیں کہ ان کی ہندستان سے روانگی سے قبل فوجوں کی نقل و حرکت نہیں ہوگی۔

ایسے صلح نامے کے لئے جس پر فریقین متحد و متفق ہوں وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے لہٰذا لائق علی کو خطرہ سے آگاہ کرنے اور ان پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اگر وہ ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آئے تو اُن کی بہت بڑی بھول ہوگی سخت قدم اُٹھانا پڑے گا۔ میں نے شملہ ہی میں ماؤنٹ بیٹن سے کہا تھا کہ میر لائق علی اپنے رویہ کی وجہ سے باشعور احمق ہیں کیونکہ صحیح دلائل کے باوجود وہ انتہائی غلط قدم اُٹھاتے ہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے اُن سے دو ٹوک بات کی۔ انھوں نے متنبہ کیا کہ اگر مفاہمت نہیں ہوئی تو حالات جو رخ اختیار کریں گے اس کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔ اور اگر میری روانگی کے چند ہفتے بعد فوجی مداخلت کا فیصلہ کیا گیا تو حیدرآباد کی فوج کیا کرے گی؟ اس کے جواب میں لائق علی نے کہا کہ میں الحاق کو حاکمیت سے دس گنا زیادہ بدتر سمجھتا ہوں۔ میں جمہوری نظام کا قائل ضرور ہوں لیکن حیدرآباد

میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا مخالف ہوں کیونکہ اس طرح بلاشبہ الحاق کے لئے راہ ہموار ہوجائے گی۔ جب وی پی مینن کمرے میں داخل ہوئے اس وقت لائق علی نے پانچ سال سے لے کر دس سال تک کے معاہدہ کی تجویز پیش کی۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

بدھ ۲۶ مئی ۱۹۴۸ء

وی پی مینن اور لائق علی میں رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس مذاکرہ کا فائدہ یہ ہوا کہ وی پی مینن نے جامع ومانع "امور معاہدہ" تیار کرلئے۔ ان کو دو حصص میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان میں خاص خاص گیارہ آئٹم شامل ہیں۔ حصہ اول میں حیدرآباد اور ہندستان کے درمیان بنیادی رشتہ اور حصہ دوئم میں حصہ اول کو روبکار لانے کے لئے عارضی اقدام کا ذکر ہے۔ وی پی مینن کی اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوا کہ لائق علی نے الحاق کے تیسرے بدل یعنی استصواب رائے کو نظام کے سامنے پیش کرنے کی درخواست کی۔ ماؤنٹ بیٹن کا خود یہ خیال ہے کہ استصواب رائے بہترین حل ہے۔ لائق علی بھی اسی خیال کے حامی ہیں کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ استصواب رائے ہی میں "فریقین کی عزت محفوظ ہے"۔ پٹیل کو بھی اس خیال سے اتفاق ہے حالانکہ عام طور پر کہا جارہا ہے کہ اس سے الحاق کا مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

ہفتہ ۲۹ مئی ۱۹۴۸ء

گفت وشنید نازک مرحلے پر پہنچ گئی ہے۔ وی پی مینن پٹیل سے ملنے مسوری گئے تھے اور اب وہ ان کا تعمیری لیکن درشت لہجہ میں تحریر کردہ پیغام لے کر واپس آئے ہیں پٹیل نے ایک بار پھر استصواب کی حمایت کی ہے۔ جہاں تک "امور معاہدہ" کا تعلق ہے انھوں نے کسی ترمیم کے بغیر حصہ اول کے بنیادی رشتہ کو منظور کرلیا ہے لیکن حصہ دوئم کے عارضی اقدام کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے وہ غیر مسلموں کے حق میں کنٹرول کے توازن کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ پٹیل کا پیغام ان ہی کی تحریر میں ہے۔ اس پیغام کے

آخری پیرا میں لکھتے ہیں کہ اگر لائق علی سودا بازی کرنا چاہتے ہیں تو وہ نظام سے تمام اختیارات لے کر آئیں کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ گفتگو کرنا جس کو بار بار ہدایات حاصل کرنے کے لئے واپس جانا پڑے بے سود اور لا حاصل ہے۔

پٹیل چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس نوعیت کا ٹیلی گرام موصول کرنا چاہتے ہیں کہ اگر لائق علی مقررہ وقت تک اختیارات کے ساتھ واپس نہیں آتے ہیں تو حکومتِ ہند یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہوگی کہ ریاست حیدرآباد نہ صرف مزید گفت و شنید سے احتراز کر رہی ہے بلکہ وہ وقت سے کھیل رہی ہے۔ پیغام کے آخری الفاظ یہ ہیں ـــ "ایک ہفتہ کے اندر اندر قطعی فیصلہ کر لیا جائے۔" نہرو کو لائق علی پر ذرا بھی اعتماد نہیں ہے۔ ان کی سرگرمیوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ معاملے کو معرض تعویق میں ڈالنے کے عادی ہیں لیکن اب ان کے یا نظام کے جواب میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔

مونکٹن کا لندن سے حیدرآباد آنے کا فیصلہ خوش آیند ہے۔ اس فیصلہ پر ماؤنٹ بیٹن نے بھی خوشی کا اظہار کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مونکٹن کی آمد سے پہلے پہلے فضا سے خطرات کے وہ بادل چھٹ جائیں جو بڑی تیزی سے چھا رہے ہیں۔ لیکن مونکٹن ۳ جون سے پہلے نہیں آ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس روز وہ ہندوستان میں قدم رکھیں گے میں اسی روز اپنے اہل خاندان کے ساتھ بمبئی سے انگلستان روانہ ہو رہا ہوں گا۔ بہت ممکن ہے کہ اُس روز ہماری ملاقات ہو جائے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ چونکہ مونکٹن بمبئی سے سیدھے حیدرآباد روانہ ہو جائیں گے اس لئے میں بمبئی میں اُن سے مل کر اُن کو سارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دوں کیونکہ موجودہ فضا کا اُن کو ذرا بھی علم نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اس وقت تک سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے نشیب و فراز سے نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ میں جہاز میں سوار نہ ہو جاؤں۔

آج شام مجھے اور فے کو الوداعی پارٹی دی گئی۔ اگرچہ منگل کی صبح سے پہلے ہم ہندوستان نہیں چھوڑ رہے ہیں لیکن ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن آج کے علاوہ دوسرے دن پارٹی میں شرکت کرنے سے معذور تھے اس لئے اس کا

انتظام آج ہی کیا گیا۔ اسٹاف کے سارے اراکین پارٹی میں موجود تھے۔ بڑا ہی خوشگوار منظر تھا۔ مجھے اس بات کا انتہائی افسوس ہے کہ سیاسی کھیل کا پردہ گرنے سے پہلے ہی مجھے ہندستان چھوڑنا پڑا۔ میں حیدرآباد کے مسئلے کو حل ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا میں چاہتا تھا کہ میری موجودگی میں ہی ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے تاکہ الوداعی تقریبات میں میرے قلب کو زیادہ مسرت حاصل ہو۔ پروگرام پہلے سے ترتیب پاچکا تھا اس لئے اس میں ترمیم کرنا ذرا مشکل تھا۔ اس الوداعی پارٹی میں دلچسپ بات یہ ہوئی کہ مجھے مشہور "ٹیپو صاحب" کی تصویر جو دیوار میں آویزاں تھی بہت پسند آئی۔ میری اس پسندیدگی پر حاضرین خوب لطف اندوز ہوئے۔ اس تصویر میں اس شخص کی شکل اداس اور روکھی نظر آرہی تھی۔ حاضرین نے اس سے میرا مقابلہ کیا لیکن اس کے باوجود اس کا اثر میرے اخلاق پر ذرا بھی نہ پڑا۔

اس الوداعی پارٹی کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے تحفتہً مجھے چاندی کا سگریٹ باکس عنایت کیا۔ ہم اس قدرشناسی، اعتماد اور یگانگت و دوستی سے بیحد متاثر ہوئے۔ —میرے لئے عظیم ترین انعام و اکرام اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ عظیم انسان کے ساتھ اس کے عظیم مشن میں کام کرنے کا موقع ملا۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی

اتوار ۳۰ مئی ۱۹۴۸ء

آج شام کو دہلی جیم خانہ کلب میں وی پی مینن نے شاندار استقبالیہ دعوت دی تھی جس میں ہم بھی مدعو تھے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس دعوت میں دہلی کی شاید ہی ایسی کوئی شخصیت ہو جس کو مدعو نہ کیا گیا تھا۔ آئندہ تین ہفتوں میں ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو ایسی نہ جانے کتنی اور دعوتوں میں شرکت کرنی ہوگی —— یکایک ایک پیغام رساں نظام کے بیک وقت تین خطوط لے کر آیا۔ ان خطوط پر میزبان مہمان خصوصی اور وزیر اعظم کی توجہ فوراً مبذول ہوگئی۔ اس دعوت میں بہت سارے ہندستانی اور غیر ملکی صحافی بھی موجود تھے۔ ان ہوشیار صحافیوں کو ان خطوط کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگی کیونکہ ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور وی پی مینن فوراً

اپنی جگہ سے اُٹھ کر دوسری طرف چلے گئے اور تشویشناک انداز میں تینوں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔

ان تینوں اکابرین کے چہرے بشرے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ ماؤنٹ بیٹن کی سرپرستی میں مفاہمت کی جو اُمیدیں وابستہ کی گئی تھیں وہ خاک آلود ہو گئی ہیں۔ پہلے خط میں "امور معاہدہ" پر نظام کا ردعمل صرف اتنا تھا کہ مونکٹن کی آمد کا انتظار کیا جائے۔ دوسرے خط میں انھوں نے بڑی ہی صاف گوئی سے اس تجویز پر نفی کا اظہار کر دیا کہ غالباً وہ نئے وزیر اعظم کے انتخاب اور اس کی تقرری پر غور کریں گے۔ یہ وہ تجویز تھی جو لائق علی نے خود پیش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر دوسرے وزیر اعظم کی تقرری سے خیر سگالی کی فضا پیدا ہوتی ہے تو وہ اس سلسلے میں اقدام کرنے سے روگردانی نہیں کریں گے۔ تیسرے خط میں ماؤنٹ بیٹن کو ایک بار پھر حیدرآباد آنے کی دعوت دی گئی لیکن اس دعوت نامے میں نہ خلوص تھا اور نہ جذبۂ محبت۔

ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ کیا کہ صرف پہلے خط کا جواب دیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ فیصلہ دانشمندانہ تھا۔ جواب میں مزید تاخیر پر اظہار افسوس کیا گیا اور اُمید کی گئی کہ جب دوسری بار لائق علی دہلی تشریف لائیں تو اپنے ساتھ مکمل اختیارات لے کر آئیں تاکہ فیصلہ کن قدم اُٹھایا جا سکے۔

نظام کی طرف سے ان افسوسناک مکتوبات کے علاوہ لائق علی نے بھی ورتن کے اس نوٹ کی صداقت کو سرے سے جھٹلا دیا کہ انھوں نے نہرو، ماؤنٹ بیٹن اور وی پی مینن سے ۲۶ تاریخ کو ملاقات کی تھی ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں اس بات پر کبھی رضامند نہیں ہوا کہ ہندستان مرکز کے تین محکموں کی آئینی حیثیت کو مسترد کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی رضامندی صاف لفظوں میں دی تھی اس خط سے نہرو کے اس خیال کی توثیق ہو گئی کہ لائق علی، قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور یہ کہ ان کا مدعا ہمیشہ معاملے کو کھٹائی میں ڈالنا رہا ہے۔

موجودہ تشویشناک صورت حال کے باوجود زین یار جنگ حیدرآباد ہاؤس میں پُرسکون نظر آتے رہے۔ ہندستان کو الوداع کہنے سے پہلے ہمارا آخری پروگرام ان ہی کے ساتھ کھانا کھانے کا تھا۔ ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم خوش گپیوں میں

مصروف ہوئے تو ایک حیدرآبادی خاتون نے مہذبانہ انداز میں معاہدہ قائمہ الحاق اور حاکمیت کی باتیں چھیڑ دیں۔ انھوں نے سرد آہ کھینچتے ہوئے کہا۔ "دہلی اب وہ دہلی نہیں رہی جو کبھی پہلے تھی۔ افسوس کہ اب مغل شہنشاہ بھی نہ رہے!"

ایم۔ وی کلیڈونیا

جمعرات ۳ جون ۱۹۴۸ء

میں یہ سطور ایم وی کلیڈونیا کے آرام دہ، نفیس اور خوبصورت کمرے سے لکھ رہا ہوں۔ بیس ہزار ٹن کا یہ جہاز ہندستان سے انگلستان روانہ ہونے کے لئے موجوں سے کھیل رہا ہے۔ ہم منگل کی صبح کو کمپٹرولر ہاؤس سے روانہ ہوئے اور آٹھ سو میل کا یہ طویل سفر ۲۶ گھنٹوں میں ختم کرکے بمبئی پہنچے

آج سویرے کئی مقامات پر ٹیلی گرام کرنے کے بعد سانتا کروز ہوائی اڈہ میں مونکٹن سے ملاقات ہوئی۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو ان کو خواہ مخواہ کی پریشانی اُٹھانا پڑتی۔ مونکٹن اور لیڈی مونکٹن چارٹر کئے ہوئے ہوائی جہاز سے یہاں آئے تھے۔ انھوں نے ٹھیک ہی سوچا تھا کہ چونکہ گھنٹہ سوا گھنٹہ انھیں یہاں رُکنا ہے اس لئے دیگر ملکوں کی طرح یہاں بھی کسٹمس وغیرہ کی پابندیوں سے ان کو گذرنا نہیں پڑے گا لیکن کسٹمس کے حکام اعلیٰ اور پولیس نے غالباً ناواقفیت کی بناء پر ان کے سامان کی تلاشی لینا چاہی مونکٹن اور لیڈی مونکٹن ان کے اس عمل سے اس حد تک برافروختہ ہوگئے کہ انھوں نے حیدرآباد کا دورہ ہی منسوخ کر دینا چاہا۔ لیکن میں آڑے آیا۔ کیونکہ میں پہچان لیا گیا تھا اس طرح ناخوشگوار فضا پیدا ہوتے ہوتے رہ گئی۔

جہاز پر سوار ہونے سے پہلے میں نے اپنا آخری سرکاری فرض انجام دیا۔ ٹیلیگرام سے میں نے ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع دی کہ مونکٹن کو اول اول اس بات کا شبہ ہوا کہ اس نازک وقت میں اُن کا مشورہ مفید کام انجام دے سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نظام کو کسی بات پر رضامند کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ میں نے سیاسی کشیدگی کی حقیقت اور وقت کی اہمیت پر زور دیا تو ان کے رویے میں تبدیلی نظر آئی۔ جب میں اُن سے رخصت ہونے لگا اُن کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُن آنکھوں میں اُمیدوں کے

چراغ جل رہے تھے۔

مونکٹن نے کہا کہ نظام پر قابو پانے کے لئے ان کو وقت کی ضرورت ہوگی کیونکہ ایک ملاقات میں کوئی بھی ان کو کسی بات پر قائل نہیں کرسکتا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جب بھی اور جس وقت بھی فیصلہ کن بات ہوئی وہ فوراً دہلی پہنچ جائیں گے۔ جب میں نے ماؤنٹ بیٹن اور پٹیل کا یہ خیال ظاہر کیا کہ دونوں استصواب کی حمایت میں ہیں تو مجھے اُن سے یہ سُن کر حیرت ہوئی کہ وہ بھی استصواب ہی کو مسئلے کا واحد حل سمجھتے ہیں۔ لائق علی کی جگہ دوسرے وزیر اعظم کی تجویز پر مونکٹن نے کہا کہ وہ خود اس مسئلے کو نبٹائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ زین وزیر اعظم کے عہدے کے لئے موزوں و مناسب ہیں۔

کسٹمس کی مداخلت سے قطع نظر میں اس ملاقات سے بیحد مطمئن ہوں۔ میرے اس خیال اور عقیدے کی تصدیق ہوگئی کہ سیاست میں کامیابی کا راز بہت حد تک اس بات میں مضمر ہے کہ آدمی صحیح مقام پر اور صحیح وقت میں موجود ہو۔ مونکٹن نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھ سے ملاقات نہ ہوگئی تھی تو وہ بہت ساری اہم باتوں سے لاعلم رہتے۔

آج سہ پہر کو جب جہاز نے لنگر اُٹھایا اور لہروں میں شورش پیدا ہوئی تو میں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں خلاء میں ہوں ــ کہاں اتنے سارے ہنگامے اور کہاں یہ آرام طلبی اور کاہلی۔ ہمارا جہاز جوں جوں بحیرۂ عرب کی شورش انگیز موجوں سے نبرد آزما ہو رہا ہے اور بمبئی کی نقرئی روشنیاں بہت دور ٹمٹمانے لگی ہیں ـــــ سکوت اور سکون کی دنیا ہمیں اپنی آغوش میں لے رہی ہے لیکن ملاح نے ہمیں آنے والے طوفان سے ہوشیار بھی کر دیا ہے ـــــ کچھ دور پر سمندری طوفان ہمارا منتظر ہے۔ غرضیکہ یہ سکون لمحاتی ہے ـــــ شورش انگیزیوں سے نجات کہاں!

لندن

بدھ ۲۳ جون ۱۹۴۸ء

کل ہم سمندر میں بیس دن رہنے کے بعد لیور پول پہنچ گئے۔ بمبئی سے ڈیڑھ سو میل اُدھر

طوفان نے ہمارا آخر خیر مقدم کیا اور عدن تک ہم غضبناک لہروں اور خوفناک طوفانوں سے لڑتے رہے۔ میں فوراً نارتھ ہولٹ آیا جہاں ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور ان کے اسٹاف کے دیگر اراکین ہوائی جہاز سے پہنچ رہے تھے۔

ڈیوک آف اڈنبرا اور مسٹر ایٹلی بھی ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ اُن کی آنکھیں ایک پروقار شخصیت کے استقبال کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ آج سے پہلے شاید ہی کسی گورنر جنرل یا وائسرائے کے استقبال کے لئے شاہی ڈیوک اور وزیر اعظم ایک ساتھ رہے ہوں۔ ان کے علاوہ ہوائی اڈہ پر دیگر وزراء، اعلیٰ افسران، بی بی سی نیوز ریل اور پریس کے نمائندے بھی موجود تھے۔ فوٹوگرافروں کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔ بیشمار فوٹوگرافرز کیمرہ لئے ہوائی جہاز کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ نئے کروزر "دہلی" کے سینکڑوں ہندستانی ملاح بھی گارڈ آف آنر کے لئے سراپا انتظار بنے کھڑے تھے۔

ایٹلی کی موجودگی خصوصاً اس موقع پر بہت اہمیت رکھتی تھی کیونکہ ان ہی کی وزارت عظمیٰ کے عہد میں ہندستان کو اختیارات منتقل کئے گئے۔ انتقال اختیارات کا یہ فیصلہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ تاریخ ایٹلی اور ماؤنٹ بیٹن کو ہمیشہ اُسی طرح یاد رکھے گی جس طرح مورے اور منٹو، مونٹیگو اور چیمسفورڈ کو بھلا نہ سکی۔

ہم اگلے کمرہ میں چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ ماؤنٹ بیٹن نے مجھے طلب کیا۔ وہ اس وقت وزیر اعظم ایٹلی سے حیدرآباد کی صورت حال پر گفتگو کر رہے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے مجھ سے کہا کہ نظام کے بارے میں میرے جو تاثرات ہیں وہ مسٹر ایٹلی کو سناؤں۔ میں نے حیدرآباد اور نظام کی جو مختصر تصویر کھینچی مسٹر ایٹلی بغور سُنتے رہے اس کے بعد وہ بولے۔" میں خوش ہوں کہ باعزت مفاہمت کے لئے ہر وہ ممکن قدم اُٹھایا گیا جو انسان کے بس میں ہے۔ مجھے اس بات پر بھی مسرت ہے کہ اس معاملے میں ہمارا ضمیر بالکل صاف ہے۔" اب تک مجھے تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا ہے البتہ جہاز کے ریڈیو سے صرف اتنا سنا تھا کہ مفاہمت کے لئے جو قدم اُٹھایا گیا تھا اُس میں ناکامی ہو گئی۔

ماؤنٹ بیٹن، لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور ان کے اسٹاف کے اراکین جو گذشتہ پندرہ ماہ تک یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ ایک جگہ کام کرتے رہے تھے اب وہ

اپنی اپنی منزل کو جا رہے ہیں عظیم واقعات کے گرد و پیش میں رہ کر یکایک الگ ہو جانا بڑا کٹھن کام ہے۔ ہم موسم گرما کی اس شام کو ایک دوسرے سے بچھڑ رہے ہیں — ! غالباً ہم میں سے بیشتر ذہنوں کو سکون دینے کے لئے آرام کریں گے اور پھر روز مرہ کے کاموں میں مصروف ہو جائیں گے۔

لندن

پیر ۲۸ جون ۱۹۴۸ء

لارڈز میں بریڈمین کے الوداعی ٹسٹ میچ کی کشش اور تفریح کے باوجود میں ماؤنٹ بیٹن کے لئے ڈرامہ کے اُن اجزا کو باہم دگر کرنے میں مصروف ہو گیا جو گذشتہ تین ہفتہ کے دوران میں کھیلا گیا تھا۔ جہاز کے ریڈیو سے جو مختصر رپورٹ میں نے سُنی تھی وہ یہ ہے کہ — حیدر آباد میں حالات پھر تشویشناک ہو گئے ہیں ماؤنٹ بیٹن نے آخری تقریر نشر کی، دہلی میں ماؤنٹ بیٹن کو جو الوداعی پارٹی دی گئی اس کے مناظر ۱۵ اگست سے زیادہ دلنشین، موثر اور دیدنی تھے۔

رونی، ورنن اور ماؤنٹ بیٹن سے جو دو چار ملاقاتیں ہوئیں اور جو گفتگو ہوئی اُن سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ حالات کم و بیش اس نوعیت کے ہیں:-

مونکٹن تین دن تک حیدر آباد میں مقیم رہ کر لائق علی کے ہمراہ دہلی آئے۔ اول اول مذاکروں میں طوفان جیسی شدت اور حدت رہی۔ دو ایک بار تو حالات اتنے نازک ہو گئے کہ گفت و شنید ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی، کوئی فریق مصالحت کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ نہرو لائق سے ملنا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مونکٹن نے انگلستان واپس چلے جانے کی دھمکی دے دی۔ ایک بار تو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو ٹیلیفون سے یہ کہا کہ وہ مسئلہ کا حل نکال چکے ہیں اور اس طرح حالت تشویشناک ہونے سے بچ گئی۔ حالانکہ ماؤنٹ بیٹن نے مسئلے کے حل کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہ تھا۔ نہرو نے ۸ جون کو ایک تقریر کی اور اپنے نکتہ چینیوں کو بتایا کہ انھوں نے ہندستانی افواج کو اب تک ریاست میں کیوں نہیں اتارا ہے۔ انہوں نے کہا جب بھی فوجوں کو مہم پہ لگایا جاتا ہے وہ مسئلہ

کو حل کرنے کی بجائے اور بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کی اس تقریر سے طوفان رک گیا اور ماؤنٹ بیٹن پھر گفت وشنید کو کامیاب بنانے کیلئے کوشاں ہوگئے۔

مونکٹن کا خیال تھا کہ حالات پر قابو پانے کے لئے طویل المیعاد استصواب کے علاوہ کوئی اور قدم اُٹھانا پڑے گا۔ لیکن پٹیل اپنے بستر علالت سے الحاق کی غیر مشروط منظوری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کی طرف سے مزید کوئی فارمولا پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ مونکٹن نے اسے منظور کر لیا اور انھوں نے دو دستاویزات پیش کیں ــــ (۱) ذمہ دار حکومت کے نفاذ کے لئے فرمان کا مسودہ اور (۲) ۱۹۴۹ء کے اوائل میں دستور ساز اسمبلی کا قیام اور موجودہ حکومت کی از سر نو فوری تشکیل۔ دوسری دستاویز در اصل وی پی مینن کے "امور معاہدہ" کا ہو بہو پہلا حصہ ہے۔ لیکن لائق علی نے پھر مہلت مانگی اور کہا کہ انھیں فوراً نظام سے مل کر ضروری باتیں کرنی ہیں۔ ۹ جون کو دہلی میں یہ افواہیں پھیل گئیں کہ پاکستان کا ایک نمائندہ حیدر آباد پہنچا ہے لیکن لائق علی نے حلفیہ ان افواہوں کی تردید کی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ لائق علی نظام سے ضروری مشورہ کرنے کے لئے فوراً حیدر آباد روانہ ہو جائیں۔

۱۲ جون کو مونکٹن کے پاس یہ اطلاع آئی کہ نظام اور اکزیکٹیو کونسل نے تجاویز منظور کر لی ہیں لیکن صرف ان دو نکات پر فیصلہ نہ ہو سکا ــــ اول دستور کو رد کرنے کا مسئلہ اور دوئم دستور ساز اسمبلی کی تشکیل۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر مذاکرات شروع ہو گئے۔ پہلا مذاکرہ دہلی میں شروع ہوا جس میں ماؤنٹ بیٹن، مونکٹن اور نہرو نے شرکت کی اور دوسرا مسوری میں ہوا۔ اس میں پٹیل، کابینہ کے بیشتر اراکین اور خود ماؤنٹ بیٹن بھی تھے۔ ان مذاکروں میں نظام کی ترمیم کردہ تجاویز منظور کر لی گئیں لیکن شرط یہ رکھی کہ اسمبلی کی تشکیل میں براہ راست مساوات کا حوالہ دیا گیا تو اسے خارج کیا جا سکتا ہے اور ان الفاظ کی جگہ "حیدر آباد کی بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد" کوئی اور لفظ بدلے جا سکتے ہیں

۱۳ جون کو مونکٹن نے لائق علی سے کہا کہ اس بار وہ مکمل اختیارات لے کر حیدر آباد سے واپس آئیں لیکن اس بار پھر انھوں نے تاخیر کی پالیسی پر عمل کیا۔ ۱۴ جون کو لائق علی

نے "امور معاہدہ" میں چار مزید ترمیمات کے لئے مونکٹن کو لکھا۔ وہ ترمیمات مندرجہ ذیل ہیں:۔
(۱) کہ حکومت ہند حیدرآباد کو آئین منظور کرنے کی صرف درخواست کرسکتی ہے۔
(۲) کہ حیدرآباد کو آٹھ ہزار بے قاعدہ فوجی دستوں کو رکھنے کی اجازت دی جائے۔
(۳) کہ رضاکاروں کی جماعت کو رفتہ رفتہ توڑا جائے۔ اور
(۴) حکومت ہند کی دفعہ میں ہنگامی حالت کی تعریف بیان کی جائے جس کی رو سے ہندستان حیدرآباد میں فوجیں اُتار سکتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کو قطعی اُمید نہ تھی کہ حکومت ہند ان ترمیمات کو بھی مان لے گی۔ جب نہرو نے اپنی رضامندی دیدی تو انھیں سخت تعجب ہوا۔

۱۵ جون کو ماؤنٹ بیٹن نے حیدرآبادی وفد سے مل کر غیر متوقع کامیابی کی اطلاع سُنائی۔ یہ سُن کر لائق علی نے مزید دو نکات پیش کردئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان ترمیمات میں اقتصادی اور مالی آزادی کے اعلانات بھی شامل کردئے جائیں۔ حکومت ہند نے اس پر بھی غور کرنا منظور کرلیا لیکن ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کی کہ ان ترمیمات کو مکتوب میں شامل کرلیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا اس امر میں تو نہرو نے کمال ہی کردیا۔ مکتوب میں انھوں نے حیدرآباد کی اقتصادی ترقی کے لئے مشترکہ تعاون کی گنجائش کو شامل کرنے کی بھی تجویز پیش کی لیکن لائق علی نے اسکی اہمیت کو محسوس کئے بغیر تجویز کو خارج کردینے کا خیال ظاہر کیا۔ مونکٹن نے اس موقع پر لائق علی کو ٹوکا اور کہا کہ اگر اس پیشکش کو مسترد کیا گیا تو یہ حیدرآباد کی بدقسمتی ہوگی۔ لائق علی مونکٹن کی بات مان گئے۔

لائق علی آخری دستاویز اور ساری ترمیمات کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہوگئے لیکن ان کی روانگی سے پہلے مونکٹن نے ان پر یہ واضح کردیا کہ یا تو مجموعی طور پر ان چیزوں کو منظور کرلیا جائے یا رد کردیا جائے۔ اس شام ساڑھے سات بجے جواب موصول ہونا تھا لیکن نو بجکر چالیس منٹ تک کوئی پیغام نہیں آیا البتہ نظام نے ایک معذرت نامہ بھیجدیا کہ حتمی جواب دینے سے پہلے وہ اپنی کونسل کی رائے طلب کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک دن کی اور تاخیر ہوگئی۔ دہلی نے اس تاخیر کو بھی برداشت کرلیا۔

۱۶ کی دوپہر کو ماؤنٹ بیٹن اور مونکٹن کو اطلاع دی گئی کہ نظام نے تجاویز کو چار نئے اسباب کی بنا پر منظور نہ کرنے کی سفارش کی ہے۔ نظام کی اس سفارش پر ماؤنٹ بیٹن، مجھے اور خود مونکٹن کو بھی ہنسی آگئی۔ بہرحال طے یہ پایا کہ اس

رات کو مونکٹن حیدرآباد پرواز کرجائیں اور ماؤنٹ بیٹن کا جواب پڑھ کر سنائیں۔

نظام کو سب سے زیادہ اعتراض اس بات پر تھا کہ فرمان کے ذیلی پیرا اسے جس میں دستور ساز اسمبلی کے قیام کا حوالہ دیا گیا تھا یہ الفاظ کہ "اس بنیاد پر جو بعد میں زیر غور آئے گا" خارج کردیا گیا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کے اخراج کی اطلاع ان کے وفد کے اراکین کو دیدی گئی تھی اور وہ رضامند بھی ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ ایسی بات نہ تھی کہ رائی کا پہاڑ بنایا جاتا۔ ان کا دوسرا اعتراض تھا کہ اقتصادی معاہدہ مکتوب کے ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ وہ اس کے لئے باضابطہ ایک باڈی مقرر کرنے کے حق میں تھے۔

۱۷ کی دوپہر کو مونکٹن نے محض ایک لفظی ٹیلیفونی پیغام ارسال کیا ـــــ اور وہ پیغام یہ تھا۔ "شکست" شام ہوتے ہوتے نظام نے قطعی نیا شوشہ چھوڑا ـــــ یعنی ہنگامی صورت میں ہندستان کو فوج کشی کرنے کا حق۔ انھوں نے اس سلسلے میں گفت وشنید کرنے کی تجویز پیش کی۔ نہرو اور وی پی مینن مونکٹن کا انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد پریس کانفرنس میں شرائط اشاعت کے لئے دیدی گئیں۔

مونکٹن نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ مجھے یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ لائق علی نے نظام سے ملے بغیر رضوی کے ساتھ مکمل تین گھنٹے گذارے۔ انھوں نے غیر رسمی پریس کانفرنس میں اپنا یہ خیال بھی پیش کیا کہ حیدرآباد کے نام نہاد تعطل کی ذمہ داری نہ تو مرکزی حکومت پر ہے اور نہ صوبائی نظم ونسق پر بلکہ یہ سارا کیا دھرا کم حیثیت کے افسروں کا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن اگرچہ سرکاری طور پر گفت وشنید سے علٰحدہ ہو چکے تھے اس کے باوجود انھوں نے ایک بار پھر اپنی ذہانت وفطانت کو کام میں لاکر نظام کو ٹیلی گرام کیا۔ ساتھ ہی مونکٹن نے بھی ایک پیغام بھیجا۔ دونوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اتحاد المسلمین کے چکر میں پڑ کر اپنی ریاست کے مفاد کو نظرانداز نہ کریں ـــــ اتحاد المسلمین کے انتہا پسندوں نے بھی واضح لفظوں میں یہ اعلان کردیا تھا کہ وہ اُن رعایتوں کی دل وجان سے مخالفت کریں گے جن کی وجہ سے ریاست پر ان کا کنٹرول محدود ہوسکتا ہے۔ اور جب یہ بحران نظر آیا تو نظام اس جماعت کے خلاف صف آرا نہ ہوسکے۔

ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں ناکامی کا واحد سبب یہ ہے کہ گیارہ ماہ کی گفت وشنید

میں فریقین میں سے کسی کا بھی دل صاف نہ تھا۔ وہ اب تک اس بات سے پُرامید تھے کہ اگر نظام دہلی آجاتے اور ثالث کے فرائض انجام دیتے تو مفاہمت کب کی ہوگئی ہوتی۔ ساتھ ہی حیدرآبادی وفد کے اراکین کو مکمل اختیارات ملتے اور وہ مونکٹن کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے تو نتیجہ مفید اور امید افزا نکلتا۔

گورنر جنرلی کے آخری دو ہفتے ماؤنٹ بیٹن پر گرانبار ثابت ہوئے۔ وہ کشمیر کے مسئلہ کو سلجھانے کے لئے ثالث بننا چاہتے تھے مگر اُن کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ مارچ کے مہینے میں ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا تھا کہ ہندستان اور پاکستان کے وزراء اعظم ہر ماہ ملاقات کرنے پر رضامند ہوگئے لیکن دو ماہ گذر گئے اور اس پر عملدرآمد نہ ہوسکا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو سے کہا کہ وہ لیاقت کو اس مضمون کا ایک مکتوب روانہ کریں کہ ماؤنٹ بیٹن ہندستان سے رخصت ہو رہے ہیں لہٰذا اگر ممکن ہوسکے تو وہ ان کو خدا حافظ کہنے کے لئے دہلی آجائیں لیکن پہلے تو حیدرآباد کی نازک صورت حال کی وجہ سے اس تجویز پر عمل نہ ہوسکا بعد میں یہ تجویز ہی رد کردی گئی کیونکہ لیاقت علیل ہوگئے تھے۔

کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بہت مشکل سے زمین ہموار کی گئی۔ ان اطلاعات کے باوجود کہ پاکستانی فوجیں بھاری تعداد میں کشمیر میں داخل ہو رہی ہیں ہندستانی کابینہ مفاہمت کے لئے تیار ہوگئی۔ نہرو نے پاکستانی فوج کی موجودگی کی تفصیلی اطلاع جب لیاقت کو بھیجی تو لیاقت نے اگرچہ اس الزام کی تردید نہ کی لیکن انھوں نے لکھا کہ پاکستان کے تحفظ کے خطرہ کے پیش نظر یہ قدم اُٹھایا گیا ہے۔ انھوں نے اعلان کیا۔ "چونکہ ہندستانی فوج شمال مغربی سرحد کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے اس لئے قبائلیوں کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔" ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں فریقین کی ایک دوسرے سے نفرت وعداوت ہی حالات کو بہتر بنانے میں حارج ہے۔ سیاسی اور نفسیاتی دونوں لحاظ سے یہ سلسلہ بے حد افسوسناک ہے۔

نظام اور کشمیر کے معاملے میں ماؤنٹ بیٹن کو جو مایوسیاں ہوئیں وہ محض وقتی اور ہنگامی تھیں وہ خوش اس بات سے تھے کہ انھوں نے ہندستانیوں کے دلوں پر محبت والفت کی مہر ثبت کردی تھی۔ میں نے سُنا ہے کہ ہندستان میں ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ

کے آخری چند ایام فتح و کامرانی میں گذرے ہیں۔ ہندستانی عوام کے دلوں پر یہ بات نقش کالحجر بن گئی تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن ان کے لئے سراپا خلوص بن کر آئے اور اپنی بے لوث محبت سے ان کے دلوں کو مسخر کر گئے۔ انھیں آزاد دہندگان اور مخلص دوست کا خطاب دیا گیا۔

پہلے ان کو دہلی میونسپلٹی کی طرف سے الوداعی سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اس میں شرکت کے لئے دونوں مہمان خصوصی چاندنی چوک کی اُن سڑکوں سے گذرے جہاں سے کوئی وائسرائے ۱۹۱۱ء سے آج تک نہیں گذرا ہے (۱۹۱۱ء میں یہیں لارڈ ہارڈنگ پر حملہ کیا گیا تھا) راستے بھر ان کو خوش آمدید کہا گیا، ان کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور جب وہ گاندھی گراونڈ پہنچے جہاں تقریباً ڈھائی لاکھ عوام کا اجتماع تھا تو نعرہ ہائے تحسین سے فضا گونج اُٹھی۔

شام کو ان کے اعزاز میں سرکاری تقریبات کا انتظام کیا گیا۔ اس موقع پر نہرو نے ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو جو خراج تحسین پیش کیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ انھوں نے پامیلا کو ان لفظوں میں یاد کیا۔ "پامیلا جو سیدھی اسکول سے ہندستان آگئی اور اپنی تمام تر دل آرائیوں اور دل فریبیوں کے ساتھ یہاں کی فسادزدہ اور پریشان کن فضا میں شباب کے زینے طے کرتی گئی" اور ماؤنٹ بیٹن سے مخاطب ہو کر انھوں نے کہا۔ جناب والا آپ یہاں اس سرزمین پر اپنی نیک نامیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ یہاں بہتوں کی نیک نامیاں اور شہرتیں خاک آلود ہوئیں لیکن آپ نے جس طمطراق اور اعزاز کے ساتھ اس سرزمین پر قدم رکھا تھا اس میں ذرا بھی فرق نہ آیا حالانکہ جب تک آپ یہاں قیام پذیر رہے فضا زہر آلود رہی۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔"

اس کے بعد نہرو نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو ہمدرد و غمخوار کا خطاب دیا اور کہا۔ "آپ جہاں بھی گئیں اپنے ساتھ ہمدردی، امید اور حوصلہ لے کر گئیں لہٰذا آپ کی اس مفارقت سے اگر ہندستانی عوام کے دل شکستہ اور حوصلے پست ہو رہے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں"۔

چار گھنٹہ قبل دہلی کے عوام نے جس محبت اور دوستی کا مظاہرہ کیا تھا اس کا حوالہ دیتے ہوئے نہرو نے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی

ماؤنٹ بیٹن کے دلوں پر کیا گذرا ہوگا لیکن میں بے حد متاثر ہوا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ہندستان کے اتنے مختصر قیام میں ایک انگریز شخص اور انگریز خاتون نے ہندستانی عوام کے دلوں میں کیسے گھر کرلیا۔ اس عرصے میں کامیابی نے بھی ہمارے قدم چومے لیکن غم اور آفت کا بھی سیلاب اُمنڈا۔ آپ کو بہت سے تحفے تحائف ملے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ عوام نے جس بے مثال محبت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جناب والا، آپ نے بچشم خود ملاحظہ فرمایا کہ محبت اور دردمندی کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔"

ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے دلوں پر اس تقریر کا بے پناہ اثر ہوا اور انھوں نے بھی جواب میں اپنے دلوں کے جذبات و احساسات سامنے رکھ دئے۔ اختتام رسم کے بعد تحفوں کی بارشیں شروع ہوگئیں۔ حکومت کی طرف سے دونوں معزز و محترم مہمانوں کو ایک ٹرے دی گئی جس میں تمام صوبوں کے گورنروں اور کابینہ کے وزیروں کے دستخط کندہ تھے۔ اس کے بدلے میں ماؤنٹ بیٹن نے شاہ انگلستان کی طرف سے حکومت ہند کو طلائی پلیٹ پیش کی۔ شاہ انگلستان نے اس تحفہ کو سارے انگریز مردوں اور خواتین کی طرف سے محبت و دوستی کی ایک علامت کہا۔ ڈنر کے بعد معزز مہمانوں کا شاندار استقبال کیا گیا جس میں چھ ہزار مہمان شریک ہوئے تھے۔

لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے ہندستان کو الوداع کہنے سے پہلے کروکشیتر اور پانی پت کے رفیوجی کیمپوں کا معائنہ کیا۔ ان کیمپوں میں آج بھی تقریباً تین لاکھ رفیوجی پناہ گزیں ہیں۔ ان کے ساتھ جو اے۔ ڈی۔ سی تھا اس نے مجھے یہ رپورٹ دی کہ اس نے ان کیمپوں میں جو روح فرسا مناظر دیکھے ویسے ہندستان کے کسی علاقے میں بھی نظر نہیں آئے۔ ہزاروں کی تعداد میں رفیوجیوں نے ان کو گھیر لیا اور اشکبار آنکھوں سے ان کو خیرباد کہا۔ دیگر کیمپوں کے رفیوجیوں نے آپس میں چندہ کرکے اپنے ایک رکن کے لئے ریلوے ٹکٹ خریدا اور وہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے لئے چند تحفے لے کر آیا۔

ان دعوتوں کے علاوہ دہلی کے تمام سفارت خانوں نے بھی ماؤنٹ بیٹن

اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو الوداعی دعوت دی۔ چینی سفیر جو عظیم اسکالر بھی ہیں قریب آئے اور اس تاریخی الوداعی منظر کو غور سے دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد معزز مہمانوں کو الوداع کہتے ہوئے انھوں نے ایک چینی شاعر کا یہ شعر پڑھا:-

"شگفتہ اور کھلے ہوئے شفتالو کے چشمہ کا پانی کتنا گہرا ہے
لیکن جب کوئی دوست داغِ مفارقت دیتا ہے
تو دلوں کے جذبات اس سے بھی زیادہ گہرے ہو جاتے ہیں"

باب ۲۹

اختتامیہ

(میں نے ۹ نومبر ۱۹۴۸ء کو رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیرز بمقام چیتھام ہاؤس اور زیر صدارت سر ہنری ہیگ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی ایک تقریر کی تھی جس کا عنوان تھا "ہندستان عہد تغیر میں"۔ میں یہی تقریر اختتامیہ کے طور پر قارئین کی سہولت کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ اس میں ہندستان کے عہد تغیر کا مکمل نقشہ ہے)

"شکسپیر نے تھین آف کوڈور کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے۔" اس کی زندگی میں حسرتناک اور روح فرسا گھڑی اس وقت آئی جب وہ رخصت ہو رہا تھا' اور آج یہی الفاظ برطانوی شہنشاہیت کے بارے میں حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہے ہیں .... یہ پل آیندہ نسلوں کے لئے عظیم اخلاقی سبق ہے —— یہ جنگ کے بغیر امن کا ایک معاہدہ ہے۔"

انڈین انڈیپنڈنس ایکٹ پر دارالامرا میں جو مباحثہ ہو رہا تھا اس وقت لارڈ سموئیل نے دو قوموں کی آزادی اور تخلیق پر مذکورہ بالا الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف کے ایک رکن کی حیثیت سے اس بے مثال انتقال

اختیارات میں مجھے حصّہ لینے کا جو ناقابلِ فراموش موقع دیا گیا وہ میری زندگی کا اہم جز و بن کر رہ جائے گا۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے وائسرائے کے عہدہ کا اعلان کرتے ہوئے مسٹر اٹیلی نے کہا تھا کہ میں اس طرح برطانوی ہند کی حکومت کی ذمہ داری کو ہندستانیوں کے ہاتھوں میں سونپ رہا ہوں جو ہندستان کے مستقبل کی شادمانی و کامرانی کی بہترین ضامن ہوگی۔ ساتھ ہی مسٹر اٹیلی نے تعین وقت کی ایک شرط رکھی۔ ان کے خیال میں جون ۱۹۴۸ء تک اختیارات منتقل کرنے اور معاہدہ پر پہنچنے کے لئے تعین وقت بہت ضروری ہے نیز انھوں نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ کانگریس اور مسلم لیگ یعنی ہندستان کی ان دونوں پارٹیوں کے لئے تعین وقت جادو کا کام کرے گا کیونکہ اس سے پہلے جو بھی قدم اٹھایا گیا وہ ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ تعین وقت دراصل اوائل جنگ میں حکومت برطانیہ کی اس پالیسی کا منطقی نتیجہ ہے جس کی روشنی میں انڈین سول سروس کے لئے بھرتی بند کردی گئی تھی۔ عام طور پر گیارہ سو سے زیادہ سول سروس کے اسیدواروں کو ملازمتیں نہیں ملتی تھیں لیکن نومبر ۱۹۴۶ء میں تعداد پانچ سو بیس رہ گئی۔

کم و بیش یہی فضا صوبوں میں بھی نظر آنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ برطانوی سینیر افسران کی تخمینت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ۱۹۴۹ء کے بعد ہندستان کے نظم و نسق پر قابو پانا برطانیہ کے لئے سرے سے ناممکن ہو جائے گا۔ اس بات پر بھی شبہ کا اظہار کیا گیا کہ اگر ہندستان کی دونوں بڑی پارٹیوں نے برطانیہ کی پالیسی کی مخالفت کی تو برطانیہ پولیس فورس میں اضافہ کر دے گا۔ یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ برطانوی شہنشاہیت کو قائم رکھنے کے لئے فوجوں سے مدد نہیں لی جاسکتی کیونکہ حکومت برطانیہ اور انگلستان کے عوام اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا انتقال اختیارات کے بارے میں جو پالیسی اختیار کرنا چاہتے تھے وہ یہ بھی کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک پلان تیار کر کے حکومت برطانیہ کے ساتھ اس پر بات چیت کرتے اور جنوری ۱۹۴۸ء تک ہندستانی لیڈروں کے سامنے پیش کر دیتے۔ ابھی وہ انگلستان ہی میں تھے کہ اس تجویز کو عجالت پسند تجویز قرار دیا لیا لیکن ہندستان میں قدم رکھتے ہیں وہ اس نتیجے پر

پہنچ گئے کہ صورت حال کا تقاضہ یہ ہے کہ اختیارات جتنے جلد منتقل کر دیے جائیں بہتر ہے۔ ہمیں ہندستان پہنچتے ہی ہندو مسلم کشاکش کا سامنا کرنا پڑا۔ اگست ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی طرف سے "راست قدم" کی تحریک چلائی جا چکی تھی۔ ملک گیر فسادات ہوئے اور فسادات کی چنگاریاں بھڑک گئیں۔ ان چنگاریوں نے بنگال اور بہار کو لپیٹ میں لے لیا۔ پھر لاہور کی فضا تشویشناک ہوئی۔ اس کے بعد صوبۂ سرحد کی۔ مسلم لیگی لیڈر مسٹر جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو پہلی ہی ملاقات میں متنبہ کر دیا تھا کہ اگر جلد از جلد قابلِ قبول سیاسی حل نہیں نکالا گیا تو وہ اپنی جانب سے صورت حال پر کنٹرول کرنے کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ کانگریسی لیڈروں کی طرف سے بھی ایسی ہی وارننگ ملی۔

۱۹۴۶ء میں سال بھر جس نام نہاد کیبنٹ مشن پلان پر گفت و شنید ہوتی رہی تھی اس پر مفاہمت نہ ہو سکی۔ یعنی ہندستان میں وحدانی طرز حکومت قائم کرنے کی یہ آخری کوشش تھی جس کی بنیاد صوبوں اور گروپوں پر رکھی گئی تھی۔ "گروپ اے" میں موجودہ نوآبادیاتی ہندستان کا نقشہ تھا اور "گروپ بی اور سی" میں علی الترتیب مغربی اور مشرقی پاکستان کا نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ لیکن "یہ عظیم نقشہ" تفصیلات کی بھینٹ چڑھ گیا۔

ہندستان میں ہماری آئینی اور انتظامی کامیابی کا سب سے بڑا راز اتحاد و یگانگت تھا لیکن مارچ ۱۹۴۷ء میں جب حالات ایک دم سے تشویشناک ہو گئے تو ہمارے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے پاکستان یا افراتفری۔ لارڈ اسمے نے ہماری پوزیشن کی مثال بیچ سمندر میں پھنسے ہوئے اس جہاز سے دی جس پر ہم قابض تو ہیں لیکن عرشہ شعلوں کی نذر ہو رہا ہے اور تہہ خانے میں جنگی سامان ہے۔ مسلم لیگی لیڈروں سے بات چیت کرنے کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اندازہ لگایا کہ اگر ہندو اکثریتی یونین کو اختیارات منتقل کئے گئے تو وہ اس تبدیلی کو قبول کرنے کی بجائے تقسیم ملک کا مطالبہ پر اصرار کریں گے اور ممکن ہوا تو خانہ جنگی سے بھی گریز نہیں کریں گے لیکن دوسری طرف کانگریس اتحاد

ویگانگت کا علم بردار ہونے کا اعلان کر رہی تھی ساتھ ہی اس کا یہ اصرار تھا کہ کسی غیر مسلم اکثریتی فرقہ کو اس کی رضامندی کے بغیر پاکستان میں شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اگر کانگریس کی یہ درخواست منظور کر لی گئی تو وہ تقسیم ملک پر اعتراض نہیں کرے گی۔ ماؤنٹ بیٹن کی تہتر دنوں کی ڈپلومیسی، عزم اور مسلسل جدوجہد کے بعد ۳ جون کا پلان اصولاً مان لیا گیا۔

پلان کی تین خصوصیات تھیں۔ اول یہ کہ تقسیم در تقسیم ہوئی۔ بنگال اور پنجاب کو ہندستان یا پاکستان میں شامل ہونے سے پہلے اپنی اپنی تقسیم کے فیصلے کا حق دیا گیا۔ مسٹر جناح نے اگرچہ اس اقدام کے المیہ کی طرف اشارہ کیا مگر وہ بھی اس منطق میں مزاحم نہ ہو سکے۔ کچھ دنوں تک تو بنگال میں علاحدگی کی تحریک چلتی رہی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ تحریک سرد پڑ گئی۔ تقسیم کی وجہ سے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان تقریباً آٹھ سو میل کا فاصلہ ہو گیا۔ دوئم یہ کہ اس پلان نے سکھوں کو بھی تقسیم کر دیا ــــ اس کی وجہ پنجاب کی تقسیم تھی۔ پنجاب کی تقسیم پر خود سکھ لیڈروں نے اصرار کیا تھا۔ ان کے رویہ کی اس شدت پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو تعجب بھی ہوا کیونکہ انھیں ناقابلِ تلافی نقصانات اٹھانا پڑے تھے تیسری خصوصیت تھی "درجہ نوآبادیات" کئی وجوہ کی بنا پر اس کی حکمت عملی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انگلستان واپس آنے کے فوراً بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا تھا ــــ "میرے علم میں آج ایسا کوئی ملک نہیں جس کا اپنا دستور ہو اور جس پر عمل ہو رہا ہو۔ لیکن جس میں حالات کے مطابق اور عوام کی خواہشات کے مطابق ترمیم بھی کی جا سکتی ہو۔"

یہ رہی پلان کی بات۔ اب برطانوی ہند کی تقسیم سے پیدا شدہ نتائج کی طرف آئیے۔ افواج ہند کی تقسیم کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے فوری طور پر قدم اُٹھایا گیا۔ نومبر تک فوجوں کو سبکدوش کرنے کے اس نازک اور پیچیدہ کام کے لئے سپریم کمان نے مناسب ہدایت دی ــــ یعنی ہندستان اور پاکستان میں باری باری مشترکہ دفاعی کونسل کی میٹنگ ہوا کرے اور جس کی صدارت لارڈ ماؤنٹ بیٹن کریں۔ اس کا فائدہ یہ بتایا گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی واپسی تک فوج کے اہم مسائل اس کونسل کی میٹنگ میں طے پا جائیں گے۔ داخلی مسائل مثلاً مالیات کے تبادلہ اور تقسیم سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کو حل کرنے کے لئے "تقسیم کی کونسل" بنائی گئی۔ ثالثی عدالت کا بھی قیام عمل میں آیا۔ اس کے قیام کا مقصد

یہ تھا کہ معاہدے کی جب کوئی صورت باقی نہ رہے تو یہ عدالت فیصلے دے سکتی ہے غرضیکہ بحث ومباحثوں کے باوجود تقسیم کے ان محرکات نے برق رفتاری سے اپنا کام شروع کر دیا۔

جناح کی تجویز پر دونوں مملکتوں کے لئے لارڈ ماؤنٹ کو گورنر جنرل بنائے جانے کی قانونی دفعہ بھی رکھی گئی۔ کچھ دنوں تک تو یہ تجویز قابلِ قبول نظر آتی رہی لیکن آخری لمحوں میں مسٹر جناح نے خود اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ بلاشبہ مسٹر جناح کو ایسا فیصلہ کرنے کا حق تھا لیکن مشترکہ گورنر جنرل کی صورت میں پاکستان کو فائدے پہنچ سکتے تھے۔

تقسیم ہند کا سب سے زیادہ خطرناک نتیجہ پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ من حیث المجموع ہندستان کے جغرافیہ اور آبادی کے لحاظ سے فسادات اگرچہ محدود تھے لیکن ان کی چنگاریاں دونوں ملکوں کے اہم مقامات میں پھیل گئی تھیں۔ عوام اپنے لیڈروں کے اس اقدام کے خلاف کہ وہ تقسیم ملک پر کیوں رضامند ہوئے مشتعل ہو گئے ان فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں ایک کروڑ بیس لاکھ ہندو، سکھ اور مسلمان گھر گئے تھے اور تقریباً نوے لاکھ عوام چشم زدن میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہونے لگے —— ان حالات میں اگر قحط پڑجاتا یا وبائیں پھوٹ پڑتیں تو نہ جانے فضا اور کتنی سنگین ہو جاتی۔ میں نے ایسے علاقوں کے اوپر سے پرواز کیا جہاں ساٹھ میل تک رفیوجیوں کا لامتناہی سلسلہ نظر آتا رہا۔ یہ رفیوجی تنگ سڑکوں سے گذر رہے تھے اور بیل گاڑیوں پر ان کے سامان لدے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے بھی لوگوں نے ہجرت کی ہے لیکن اس طرح اور اتنی تعداد میں نہیں۔ اس ہجرت کا ایک المناک پہلو یہ بھی تھا کہ جانے والے پھر واپس نہیں آسکتے تھے۔

پاکستان کو سب سے عظیم اور فوری خطرہ مغربی پنجاب میں پیش آیا۔ سرمایہ دار سکھوں کی جگہ لٹے لٹائے اور تنگ حال مسلمان مغربی پنجاب آگئے تھے —— اور ہندستان کو سنگین خطرہ دہلی میں نظر آیا —— دہلی جو ہولناک زلزلہ کا مرکز بنی ہوئی تھی تقسیم ملک سے کچھ دن پہلے ہی چار لاکھ رفیوجی ہندستان کے اس پایۂ تخت میں سیلاب بلا کی مانند اُمنڈ آئے تھے۔ اپنے ساتھ وہ تلخیاں بھی لائے اور مصائب و آلام بھی۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے جذبہ خدمت خلق اور اُن کے عزائم کی داد نہیں دی جا سکتی۔ انھوں نے رفیوجی

کیمپوں میں شب و روز کام کیا رفیوجیوں کی اخلاقی حالت کو سنوارا اور ان کے دلوں میں عزائم کی آگ بھڑکائی۔

یوم آزادی کے تین ہفتہ کے اندر اندر وزیر اعظم نہرو اور نائب وزیر اعظم پٹیل نے سیاسی پامردی کا ثبوت دیتے ہوئے نئے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو شملہ سے دہلی بلایا اور کابینہ کی ہنگامی کمیٹی کی صدارت کا بار اُن کے شانے پر رکھا۔ اس کمیٹی کے جلسے گورنمنٹ ہاؤس میں ہوتے رہے۔ کابینہ روزانہ صبح کو جمع ہوتی اور نقشہ کے کمرے میں جاتی اور جن جن علاقوں سے رفیوجیوں کی نقل و حرکت اور فسادات کی آگ بھڑکنے کی اطلاعات موصول ہوتیں نقشوں میں نشانات لگا دئے جاتے۔ کچھ دن گذر جانے کے بعد رفیوجیوں کی نقل و حرکت میں سست گامی آگئی۔ کیونکہ مرکزی اور پنجاب اور یوپی کی صوبائی حکومتوں نے سخت قدم اُٹھائے تھے۔ اگر حکومت کی طرف سے ذرا بھی کمزوری دکھائی جاتی تو پورے شمالی ہند میں فسادات کا لاوا پھوٹ پڑتا۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا بحران پر قابو پانے کے لئے تمام ممکنہ حفاظتی تدابیر کی گئی تھیں یا ان کی طرف سے اغماض برتا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے حسب ذیل امور کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

ایک بار جب لیڈروں نے تقسیم کو قبول کر لیا تو زیادہ دنوں تک دہلی میں عارضی کانگریس مسلم لیگ، مخلوط حکومت کو چلانا مشکل کام ہو گیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں بڑی مشکلوں سے اس عارضی حکومت کی تشکیل ہوئی تھی۔ اُدھر مارچ کے مہینے ہی سے حکومت ہند کے ایکٹ کی دفعہ ۹۳ کے تحت پنجاب میں حکومت کا نظم و نسق سنبھالا جا رہا تھا۔ لیکن اس آئین کے تحت مرکزی حکومت کے نظم و نسق چلانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ۳ جون کے بعد عارضی، حکومت الگ الگ ہو گئی۔ ہر حکومت اپنی متعلقہ خود مختار مملکت کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی۔

دونوں حکومتوں کی رضامندی سے سر ریڈکلف کو پنجاب، بنگال اور سلہٹ کی سرحدی حد بندی کے کام کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ لیکن ان کے کام کو متوقع خطروں سے بچانے کے لئے پنجاب میں اتنی فوجیں تعینات کی گئیں کہ اس سے پہلے اتنی فوجیں کبھی نہیں رکھی گئی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس کام کے لئے خصوصی

حد بندی فورس کا انتظام کیا گیا۔ یہ کام بہت مشکل نظر آ رہا تھا کیونکہ اکتوبر تک دونوں حکومتوں کو کمان سونپی جا رہی تھی۔

اگر ۱۵ اگست یعنی یوم آزادی سے پہلے فوجوں کی تقسیم عمل میں آجاتی تو بنگال اور کلکتہ کی تشویشناک فضا کا مقابلہ کرنے کے لئے گنجایش رکھنی پڑتی لیکن اتفاق کی بات کہ یہاں ایک "تیسری طاقت امن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگئی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ گاندھی کے اخلاقی اثر کا ایسا معجزہ دیکھنے میں آئے گا۔ ایک ماہر فن جنگ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ پنجاب کے حالات پر اس وقت قابو پایا جاسکتا تھا اگر فوجوں کی تعداد دگنی کر دی جاتی (جس کا مطلب آٹھ ڈویژن ہوتا ہے) اور وہ بھی اس صورت میں کہ فوج کا ایک فرد بھی فرقہ پرست نہ ہو۔

سکھوں نے الگ مظاہرے کرنا شروع کر دئے تھے۔ یہ لوگ مختلف گروہوں اور جتھوں میں منقسم ہو کر ہتھیاروں سے لیس ٹرینوں اور گاؤں پر بڑی ہوشیاری سے حملہ کرتے۔ در اصل یہ ایک قسم کی بغاوت تھی۔ سکھ لیڈروں کو گرفتار کرنے کی تجویز منظور کی گئی تھی لیکن بعد میں اس لئے مسترد کر دی گئی کہ کسی لیڈر کو گرفتار کرنے کا مطلب جذبۂ بغاوت و اشتعال انگیزی کو اور ہوا دینا تھا۔ پنجاب کا ہنگامہ درحقیقت سیلاب عظیم تھا لیکن پورے ہندستان کو نظروں کے سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سیلاب عظیم سے اس کی تین فیصد آبادی متاثر ہوئی۔ اس کا مقابلہ ۱۹۴۳ء میں بنگال کے قحط سے کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اخیر میں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ تقسیم ملک فرقہ وارانہ بحران کا سبب نہ تھا بلکہ فرقہ وارانہ بحران تقسیم ملک کا سبب بنا۔

تقسیم ملک کا اثر رجواڑوں کی پوزیشن پر بھی پڑا۔ ان کی تعداد پانچ سو پینسٹھ تھی۔ ان میں ایسی بھی چند ریاستیں تھیں جن کا مقابلہ یورپ کی قوموں سے کیا جاسکتا ہے ـــــ اور ایسی بھی جن کے والیوں کے پاس چند ایکڑ زمینیں تھیں۔ ان ساری ریاستوں کے والی برصغیر ہندستان کے ایک تہائی رقبہ پر حکمرانی کرتے تھے۔ ان کا تعلق برطانوی ہند سے نہ تھا بلکہ وہ براہِ راست معاہدہ کی رو سے برطانیہ کے زیر اثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ وائسرائے وسیع معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ یعنی وائسرائے کی دو حیثیتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ برطانوی ہند کا گورنر جنرل بھی ہوتا تھا اور ہندستانی رجواڑوں کا شاہی نمائندہ بھی۔ یہ رجواڑے

اگر متحد ہوتے تو صورت حال بالکل مختلف ہو جاتی۔ جب مارچ ۱۹۴۷ء میں ہم نے ہندستان کی سرزمین پر قدم رکھا ہم نے رجواڑوں کے اندر پھوٹ اور اَن بَن دیکھی — وہ اپنے داخلی جھگڑوں کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ۲۵ جولائی کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے شاہی نمایندہ کی حیثیت سے چیمبر آف پرنسس میں ان سے آخری بار خطاب کیا۔ انھوں نے سبھوں کو مشورہ دیا کہ وہ دونوں نئی مملکتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کریں۔

الحاق کا بنیادی اصول یہ تھا کہ ریاست کا حکمراں ہی اس سلسلے میں آخری فیصلہ کر سکتا تھا کیونکہ سارے اختیارات مطلق العنان حکمراں ہونے کی حیثیت سے اس کے ہاتھوں میں تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا گیا تھا کہ اس کی یہ مرضی ان شرائط کی پابند رہے گی — اگر ضرورت پڑی تو عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے استصواب کرایا جائے۔ جغرافیائی لحاظ سے ریاست اگر نئی حکومت (ہندستان یا پاکستان) کے متصل ہو تو اس کا خیال رکھا جائے وغیرہ۔ ریاستوں کے الحاق کے سلسلے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو شاندار کامیابی ہوئی۔ پانچ سو پینسٹھ ریاستوں میں تین کے علاوہ باقی ساری ریاستوں نے ۱۴ر اگست تک الحاق کر لیا۔ انھوں نے الحاق کے سلسلے میں جو دلائل پیش کیں وہ مان لی گئیں مثلاً انھوں نے کہا تھا کہ تیزی سے بدلتی ہوئی اس دنیا میں اگر والیانِ ریاست زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ان کو غور و فکر سے کام لینا ہوگا اور یہ کہ برطانیہ حاکمیت کی سرپرستی زیادہ دنوں تک قابلِ عمل نہیں ہو سکتی نیز ان کو دونوں مملکتوں کی سیاسی اور معاشی ارتباط میں نمایاں کام انجام دینا ہوگا۔

اس سلسلے میں کانگریس اور خصوصاً نائب وزیر اعظم سردار پٹیل کی تعمیری دور اندیشی اور تدبر کی بھی تعریف کرنا ضروری ہے۔ الحاق سے کانگریس کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔ الحاق کے بعد ہی ریاستوں کے انضمام کی پالیسی پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ رجواڑوں کے بہت سے بلاک تشکیل پائے۔ ان میں قابلِ ذکر اڑیسہ، مالوہ (جس میں گوالیار اور اندور بھی شامل ہیں) گجرات اور پھلکیاں ریاستوں کی یونین ہے۔ اس اہم کام کی تکمیل کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز پیش کی کہ والیانِ ریاست سیاسی اور سفارتی فرائض انجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان میں سے ایک کو مدراس کا گورنر بنایا گیا اور دوسرے کو اقوام متحدہ میں ہندستان کا نمایندہ بنا کر بھیجا گیا۔ حقیقت میں

یہ ایسا انقلاب ہے جس میں خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہا اور سیاسی کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے!

اب ان تین ریاستوں کا حال سُنئے جو ۱۵ اگست تک الحاق سے گریز کرتی رہیں۔ اس سلسلے میں جوناگڈھ پہلے نمبر پر ہے۔ ویسے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن اس نے جو نظیر پیش کی ہے اس کی وجہ سے اس کی اہمیت ہوگئی ہے۔ جوناگڈھ چھوٹی سی ریاست تھی اور اس کا رقبہ کل پانچ ہزار مربع میل تھا۔ اس کے مسلمان حکمراں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کی درخواست کی۔ لیکن اس کے اس عمل سے جغرافیائی اتصال اور فرقہ واری اکثریت کے اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی تھی۔ چنانچہ بہت دنوں تک پیچیدہ گفت وشنید ہوتی رہی اور بالآخر ہندستان نے اس پر قبضہ کرکے استصواب کرایا اور عوام نے ہندستان کے حق میں رائے دے کر قبضہ کی توثیق کردی۔

کشمیر کا مسئلہ بڑا ہی پیچیدہ ہے۔ جون میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن خود کشمیر تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا تھا کہ ۱۵ اگست سے پہلے وہ جو فیصلہ بھی کریں گے دونوں مملکتیں اس کو منظور کرلیں گی لیکن مہاراجہ نے اس مشورہ سے بے توجہی برتی۔ لیکن جب قبائلیوں نے (جو پاکستان کے صوبہ سرحد سے بڑھتے چلے آرہے تھے) حملہ کردیا تو مہاراجہ کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے ۲۶ اکتوبر کو ہندستان سے الحاق کرلیا۔ اس ریاست کا حکمراں ہندو تھا اور اس کے علاقے دونوں مملکتوں سے ملتے تھے لیکن اکثریت مسلمانوں کی تھی ـــــ! کشمیر کا الحاق تو ہوگیا لیکن پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔

کشمیر میں کشمیر ریاستی کانگریس تحریک کی سرگرمیاں بہت زور پکڑ چکی تھیں۔ اس کی قیادت ایک مسلمان کانگریسی شیخ محمد عبداللہ کررہے تھے۔ شیخ عبداللہ کی شخصیت ہندستان میں باا ثر اور کشش انگیز ہے۔ نہرو کے یہ قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ نہرو سے ان کی قربت اس لئے بھی گہری ہے کہ وہ خود کشمیری برہمن نژاد ہیں۔

فوجی نقطۂ نظر سے کشمیر ایسا علاقہ ہے جو دونوں ملکوں کے لئے اہم ہے اگر اس علاقے میں دونوں ملکوں کے درمیان زیادہ دنوں تک رسہ کشی جاری رہی تو پورے برصغیر کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ افواج ہند کی تقسیم

سے دونوں ملکوں کی عسکری پوزیشن کمزور ہو گئی ہے ۔ حالات نے جلد ہی یہ ثابت کر دیا کہ کشمیر لوہے کا چنا ہے جو دونوں ملکوں کو پریشان کر سکتا ہے ۔ ہندستان خصوصاً اس اعتبار سے نازک پوزیشن میں ہے کہ کشمیر کے تحفظ کے لئے اس کو زیادہ سے زیادہ فوج بھرتی کرنی ہوگی اور یہ کام انتہائی مشکل ہے کیونکہ ہندستان سے کشمیر تک جانے کے راستے مسدود ہیں اور مواصلات کا انتظام ناقص ہے۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں جبکہ حالات انتہائی تشویشناک ہو گئے تھے ہندستان نے اقوام متحدہ میں اپیل کی درخواست کر دی اور یوں یہ مسئلہ بین الاقوامی صورت اختیار کر گیا۔ یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ بن گیا ہے کہ بآسانی حل نہیں کیا جا سکتا۔ ایک لحاظ سے کشمیر کا سوال دونوں ملکوں کے وقار، جذبہ اور مفاد کا سوال بن کر رہ گیا ہے۔ یہی وہ سوال تھا جو تقسیم ملک کو ناگزیر بنا کر رہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان جب بھی کوئی قضیہ شروع ہوا اس کی بنیاد میں یہی جذبہ کارفرما رہا۔ آسام، پھر صوبہ سرحد اور پھر بنگال ۔ یکے بعد دیگرے یہ صوبے دونوں سیاسی جماعتوں کے درمیان تنازعہ کا سبب بنے۔ اس کے علاوہ دونوں حکومتیں اپنے مقاصد اور نصب العین میں سختی سے کاربند رہیں۔ پاکستان کے سامنے انصاف اور معاشی ضرورت کا سوال رہا اور ہندستان کے سامنے آئینی حق اور سیاسی حسنِ عمل کا۔

تیسری اور غالباً سب سے زیادہ اہم ریاست جو الحاق سے گریز کرتی رہی وہ بھی حیدرآباد کی ریاست۔ اس کا حکمراں مسلمان چلا آرہا تھا اور ۸۶ فیصد آبادی ہندوؤں کی تھی۔ جغرافیائی لحاظ سے حیدرآباد ہندستان کے قلب میں واقع ہے۔ نظام کے درجۂ خصوصی کے پیش نظر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ان کے ساتھ معاہدۂ قائمہ پر گفت وشنید کرنے کا اختیار دیا گیا۔ لیکن غالباً جوناگڈھ اور کشمیر کے حالات کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ بیرون ملک سے حمایت کا اعلان کیا جائے گا نظام ٹالتے رہنے والی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔

اکتوبر کے اختتام میں نظام کے مصدقہ وفد نے جس میں ان کے وزیر اعظم اور آئینی مشیر سر والٹر مونکٹن بھی شامل تھے معاہدہ قائمہ کے بنیادی مضمون کو منظور کر لیا۔ اس کے بعد دونوں نظام کے دستخط لینے حیدرآباد گئے۔ نظام کی دستور ساز اسمبلی نے بھی

رسماً اس معاہدہ کی منظوری دے دی لیکن نظام نے دستخط کرنے کے لئے چند گھنٹوں کی مہلت مانگی۔ اس اثناء میں وفد کے اراکین کو جو دہلی واپس جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے اتحاد المسلمین جیسی انتہا پسند جماعت کے افراد نے ان کو جسمانی آزار پہنچائے۔ صبح کو جب وفد کے اراکین نے نظام سے ملاقات کی تو وہ اپنی رائے بدل چکے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ سارے اراکین مستعفی ہوگئے۔ نظام نے اس خیال کے تحت کہ حکومت ہند سے پہلے ہی ان کو اتنی ساری مراعات مل گئی ہیں نیا وفد مقرر کیا جس میں سارے اراکین اتحاد المسلمین کے تھے۔

اس اوٹ پٹانگ ڈرامہ کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی کا یہ دم خم تھا کہ انھوں نے گفت وشنید کو جاری رکھا۔ نئے وفد کی تقرری سے حکومت ہند خوش نہ تھی لیکن انھوں نے حکومت کو منظوری دینے پر رضامند کرلیا البتہ انھوں نے وعدہ کیا کہ معاہدۂ قائمہ کے ایک سکتہ (کوما) کی تبدیلی بھی وہ برداشت نہیں کریں گے۔ نومبر میں معاہدہ قائمہ اسی شکل میں نظام کے سامنے پھر پیش ہوا اور اس پر انھوں نے دستخط کردئے۔ ایک ماہ کی مہلت تو انھیں مل گئی لیکن اس طریق کار سے حکومتِ ہند کا اعتماد انھوں نے کھو دیا۔

معاہدہ قائمہ ایک سال کے لئے جائز قرار دیا گیا لیکن اس عرصے میں معاہدے کی عملاً خلاف ورزی ہوتی رہی۔ مثلاً حیدرآباد نے آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت کو مختلف طریقوں اور عمل سے اُجاگر کیا۔ پاکستان کو قرض دینے کی پیشکش کی گئی اور ریاستی کانگریسی لیڈروں کو مقدمہ چلائے بغیر جیل خانے میں ٹھونس دیا گیا۔ لیکن سب سے زیادہ شرانگیزی اور اشتعال انگیزی اتحاد المسلمین اور خاکساروں کے سربراہ قاسم رضوی نے پھیلائی۔ مئی ۱۹۴۸ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے میں نے حیدرآباد کا دورہ کیا تھا اور قاسم رضوی سے ملا تھا۔ میرا خیال ہے ڈینزگ نازی فاسٹر کے بعد یہی وہ تشدد پسند لیڈر ہیں جن سے میں ملا ہوں۔

ہندستان نے بھی ریاست کی ناکہ بندی کردی — طبی سامان روک لیا گیا۔ اس نوعیت کی رکاوٹیں صوبائی سطح پر ہو رہی تھیں۔ مرکزی حکومت کا اس میں کوئی ہاتھ نہ تھا اس لئے اس مداخلت کو بند کرنے میں اُس نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

اس کے بعد کمیونسٹوں کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ ان کا مقصد فریقین کو پریشان کرنا اور ریاست میں انتشار پھیلانا تھا۔

برطانیہ نے حیدرآباد کے حق آزادی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ۱۹۲۶ء میں لارڈ ریڈنگ نے نظام کے نام اپنے مشہور مکتوب میں واضح کردیا تھا کہ حیدرآباد کے ساتھ برطانیہ کا رشتہ حاکمیت کا ہے۔ لہٰذا یہ توقع رکھنا نامناسب بات تھی کہ جانشین حکومت جس میں حیدرآباد کے اعزہ واقربا شامل ہیں اس چیز کو منظور کرلیں گے جس کو برطانیہ مسلسل مسترد کرتا آیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندستان کو خدا حافظ کہتے کہتے حیدرآباد اور ہندستان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے کوئی فارمولا تیار کرلیں گے لیکن افسوس کہ اس میں کامیابی نہ ہوسکی۔ ان کی واپسی کے تین ماہ بعد پولیس ایکشن ہوا اور ہندستان نے حیدرآباد پر قبضہ کرلیا۔

اس بارے میں ہندستان کی ڈپلومیسی بھونڈی رہی۔ اس نے اس سلسلے میں اخیر وقت تک جو قدم بھی اٹھایا وہ افسوسناک ہے۔ ہندستان پر ہر طرف سے سخت نکتہ چینی کی گئی لیکن اتنا ماننا پڑے گا کہ نظام کو زیادہ مہلت دینے کا مطلب رضوی کی تحریک کو آگے بڑھانا ہوتا۔ ہندستان کی مداخلت سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ فرقہ وارانہ تشدد کی چنگاریاں پھیل نہ سکیں اور پورے جنوبی ہند میں سیاسی استحکام پیدا ہوگیا۔

شکست خوردہ نظام بہرحال اپنی فراست سے خاندان کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ جیسا کہ ہندستان کے رجواڑوں کا دستور رہا ہے نظام کی سب سے بھیانک غلطی یہ تھی کہ وہ دنیا کے معاملات سے بے نیاز ہوکر ریاست کی فضا میں گوشہ گیر ہوگئے، یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ملک ہوئی تو وہ اس کا مطلب سمجھ نہ سکے۔

انتقالِ اختیارات انقلابی صورت حال کا بے مثال ردعمل تھا۔ انقلابات جب بھی اور جہاں بھی رونما ہوئے ہیں انتشار پھیل گیا ہے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی کامیابی کا زبردست راز اس بات میں پوشیدہ ہے کہ انھوں نے ایسا حل پیش کیا جو فوری انقلابی بحران کے باوجود عوام کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ثابت ہوا اور ماضی اور مستقبل کے درمیان اہم رشتہ اتحاد بنا۔

لیکن اس عظیم اور انقلابی تبدیلی کے فوراً بعد ہی دونوں ملکوں کی فضائیں سوگوار ہو گئیں — ہندستان میں گاندھی اور پاکستان میں جناح نے داعی اجل کو لبیک کہا — یہ دونوں عظیم اور برگزیدہ قومی لیڈر ان تھے۔ میں گاندھی کی اخلاقی اور روحانی افضلیت کا اندازہ تو نہیں لگا سکتا لیکن ان کی جیسی سیاسی ہمہ گیری اور شخصی مقناطیسیت کی مثالیں تاریخ کے صفحات میں مشکل سے ملیں گی۔ اپنے خیالات و احساسات کو عوام کے دلوں میں اتارنے کا ان کو حیرت انگیز گر معلوم تھا عوام سے ان کا براہ راست رشتہ تھا۔ ان کی پرارتھنا میٹنگ اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہندستان کے ہر مکتب خیال کے لوگوں سے خط و کتابت بھی کرتے تھے۔

لیکن جناح کو یہ اعلیٰ منصب عوامی زندگی کی وجہ سے نہیں ملا۔ عوام سے ان کا رابطہ نہ تھا۔ انھوں نے اپنے مخالفین کی غلطیوں سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا۔ وہ ان غلطیوں کو اپنی پوری قوت سے اجاگر کرتے تھے اور اپنے اس عمل میں سنگ گراں ثابت ہوتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اپنے واحد نصب العین کے لئے جنگ کی ساٹھ سال کی عمر میں انھوں نے پاکستان کی تحریک شروع کی اور ستر سال کی عمر میں ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اس لحاظ سے ان کی شخصیت عجیب و غریب ہے۔ گاندھی کی طرح جناح بھی برطانوی آئین کی اصلاح اور نظریہ میں ڈوبے رہتے تھے لیکن انھیں درحقیقت حکومت کے نظم و نسق سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

دونوں ملکوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ہندستان میں جواہر لال نہرو اور پاکستان میں لیاقت علی خاں جیسے اعلیٰ پائے کے مدبر اور سیاست داں ہیں۔ ان کا مقابلہ مشرق اور مغرب کے کسی بھی اونچے سے اونچے سیاست داں سے کیا جا سکتا ہے۔

ہندستان میں کانگریس کے خلاف دایاں بازو بھی ہے اور بایاں بازو بھی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے عہد میں ہندو مہاسبھا جو ہندوؤں کی فرقہ وارانہ جماعت ہے ہمیشہ تخریبی سرگرمیوں میں سرگرم عمل رہی لیکن ۳ جون کے پلان کو ناکام بنانے میں ہندوؤں کے جذبات کو ابھارنے میں اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ رفتہ رفتہ اور خصوصاً گاندھی کے قتل کے بعد اس کی سرگرمی کا دھارا رک گیا کیونکہ عوام اس سے برگشتہ ہو گئے تھے۔

جے پرکاش نرائن کی قیادت میں سوشلسٹ جماعت مواقع سے فائدہ نہ اٹھاسکی کیونکہ اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا تھا کہ وزارت سازی میں یہ حکومت کا ہاتھ بٹائے یا دستور ساز اسمبلی میں حزب مخالف کی حیثیت سے کام کرے۔ اس حیص بیص میں نتیجہ یہ ہوا کہ کمیونسٹ منظر عام پر آگئے۔ یہ لوگ وہ تھے جنھوں نے زمانۂ جنگ میں اس وقت حکومت برطانیہ سے تعاون کیا تھا جب کانگریس ہائی کمان جیل میں سڑ رہی تھی۔ لیکن تقسیم کے فیصلے اور خصوصاً بنگال میں فرقہ پرست جذبات کی بیداری سے کمیونسٹوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ ان کی تحریک کلکتہ کے افلاس زدہ محلّوں اور مِل کے علاقوں میں چلتی تھی اور انھوں نے ہندستان کی تقسیم کے خلاف آسمان کو سر پر اٹھالیا تھا۔

انتقال اختیارات کے بعد کمیونسٹوں کی سرگرمیاں بنگال سے جنوبی ہند کی طرف بڑھنے لگیں۔ ۱۹۴۸ء میں یہاں ایک کانفرنس ہوئی جس میں جنوب مشرقی ایشیا سے بہت سارے نمایندوں نے شرکت کی تھی۔ کانگریس کو کمیونسٹوں سے اس وقت تک خطرہ ہے جب تک یہ لوگ عوام کی تنگ دستی اور فاقہ مستی سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

مسلمانوں کے لئے ایک جدا مملکت بناکر اگر پاکستان نے تحریک حاصل کی ہے تو انڈین یونین سیکولر جمہوریت کی داغ بیل ڈال رہی ہے۔ انڈیا قطعی ہندو مملکت نہیں ہے کیوں کہ اس میں اَسی لاکھ عیسائیوں، ساٹھ لاکھ سکھوں اور دیگر چھوٹے چھوٹے فرقوں کے علاوہ خود چار کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ اس کے علاوہ گاندھی بھی ہندو مسلم اتحاد کی بھینٹ چڑھ گئے

دستورِ ہند مغربی منشور آزادی کا زبردست امتزاج ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دستور میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے اس میں ہندستانی طرز زندگی کے حقائق نہیں ملتے اس کے باوجود وسعت نظری مجروح نہیں ہوتی ہے۔ اس میں برطانوی خیال و نظر کا اثر بھی ہے اور فرقہ پرستی کے خلاف شدید جذبۂ منافرت بھی ہے۔ اس دستور نے آٹھ کروڑ اچھوتوں کے دلوں میں اُمید کے نئے چراغ روشن کئے ہیں جو صدیوں سے نفرت و حقارت کے گھورے میں رہ کر اپنی زندگی گذارتے آرہے تھے یہ بات معنی خیز ہے کہ نہرو کی کابینہ میں ڈاکٹر امبیدکر جیسی ممتاز شخصیت کو بھی رکھا گیا ہے جنھوں نے نہ صرف دستور سازی میں کارہائے نمایاں انجام دئے بلکہ جو

اچھوتوں کے مشہور لیڈر بھی ہیں۔

ابتدائی آفتوں اور مشکلات کے باوجود پاکستان نے اقتصادی لحاظ سے زبردست ترقی کی ہے۔ اس کی بنیاد مستحکم ہوگئی ہے۔ پاکستان کے اول بجٹ میں خوراک اور پٹ سن وافر رہا۔ لیکن ہندستان ابتدا ہی سے افراط زر کا شکار ہو گیا ہندستان نے اشیاء پر سے کنٹرول ختم کرکے بنیادی غلطی کی ہے۔ یہ غلطی گاندھی کے خیال کا نتیجہ ہے۔ اشیاء پر دوبارہ کنٹرول کرنا پڑا لیکن جو قدم اُس وقت اُٹھایا گیا جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔

دولت مشترکہ کی رکنیت سے بہت پہلے ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی بالغ نظری، جودت طبع اور فہم و ادراک سے ہندستان اور برطانیہ کے تعلقات کو بہت حد تک استوار کر دیا تھا۔ ان تعلقات کی بنیاد اتنی مستحکم اور مضبوط تھی کہ ہم توقع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہم میں سے جن لوگوں نے آزادی کی تقریبات میں شرکت کی۔ انھوں نے محسوس کیا ہے کہ تاریخ میں ایسی عظیم مصالحت کبھی نہیں دیکھی گئی۔ تابعداری کا نفرت انگیز خیال اب سر سے نکل گیا ہے۔

نہرو کے الفاظ میں "برطانیہ اور ہندستان بنیادی لحاظ سے تہذیب کا سرچشمہ ہیں۔ ہم اب دوست ہیں اور مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ اگر کبھی ہماری اس دوستی میں بیگانگی کا خیال پیدا ہوا تو اس سے بڑھکر حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ خیرسگالی کا یہ جذبہ ہماری دن رات کی بے شمار محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسی کایا پلٹ ہے جس میں پوری کائنات کے مستقبل کی ترقی اور اتحاد کا نیک شگون پوشیدہ ہے۔

ضمیمہ

(مندرجۂ ذیل ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کا وہ اعلان ہے جو عام طور پر ۳ جون پلان کے نام سے زیادہ مشہور رہے۔ اس کی بنیاد پر ہندستان کی تقسیم عمل میں آئی اور ہندستان و پاکستان کی نوآبادیات کو اختیارات منتقل کئے گئے)

ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کا اعلان

دیباچہ

۱۔ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ نے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو ہندستانیوں کے ہاتھوں میں جون ۱۹۴۸ء تک اختیارات منتقل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس ارادے کا اعلان کرتے ہوئے ہز میجسٹی کی گورنمنٹ نے اُمید ظاہر کی تھی کہ بڑی بڑی جماعتیں ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے کیبنٹ مشن پلان کو روبکار لانے میں تعاون کریں گی اور ایسے دستور کی تشکیل کریں گی جو سبھوں کے لئے قابل قبول ہو۔ لیکن یہ اُمید پوری نہ ہو سکی۔

۲۔ مدراس، بمبئی، یوپی، بہار، سی پی اور برار آسام، اڑیسہ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نمایندوں کی اکثریت اور دہلی، اجمیر، مرداڑا اور کورگ کے نمایندوں نے نئے دستور کی تشکیل میں خاصہ کام کیا۔ لیکن مسلم لیگ پارٹی نے جس میں بنگال، پنجاب، سندھ اور برطانوی بلوچستان کے نمایندوں کی اکثریت

ہے دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

۳۔ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ اختیارات ہندستانی عوام کی مرضی کے مطابق منتقل کئے جائیں یہ اقدام یقیناً کامیاب ہوتا بشرطیکہ ہندستان کی سیاسی جماعتیں متفقہ طور پر کسی فیصلے پر پہنچ جاتیں۔ لیکن جب سیاسی جماعتیں کوئی فیصلہ نہ کرسکیں تو ہندستانی عوام کی مرضی معلوم کرنے کے لئے خود ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کو قدم اٹھانا پڑا۔ چنانچہ ہندستان کے سیاسی لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد ہز میجسٹی کی گورنمنٹ نے مندرجہ ذیل پلان کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ وضاحت کردینا چاہتی ہے کہ وہ ہندستان کے آخری وحتمی دستور کو تشکیل دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ یہ کام ہندستانیوں کا اپنا ہے ـــ نہ ہی اس پلان میں متحدہ ہندستان کے لئے ہندستان کی سیاسی جماعتوں سے گفت وشنید کرنے کی کوئی تجویز ہی رکھی گئی ہے۔

۴۔ موجودہ دستور ساز اسمبلی کے کام میں ہز مجسٹی کی گورنمنٹ دخل دینا نہیں چاہتی۔ اب جبکہ بعض صوبوں کے لئے گنجائش رکھدی گئی ہے ہز مجسٹی کی گورنمنٹ اُمید کرتی ہے کہ اس اعلامیہ کی روشنی میں ان صوبوں کے مسلم لیگی نمایندے جن کے نمایندوں کی اکثریت پہلے ہی سے اس میں شریک ہے کام کرنا شروع کردیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ اس اسمبلی میں جو دستور بھی تشکیل پائے گا اس کو ملک کے ان حصوں پر نافذ نہیں کیا جاسکتا جو اس کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کو اس بات پر اطمینان ہے کہ ذیل میں جو طریقہ پیش کیا جارہا ہے وہ ایسے علاقوں کے عوام کی خواہشات معلوم کرنے میں معاون ثابت ہوگا کہ کیا ان کا دستور (الف) موجودہ دستور ساز اسمبلی میں تشکیل پائے یا (ب) نئی دستور ساز اسمبلی میں جس میں ان علاقوں کے نمایندے شامل ہوں جو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کریں۔

اس کام کے مکمل ہوجانے کے بعد ہی فیصلہ کیا جاسکے گا کہ اختیارات کس کو منتقل کئے جائیں۔

بنگال اور پنجاب

۵۔ بنگال اور پنجاب کی صوبائی اسمبلیوں کو (یورپی ممبروں کو الگ کرکے) دو

الگ الگ حصوں میں کارروائی انجام دینے کے لئے کہا جائے گا۔ مثلاً ایک حصّہ میں مسلم اکثریت ضلعوں کے نمائندے ہوں گے اور دوسرے میں صوبہ کے دیگر نمائندے۔ ضلعوں کی صحیح آبادی کا اندازہ لگانے کے لئے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار سامنے رکھے جائیں گے۔ بنگال اور پنجاب کے صوبوں میں مسلم اکثریتی ضلعوں کا نقشہ اس اعلان کے ضمیمہ میں دیا گیا ہے۔

۶۔ ہر دستور ساز اسمبلی کے دو مختلف حصص کے ممبروں کو اس بات کا حق دیا جائے گا کہ وہ صوبوں کی تقسیم کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ یعنی آیا صوبوں کو تقسیم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر تقسیم کی حمایت میں معمولی اکثریت فیصلہ کرتی ہے تو ایسی صورت میں فریقین کو تقسیم کیا جائے گا اور اس کے لئے اس کی روشنی میں قدم اُٹھایا جائے گا۔

۷۔ تقسیم کے سوال پر فیصلہ ہونے سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر حصّے کے نمائندوں کو پیشگی آگاہ کر دیا جائے کہ بالفرض اگر دونوں حصّے متحد رہنا چاہیں تو ایسی صورت میں صوبہ کس دستور ساز اسمبلی کا ساتھ دے گا۔ لہٰذا دو اسمبلیوں میں سے ایک اسمبلی کا رکن بھی یہ مطالبہ پیش کرتا ہے تو (یورپین ممبروں کے علاوہ) دستور ساز اسمبلی کے تمام اراکین کا مشترک جلسہ ہوگا جس میں یہ فیصلہ لیا جائے گا کہ اگر اسمبلی کے دونوں حصے صوبہ کو متحدہ رکھنے کا فیصلہ کریں تو صوبہ کس دستور ساز اسمبلی کا ساتھ دے گا۔

۸۔ اگر فیصلہ تقسیم کے حق میں ہوا تو دستور ساز اسمبلی کا ہر حصہ فیصلہ کرے گا کہ مذکورہ پیرا ۸ کے کس متبادل کو منظور کیا جائے۔

۹۔ تقسیم کے سوال پر فیصلہ کن قدم اُٹھانے کے لئے بنگال اور پنجاب کی دستور ساز اسمبلیاں مسلم اکثریتی ضلعوں اور غیر مسلم اکثریتی ضلعوں کے لحاظ سے دو حصوں میں منعقد ہوں گی۔ یہ ایک طرح کا عارضی قدم ہوگا کیونکہ ان صوبوں کی حتمی تقسیم کے لئے حد بندی تحقیقات کی تفصیلات ضروری ہوں گی۔ جونہی ان صوبوں کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا جائے گا گورنر جنرل فوراً حد بندی کمیشن کا قیام عمل میں لائیں گے لیکن رکنیت اور مسائل زیر بحث متعلقہ صوبوں سے مشورہ کرنے کے بعد طے کئے جائیں گے۔ پنجاب کے دو حصوں کی سرحدات کی حد بندی کے لئے کمیشن کو یہ ہدایت دی جائے گی کہ وہ

حد بندی کرتے وقت مسلم اور غیر مسلم علاقوں کی اکثریت کو پیش نظر رکھے ۔ نیز دیگر امور بھی پیش نظر رکھنے کی ہدایت کی جائے گی ۔ بنگال حد بندی کمیشن کو بھی اسی نوعیت کا ہدایت نامہ جاری کیا جائے گا ۔ اس وقت تک وہی عارضی سرحدیں جو ضمیمہ میں دکھائی گئی ہیں زیر استعمال رہیں گی جب تک حد بندی کمیشن کی رپورٹ پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا ہے ۔

سندھ

۱۰۔ سندھ کی دستور ساز اسمبلی بھی (یورپی اراکین کو الگ کر کے) اپنی خصوصی میٹنگ میں مذکورہ پیرا ۹ کے متبادل پر فیصلہ کرنے کی مجاز ہے

شمال مغربی صوبہ سرحد

۱۱۔ صوبہ سرحد کی پوزیشن ان باتوں سے مستثنیٰ ہے ۔ کیونکہ اس صوبہ کے تین نمائندوں میں سے دو نمائندے موجودہ دستور ساز اسمبلی میں موجود ہیں لیکن اس کی جغرافیائی پوزیشن اور دیگر حالات کے پیش نظر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر پنجاب کا کل یا کوئی حصہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں عدم شرکت کا فیصلہ کرتا ہے تو صوبہ سرحد کو اپنی پوزیشن پر نظر ثانی کرنے کا موقع دیا جائے گا ۔ نیز ایسی صورت میں صوبہ سرحد کی دستور ساز اسمبلی کے انتخاب کنندہ کی رائے لی جائے گی تاکہ وہ یہ بتائیں کہ پیرا ۴ کی کس متبادل کو وہ قبول کرنا چاہتے ہیں، رائے شماری گورنر جنرل کی زیر سرپرستی اور صوبائی حکومت کے مشورے سے کرائی جائے گی ۔

برطانوی بلوچستان

۱۲۔ برطانوی بلوچستان نے اپنا رکن منتخب کر لیا ہے لیکن موجودہ دستور ساز اسمبلی میں اس نے اپنی نشست نہیں سنبھالی ہے ۔ اس صوبہ کو بھی اپنی جغرافیائی پوزیشن کے پیش نظر اس بات کا موقع دیا جائے گا کہ وہ مذکورہ پیرا ۴ کے کس متبادل کا انتخاب کرتا ہے ۔ گورنر جنرل اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ اس سلسلے میں کیا مناسب قدم اٹھایا جائے

آسام

۱۳۔ اگرچہ صوبہ آسام میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں لیکن ضلع سلہٹ میں جو بنگال سے ملا ہوا ہے مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے۔ چنانچہ یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ بنگال کی تقسیم کے موقع پر سلہٹ کو مسلم بنگال کے ساتھ ضم کر دیا جائے۔ لہٰذا اگر بنگال کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا تو گورنر جنرل کی زیر پرستی اور آسام کی صوبائی حکومت کے مشورے سے ضلع سلہٹ میں رائے شماری کرائی جائے گی تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ سلہٹ کو صوبہ آسام کا ایک حصہ رکھا جائے یا ایسٹ بنگال کے نئے صوبہ کے ساتھ اس کو ضم کر دیا جائے۔ اگر نتیجہ ایسٹ بنگال کے ساتھ ضم کرنے کا نکلا تو پنجاب اور بنگال سے ملتے جلتے مسائل زیر بحث کی روشنی میں حد بندی کمیشن کا قیام عمل میں آئے گا اور جو ضلع سلہٹ اور ملحق ضلعوں کے اکثریتی مسلم علاقوں کا تعین کر کے ایسٹ بنگال کو منتقل کر دے گا۔ صوبہ آسام کا بقیہ حصہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کی کارروائیوں میں حسب معمول شرکت کرتا رہے گا۔

دستور ساز اسمبلیوں میں نمائندگی

۱۴۔ اگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا تو ہر دس لاکھ کی آبادی میں ایک نمائندے کے انتخاب کے لئے از سر نو انتخابات کرائے جائیں گے۔ یہ اصول تفصیل سے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے کیبنٹ مشن کے پلان میں درج ہیں۔ سلہٹ میں بھی ایسے ہی انتخابات کرائے جائیں گے بشرطیکہ اس ضلع کو ایسٹ بنگال میں ضم کرنے کا فیصلہ ہو جائے۔ ہر علاقے کے نمائندوں کی تعداد حسب ذیل ہوگی

صوبہ	غیر مسلم	مسلم	سکھ	میزان
ضلع سلہٹ	۱	۲	×	۳
مغربی بنگال	۱۵	۴	×	۱۹
مشرقی بنگال	۱۲	۲۹	×	۴۱
مغربی پنجاب	۳	۱۲	۲	۱۷
مشرقی پنجاب	۶	۴	۳	۱۲

۱۵۔ فرمان کے مطابق مختلف علاقوں کے نمائندے یا تو موجودہ دستور ساز اسمبلی یا نئی دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنے کا مجاز ہوں گے۔

انتظامی امور

۱۶۔ کسی بھی تقسیم کی وجہ سے انتظامیہ پر جو اثرات ہوں گے ان کی روشنی میں جلد از جلد گفت و شنید کا آغاز

(الف) الگ الگ جانشین حکام کے نمائندوں کے درمیان مرکزی حکومت کے تمام محکموں بشمول دفاع، خزانہ اور مواصلات کے بارے میں کیا جائے گا۔

(ب) مختلف جانشین حکام اور ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ کے درمیان اس وقت ہوگا جب انتقال اختیارات کی وجہ سے معاہدے کئے جائیں گے۔

(ج) صوبوں کی تقسیم کی صورت میں ہوگی۔ مثلاً اس وقت ملکیت، قرضوں، پولیس اور دیگر سروسوں، ہائی کورٹ، صوبائی اداروں وغیرہ کی تقسیم کا سوال اُٹھایا جائیگا۔

صوبہ سرحد کے قبیلے

۱۷۔ ہندستانی صوبۂ سرحد کے قبائل کے ساتھ معاہدوں کی گفت و شنید موزوں و مناسب جانشین حاکم اعلیٰ کو کرنی ہوگی۔

ریاستیں

۱۸۔ ہزمیجسٹی کی گورنمنٹ یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ مذکورہ فیصلے صرف برطانوی ہند سے متعلق ہیں لیکن ریاستوں کے بارے میں ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے کیبنٹ مشن کی یادداشت میں جو پالیسی درج کی گئی ہے وہ غیر متبدل رہے گی

برق رفتاری کی ضرورت

۱۹۔ جانشین حکام اعلیٰ کو اختیارات قبول کرنے میں چونکہ وقت درکار ہوگا اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مذکورہ طریقہ ہائے کار کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا

دیا جائے۔ تاخیر سے بچنے کے لئے مختلف صوبے یا صوبوں کے حصے پلان کی شرائط پوری کرتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو سکے گا آزادانہ اور جداگانہ کام کریں گے۔ موجودہ دستور ساز اسمبلی یا نئی دستور ساز اسمبلی (اگر تشکیل پا گئی) اپنے اپنے متعلقہ علاقوں کے لئے اور اپنے طور پر آئین بنائے گی۔

فوری انتقال اختیارات

۲۰۔ بڑی بڑی اور اہم سیاسی جماعتوں نے بارہا اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ہندستان کو جلد از جلد اختیارات منتقل کر دئے جائیں۔ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے جون ۱۹۴۸ء تک خود مختار حکومت یا حکومتوں کو اختیارات منتقل کر دے گی۔ اس خواہش کی تکمیل ایک ہی صورت میں کی جا سکتی ہے اور جو قابل عمل بھی ہے کہ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ سال رواں کے موجودہ سیشن میں درجۂ نوآبادیات کی بنیاد پر ایک یا دو حکومتوں کو انتقال اختیارات کے لئے قانون نافذ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ہندستان کی دستور ساز اسمبلیوں کو اس بات کا حق دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہے تو برطانوی دولت مشترکہ میں رہے یا نہ رہے۔

گورنر جنرل کی طرف سے مزید اعلان

۲۱۔ مذکورہ انتظامات کو زیر عمل لانے میں اگر ضرورت پڑی تو گورنر جنرل وقتاً فوقتاً مزید اعلانات کرتے رہیں گے۔

ضمیمہ

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی رُو سے پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریتی اضلاع۔

۱۔ پنجاب

لاہور ڈویژن ــــ گجرانوالہ۔ گورداسپور۔ لاہور۔ شیخوپورہ۔ سیالکوٹ
راولپنڈی ڈویژن ــــ اٹک۔ گجرات۔ جہلم۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ شاہ پور۔
ملتان ڈویژن ــــ ڈیرہ غازی خان۔ جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری۔
ملتان۔ مظفر گڈھ۔

۲۔ بنگال

چاٹگام ڈویژن ــــ چاٹگام۔ نواکھالی۔ ٹپرہ
ڈھاکہ ڈویژن ــــ باقر گنج۔ ڈھاکہ۔ فرید پور۔ میمن سنگھ
پریسیڈنسی ڈویژن ــــ جیسور۔ مرشد آباد۔ ندیا۔
راج شاہی ڈویژن ــــ بوگرہ۔ دیناج پور۔ مالدہ۔ پبنہ۔ راج شاہی۔ رنگ پور

وائسرائے ہاؤس
نئی دہلی
۳ جون ۱۹۴۷ء

مولانا عبدالباری ندوی سابق پروفیسر فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کی

چار معرکۃ الآرا تصنیفات

تجدیدِ دین کامل

جس میں بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی ہر طرح کی فلاح و صلاح کا مدار پورا پورا مسلمان ہونے پر ہے جس کیلئے ہماری دینی کوتاہیوں اور بیماریوں کی ایسی آسان اور کارگر تدبیریں بتلادی گئی ہیں کہ پورا پورا مسلمان بن جانا ہر شخص کے لئے بالکل اپنے اختیار میں ہے اور محرومی کا بجز محرومی کے کوئی عذر نہیں رہ جاتا بس قدم اٹھا کر چل پڑنا ہے۔ (بڑی سائز ۔ ۴۰۰ صفحات ۔ قیمت نو روپے پچھتر پیسے)

تجدید تصوّف و سلوک

جس میں تصوف کے متعلق ہر قسم کی علمی و عملی غلطیوں اور غلط فہمیوں کو دور کرکے بتلایا گیا ہے کہ حقیقی تصوف در اصل کمال اسلام اور کمال ایمان کے سوا کچھ نہیں ہے اور بے صوفی بنے اسلام کی دنیوی و اخروی انفرادی اور اجتماعی برکات و ثمرات کا حاصل ہونا عملاً ناممکن ہے۔ (زیر طبع) بڑی سائز ۳۳۶ صفحات مجلد قیمت آٹھ روپے پچھتر پیسے)

تجدید معاشیات

جس میں معاشیات کے نو پیدا نظریوں اور نعروں سے مرعوب ہوئے بغیر خالص اسلامی و ایمانی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ رزق و معاش کا مسئلہ در اصل کوئی مسئلہ نہیں۔ جو فرد یا سماج (مسلمان ہی نہیں غیر مسلمان) بھی ان تعلیمات پر کم زیادہ جتنا بھی عمل کرے جائیگا اتنا ہی انشاء اللہ دن رات کے معاشی غم و غصہ کی جہنم سے دنیا ہی میں اپنے کو ضرور بچالے گا۔ بڑی سائز ۔ ۴۰۰ صفحات ۔ مجلد قیمت نو روپے پچھتر پیسے

تجدید تعلیم و تبلیغ

خالص اسلامی بنیادوں پر بہترین قوم (خیر امۃ) بنانے کی تعلیمی و تبلیغی تجدیدات و تدابیر جو ہر فرد انسان کو ظاہری و باطنی طور پر بہترین مسلمان اور کامل انسان بنانے کا یہ تعلیمی و تبلیغی نظام نسلی و وطنی قومیتوں اور سیاسی و معاشی خیال پرستیوں (آئیڈیالوجیوں) کی جہنم سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔

بڑی سائز ۔ ۴۴۰ صفحات مجلد قیمت چھ روپے؟